پہاڑوں کا بیٹا



ملک احمد سرور

پہاڑوں کا بیٹا



ملک احمد سرور

طٰہٰ پبلی کیشنز قارئین کی خدمت میں اسلامی، ادبی و سیاسی حوالے سے معتبر کتب پیش کر کے داد و تحسین پا چکا ہے۔ اب ہم جہاد کے موضوع پر نوجوانوں کیلئے ایک اچھوتا ناول لائے ہیں۔ قارئین کا اعتماد ہی ہمارا منافع ہے۔

(ادارہ)



جملہ حقوق محفوظ

اشاعت : اگست 2001ء

اہتمام : محمد کفیل احمد

کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل

قیمت : 90روپے

بیرون ملک : 5 امریکی ڈالر

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

اسٹاکسٹ: **البدر** پبلی کیشنز 23- راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

انتساب

اپنے بڑے بھائی محمد سائیں مرحوم کے نام
جو عالمِ جوانی میں عالمِ فانی سے
عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے
اور
اپنی محبتوں کی یادیں آنسوؤں کی صورت میں
ہماری آنکھوں میں چھوڑ گئے

میں برادر ملک احمد سرور کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے ناول ''پہاڑوں کا بیٹا'' شائع کرنے کا موقع دیا ہے۔ میں نے اس ناول کی شہرت کا تو بہت سنا تھا مگر اس کے پرتجسس' نہایت دلچسپ' ایمان افروز اور ولولہ انگیز ہونے کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ اس ناول کے انتہائی دلچسپ ہونے کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ غلطیاں لگانے کے لئے پڑھتے ہوئے میں اس میں اس طرح کھو گیا کہ بے شمار غلطیاں لگانا ہی بھول گیا۔ میں نے اپنے حساب سے غلطیاں لگا کر دوسرا پروف ملک احمد سرور صاحب کو پڑھنے کے لئے دیا تو ان کا کہنا تھا کہ آپ نے پانچواں حصہ بھی غلطیاں نہیں لگائیں اور یہ سب کچھ ناول کے دلچسپ ہونے کے باعث ہوا۔

مجھے امید ہے کہ نئے قارئین اسے پسند کریں گے اور اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

محمد عفیف طہٰ

(ناشر)



پیغام مجاہد

روسی مداخلت کے بعد افغان عوام جن لامتناہی مصائب کا شکار ہوئے' اس حوالے سے میں پاکستانی دانشوروں' علماء' راہنماؤں اور قوم کے خیر خواہوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ افغانستان میں ہم لوگوں نے بچوں کی تربیت پر توجہ نہ دی' ان کو دین اور جہاد کے بارے میں کچھ بتایا نہ پڑھایا جبکہ روس نواز اور دین دشمن اساتذہ اور سیاسی راہنماؤں نے طلبہ میں لادینیت پھیلانے کے لیے دن رات کام کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانستان میں روسی فوج در آئی' جس کے نتیجہ میں پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد شہید' پانچ لاکھ سے زیادہ اپاہج اور پچاس لاکھ سے زیادہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ افغانستان کے باغات' چراگاہیں' دیہات اور شہر برباد ہو گئے۔ پاکستانی قوم کو ہم سے سبق سیکھنا چاہئے اور اپنے بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے بصورت دیگر ان کا حشر ہم سے مختلف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ملک احمد سرور کا ناول ''پہاڑوں کا بیٹا'' نوجوان طلبہ میں جذبہ جہاد بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ملک احمد سرور پچھلے 9 سال سے جہاد افغانستان پر لکھ رہے ہیں اور وہ متعدد مرتبہ افغانستان میں مجاہدین کے درجنوں محاذ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ سینکڑوں مجاہدین اور کمانڈروں سے مل چکے ہیں۔ میرے علم کے مطابق ''پہاڑوں کا بیٹا'' جہاد افغانستان پر نوجوانوں کے لیے اپنی نوعیت کا واحد ناول ہے' جس میں جہاد کی صحیح عکاسی کی گئی ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پڑھایا جائے۔



الحاج مولوی جلال الدین حقانی

حرفِ تشکر

1990ء میں جب پہلی بار ''پہاڑوں کا بیٹا'' شائع ہوا تو مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ یہ اس قدر مقبولیت حاصل کرے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہر عمر کے افراد نے اسے پسند کیا' مقبوضہ کشمیر اور بھارت میں یہ زیادہ ہی مقبول ہوا' بنگلہ دیش میں یہ ناول بنگالی زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ گزشتہ دس سالوں میں کئی ممالک بالخصوص بھارت اور مقبوضہ کشمیر سے ان گنت خطوط موصول ہوئے ہیں' اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کروں' کم ہے۔ میں خطوط لکھنے والے احباب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے خط لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔ بوجوہ گزشتہ تین چار سال سے یہ ناول بازار میں دستیاب نہ تھا جبکہ طلب موجود تھی۔ میں برادر محمد عفیف طٰ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے خصوصی دلچسپی لے کر اس ناول کا تازہ ایڈیشن کمپیوٹر کتابت پر شائع کیا ہے۔ پروف ریڈنگ میں کافی احتیاط برتی گئی ہے' پھر بھی غلطیوں کا امکان موجود ہے' امید ہے کہ قارئین اگر کوئی غلطی پائیں گے تو اس کی نشاندہی کریں گے تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے دور کیا جا سکے۔ آخر میں گزارش ہے کہ قارئین اپنی دعاؤں میں مجھے اور پبلشر کو ضرور یاد رکھیں۔ شکریہ

ملک احمد سرور
18 جولائی 2001ء
فون: 7730166

حرفِ آغاز

27 دسمبر 1979ء کو روس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کے بارے میں اخبارات میں آنے لگا تو میں بھی دوسرے لاکھوں پاکستانیوں کی طرح اسے محض پراپیگنڈہ سمجھتا تھا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ روسیوں کے خلاف جنگ آزادی لڑ کر وطن کو آزاد کرانا ناممکن ہے کیونکہ اس وقت تک فلسطینیوں کی ناکام جدوجہدِ آزادی کی مثال میرے سامنے تھی۔

1982ء میں ڈاکٹر عابد شریف صاحب مجھے اپنے ساتھ افغانستان لے گئے۔ میں محاذِ جنگ پر مجاہدین کے ساتھ تقریباً دو ہفتے رہا۔ اس دوران میں مجاہدین کو قریب سے دیکھنے اور ان کی جدوجہد کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا تو یہ لوگ مجھے عام لوگوں سے منفرد نظر آئے بلکہ یہ کہوں گا کہ مجھے ان کے چہروں میں طارق بن زیاد' خالد بن ولید' محمد بن قاسم' محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی صورتیں نظر آئیں۔ وہ نہتے جس طرح روس کی جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج کا مقابلہ کر رہے تھے' وہ ایک ناقابل یقین حقیقت تھی۔ اگر میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا تو شاید کبھی یقین نہ کرتا۔

1982ء کے بعد میں متعدد مرتبہ افغانستان گیا اور افغان مجاہدین کے ناقابل یقین کارنامے دیکھے اور سنے۔ کئی نوعمر مجاہدوں سے بھی ملا اور ان کے کارنامے سنے۔ 1986ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طالب علم اور میرے دوست زبیر خان بابر شہید نے مجھے اسلامی جمعیت طلبہ کے رسالے ''پیغام ڈائجسٹ'' کے لیے جہادِ افغانستان پر کہانی لکھنے کے لیے کہا۔ وہ ان دنوں ''پیغام ڈائجسٹ'' کے مدیر تھے۔ یہ کہانی انہی کے اصرار پر شروع کی۔ شروع میں یہ بہت مختصر کہانی تھی اور ''پراسرار دھماکے'' کے نام سے ''پیغام ڈائجسٹ'' میں شائع ہوئی۔ افغان مجاہدین کی بے مثال قربانیوں اور جرأت و ہمت پر مبنی واقعات بہت بڑی تعداد میں میرے پاس جمع تھے۔ دوستوں کے اصرار پر ان تمام واقعات کو نوجوان طلبہ کے لیے ایک ناول کی صورت میں مرتب کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں

''پہاڑوں کا بیٹا'' کے نام سے جو ناول مرتب ہوا اور اردو زبان کے مختلف جرائد میں قسط وار شائع ہوا' وہ کتابی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اس ناول کے کچھ حصے ایک عربی مجلّہ بھی ترجمہ کر کے شائع کر چکا ہے۔

میں کوئی ادیب نہیں ہوں' اس لیے غلطیوں کا امکان ہے' اگر کسی جگہ آپ کوئی غلطی پائیں تو آگاہ کیجئے تاکہ اسے دُور کیا جا سکے۔ ناول پسند آئے تو میرے لیے ہدایت اور مجاہدین اسلام کے لیے کامیابی کی دعا کیجئے گا۔

آخر میں' میں ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ کہانی لکھنے پر مجھے اُکسایا' ان میں مرحوم زبیر خان بابر شہید' ڈاکٹر احسان اللہ خان ترین' ظہور الدین بٹ' ڈاکٹر ابوالحسن (جھنگ)' ڈاکٹر احمد سعید (فیصل آباد) اور دوسرے دوست شامل ہیں۔ میں کمانڈر اور مجاہد خان ولی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے جہادِ افغانستان کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات فراہم کیں۔

ملک احمد سرور

مکان نمبر 5' گلی نمبر 20 راشد روڈ

چودھری پارک بلال گنج لاہور' 54000

12 اپریل 1990ء

ضروری نوٹ

ناول میں جہاں جہاں بھی لفظ ''روس'' آیا ہے اس سے مراد سابق ''سویت یونین'' ہے اور روسی مسلمانوں سے مراد وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں اور شمالی قفقاز کے مسلمان ہیں۔ ترکستان سے مراد وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر مشتمل علاقہ ہے۔



یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جو سرسبز درختوں سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کی پشت پر فلک بوس پہاڑ تھے۔ ان پہاڑوں کو بھی درختوں کے سبز رنگ نے پوری طرح سبز بنایا ہوا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک بستی کے کھنڈرات تھے اور بستی کے شمال کی طرف ایک پہاڑی نالہ بہتا تھا۔ پہاڑی کے سامنے دور دور تک لمبے لمبے درختوں کا جنگل تھا اور اس کے پار وسیع و عریض میدان تھا۔ دور سے دیکھنے پر پہاڑی پہاڑوں سے الگ معلوم نہیں ہوتی تھی۔ پہاڑوں پر جگہ جگہ زرخیز زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات تھے جن میں کبھی یہاں کے رہنے والے جوار اور مکئی بویا کرتے تھے۔ پہاڑی کی پشت پر مجاہدین کے کوہ دوز غار نما مورچوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑی کے ایک طرف درختوں کے ایک جھنڈ میں طیارہ شکن توپ نصب تھی۔ اس توپ کو مجاہدین دوشکا کا نام دیتے تھے۔ اس توپ پر ایک نوعمر مجاہد مورتھ۔ اس کا نام علی خان تھا۔ اس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ ایک ماہ قبل ہی اس نے اس طیارہ شکن توپ سے دشمن کا ایک طیارہ مار گرایا تھا۔ علی دوشکا کے علاوہ راکٹ لانچر چلانے کا بھی ماہر تھا۔

آج سے چند سال پہلے جب اس کا ملک افغانستان آزاد تھا تو علی خان اپنے والدین اور ایک چھوٹی بہن صائمہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا گھر بہت خوبصورت تھا۔ مکان کے سامنے کافی بڑا صحن تھا۔ صحن میں انگور اور انار کے پودے لگے ہوئے تھے اور صحن کی چار دیواری کو سپیدار کے ہرے ہرے' لمبے لمبے درخت گھیرے ہوئے تھے۔ گاؤں سے تھوڑی دور ان کی زمین تھی۔ زمین پہاڑ کے دامن میں واقع تھی اور قریب ہی سے پہاڑی نالہ گزرتا تھا۔ زمین کے ایک حصہ پر اناروں اور شہتوت کا باغ تھا۔ باقی حصہ پر علی کا والد گندم اور مکئی اُگایا کرتا تھا۔ زمین کے ایک طرف پہاڑ کے دامن میں پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے کھیتی باڑی کے لیے پانی استعمال کیا جاتا تھا۔

علی سکول میں پڑھتا تھا۔ جب سکول سے واپس آتا تو کھیتوں میں اپنے والد کے ساتھ کام کرتا اور گرمیوں میں وہ شہتوت کے درختوں کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر سکول کا کام کرتا۔ گاؤں سے جب اُس کا کوئی دوست آ جاتا تو اسے وہ شہتوت یا پھر انار ضرور کھلاتا لیکن سب سے زیادہ خوش وہ اس وقت ہوتا جب گرمیوں میں بارش ہوتی اور پہاڑی نالے میں پانی بھر جاتا تو پھر وہ نالے میں اپنے

دوستوں کے ساتھ گھنٹوں نہاتا رہتا۔

صائمہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس لئے سب اس سے بہت پیار کرتے۔ جب وہ طرح طرح کی شرارتیں کرتی تو سب اس کی شرارتوں سے خوش ہوتے۔ علی کی ایک پھوپھی بھی تھی جو اُن کے گاؤں سے بہت دور رہتی تھی۔ ایک دن صبح ہی صبح اس کی پھوپھی ان کے گھر آ پہنچی تو اسے دیکھ کر سب ہی حیران اور پریشان ہو گئے۔ اس کے ساتھ اس کا سات سالہ بیٹا خلیل تھا اور ایک بکری اور بکری کا چھوٹا سا خوبصورت بچہ۔

علی کی پھوپھی نے علی کے ابو کو دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ علی کے ابو نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور پوچھا کہ بہن تیرے ساتھ کیا ظلم ہوا کہ تو روئے جا رہی ہے' کیا خلیل کے باپ نے تجھے مارا ہے یا تجھے گھر سے نکال دیا ہے؟ علی کی پھوپھی نے بتایا کہ نہیں بھائی! نہ تو مجھے خلیل کے ابا نے مارا ہے نہ گھر سے نکالا ہے۔ میرے ساتھ جو ظلم ہوا وہ ظالم روسیوں نے کیا ہے۔ یہ کہتے ہی ایک دفعہ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

علی کا باپ جانتا تھا کہ جب سے روسیوں نے اس کے ملک پر قبضہ کیا ہے' افغانستان کا ہر فرد وحشی روسیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہے اور ہر فرد کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ جس گاؤں میں بھی روسی فوجی داخل ہوتے ہیں اس گاؤں کے مردوں' عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے ہیں' مسجدوں کو شہ اور گاؤں کے مکانوں کو آگ لگا دیتے ہیں۔

علی کی پھوپھی نے روتے ہوئے بتایا کہ پچھلے ہفتے روسیوں نے ہمارے گاؤں پر حملہ کیا۔ ٹینکو اور بکتر بند گاڑیوں سے گاؤں کا محاصرہ کر لیا اور روسی فوجی گھر گھر تلاشی لینے لگے۔ کلاشنکوف رائفلو سے مسلح کئی روسی فوجی ہمارے گھر بھی گھس آئے۔ تلاشی کے دوران میں گھر کی کئی قیمتی چیزیں انہو نے اپنی جیبوں میں رکھ لیں اور پھر ایک روسی درندہ میری طرف بڑھا۔ میرے گلے میں پہنا ہ چاندی کا ہار اُتارنے لگا۔ میں نے اسے دھکا دے کر پرے پھینک دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرایا اور رہ کلاشنکوف سے مجھ پر گولی چلانے لگا تو خلیل کے باپ نے جھپٹ کر اُس سے رائفل چھین لی اور اُ قتل کر دیا۔ اتنے میں دوسرے روسی فوجیوں نے اپنی گولیوں سے خلیل کے ابو کو چھلنی کر دیا اور خلیل کا بھائی بھی ان کی گولیوں سے شہید ہو گیا۔ میں خلیل کو لے کر بڑی مشکل سے بچ نکلنے میں کامیا ہوئی۔ روسیوں کی کئی گولیاں میرے کانوں کے پاس سے گزریں لیکن ہماری زندگی باقی تھی' اس بچ گئے۔ بڑی مصیبتوں کے بعد یہاں پہنچی ہوں۔ اگر یہ بکری نہ ہوتی تو شاید سفر کے دوران میں بھوک سے مر جاتے۔ اتفاق سے گولیوں کے شور سے ڈر کر یہ بکری بھی گاؤں سے ہمارے پیچھے بھاگ

آئی اور سفر کے دوران میں جب بھوک لگتی تو بکری کا دودھ دوھ کر پی لیتے۔

خلیل کی امی پر ہونے والے ظلم کو سن کر سب کو بہت دُکھ ہوا۔ علی کے ابو نے خلیل کی امی کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''میری بہادر بہن! صبر کر' اس ملک کی کتنی عورتیں ہیں جن کے خاوندوں اور بچوں کو روسیوں نے شہید نہیں کیا۔ سارا افغانستان رو رہا ہے مگر روسی بہت ظالم ہیں۔ انہوں نے روس کے اندر بھی لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور مسجدوں کو شراب خانوں اور ناچ گھروں میں بدل ڈالا۔ قرآن مجید اور اسلامی کتابیں جلا دیں اور اب روسی فوج یہی کچھ ہمارے وطن میں کر رہی ہے۔''

روسی فوج کے ظلم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر علی کے گاؤں میں ابھی روسی فوج داخل نہیں ہوئی تھی لیکن دوسرے صوبوں میں جو ظلم ہو رہا تھا اس کی بازگشت علی کے گاؤں میں بھی سنی جا رہی تھی۔ علی کا باپ اپنی بہن کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ صائمہ جو بہت چھوٹی تھی ان پریشانیوں سے آزاد بکری کے بچے کے ساتھ سارا سارا دن کھیلتی رہتی۔ خلیل بھی صائمہ کے ساتھ ہوتا۔

وہ دونوں بکری اور اس کے بچے کو چرانے پہاڑوں پر لے جاتے۔ خلیل اور صائمہ جلد ہی آپس میں گھل مل گئے۔ وہ کبھی باغ میں چلے جاتے اور کبھی پہاڑی نالے پر پتھروں سے گھروندے بناتے رہتے۔ کبھی آپس میں لڑ بھی پڑتے مگر جلد ہی صلح کر لیتے۔ دونوں کی پیاری پیاری شرارتوں کو دیکھ کر سب گھر والے خوش ہوتے اور خلیل کی امی آہستہ آہستہ اپنا غم بھولنے لگی' مگر ہر نماز کے بعد اپنے وطن کی آزادی کے لیے دعا ضرور کرتی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ خلیل اور صائمہ دونوں گھر روتے ہوئے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بکری کا بچہ تھا جس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ صائمہ اور خلیل کے کپڑے خون سے سرخ ہو چکے تھے اور بکری کا بچہ مر چکا تھا۔ اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور بکری ان دونوں کے پیچھے چیختی چلاتی آ رہی تھی۔ وہ کبھی اِدھر بھاگتی کبھی اُدھر اور کبھی اپنے بچے کو دیکھتی۔ اس بے زبان کی آنکھوں میں آنسو آئے ہوئے تھے۔ اگر وہ بول سکتی تو ضرور پوچھتی کہ میرے بچے کو کس نے قتل کیا ہے' اس کا کیا قصور تھا؟ وہ اپنی آنکھوں سے کبھی صائمہ اور کبھی خلیل کی طرف دیکھتی جیسے پوچھ رہی ہو کہ صائمہ اور خلیل تو میرے بچے سے بہت پیار کرتے تھے' پھر انہوں نے میرے بچے کو کیوں قتل ہونے دیا۔ صائمہ اور خلیل روئے جا رہے تھے۔ انہیں بکری کے بچے سے بہت پیار تھا۔

خلیل کی امی نے خلیل کو چپ کراتے ہوئے پوچھا کہ بیٹا اسے کس نے مارا ہے تو صائمہ بول پڑی: ''پھوپھی جان! یہ پہاڑ پر ہم سے دور جا کر چر رہا تھا۔ میں اور خلیل بھائی کھیل رہے تھے کہ ایک

دھماکہ ہوا۔ ہم دونوں ڈر گئے۔ بکری بھاگ کر ہمارے پاس آ گئی۔ جس جگہ دھماکہ ہوا وہاں بہ
زیادہ گرد اڑی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں اور خلیل وہاں پہنچے تو بکری کا بچہ خون میں تڑپ رہا تھا۔ ہمیں یہ
پتا نہیں کس نے قتل کیا۔ ہمیں تو وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔"

سب گھر والے پریشان تھے کہ آخر بکری کا بچہ کس طرح قتل ہوا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آ
بکری کے بچے کو دفنا دیا گیا۔ جب بچہ دفنایا جا رہا تھا تو صائمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی
نے اسے چپ کرانا چاہا تو صائمہ نے کہا:

"امی! اب میں کس کے ساتھ کھیلوں گی؟"

اُس کی امی نے کہا: "بیٹی! میں تجھے اور بکری کا بچہ خرید کر لا دوں گی۔"

خلیل جو ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اُس نے کہا: "مگر ممانی جان! یہ بکری اپنے بچے کے بغیر کیسے رہے گی"

یہ سن کر صائمہ کی امی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

علی پاس ہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ وہ اس وقت پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا
بڑا ذہین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دھماکہ کس چیز سے ہوا۔ ابھی تو روسی بھی اس گاؤں
نہیں آئے تھے اور کوئی جنگی جہاز بھی اُڑتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی بہت
سوال پوچھے مگر اس کا باپ بھی کوئی جواب نہ دے سکا۔

گھر میں سب پریشان بیٹھے ہوئے تھے کہ گلی میں شور اُٹھا' علی اور اُس کا باپ اُٹھ کر باہر آ
دیکھا کہ کچھ لوگ گاؤں کے ایک نوجوان آدمی کو اُٹھائے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ اُس آدمی
ماتھے اور ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ علی اور اُس کا باپ بھی اُس آدمی کے گھر پہنچے۔

تھوڑی دیر بعد اس آدمی کو ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ وہ کھیتوں سے گاؤں کی طرف آ ر
کہ راستے میں ایک خوبصورت گھڑی دیکھی۔ اس نے اسے جونہی جھک کر اٹھایا' ایک دھماکہ ہ
وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

علی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی تین انگلیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ ر
کہ گھڑی اُٹھانے سے دھماکہ کیسے ہو گیا۔ وہاں پر موجود افراد اُس سے طرح طرح کے سوالات ک
رہے تھے مگر وہ ایک ہی جواب دے رہا تھا کہ بھائی! میں نے تو گھڑی ہی اٹھائی تھی۔ اُس کی ب
پر کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

ایک بوڑھے نے کہا کہ نے تو آج تک نہیں سنا کہ گھڑی اٹھانے سے دھماکہ ہو جاتا
ضرور کسی سے لڑ کر آیا ہے۔

دوسرے نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر گھڑی اٹھانے سے دھماکے ہوتے
تو بھلا لوگ گھڑیاں کیوں پہنتے۔

یہی باتیں کرتے لوگ وہاں سے اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ علی اور اس کا باپ بھی
گھر واپس آ گئے۔ علی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو! کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے' اس آدمی کا ہاتھ بھی
دھماکے سے زخمی ہوا اور ہماری بکری کا بچہ بھی دھماکے سے ہلاک ہوا' ہمیں اس پر سوچنا چاہئے کہ یہ
دھماکے کیسے ہوتے ہیں۔

علی کے باپ نے اُسے سمجھایا کہ بیٹا جو بات بڑوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی' وہ تمہارے سوچنے
سے تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گی' اس لیے آرام سے جا کر سو جاؤ۔

سونے سے پہلے بڑی دیر تک علی ان دھماکوں پر غور کرتا رہا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ صائمہ اور
خلیل بکری کے بچے کے ہلاک ہونے سے کافی اداس تھے اور صائمہ نے رات کو کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ
رات گئے تک اپنی امی سے بکری کے بچے کا ذکر کرتی رہی اور ذکر کرتے کرتے ہی سو گئی۔ صبح اٹھ کر صائمہ
کی امی نے دیکھا کہ بکری نے بھی رات کو کچھ نہیں کھایا تھا اور چارہ اس کے سامنے ویسے ہی پڑا تھا۔

دوسرے دن صبح کے وقت علی اپنے کھیتوں سے ہو کر ویسے ہی پہاڑ پر چڑھا تو اُس نے دیکھا کہ
کچھ دور ایک آدمی زمین پر لیٹا ہوا ہے۔ جب قریب جا کر دیکھا تو وہ اس کا دوست احمد گل تھا۔ وہ بے
ہوش تھا اور اس کے ایک بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پورا ہاتھ بازو سے الگ ہو چکا تھا۔ اُس نے اس
کے بازو پر پٹی باندھی اور اُسے اُٹھا کر اپنے باغ میں لے آیا۔

اتنے میں اس کا باپ بھی وہاں پہنچ گیا۔ علی نے اسے ساری بات بتائی۔ تھوڑی دیر بعد علی اور
اس کے باپ کی کوششوں سے احمد گل ہوش میں آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ پہاڑ پر سیر کرنے آیا تھا کہ
اُس نے ایک قلم دیکھا' جونہی اُس نے قلم اُٹھایا' دھماکہ ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

اسی دن دوپہر کے وقت صائمہ اور خلیل گھر سے نکلے اور دونوں پہاڑ پر اُسی جگہ کھیلنے کے لیے آ
گئے جہاں بکری کا بچہ ہلاک ہوا تھا۔

وہ بڑی دیر تک اس جگہ کو دیکھتے رہے کہ صائمہ کی نظر چند گز دور ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ وہ
ایک بہت ہی خوبصورت گڑیا تھی۔ اس نے خلیل کو بھی بتایا اور پکڑنے کے لئے گڑیا کی طرف دوڑی۔
جونہی اُس نے گڑیا کو اُٹھایا ایک زبردست دھماکہ ہوا اور صائمہ یدزخمی ہو کر بے ہوش ہو گئی۔
خلیل گھبرا گیا اور چیختا ہوا گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ جب صائمہ کا ابو پہاڑ پر پہنچا تو اس نے دیکھا
کہ صائمہ کا ایک بازو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرا پڑا تھا۔ چہرے اور گردن پر بھی گہرے زخم آئے تھے اور

بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر گھر لایا تو گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔

کئی دنوں بعد علی اور اس کا باپ زخمی صائمہ کو لئے برف پوش پہاڑوں اور خطرناک جنگلات سے گزرتے اور روسی فوجیوں سے چھپتے ہوئے مجاہدین کے ایک اڈے پر پہنچے۔ مجاہدین نے صائمہ کو ایک گاڑی میں سوار کیا اور فوراً ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر نے صائمہ کے زخموں کو دیکھنے کے بعد مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ بچی کو فوراً ہسپتال لے آتے تو بچانا آسان تھا' پھر بھی ہم پوری کوشش کرتے ہیں' شاید بچ جائے۔

تین دن بعد صائمہ کو ہوش آیا۔ اپنے بھائی اور باپ کو دیکھا۔ علی نے جب صائمہ کو آنکھیں کھولتے دیکھا تو بہت خوش ہوا اور بازار سے صائمہ کے لئے جو کھلونے خرید کر لایا تھا وہ صائمہ کے سامنے رکھے' ان میں ایک پلاسٹک کی گڑیا بھی تھی۔ گڑیا صائمہ کا پسندیدہ کھلونا تھا لیکن اب یونہی اس نے گڑیا کو دیکھا وہ چیخ مار کر دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ ڈاکٹر چیخ سن کر دوڑا آیا۔ اس نے آکر بہت کوشش کی کہ صائمہ ہوش میں آجائے مگر تمام کوششیں بیکار گئیں اور چند گھنٹوں بعد جب ڈاکٹر نے بتایا کہ صائمہ کی روح جنت شہدا کی طرف پرواز کر گئی ہے تو علی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ جب علی اور اس کا باپ کچھ سنبھلے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ بکری کا بچہ اور صائمہ دونوں بارودی کھلونوں جنہیں کھلونا بم بھی کہتے ہیں' سے شہید ہوئے ہیں۔ یہ بہت ہی خطرناک ہتھیار ہے جو روس' افغان قوم کی نئی نسل کو قتل کرنے یا پھر اپاہج بنانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی ہمارے پاس بہت سے بچے ان کھلونوں سے زخمی ہو کر آئے ہیں۔ زخمیوں میں سے کچھ بچے تو شہید ہو جاتے ہیں اور جو بچتے ہیں ان میں سے اکثر کے ہاتھ یا پاؤں ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ بارودی کھلونے روسی مختلف طریقوں سے عام گزرگاہوں اور پہاڑوں پر رات کو پھینک دیتے ہیں۔ ان میں اتنا بارود بھرا ہوتا ہے کہ اس کے پھٹنے سے ہاتھ یا پاؤں یا جسم کا کوئی دوسرا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ان کھلونوں سے بچے موقع پر ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ ان خوبصورت بارودی کھلونوں کو بچے جب اٹھاتے ہیں تو وہ دھماکے سے پھٹ پڑتے ہیں۔ روس کا یہ منصوبہ انتہائی سفاکانہ ہے۔ روس اس طرح سے جہاں افغان قوم کی نئی نسل کو اپاہج بنانا چاہتا ہے' وہ وہاں نئی نسل کو اس ظلم سے دہشت زدہ بھی کرنا چاہتا ہے تاکہ بڑی ہو کر یہ نسل روس کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے اور روس افغان قوم کو آسانی سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لے اور پھر دوسری مسلمان ریاستوں کو غلام بنانے کے لیے قدم آگے بڑھا سکے۔

علی یہ سب کچھ سن رہا تھا اور اس کا ذہن انتقامی جذبے سے بھرتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن و قلب میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ روسیوں سے اپنی پیاری بہن صائمہ کے خون کا بدلہ خون سے لے گا۔

جب وہ صائمہ کی لاش لے کر واپس جا رہے تھے تو راستے میں اس نے اپنے باپ سے پوچھا: "ابو! یہ روسی افغانوں کو قتل کیوں کر رہے ہیں؟" "ہم افغان اللہ اور اس کے رسول کا نام لیتے ہیں اور یہی ہمارا جرم ہے۔" علی کے باپ نے جواب دیا۔

علی نے پھر پوچھا کہ ابو! یہ روسی اللہ اور اس کے رسولؐ کے کیوں دشمن ہیں' اللہ نے تو ہم سب کو پیدا کیا' ہمارے لیے طرح طرح کے پھل اُگائے اور اللہ کے رسولؐ تو بہت ہی اچھے انسان تھے۔ وہ تو کافروں کے بچوں سے بھی پیار کرتے تھے۔ ان کے مخالف بیمار ہوتے تو ان کی تیمارداری کو جاتے۔ ان کی صحت کی دعا کرتے اور جب اللہ کے رسول نے مکہ فتح کر لیا تو اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپ پر بہت ظلم کیے تھے۔

علی کی یہ باتیں سن کر علی کے باپ نے کہا: "بیٹا! روسی شیطان کو مانتے ہیں اور شیطان اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے۔ روسیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کوئی وجود نہیں اور انسان' حیوان اور نباتات سب کچھ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اس لیے ظلم کرتے ہوئے بالکل نہیں ڈرتے کہ اس ظلم کا جواب انہیں آخرت میں دینا پڑے گا۔ اور بیٹا جو قوم بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتی وہ انتہائی ظالم قوم بن جاتی ہے۔"

جب وہ گاؤں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ گاؤں کے کئی اور بچے بھی ان بارودی کھلونوں سے شہید ہو گئے ہیں اور بیشمار زخمی۔ صائمہ کی امی اور پھوپھی صائمہ کی لاش دیکھ کر بہت روئیں۔ جب وہ رو رہی تھیں تو علی نے کہا: "امی! آنسو پونچھ لیں۔ میں اپنی بہن کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے ایک ایک روسی کو قتل کروں گا اور خدا کے ان دشمنوں کو بتا دوں گا کہ جو قوم خدا کو نہیں مانتی جتنی بھی طاقتور کیوں نہ ہو بالآخر تباہی اس کا مقدر بنتی ہے۔"

اس قدر بچوں کے شہید اور زخمی ہونے کی وجہ سے پورے گاؤں پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ والدین نے اپنے بچوں کو گھروں سے باہر جانے سے روک دیا تھا اور کئی گھرانے تو پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ علی بظاہر خاموش اور اداس اداس نظر آ رہا تھا مگر انتقام کے شعلے اس کے دل میں تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ رات کو خوابوں میں اکثر اسے اپنی بہن صائمہ زخمی حالت میں تڑپتی نظر آتی۔ اس نے کئی دفعہ اپنے باپ سے اجازت مانگی تھی کہ اسے مجاہدین کے پاس جانے دے مگر اس کا باپ ہمیشہ کہتا کہ بیٹا تم ابھی چھوٹے ہو ابھی تم بندوق نہیں اٹھا سکتے۔ وہ جب اپنی ماں کو روتے دیکھتا تو خود بھی رونے لگتا۔ خلیل بھی اب پہاڑ پر کبھی کھیلنے نہیں گیا تھا اور وہ سارا دن اپنی امی کے پاس اداس بیٹھا رہتا۔ بکری نے صائمہ اور اپنے بچے کا غم زیادہ ہی محسوس کیا اور ایک دن صبح کو وہ مردہ پائی گئی۔ ❀❀❀



ایک دن صبح کے وقت وہ سب گھر کے صحن میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ انہیں جہاز کی
آواز سنائی دی اور پھر انہوں نے بم گرنے اور دھماکوں کی آوازیں سنیں۔ ابھی وہ محفوظ جگہ جا کر چھپ
سوچ ہی رہے تھے کہ ایک بم ان کے گھر پر گرا اور بم کے پھٹتے ہی علی کی امی اور پھوپھی فوراً ش
ہوگئیں۔ علی اور اس کا باپ بھی زخمی ہو گئے۔ مکان کا بہت زیادہ حصہ گر چکا تھا۔ علی کے زخم تو مع
تھے مگر اس کے باپ کو گہرے زخم آئے تھے۔

علی کے باپ نے علی سے کہا: ''بیٹا تم نے کئی دفعہ مجھ سے مجاہدین کے پاس جانے کی اجاز
مانگی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں اجازت دے دوں۔ خلیل کو ساتھ لے کر فوراً یہاں
روانہ ہو جاؤ۔''

علی نے باپ کے جسم سے بہتا ہوا خون دیکھا تو اس نے کہا: ''ابو! آپ بہت زخمی ہیں،
آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

علی کے باپ نے کہا: ''علی! تم میری فکر نہ کرو، میں زندہ بچ گیا تو میں بھی تمہارے پاس چلا آؤ
گا۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ دشمن کے ٹینک اور توپیں بہت جلد گاؤں کو محاصرے میں لے لیں گی کیونکہ
دشمن کا طریقۂ واردات یہی ہے کہ پہلے ہوائی حملہ کر کے تباہی مچاتا ہے اور پھر ٹینکوں سے محاصرہ کر لیتا
ہے۔ بیٹا! ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے ہوئے مریں گے، مگر تم ابھی بچے ہو۔
نے بڑے ہو کر وطن کی آزادی کی جنگ لڑنا ہے اور اگر دشمن نے تمہیں پکڑ لیا تو پھر وہ تمہیں زن
نہیں چھوڑے گا' اس لیے تم میرا حکم مانو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ اور ہاں! عام راستے سے نہ جانا' اد
دشمن کی فوج آ رہی ہوگی۔ پہاڑ کی پچھلی طرف سے جانا۔ بارودی کھلونوں اور بارودی سرنگوں سے اپ
آپ کو بچا کر چلنا۔ اپنے چھوٹے بھائی خلیل کا خیال رکھنا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔''

پھر اس نے علی کو ایک تھیلی دی اور کہا: اس میں کچھ پیسے ہیں، تمہارے کام آئیں گے۔ اس کے
بعد اس کے باپ نے علی کی پیشانی کو چوما اور کہا: ''بیٹا! اسلام کے پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھنا اور اللہ کے
حضور مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ خدا کرے سب افغان بچے افغانستان کا پرچم بلند کریں۔ ہماری فکر نہ کرنا۔

ہم دشمن کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔''

علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے اپنے رومال کو پھاڑا اور اپنے باپ کے زخموں پر پٹی
باندھنے لگا۔ پٹی باندھنے کے بعد اٹھا۔ اپنی شہید ماں اور پھوپھی کو دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو اور دل
میں انتقام کے شعلوں کیساتھ پچھلی طرف سے گھر سے باہر نکل گیا۔ چھپتا ہوا وہ خلیل کو ساتھ لیے پہاڑ کی
چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں اسے ہوائی حملے کے علاوہ کسی چیز کا خطرہ نہ تھا۔

وہ دونوں ایک جھاڑی میں چھپ گئے اور اپنے گاؤں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔
کچھ گھروں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ گاؤں کا زیادہ تر حصہ ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ انہوں نے کئی عورتوں
اور بچوں کو گاؤں سے نکلتے دیکھا جو محفوظ پناہ گاہوں کی تلاش میں گاؤں سے ہجرت کر کے جا رہے تھے۔

ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ انہوں نے دشمن کی گاڑیاں گاؤں کی طرف آتے دیکھیں، دیکھتے
ہی دیکھتے دشمن نے گاؤں کو محاصرہ میں لے لیا۔ پھر توپوں سے گاؤں پر گولے برسائے جانے لگے۔
جب دشمن کو یقین ہو گیا کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے گاؤں میں کوئی زندہ نہیں بچا تو دشمن کے فوجی
ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ کلاشنکوفوں سے مسلح وہ گاؤں کی طرف بڑھنے لگے کہ
یکلخت سامنے سے گولیاں برسنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے بیسیوں فوجیوں کی لاشیں زمین
پر تڑپنے لگیں۔ دشمن ہوشیار ہو گیا اور ایک بار پھر توپوں سے گولہ باری شروع کر دی اور دشمن کے فوجی
چھپ چھپ کر آگے بڑھنے لگے۔ علی کو بہت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ورنہ وہ
یہاں سے کئی فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ جب دشمن کی لاش زمین پر گرتی تو اسے بہت خوشی ہوتی۔

پھر اچانک گاؤں کی طرف سے گولیاں چلنا بند ہو گئیں اور اس نے دیکھا کہ دشمن کے فوجی
گاؤں میں داخل ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ کئی عورتوں، مردوں اور بچوں کو دشمن کے
فوجی گاؤں سے باہر کھلے میدان میں لے آئے۔ پھر سب کو انہوں نے گولیوں سے شہید کر ڈالا۔
گاؤں کو آگ لگا دی۔

علی کا دل تڑپ اٹھا اور خلیل یہ سب کچھ دیکھ کر بہت ہی زیادہ سہم گیا۔ علی کو اب یقین ہو گیا کہ
اس کا باپ بھی شہید ہو گیا ہے۔

وہ روتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھا اور خلیل کو ساتھ لیے پہاڑ کی دوسری طرف نیچے اتر گیا۔

وہ دونوں مسلسل شام تک چلتے رہے اور رات کو ایک محفوظ جگہ ڈھونڈ کر آرام کے لیے لیٹ
گئے۔ دونوں بہت خوفزدہ تھے۔ اتنی کم عمری میں اتنا خوفناک سفر کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ نہ دشمن کے
ٹھکانوں کا علم اور نہ اپنے دوستوں کا پتا کہ کہاں ملیں گے۔ سارا دن سفر کر کے تھکے ہوئے تھے، اس لیے

جلد ہی نیند آ گئی مگر رات بھر علی ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا۔ دونوں صبح اُٹھے اور پھر چل پڑے۔ وہ ایک ایک قدم محتاط ہو کر اٹھا رہے تھے۔ اگر کہیں دور سے بھی کوئی انسان نظر آ جاتا تو وہ راستہ بدل لیتے کہ کہیں یہ دشمن کے سپاہی نہ ہوں۔

ایک جگہ انہیں پانی کا چشمہ نظر آیا تو وہاں بیٹھ کر انہوں نے گھر سے نانوں کے جو خشک ٹکڑے لیے تھے' وہ پانی میں بھگو کر کھائے' پانی پیا اور پھر چل پڑے۔

خلیل جہاں تھک جاتا' علی اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا اور اگر دشمن کا جہاز نظر آ جاتا تو فوراً کسی جھاڑی کے نیچے یا پھر پتھروں کی اوٹ میں چھپ جاتے۔ اسی طرح مسلسل وہ تین دن تک سفر کرتے رہے۔ دونوں کے پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ ان سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو چکا تھا۔ خلیل کی بھوک سے بہت بری حالت تھی اور بار بار علی سے کہہ رہا تھا کہ بھائی جان مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ اور علی اسے تسلی دے دیتا کہ تھوڑی دور آگے جا کر کھانے کو کچھ مل جائے گا۔ خود اس کا اپنا حال بھی بھوک سے بہت برا تھا۔ دونوں سے چلا نہیں جا رہا تھا مگر چل رہے تھے۔

موسم کافی گرم تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مغرب سے سیاہ گھٹائیں اٹھیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ بجلی چمک رہی تھی اور اس کی کڑک سے پہاڑ لرز رہے تھے۔ بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ خلیل اس طوفان سے زیادہ ہی ڈر گیا تھا۔ اس لیے وہ رونے لگا۔ علی نے اسے اٹھا لیا مگر ہوا اس قدر تیز تھی کہ ان سے ایک قدم بھی نہیں چلا جا رہا تھا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ژالہ باری شروع ہو گئی۔ پہاڑ پر چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اولے ان کے سروں پر پڑ رہے تھے۔ خلیل کو اولوں سے بچانے کے لیے علی نے اپنی چادر خلیل کے سر پر لپیٹ دی تھی۔ اولے بہت بڑے بڑے تھے۔ جب علی کے سر پر پڑتے تو علی کو بہت درد ہوتا۔

اولوں سے بچنے کے لیے وہ ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھ گئے۔ ژالہ باری تو تھوڑی دیر بعد رک گئی مگر بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پہلے گرمی سے برا حال تھا اور اب خلیل سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ شام کو جب بارش تھمی تو پہاڑی نالہ پانی سے بھر چکا تھا اور اس میں سے گزرنے والے پانی کا شور دور دور تک سنائی دے رہا تھا۔ اتنے تیز اور زیادہ پانی میں وہ نالہ عبور نہیں کر سکتے تھے۔ خلیل کو بخار ہو گیا تھا اور بخار آہستہ آہستہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ ایک طرف بھوک اور دوسری طرف بخار سے خلیل تڑپ رہا تھا۔

علی سے خلیل کی یہ حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔ اس نے خلیل سے کہا کہ اگر تم یہاں اکیلے رہ سکو تو میں نالہ تیر کر پار کر کے دوسری طرف جاتا ہوں تاکہ اگر کھانے کو کچھ مل سکے تو تمہارے لیے لے آؤں مگر خلیل نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔ علی بہت پریشان تھا۔ وہ خدا سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ!

ہماری مدد کر اور پہاڑی نالے کا پانی جلد اتار دے تاکہ ہم اسے عبور کر سکیں۔

اللہ ہمیشہ معصوم بچوں کی دعا سنتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں علی نے محسوس کیا کہ جیسے قریب سے کچھ آدمی گزر رہے ہوں۔ پہلے تو وہ ڈر گیا لیکن خلیل کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ خواہ یہ آدمی دشمن کے ہی کیوں نہ ہوں میں ان سے مدد ضرور لوں گا۔

وہ آوازیں دیتا ہوا اس طرف دوڑ پڑا جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ علی کی آوازیں سن کر وہ آدمی رک گئے۔ علی جب ان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ سات آدمی تھے اور سب کے سب مسلح تھے۔ اس نے بغیر ڈرے ساری بات بتا دی۔

بعد میں اسے پتا چلا کہ وہ مجاہدین تھے اور دشمن کی ایک چوکی پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ بچوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مجاہدین کے کمانڈر نے یہ فیصلہ کیا کہ چھ آدمی حملہ کرنے جائیں گے اور ایک ان بچوں کو واپس لے کر جائے گا۔ اس نے علی کو خلیل کے لیے تھوڑا سا گڑ دیا جو اس کے پاس تھا۔ اس گڑ کے علاوہ ان میں سے کسی کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک مجاہد علی اور خلیل کے پاس رہ گیا۔ دوسرے حملہ کرنے چلے گئے۔ خلیل نے جب گڑ کھایا تو اسے بھوک میں کمی محسوس ہوئی۔ مجاہد نے اپنی چادر خلیل کے جسم پر لپیٹ دی اور تھوڑی دیر بعد جب نالے کا پانی اتر گیا تو وہ انہیں لے کر دوسری طرف چلا آیا۔

خلیل کو اٹھائے وہ کئی گھنٹوں چلتے رہے اور آخر کار وہ مجاہدین کے ایک چھوٹے سے مرکز میں پہنچے۔ یہ مرکز ایک پہاڑی کے اندر واقع تھا اور غار نما تھا۔ شاید مجاہدین سے پہلے یہاں جنگلی جانور رہتے ہوں گے۔ مجاہدین نے اسے صاف کر کے رہنے کے قابل بنا دیا تھا۔

مجاہدین نے انہیں رات کا بچا ہوا کھانا دیا اور گرم گرم چائے پلائی۔ ایک مجاہد کے پاس بخار کی چند گولیاں تھیں' اس نے خلیل کو کھانے کے لیے وہ گولیاں دیں۔ تھوڑی دیر بعد خلیل سو گیا تو علی بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

صبح جب اٹھے تو خلیل کا بخار اتر چکا تھا۔ مجاہدین ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ رات کو مجاہدوں کا جو گروپ چھاپہ مار کارروائی کے لیے گیا تھا' واپس آ گیا۔ مجاہدین کے کمانڈر نے آتے ہی سب سے پہلے علی اور خلیل کا حال پوچھا اور پھر بتایا کہ شب خون کامیاب رہا۔ دشمن کے بیس سے زیادہ فوجی مارے گئے اور کئی گاڑیاں تباہ کر دیں۔ بہت زیادہ اسلحہ ہمیں مالِ غنیمت میں ملا۔ پھر کمانڈر نے وہ اسلحہ دکھایا جو مالِ غنیمت میں ملا تھا۔

علی اور خلیل وہاں تین دن تک رہے۔ پھر کمانڈر نے انہیں ایک مجاہد کے ساتھ پچھلے مرکز پر بھیج

دیا جو مجاہدین کا اس صوبے میں ہیڈ کوارٹر تھا۔ کمانڈر اس وقت مجاہدین کو عملی تربیت کا سبق دے رہا تھا۔

مجاہدین کے چیف کمانڈر نے جب علی اور خلیل کی کہانی سنی تو اسے بہت دُکھ ہوا۔ اس نے علی سے کہا کہ بیٹا افغانستان میں ہر جگہ یہی ظلم ہو رہا ہے۔ کہیں بارودی کھلونوں اور کہیں زہریلی گیس سے روس مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں۔ اللہ مجاہدین کو فتح یاب کرے گا۔

علی نے کہا کہ دشمن کے پاس تو بمبار طیارے، ہیلی کاپٹر، ٹینک اور دوسرا جدید اسلحہ ہے، نہتے مجاہدین اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟

علی کے سوال پر کمانڈر نے کہا: ''بیٹا! دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اللہ سے تو زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس کتنا اسلحہ تھا؟ لیکن تین گنا زیادہ طاقتور دشمن پر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی اور انشاء اللہ بہت جلد ہم بھی اپنے وطن کو روس سے آزاد کرا لیں گے اور پھر افغانستان میں اسلام کا پرچم سربلند کریں گے''۔

چند ہی دنوں میں علی مجاہدین میں گھل مل گیا اور پھر ایک دن اس نے کمانڈر سے کہا کہ مجھے بھی بندوق دی جائے، میں دشمن کے خلاف لڑنا چاہتا ہوں۔ کمانڈر نے علی کو سمجھایا کہ ابھی تم چھوٹے ہو۔ میں تمہیں اور خلیل کو پاکستان بھیج رہا ہوں۔ وہاں تم سکول میں اپنی تعلیم مکمل کرنا اور پھر واپس آ کر جہاد میں شریک ہو جانا۔ مگر علی نے کہا کہ میں اتنا چھوٹا نہیں ہوں کہ بندوق بھی نہ اٹھا سکوں اور اب مجھے جو تعلیم چاہئے وہ بندوق چلانے کی ہے اور وہ تعلیم مجھے پاکستان میں نہیں مجاہدین کے اس مرکز سے مل سکتی ہے۔

کمانڈر نے بہت سمجھایا مگر علی اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر کمانڈر کو علی کی بات ماننا پڑی۔

کمانڈر نے علی سے کہا کہ تم چھ ماہ تک اس مرکز میں مجاہدین کے ساتھ رہو گے۔ کسی چھاپہ مار کارروائی میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہو گی اور تم اس دوران میں مرکز میں مجاہدین کے دوسرے کام کرو گے مثلاً چشمے سے پانی لاؤ گے، ایندھن اکٹھا کرو گے، اس کے بعد تمہیں بندوق دے دی جائے گی۔

علی نے یہ شرائط خوشی سے مان لیں اور خلیل کو پاکستان بھیج دیا گیا۔ جاتی دفعہ خلیل بہت رویا مگر علی نے اسے تسلی دی کہ وہ اسے ملنے پاکستان ضرور آیا کرے گا۔

چھ ماہ بعد جب علی کو چیف کمانڈر نے بندوق دی تو علی بہت خوش ہوا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

جب علی کو بندوق اور دوسرے ہتھیار چلانے آ گئے تو چیف کمانڈر نے علی کو چھوٹی چھوٹی چھاپہ مار کارروائیوں میں حصہ لینے کی اجازت بھی دے دی۔ ان چھوٹی چھوٹی کارروائیوں میں علی نے ثابت کر دیا کہ وہ کسی بھی دوسرے مجاہد سے کم نہیں۔ علی نے جلد ہی طیارہ شکن توپ اور راکٹ لانچر چلانا بھی سیکھ لیے اور پھر اسے ہر قسم کی لڑائی میں شرکت کی اجازت مل گئی۔





علی 16 سال کی عمر کا ہو گیا تھا۔ مجاہدین میں وہ چھاپہ مار کارروائیوں کا ماہر مانا جاتا تھا۔ کمانڈر نے اسے اگلے مرکز پر بھیج دیا۔ یہ مرکز ایسا تھا کہ دو اطراف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ ان پر درخت اس قدر زیادہ تھے کہ دور سے یہ پہاڑ گھنے جنگل کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ وہ پہاڑ کچھ دور جا کر آپس میں جہاں مل جاتے تھے، وہاں سے پانی کا چشمہ چھوٹا دکھائی دیتا تھا، جو نیچے آ کر پہاڑی نالے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اسی نالے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے مورچے تھے۔

ان پہاڑوں سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر بہت اونچا پہاڑ تھا، جس کی چوٹی پر دشمن نے اپنے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ مجاہدین نے دشمن کے اس اڈے کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

رات مکمل تاریک تھی اور آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بیس مجاہدین جن میں علی بھی شامل تھا، اس پہاڑ کی طرف دشمن کے مورچوں پر شب خون مارنے نکل کھڑے ہوئے، آہستہ آہستہ وہ مورچوں کے قریب پہنچ گئے۔

روسیوں نے اپنے مورچوں کے گرد دور دور تک بارودی سرنگیں بچھائی ہوئی تھیں۔ یہ بارودی سرنگیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ ٹینکوں اور بڑی گاڑیوں کے لیے بارودی سرنگیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ جب ٹینک ان پر سے گزرتے ہیں تو یہ دھماکے سے پھٹ جاتی ہیں اور ٹینک کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ دوسری سرنگیں انسانوں کا پیدل حملہ روکنے کے لیے بچھائی جاتی ہیں۔ یہ چھوٹی ہوتی ہیں۔ جب کسی انسان کا پاؤں ان سرنگوں پر پڑتا ہے تو دباؤ سے یہ سرنگیں بھی زبردست دھماکے سے پھٹتی ہیں۔ ن سرنگوں سے انسان یا تو موقع پر ہی ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اس کی ٹانگیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ روسیوں نے پتھروں کی شکل اور رنگ کی چھوٹی چھوٹی سرنگیں بنائی ہوئی تھیں۔ ان کو زمین کے اندر دبانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ مختلف طریقوں سے پہاڑوں اور مجاہدین کے راستوں پر پھینک دی جاتی ہیں۔ چونکہ مجاہدین کے راستے زیادہ تر پہاڑی نالوں کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور یہ سرنگیں نالے کے ساتھ گزرتے ہوئے راستے میں پڑے ہوئے پتھروں میں مل جاتی ہیں۔ پہلی نظر میں بالکل پتھر محسوس ہوتی ہیں اور جب ان پر مجاہدین میں سے کسی کا پاؤں پڑتا ہے تو بہت نقصان

پہنچاتی ہیں۔

مجاہدین کا یہ گروپ شب خون مارنے کے لیے دشمن کے مورچوں کے قریب پہنچ چکا تھا کہ اچانک ایک مجاہد کا پاؤں زمین کے اندر دبائی ہوئی بارودی سرنگ پر آ گیا اور وہ دھماکے سے پھٹ گئی۔ دھماکے کی آواز سن کر دشمن چوکنا ہو گیا۔ اس نے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی۔ مجاہدین پیچھے کی طرف بھاگے اور کئی زخمی ہو گئے۔ محفوظ جگہ پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ دو مجاہد ان میں موجود نہیں ہیں۔

کمانڈر نے ان دو مجاہدوں کے بارے میں پوچھا تو ایک مجاہد عبداللہ نے بتایا کہ وہ دونوں بارودی سرنگوں کی پٹی پار کر گئے تھے' اس لیے خدشہ ہے کہ شہید ہو چکے ہوں گے۔

مجاہدین شہید کی لاش کبھی دشمن کے علاقے میں نہیں چھوڑتے' اس لیے مجاہدین نے شہدا کی لاشیں واپس لانے کے لیے دوبارہ حملہ کیا۔ دشمن کی گولہ باری سے دو مجاہد اور شہید ہو گئے مگر پھر بھی لاشیں واپس لانے میں ناکام رہے۔

لاشیں اس وقت تک نہیں لائی جا سکتی تھیں جب تک دشمن کے یہ مورچے فتح نہ کر لیے جائیں۔ کمانڈر نے علی اور دوسرے پانچ مجاہدین کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ دشمن پر نظر رکھیں۔ جونہی دشمن لاشیں اٹھانے نیچے آئے تو دشمن کو شہدا کی لاشوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت بھی نہ دیں۔ باقی مجاہدین واپس آ گئے۔

دوسرے دن مجاہدین نے رات کو روسی مورچوں کے قریب توپیں نصب کر کے گولہ باری شروع کر دی تا کہ دشمن کو اس حد تک تنگ کیا جائے کہ وہ مورچے خالی کر دے مگر دشمن اونچی جگہ پر تھا اور مجاہدین نیچے اس لیے مجاہدین کی گولہ باری دشمن کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی بلکہ گولہ باری سے دشمن کو مجاہدین کے مورچوں کا فوراً پتا چل گیا اور دشمن کی تباہ کن گولہ باری سے ایک مجاہد شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔

مجاہدین بڑے پریشان تھے کہ دن کے وقت حملہ کریں تو صاف نظر آتے تھے اور اگر رات کی تاریکی میں گولہ باری کریں تو روشنی اور آواز سے فوراً ٹھکانوں کا پتا چل جاتا تھا۔ آخر اس مرکز کو ختم کیا جائے تو کس طرح اور لاشیں واپس لائی جائیں تو کیسے؟ شہدا کی لاشیں دشمن کے علاقے میں پڑے رہنے دینا بھی مجاہدین کی غیرت گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے۔ حملہ کرتے تو دشمن کے بجائے اپنا نقصان زیادہ ہوتا۔

ایک دن علی نے کمانڈر سے کہا کہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے اگر آپ مجھے اس پر کام کرنے کی اجازت دے دیں تو پہلے مرحلے میں ہم لاشیں لانے میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے

اور دوسرے مرحلے میں دشمن کے مورچے کو بھی فتح کیا جا سکتا ہے۔

کمانڈر نے علی سے اس منصوبہ کی تفصیلات پوچھیں تو علی نے منصوبہ کی موٹی موٹی باتیں کمانڈر کو بتانے کے بعد کہا کہ بقیہ باتیں تجربہ کامیاب ہونے کے بعد بتائی جائیں گی اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے فرد کو اس منصوبہ کی تفصیل کا علم بھی نہیں ہونا چاہیے' کیا معلوم ہم میں کوئی دشمن کا جاسوس بھی ہو۔ کمانڈر نے علی کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے علی کو یہ تجربہ کرنے کی اجازت دے دی۔ علی نے اپنے اس آپریشن کا نام روس کے عظیم مجاہد اور دنیائے اسلام کے پہلے گوریلے کمانڈر امام شاملؒ کے نام پر ''شامل آپریشن'' رکھا اور آپریشن کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو علی نے کمانڈر سے پانچ مجاہد اپنی مدد کے لیے مانگے جو اسے دے دیے گئے۔

غروب آفتاب کے بعد تاریکی چھاتے ہی وہ پانچ مجاہدوں کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے پاس اسلحہ کے طور پر 12 عدد چھوٹے چھوٹے زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائل تھے۔ مجاہدین ان کو راکٹ میزائل کہتے تھے۔ انہیں راکٹ بم بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چھ عدد ٹین کے خالی ڈبے تھے اور کچھ دوسرا چھوٹا چھوٹا سامان تھا۔ کسی مجاہد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان ٹین کے خالی ڈبوں سے علی کس طرح لاشیں واپس لانے میں کامیاب ہو گا لیکن علی اپنے منصوبے کے بارے میں پر امید تھا۔

جب وہ دشمن کے اڈوں سے تقریباً ایک میل دور تھے تو علی نے لاشوں کی طرف جانے کے بجائے ان سے دوسری سمت جانا شروع کر دیا لیکن دشمن کے مورچوں کا فاصلہ اب بھی اتنا ہی تھا' ایک جگہ اس نے مجاہدین سے کہا کہ وہ ٹین کے خالی ڈبوں میں پانی بھر لیں۔

علی کے ساتھ آیا ہوا ایک مجاہد جمیل خان پہلے ہی ڈبوں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا اور اس نے راستے میں علی سے کہا بھی تھا کہ کیا تم نے دشمن کو کوئی کوا یا بگلا سمجھ رکھا ہے جو ان ٹین کے ڈبوں کو بجا بجا کر اڑا دو گے لیکن علی نے ہنس کر کہا تھا کہ کوا نہ سہی گیدڑ ہی سمجھ لیں اور اب بھی جب ٹین کے ڈبوں میں پانی بھرنے کا حکم ملا تو اس نے پھر مذاق کرتے ہوئے کہا کہ کیا دشمن کو پانی میں ڈبو کر مارنے کا ارادہ ہے تو علی

امام شامل روس کے ظالم زار بادشاہوں کے خلاف شمالی قفقاز کے علاقے داغستان میں جنگ آزادی لڑنے والا مشہور سپہ سالار تھا۔ وہ 1834ء میں تحریک جہاد کا امیر منتخب ہوا۔ امام شامل کا دور داغستان کی تاریخ میں شریعت کا دور کہلاتا ہے۔ روس کے توسیع پسند زار بادشاہوں کے سامنے وہ تنہا ڈٹا رہا اور مجاہدین کے لشکر سے کئی گنا زیادہ روسی فوج کو بار بار شکستیں دیتا رہا لیکن افسوس کہ کسی نے اس کی مدد نہ کی اور وہ بالآخر 25 اگست 1859ء کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ امام شاملؒ 1797ء میں پیدا ہوا۔ 15 فروری 1871ء کو مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

نے کہا کہ دشمن اتنا غیرت مند نہیں کہ وہ ان ٹین کے ڈبوں میں ڈوب کر مر جائے' یہ تو ویسے ہی دشمن کو دفنانے سے پہلے غسل دینے کے لیے پانی لیا جا رہا ہے تاکہ باعزت طریقہ سے دشمن کو دفنا سکیں۔

مجاہدین نے پانی تلاش کر کے ڈبے بھر لیے۔ تھوڑی دور جا کر علی ایک جگہ بیٹھ گیا اور مجاہدین کو بھی اس نے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اس نے اپنے تھیلے سے کچھ تاریں' چھوٹی چھوٹی بیٹریاں اور دھات کے چند ٹکڑے نکالے۔ پھر اس نے دو تاروں کو راکٹ اور بیٹری کے ساتھ جوڑ دیا۔ دوسری طرف ایک تار ٹین کے ڈبہ کے ساتھ جوڑ دی۔ دوسری تار دھات کے ایک باریک ٹکڑے کے ساتھ جوڑ دی جس کے اوپر لکڑی بھی لگی ہوئی تھی تاکہ دھات کا وہ ٹکڑا پانی پر تیرتا رہے۔ ایسا ہی اس نے دوسرے ڈبوں کے ساتھ کیا اور انہیں سو سو گز کے فاصلے پر رکھ دیا۔ پھر اس نے ڈبوں کے پیندوں میں مختلف سائز کے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیئے اور مجاہدین سے کہا کہ اب وہ تیزی کے ساتھ پیچھے چلیں اور جہاں لاشیں پڑی ہیں' ادھر کسی محفوظ جگہ جا کر اگلے مرحلے کا انتظار کریں۔

مجاہدین لاشوں سے دو فرلانگ دور درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گئے۔ علی کی نظریں ادھر لگی ہوئی تھیں جدھر وہ راکٹ اور ٹین کے ڈبے چھوڑ کر آیا تھا۔ یوں بیٹھے ہوئے انہیں آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا اور علی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تجربہ ناکام رہا تو کمانڈر کو کیا جواب دوں گا۔ اس کے حساب سے اب تک کام کا آغاز ہو جانا چاہئے تھا۔ مزید دس منٹ گزر گئے تو اس پر مایوسی چھانے لگی۔ دوسرے مجاہدین بھی اس کا مذاق اڑانے لگے لیکن ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ راکٹ میزائل چلنے کی آواز آئی پھر دوسرا راکٹ میزائل چلا اور ساتھ ہی اس طرف دشمن کی گولہ باری شروع ہوگئی۔

علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب دشمن کی توجہ ادھر رہے گی اور راکٹ میزائل وقفہ وقفہ سے چلتے رہیں گے۔ ہمیں اس وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محتاط ہو کر لاشوں کی طرف پیش قدمی کرنا چاہئے۔

بارودی سرنگوں سے بچتے بچاتے مجاہدین لاشوں تک پہنچ گئے۔ ابھی تک صرف آٹھ راکٹ چلے تھے۔ اس لیے مجاہدین نے لاشیں اٹھا کر جلدی جلدی واپسی کا راستہ اختیار کیا اور کامیاب واپس لوٹے۔ سارے راکٹ اور میزائل چل چکے تھے اور دشمن کی گولہ باری ابھی جاری تھی۔ دشمن مکمل طور پر دھوکے میں آ گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ مجاہدین نے اس طرف سے حملہ کر دیا ہے اور یوں اپنا اسلحہ ضائع کر رہا تھا۔

علی کے اس آپریشن کی کامیابی پر کمانڈر بہت خوش ہوا اور اس سے تفصیلات پوچھیں تو علی نے

بتایا کہ ٹریننگ کے دوران میں' میں نے ایک ایسا ہی تجربہ کیا تھا مگر وہ ناکام ہو گیا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب یہ کامیاب رہا۔ یہ تجربہ ٹائم بم کے اصول پر کیا گیا تھا اور ٹین کے ڈبے دراصل گھڑیوں کی جگہ استعمال کیے گئے تھے۔ یہ بہت سستے پڑتے ہیں۔ ٹین کے ڈبوں میں پانی بھر کے ان کے پیندوں میں مختلف سائز کے سوراخ کر دیئے گئے تھے۔ جونہی کسی ڈبہ کا پانی ختم ہوتا تیرتا ہوا دھات کا ٹکڑا ٹین کی سطح سے ٹکراتا' کرنٹ کا سرکٹ مکمل ہو جاتا اور راکٹ میزائل چل جاتا۔ دشمن یہ سمجھتا رہا کہ مجاہدین اس طرف سے حملہ آور ہو رہے ہیں اور ہم بحفاظت دوسری طرف سے لاشوں تک پہنچ گئے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے راستے میں کوئی بارودی سرنگ بھی نہ پھٹی۔ علی نے بتایا کہ میرا خیال ہے کہ جس راستے سے ہم گئے وہ بارودی سرنگوں سے خالی تھا اور بالفرض کوئی سرنگ پھٹ بھی جاتی تو زبردست گولہ باری میں دشمن ادھر پھر بھی توجہ نہ دیتا' وہ یہی سمجھتا کہ ادھر بھی کوئی گولہ گرا ہوگا۔

کمانڈر نے علی کے اس طریقے کو بہت پسند کیا اور اسی رات علی سے مشورہ کے بعد دشمن کے اس مورچے پر حملے کا فیصلہ کیا۔ کمانڈر کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے دیر کی تو کہیں دشمن کا کوئی جاسوس اس منصوبے کے بارے میں دشمن کو آگاہ نہ کر دے۔

راکٹ میزائلوں کا خودکار نظام مکمل کرنے کے بعد تمام مجاہدین نے حملہ کرنے کا پچھلی رات والا راستہ ہی اختیار کیا۔ علی سب سے آگے آگے تھا۔ دشمن کی توجہ راکٹ میزائلوں کی طرف لگی ہوئی تھی اور وہ ادھر اندھا دھند گولہ باری کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دشمن کے طیارے بھی اس جگہ بمباری کرنے پہنچ گئے تھے۔ دشمن کا آج بھی یہی خیال تھا کہ مجاہدین اس طرف سے حملہ کر رہے ہیں اور مجاہدین نے جب دوسری طرف سے دشمن کو اس کے مورچوں میں جا لیا تو وہ بوکھلا اٹھا۔ بھاگنے کا راستہ بھی کوئی نہیں تھا۔ کچھ مجاہدین کے دستی بموں اور فائرنگ سے مارے گئے۔ کچھ بھاگتے ہوئے اپنی ہی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں کا شکار ہو گئے۔ بیس کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور بے شمار اسلحہ ہاتھ آیا۔ دشمن نے یہاں کنکریٹ کے پکے مورچے بنائے ہوئے تھے جنہیں ڈائنامائٹ لگا کر مجاہدین نے تباہ کر دیا۔

اس مورچے کی فتح پر مجاہدین نے خوشیاں منائیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ اگرچہ اس لڑائی میں تین مجاہد شہید اور پندرہ زخمی ہوئے لیکن دشمن کا نقصان بیسیوں گنا تھا۔ کمانڈر نے اس کامیابی پر علی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ہو تو تم ابھی بہت چھوٹے مگر اللہ نے تمہیں جرأت کے ساتھ ساتھ ذہانت بھی دی ہے ہم تو تمہیں بچہ سمجھ کر کسی بڑے معرکے میں شریک ہی نہیں کرتے تھے۔ اب میں چیف کمانڈر صاحب سے کہوں گا کہ آپ کو مجاہدین کی شوریٰ کا رکن نامزد کیا جائے تاکہ تمہاری صلاحیتوں

سے مجاہدین کو فائدہ پہنچے۔ آئندہ سے اس مرکز پر تم میرے نائب کے طور پر کام کرو گے۔

علی کا یہ کارنامہ جب مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر تک پہنچا تو اس نے علی کو بلا بھیجا۔ علی اپنے بلاوے پر بہت خوش تھا۔ جب علی کمانڈر کے پاس پہنچا تو اس نے علی کا اٹھ کر استقبال کیا اور پیشانی کو چومتے ہوئے علی کو مبارکباد دی۔ پھر سارے معرکے کی تفصیلات پوچھیں اور علی کی ذہانت کو سراہا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے مجاہدین کو باہر بھیج دیا اور تنہائی میں علی سے کہا کہ بیٹا! مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ اللہ نے تم کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ تم ذہین بھی ہو۔ تمہاری اسی ذہانت کو دیکھتے ہوئے میں ایک اہم کام تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم ضرور اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔

اس پر علی نے کہا کہ میں اس قابل تو نہیں ہوں جتنی میری آپ نے تعریف کی ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ نے کوئی بڑا کام میرے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل کر بھی یہ کام کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ مجھے بتائیں وہ کام کیا ہے۔

کمانڈر نے کہا کہ گردیز چھاؤنی میں میجر فیاض خان ہمارا ایک آدمی ہے۔ اس کو میرا ایک پیغام پہنچانا ہے اور جواب حاصل کر کے واپس لانا ہے لیکن ایک بات یاد رکھو! پچھلے دو ماہ سے اس کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔ گردیز کے قریبی مراکز کے دو کمانڈروں کی اس کام پر ذمہ داری لگائی گئی تھی مگر دونوں میجر فیاض کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسی سے تم کام کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ معلوم نہیں میجر فیاض زندہ ہے یا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس لیے چھاؤنی میں اس کے پاس جانے سے پہلے تمام معلومات حاصل کر لینا۔ گردیز شہر میں ہمارے چند دوست ہیں۔ اس سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنا۔ گردیز شہر کے باہر مجاہدین کا ایک مرکز ہے جس کا نام ''حیدر مرکز'' ہے۔ تمہارے ساتھ اس مرکز تک پانچ مجاہدین جائیں گے۔ اس کے بعد تم اپنا اسلحہ وہاں چھوڑ دو گے اور ہاں اپنے مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے تاکہ یہ مشن دشمن کے جاسوسوں سے چھپا رہے۔ اگر دشمن کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں شہر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر سکتا ہے اور تمہارے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ شہر میں تم تنہا جاؤ گے کیونکہ زیادہ آدمیوں کے ساتھ جانے کی صورت میں دشمن کی نظر میں جلدی آ سکتے ہو۔

گردیز اس مرکز سے چھ دن کی مسافت پر تھا۔ گردیز شہر کی آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے۔ یہ افغانستان کے صوبہ پکتیا کا دارالحکومت ہے اور جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم شہر ہے۔ اس مرکز سے لے کر گردیز تک کا راستہ انتہائی خطرناک تھا۔ راستے میں جنگلات، اونچے اونچے پہاڑ اور گہرے پہاڑی

نالے تھے۔ سب سے زیادہ خطرہ دشمن کا تھا۔ دن کے وقت سفر اور زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ دشمن کی نظر میں آنے کا خطرہ تھا اور دشمن کے اڑتے ہوئے بمبار طیارے بمباری کر کے نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن علی جس کے پچھلے پانچ سال انہی خطرناک راستوں، جنگلات اور پہاڑوں اور دشمن کے طیاروں کی بمباری میں گزر رہے تھے وہ ان خطرات سے بے پروا ہو کر گردیز جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

علی اور اس کے ساتھیوں نے اسلحہ کے علاوہ چند روز کا سامان خورد و نوش لیا اور چل پڑے۔ انہیں مرکز سے چلے ہوئے یہ دوسرا دن تھا، جب وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے کے لیے لیٹے تو انہیں پہاڑ کی دوسری طرف سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں آئیں۔ دوسری طرف دیکھا تو پورا گاؤں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے محاصرے میں تھا۔ اکثر مکانات ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے اور بعض مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن نے اس جگہ آج ہی کارروائی کی ہے اور نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو شہید کیا ہے۔ علی کو یاد آیا کہ ایک دن ایسے ہی اس کے گاؤں کا بھی محاصرہ کیا گیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم ہو گیا۔ وہ ان روسیوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں ان روسیوں کو تہس نہس کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم کسی اور مشن پر جا رہے ہیں اس لیے ہمیں ان سے بھڑنے کے بجائے خاموشی کے ساتھ راستہ بدل کر نکل جانا چاہیے۔

لیکن علی کے ذہن میں روسیوں کو دیکھتے ہی انتقام کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ اسے اپنی تڑپتی ہوئی بہن صائمہ یاد آنے لگتی اور خون میں نہائی ہوئی اپنی ماں اور پھوپھی کی لاشیں اس کے سامنے آ جاتیں۔ آج بھی اس کے جذبات کی ایسی ہی کیفیت تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے مشورہ کو قبول نہ کرتے ہوئے کہا:

''دوستو! آج میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان روسیوں سے بدلہ لے کر آگے جائیں گے۔'' ایک مجاہد نے کہا:

''ہمارے پاس تو صرف کلاشنکوفیں ہیں، ان سے بھلا ہم مقابلہ کیسے کریں گے؟''

علی مسکرایا: ''دوستو! سورج غروب ہونے کو ہے اور میں نے دشمن کو بغیر ہتھیاروں کے تباہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔''

دوسرے مجاہد نے پوچھا: ''مگر کیسے؟''

علی نے کہا کہ ہم نے راستے میں ایک جگہ جو زیادہ دور نہیں، وہاں دشمن کی دو گاڑیاں الٹی ہوئی دیکھی تھیں۔ تین ساتھی جائیں اور جتنی جلدی ممکن ہو ان کے ٹائر اتار کر لے آئیں اور یہیں آ کر ہمارا انتظار کریں۔ ہم دو ساتھی ایک اور کام کرنے جا رہے ہیں۔

مجاہدین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ان ٹائروں سے بھلا دشمن کیسے تباہ ہوسکتا ہے جس کے پاس ٹینک بھی ہیں اور بکتر بند گاڑیاں بھی لیکن علی کی بات مانتے ہوئے وہ ٹائر لینے چلے گئے۔ علی نے دوسرے مجاہد کو ساتھ لیا اور ایک قریبی بستی میں چلا گیا۔ یہ چند گھروں پر مشتمل بستی تھی جس میں رہنے والے لوگوں نے ابھی پاکستان ہجرت نہیں کی تھی۔

علی نے بستی میں پہنچ کر ایک گلی میں بیٹھے ہوئے بوڑھے سے دکان کا پتا پوچھا۔ بوڑھے نے کہا کہ ہماری بستی میں کوئی دکان نہیں بلکہ اب تو لوگ بھی نہیں۔

علی نے پوچھا کہ لوگ کہاں گئے تو بوڑھے نے کہا کہ تم اگر اس ملک کے رہنے والے ہوتو تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ لوگ کدھر گئے ہیں۔ ہم چند بوڑھے رہ گئے ہیں ہم بھی چلے جائیں گے۔

علی نے کہا کہ بابا کچھ تفصیل بتاؤ' آخر لوگ بستی کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے ہیں؟

بوڑھے نے بتایا کہ پہاڑ کے پار جو بستی ہے وہاں آج کوئی تھوڑا ظلم ہوا ہے۔ وہاں پہلے جہازوں سے بمباری کی گئی پھر ٹینکوں سے بستی کا گھیراؤ کر کے گولہ باری سے بچے ہوئے مکانوں اور زندہ انسانوں کو ختم کر دیا گیا۔ کچھ لوگ اس بستی سے بھاگ کر ہمارے گاؤں میں آئے اور انہوں نے بتایا کہ محض اس شک پر کہ مجاہدین سامان خورد نوش خریدنے اس گاؤں میں آتے ہیں' پورے گاؤں کو تباہ کر دیا۔ نہ جانے کتنے بچے' بوڑھے اور عورتیں شہید ہوگئی ہیں۔ اسی ظلم سے ڈرتے ہوئے ہماری بستی کے لوگ بھی پاکستان ہجرت کر گئے ہیں۔

علی نے بوڑھے کو بتایا کہ ہم مجاہدین ہیں اور ایک کام کے سلسلے میں ادھر آئے ہیں۔ ہمیں کچھ پرانے ناکارہ کپڑے اور مٹی کا تیل درکار ہے۔

بوڑھا اٹھا' مختلف گھروں میں گیا اور پرانے کپڑے اور مٹی کا تیل اکٹھا کر کے لے آیا۔ مٹی کے تیل سے بہت بڑا ڈول بھرا ہوا تھا۔ علی نے دیکھا تو کہا کہ کافی ہے۔ انہوں نے بوڑھے سے تیل کا ڈول اور کپڑے لیے' شکریہ ادا کیا اور واپس آ گئے۔

پہاڑ پر پہنچے تو سورج غروب ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوگیا تھا اور ابھی تک ان کے ساتھی نہیں آئے تھے۔

اس نے چوٹی پر چڑھ کر پہاڑ کی دوسری سمت دیکھا تو ٹینک اور فوجی گاڑیاں اسی طرح کھڑی تھیں اور خیمے لگا دیئے گئے تھے جن کے اندر یقیناً روسی فوجی آرام کر رہے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد ان کے ساتھی ٹائر لے کر واپس آ گئے۔

علی کے ساتھیوں کی سمجھ میں اب بھی کوئی بات نہیں آ رہی تھی کہ ان ٹائروں سے کیا کیا جائے

گا۔ علی نے پرانے کپڑے ٹائروں کے گرد لپیٹنا شروع کر دیئے اور پھر ان پر اچھی طرح مٹی کا تیل چھڑک دیا۔ کپڑے پوری طرح تیل میں بھیگ گئے تو اس نے دوسرے مجاہدین کو سمجھایا کہ جونہی کام مکمل ہو یہاں سے مغرب کی سمت بھاگ جانا۔ کارروائی کا بقیہ حصہ وہیں جا کر دیکھنا کیونکہ ممکن ہے کہ دشمن اس جگہ گولہ باری شروع کر دے۔

اپنے ساتھی مجاہدین کو ہدایات دینے کے بعد علی نے کہا کہ اب ٹائر اٹھاؤ اور چوٹی پر پہنچ جاؤ۔ چوٹی پر پہنچ کر علی نے ماچس نکالی اور ٹائروں کو جلدی جلدی آگ لگا کر نیچے لڑھکانا شروع کر دیا۔ جونہی کام مکمل ہوا سب مجاہدین دوڑ کر پہاڑ کی دوسری طرف پہنچ گئے اور پتھروں کی اوٹ میں چوٹی ہی پر لیٹ گئے۔

اب ساری بات مجاہدین کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ جلتے ہوئے ٹائروں نے نیچے پہنچ کر روسیوں کے خیموں کو آگ لگا دی تھی۔ چونکہ ہوا کافی تیز تھی' اس لیے یہ آگ بڑی تیزی سے پھیلتی ہوئی فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ روسی فوجی دہشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے' اب وہ کدھر جائیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین یہ نظارہ دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے۔ چند منٹوں بعد نیچے زبردست دھماکے شروع ہو گئے۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے نیچے قیامت آ گئی ہو۔ آگ نے روسیوں کی ان گاڑیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جن میں اسلحہ بھرا ہوا تھا اور اب انہی گاڑیوں میں رکھا ہوا گولہ بارود پھٹ رہا تھا۔ آگ کی روشنی میں نیچے ایک ایک چیز دکھائی دے رہی تھی۔ روسیوں کے جسم ان کے اپنے ہی اسلحہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اڑتے نظر آ رہے تھے۔

چند روسی افسر اس تباہی سے بچنے کے لیے اوپر پہاڑ کی طرف بھاگے جدھر علی اور اس کے ساتھی چھپے بیٹھے تھے۔ جونہی وہ قریب آئے علی نے فائرنگ شروع کر دی۔ وہ سب کے سب لڑھکتے ہوئے نیچے خیموں میں لگی ہوئی آگ میں جا گرے۔ پھر دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز آنے لگی۔ شاید مجاہدین کے کسی گروپ نے ادھر سے حملہ کر دیا تھا۔

فائرنگ کی آواز سن کر علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''فوراً چوکنے ہو جاؤ۔ اگر کوئی روسی ہماری طرف آئے تو اسے زندہ واپس نہ جانے دینا۔''

سب نے پہاڑ پر اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اب اس طرف سے کسی روسی کے بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کئی روسی اس طرف آئے مگر جب علی اور اس کے ساتھیوں نے فائرنگ شروع کی تو واپس دوسری طرف بھاگ اٹھے۔ بھاگتے ہوئے کئی گولیوں کا نشانہ بنے۔

جب کافی دیر تک دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز نہ آئی اور نیچے بھی کسی قسم کی سرگرمی دکھائی نہ دی

تو علی اور اس کے ساتھی بڑے محتاط طریقے سے آہستہ آہستہ چلتے پہاڑ کی دوسری یعنی مشرقی سمت میں آنے لگے۔ احتیاطاً تھوڑی دور رک گئے۔ پھر علی نے ایک خفیہ آواز نکالی جو صرف مجاہدین ہی سمجھ سکتے تھے۔

مجاہدین کے مختلف گروپوں نے ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے لیے یہ آواز منتخب کی ہوئی تھی اور اس آواز کا علم بھی صرف اہم مجاہدین اور کمانڈروں کو تھا۔

علی کی خفیہ آواز کے جواب میں دوسری طرف سے بھی آواز آئی کہ ہم مجاہدین ہی ہیں۔ آپ بے خوف نیچے آسکتے ہیں۔

علی اور اس کے ساتھی جب نیچے پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سو سے زیادہ روسی فوجی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ اتنے ہی تقریباً مرے پڑے ہیں اور جو آگ میں جل گئے ہیں وہ ان کے علاوہ ہوں گے۔

علی کو دوسرے گروپ نے بتایا کہ ہم نے یہاں رات کو شب خون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اور یہاں چھپے بیٹھے تھے کہ اچانک ایک ساتھی نے پہاڑ کے اوپر سے نیچے کی طرف آگ کے گولے چلتے دیکھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان گولوں نے دشمن کے پورے کیمپ کو آگ لگا دی اور پھر دھماکوں سے پہاڑ کانپنے لگا۔ دشمن دہشت زدہ ہو کر ہماری طرف بھاگا تو اسے گولیوں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ علی نے جب انہیں آگ کے گولوں کے بارے میں بتایا تو مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر نے علی کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا کہ جس قوم میں آپ جیسے ذہین اور نوعمر مجاہدین ہوں گے اس قوم کو کبھی غلامی کی زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں۔

بعد میں جب مجاہدین نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تو اس میں دو سو سے زیادہ کلاشنکوفیں اور تین عدد ٹینک ہاتھ آئے۔ سترہ ٹینک اور پچاس سے زیادہ بکتر بند گاڑیاں اور ٹرک تباہ ہو چکے تھے۔ مجاہدین کے کمانڈر نے علی سے کہا کہ اس وقت ہماری جیبوں میں نقد رقم تو بہت تھوڑی ہے۔ بھاری اسلحہ تم اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتے۔ اگر پورا حصہ لینا ہے تو پھر ہمارے ساتھ ہمارے مرکز تک چلیں۔ علی نے کہا کہ ہمیں مالِ غنیمت کا لالچ نہیں اور نہ ہم نے یہ سب کچھ کسی لالچ کے لیے کیا تھا لیکن علی کے انکار پر بھی مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر نے وہ ساری رقم علی کو دے دی جو اس کے پاس تھی۔

رات تو علی نے وہیں گزاری، صبح ہوتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔

تقریباً تین میل کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ علی کو تین مسافر نظر آئے جو بڑے سہمے ہوئے تھے۔ انہوں نے علی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر راستہ بدل لیا۔ ان میں ایک بوڑھا، ایک عورت اور ایک زخمی بچہ تھا جسے بوڑھا اٹھائے ہوئے تھا۔

علی نے آواز دے کر بوڑھے کو بلایا۔ جب بوڑھا قریب آیا تو علی نے دیکھا کہ وہ بہت خوفزدہ

ہے اور بچہ شدید زخمی ہے۔ علی نے پوچھا:

''بابا! یہ بچہ کیسے زخمی ہوا ہے اور تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟''

بوڑھے کی زبان بند رہی۔

علی نے اسے تسلی دی کہ ہم مجاہدین ہیں۔ ہم سے خوف نہ کھاؤ۔ اگر ہم تمہاری مدد کر سکے تو ضرور کریں گے۔

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے بتایا:

''یہاں سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہمارا گاؤں تھا جو اب ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔ کل صبح جب ہم ابھی مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ اچانک روس کے پانچ طیارے نمودار ہوئے۔ لوگ طیاروں کو دیکھتے ہی چھپنے کے لیے پہاڑوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بمباری بہت جلد شروع ہو گئی اور یہ اس قدر زیادہ تھی کہ چند ہی افراد محفوظ جگہوں پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔ تباہ کن بمباری سے گاؤں ملبے کا ڈھیر بن گیا اور نیپام بموں سے جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ سینکڑوں افراد بمباری سے اور ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے۔ طیارے ابھی فضا ہی میں تھے کہ ٹینکوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ گاؤں کا اب کوئی فرد زندہ نہیں بچا ہو گا تو مسلح سپاہیوں نے ملبے کے ڈھیر کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ زخمیوں اور لاشوں کو نکال نکال کر ایک طرف جمع کرنے لگے۔ زخمیوں کو انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈالا اور پھر سب پر پٹرول چھڑک کر...... زندہ جلا دیا۔ جب روسی چلے گئے تو ہم چند افراد جو پہاڑوں میں چھپے بیٹھے تھے، نیچے آئے تا کہ شہدا کو دفن کر سکیں لیکن افسوس کہ ہم وہ بھی نہ کر سکے۔ ہم مردوں نے مل کر بہت سی قبریں کھودیں۔ جب لاشیں اٹھانے لگے تو لاشیں دھماکے سے پھٹ گئیں، لاشیں اٹھانے والوں کے پرخچے اڑ گئے۔ ہم ایک دفعہ پھر خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرا بیٹا بھی شہید ہو گیا اور یہ میرا پوتا یتیم ہو گیا۔ ہم نے رات پہاڑ پر گزاری اور سب نے فیصلہ کیا کہ ایک ایک دو دو کی ٹولیوں میں یہاں سے جائیں تا کہ راستے میں روسی طیارے سب کو اکٹھا دیکھ کر بمباری شروع نہ کر دیں۔''

بوڑھے نے بات ختم کرتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا کہ ہم کتنے بدقسمت ہیں کہ اپنے عزیزوں کی لاشوں کو بھی نہ دفنا سکے۔

علی نے پوچھا کہ بابا! آخر تمہارے گاؤں پر اس قدر ظلم کس وجہ سے کیا گیا؟

بوڑھے نے بتایا کہ اس کے علاوہ ہمارے گاؤں کا کیا جرم تھا کہ یہاں کے کچھ نوجوان جہاد میں حصہ لیتے تھے اور عورتیں مجاہدین کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں۔

علی نے سب سے پہلے اس کے زخمی پوتے کی مرہم پٹی کی اور پھر کہا:

''بابا! اپنے گاؤں تک ہمیں لے چلوتا کہ ہم اس گاؤں کے شہداء کو دفنا سکیں۔''

بوڑھے نے کہا: ''نہیں بیٹا! یہ ظلم میں نہیں کرسکتا کیونکہ جس نے بھی لاشوں کو ہاتھ لگایا وہ خود شہید ہو گیا۔''

علی نے بوڑھے کو بتایا: ''میں تربیت یافتہ مجاہد ہوں اس لیے تم فکر نہ کرو۔''

لیکن بوڑھے کا جواب نفی میں تھا۔

علی کے ساتھیوں نے بھی علی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالو لیکن علی نے کسی کی بات نہ مانی اور بوڑھے کے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ مجبوراً بوڑھے کو بھی ساتھ دینا پڑا۔

جب وہ گاؤں پہنچے تو ابھی کچھ لوگ گاؤں میں موجود تھے۔ علی کو دیکھ کر وہ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ علی نے سب سے کہا کہ آپ لوگ پیچھے چلے جائیں اور مجھے لاشوں کی طرف اکیلا جانے دیں۔ علی نے گاؤں میں داخل ہونے کے بعد انسانی جسموں کے ٹکڑے دُور دُور تک بکھرے ہوئے دیکھے۔ کسی کا جسم بغیر بازوؤں کے تھا تو کسی کا بغیر سر کے اور کسی کا بغیر ٹانگوں کے۔ گڑھے میں پڑی ہوئی لاشیں جل چکی تھیں اور وہاں صرف ہڈیاں یا پھر جلا ہوا گوشت رہ گیا تھا۔ گاؤں میں اب بھی اکثر مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور ایک دل ہلا دینے والا منظر تھا۔

علی کو یاد آیا کہ اس کا گاؤں بھی اسی طرح تباہ ہوا تھا۔ اس کا رونے کو جی چاہا لیکن اس نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرلیا۔ وہ لاشوں کے قریب گیا۔ گاؤں کے کئی بوڑھے اب بھی اسے آوازیں دے رہے تھے کہ بیٹا ان کو ہاتھ نہ لگانا' ہماری بات مان لو اور واپس آ جاؤ لیکن علی نے کسی کی آواز پر کان نہ دھرا۔

علی نے ایک لاش سے اس کی قمیص اوپر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ اس کا پیٹ چاقو سے چیرا ہوا تھا۔ علی نے بڑی احتیاط سے پیٹ سے گوشت اور کھال ایک طرف کی تو اس نے دیکھا کہ اندر ایک چھوٹا سا بم رکھا ہوا ہے۔ علی نے اس بم کے بارے میں ٹریننگ کے دوران سنا تھا کہ اس بم کا نام ''پریشر بم'' ہے۔ لاش اٹھاتے وقت یا پھر لاش پر مٹی ڈالتے وقت جونہی اس پر دباؤ پڑتا ہے' یہ پھٹ جاتا ہے اور یہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ لاش اٹھانے والوں کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ علی نے آواز دے کر ایک تھیلہ منگوایا۔

ایک مجاہد تھیلہ لے کر آیا تو علی نے اس بم کو احتیاط سے لاش کے پیٹ سے نکالا۔ پریشر پن جو اس کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی' دوبارہ اُس کو اس کی جگہ رکھا اور بم کو تھیلے میں رکھ لیا۔ باری باری اس نے تمام لاشوں کے پیٹ اور سینے دیکھ دیکھ کر بم نکال لیے اور تھیلے میں سنبھال کر رکھ لیے۔ پھر لوگوں کے

ساتھ مل کر لاشوں کو دفنانے لگا۔ لوگ اب بھی لاشوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں پھٹ نہ جائیں۔ علی نے انہیں بتایا کہ اب تمام بم نکال لیے گئے ہیں' اس لیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

جب سب لاشوں کو دفنا چکے تو علی نے گاؤں والوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''بزرگو اور دوستو! اس وطن میں یہ تمہارا پہلا گاؤں نہیں ہے جس پر یہ ظلم ہوا' یہ ظلم میرے گاؤں پر بھی ہو چکا ہے اور افغانستان میں شاید ہی کوئی گاؤں اس ظلم سے بچا ہو۔ یاد رکھیں کہ آزادی کی خاطر ہر چیز کی قربانی دینا پڑتی ہے اور اس گاؤں کے لوگوں نے بھی جو عظیم قربانی دی ہے' میں اسے سلام کرتا ہوں۔ ہمارا واسطہ انتہائی ظالم' سفاک اور کمینے دشمن سے ہے۔ جب مجاہدین کے ہاتھوں اس کی پٹائی ہوتی ہے تو اس کا بدلہ وہ نہتے دیہاتی عوام سے لیتا ہے۔ وہ ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن پہاڑوں کے بیٹے انشاء اللہ پہاڑوں سے مضبوط بن کر دکھائیں گے۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ بموں سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں' ہمارے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ اس سرزمین پر بکھر کر مٹی میں مل سکتا ہے لیکن انشاء اللہ ہماری ہمت اور حوصلہ اور پائے استقلال میں لغزش نہیں آئے گی۔

میرے دوستو! اس گاؤں کے مکینوں کی قربانی ہمارے لیے ایک پیغام ہے کہ آزادی کی زندگی یا پھر شہادت کی موت' اس لیے ان شہداء پر مت روؤ۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کرو۔ ان کی راہ ہی کامیابی اور عظمت کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں (کافروں) سے لڑو۔ اللہ تمہارے ہی ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور ان پر تمہیں غلبہ دے گا۔''

علی اپنی بات ابھی ختم کر ہی پایا تھا کہ دشمن کے طیارے پھر نمودار ہوئے۔ سب نے پہاڑوں پر بنی ہوئی پناہ گاہوں میں جا کر پناہ لی۔ علی نے وہ رات ان مظلوموں کے ساتھ گزاری۔ سب کو حوصلہ دیا۔ کئی نوجوان علی کے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگے لیکن علی نے انہیں ہیڈ کوارٹر جانے کا مشورہ دیا کہ پہلے وہاں سے تربیت حاصل کریں۔ خود صبح وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ اس نے پریشر بموں کا تھیلہ بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ایک مجاہد نے اعتراض کیا کہ یہ بوجھ اٹھانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ علی نے کہا کہ ممکن ہے راستے میں کسی جگہ یہ ہمارے کام آئیں اور میں چاہتا ہوں کہ اگر موقع ملے تو انہیں دشمن کے خلاف استعمال کروں۔

دوسرے مجاہد نے کہا: ''اگر راستے میں پھٹ گئے تو ہم سب کا قیمہ ہو جائے گا۔''

علی اس مجاہد کی بات پر ہنسا اور اسے سمجھایا کہ یہ بم اب اس وقت تک نہیں پھٹیں گے جب تک انہیں دوبارہ لاشوں کے اندر نہ رکھ دیں گے۔ اس لیے بے فکر ہو کر چلتے رہو۔





سورج غروب ہونے میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی جب وہ ایک پہاڑ سے اتر رہے تھے۔ انہیں ایک طرف چند افراد نظر آئے۔ علی نے اپنے ساتھیوں سے پتھروں کی اوٹ میں فوراً لیٹ جانے کو کہا اور پھر غور سے سب ساتھی ان افراد کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔

وہ افراد بیٹھے گپ بازی میں مصروف تھے اور ابھی تک انہوں نے علی اور اس کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا تھا۔ علی نے اپنے ساتھی مجاہدین سے مشورہ کے بعد مجاہدین کی مخصوص آواز میں نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو پکارا تو نیچے سے آواز آئی کہ وہ بھی مجاہدین ہیں۔ جب سب کو یقین ہو گیا کہ نیچے مجاہدین کا ہی کوئی گروپ ہے تو وہ سب اٹھ کر نیچے آ گئے۔

تعارف کے بعد مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر جس کا نام ابراہیم تھا' نے علی کو بتایا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ دشمن کا ایک کانوائے کل صبح آ رہا ہے اور اس پہاڑ کے مشرقی جانب جو گاؤں ہے' اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم یہاں اندھیرا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ دشمن کے راستے میں بارودی سرنگیں بچھا سکیں۔

علی نے پوچھا کہ کانوائے کتنا بڑا ہوگا تو کماندار نے بتایا کہ ہماری اطلاع کے مطابق کانوائے کوئی زیادہ بڑا نہیں ہوگا کیونکہ وہ صرف اس گاؤں کو سبق سکھانا چاہتے ہیں تاکہ اس گاؤں کے لوگ ہماری مدد نہ کریں۔ خیال ہے کہ اس میں چند ٹینک' بکتر بند گاڑیاں اور دو سو سے زیادہ فوجی ہوں گے۔ علی نے کہا کہ ہم اگرچہ آگے جا رہے ہیں لیکن آج رات تمہارے ساتھ گزاریں گے اور تمہارا ساتھ دیں گے۔

علی کو جب پتا چلا کہ مجاہدین کے پاس بارودی سرنگیں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں تو اس نے کمانڈر ابراہیم سے کہا کہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ اس منصوبے پر عمل کر کے ہم تھوڑی بارودی سرنگوں کے ساتھ بھی دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

علی نے منصوبہ کی تفصیلات سے کمانڈر کو آگاہ کیا تو کمانڈر ابراہیم خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ میں حیران ہوں کہ تم اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے اچھے منصوبے سوچ لیتے ہو۔ یہ منصوبہ تو بارودی

سرنگوں کے بغیر بھی بہت کامیاب ہو سکتا ہے۔

علی کے کہنے پر کمانڈر ابراہیم نے ایک کلہاڑا' آری اور چند کسیاں منگوا لیں۔ اندھیرا ہوتے ہی سب سے پہلے مجاہدین نے بارودی سرنگیں دشمن کے راستے میں دبائیں اور پھر وہاں سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پر کسیوں سے گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ رات دس بجے تک وہ کئی فٹ گہرا اور چوڑا گڑھا کھود چکے تھے۔ دوسرے مجاہدین لکڑی کاٹ کر لے آئے تھے۔ گڑھے پر چھت ڈال کر راستے کو بالکل پہلے کی طرح ہموار کر دیا گیا اور تازہ کھدی ہوئی مٹی دور ہٹا دی گئی۔ کوئی بھی نیا آنے والا نہیں جان سکتا تھا کہ یہاں کوئی گڑھا کھودا گیا ہے۔ یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر نیچے اترائی تھی۔

علی نے کمانڈر ابراہیم سے کہا کہ اگر ہم یہاں اترائی میں بھی ایک گڑھا کھود دیں تو دشمن کے کم از کم دو ٹینک تو اس گڑھے میں ضرور گریں گے کیونکہ اترائی کے سبب پچھلا ٹینک اگلے ٹینک کو گرتا ہوا نہ دیکھ سکے گا۔ دوسرے جب وہ دیکھے گا تو بریک لگانے کے باوجود ٹینک کو گرنے سے نہ بچا سکے گا۔

کمانڈر ابراہیم نے علی کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے یہاں بھی ایک بڑا گڑھا کھودنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ مجاہدین تھک چکے تھے اور نیند بھی آ رہی تھی لیکن پھر بھی مجاہدین نے مل کر چند گھنٹوں کے اندر اندر بہت بڑا گڑھا کھود کر اور اس پر چھت ڈال کر راستہ بالکل صاف کر دیا۔

اللہ نے بھی مجاہدین کی مدد کی۔ جونہی وہ کام سے فارغ ہوئے ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ اب بالکل پتا ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کس جگہ گڑھے کھودے گئے ہیں۔

ابھی مجاہدین کو سوئے ہوئے بمشکل ایک ہی گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کمانڈر ابراہیم نے مجاہدین کو صبح کی نماز کے لیے جگایا۔ کمانڈر ابراہیم نے رات ہی کو گاؤں والوں سے کہہ دیا تھا کہ صبح سحری کے وقت ہی گاؤں خالی کر کے پہاڑوں پر بنائے گئے مورچوں میں چھپ جائیں اس لیے صبح ہوتے ہی سارا گاؤں خالی ہو چکا تھا۔

صبح دشمن کے طیارے بمباری کرنے آئے تو وہاں ایک بھی انسان یا حیوان نہیں تھا۔ بمباری سے مکانات ملبے کا ڈھیر بنتے جا رہے تھے اور کئی جگہ آگ بھی لگ گئی تھی لیکن اس بمباری سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

علی اور دوسرے مجاہدین نماز سے فارغ ہونے کے بعد راستے کے دونوں اطراف پوزیشنیں لیے دشمن کے کانوائے کا انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے حملے کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ جس گاؤں پر حملہ کرنا مقصود ہوتا ہے' وہاں سب سے پہلے طیاروں سے بمباری کی جاتی ہے اور پھر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے گاؤں کو محاصرے میں لے کر بچے ہوئے انسانوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دشمن کا کانوائے نظر آنا شروع ہو گیا۔ ٹینکوں سے اردگرد کے پہاڑوں پر گولہ باری کی جا رہی تھی تا کہ اگر ان پہاڑوں پر مجاہدین چھپے ہوئے ہوں تو وہ بھاگ جائیں اور کانوائے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں لیکن یہاں تو مجاہدین پتھروں کی اوٹ میں بنائے گئے مورچوں میں چھپے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی جھاڑیاں بھی ان مورچوں کو دشمن کی نظر سے چھپائے ہوئے تھیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین دشمن کے کانوائے کی تباہی کا منظر دیکھنے کو بے تاب تھے۔ جب اگلا ٹینک بارودی سرنگوں کے قریب آ گیا تو سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اگلے ٹینک کے دباؤ سے بارودی سرنگیں پھٹیں اور زبردست دھماکے سے ٹینک قلابازیاں کھاتا ہوا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

کانوائے کا پچھلا حصہ رک گیا اور اردگرد کے پہاڑوں پر گولوں کی بارش ہونے لگی۔ جب دشمن کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی چیز سلامت نہ بچی ہو گی تو وہ بکتر بند گاڑیوں سے نکلا اور ٹینک میں ہلاک ہونے والوں کو نکالنے لگا۔ دشمن کے فوجی اگلے راستے کو مائنز ڈیٹیکٹر سے چیک کرنے لگے کہ کہیں آگے مزید بارودی سرنگیں نہ بچھی ہوں۔

علی نے سب مجاہدین سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجاہدین کی طرف سے کارروائی آخری مرحلے میں ہو گی' اس لیے پہلے کوئی مجاہد گولی نہ چلائے۔ اگر پہلے گولی چل گئی تو ممکن ہے کہ دشمن بھاگ اٹھے اور ہم اسے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔

دشمن کو جب یقین ہو گیا کہ آگے راستہ صاف ہے اور اردگرد کے پہاڑوں پر کوئی مجاہد نہیں کیونکہ اگر مجاہدین ہوتے تو لازماً کچھ نہ کچھ ضرور کرتے۔ یہ سوچ کر دشمن نے آگے کی طرف پیش قدمی کی لیکن ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ دشمن کا اگلا ٹینک جونہی کھودے گئے گڑھے کی چھت پر سے گزرنے لگا' ٹینک کے بوجھ سے چھت کی لکڑیاں ٹوٹ گئیں اور ٹینک گڑھے میں گر کر پھنس گیا۔ دشمن کے فوجیوں نے ایک دفعہ پھر اردگرد کا جائزہ لیا اور کانوائے کو گاؤں کی طرف چلا دیا۔ ٹینک اور کانوائے کی دوسری گاڑیاں گڑھوں سے ڈرتے ہوئے راستے سے ہٹ کر چل رہی تھیں لیکن جہاں اترائی میں گڑھا کھودا گیا تھا' وہاں سے وہ راستے سے ہٹ کر نہیں چل سکتے تھے۔ چند فوجیوں نے اتر کر اترائی والے راستے کا جائزہ لیا۔ علی نے اس گڑھے کو ڈھانپنے پر خصوصی توجہ دی ہوئی تھی' اس لیے کسی کو گڑھے کا شک نہ ہوا۔ ٹینک نے اترائی اتر کر جونہی اس پر اگلا حصہ رکھا' وہ گڑھے میں قلابازی کھا کر گر پڑا اور اس کے پیچھے حسب توقع دوسرا ٹینک بھی گرا۔ اب علی اور کمانڈر ابراہیم نے دوسرے مجاہدین کو چوکنا کر دیا کہ جونہی دشمن بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلے' فائرنگ شروع کر دیں۔ ایسا ہی ہوا۔ دشمن کے فوجی بے فکر ہو کر راستہ

بنانے کے لیے باہر نکلے اور کچھ ویسے ہی ہوا خوری کے لیے نکل آئے۔

مجاہدین نے دونوں طرف سے فائرنگ شروع کر دی۔ اس سے قبل کہ دشمن سنبھلتا' دشمن کے بیسیوں فوجی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ باقیوں نے بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں میں پناہ لی۔ مجاہدین کے پاس ایسا اسلحہ نہیں تھا کہ وہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو نقصان پہنچا سکتے۔ دشمن کے تین ٹینک گڑھوں میں پھنس چکے تھے اور ایک ٹینک تباہ ہو چکا تھا' بیسیوں فوجی ہلاک ہو چکے تھے۔ اس لیے مجاہدین کی طرف سے جونہی فائرنگ بند ہوئی' دشمن نے لاشوں کو اُٹھایا اور واپسی کا راستہ لیا۔

کمانڈر ابراہیم علی سے بہت خوش تھا کہ اس کی منصوبہ بندی سے دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا ہے اور وہ اپنے تین ٹینک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ دشمن کے جانے کے بعد پہاڑ نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھے۔ مگر علی زیادہ خوش نہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت مجاہدین کے پاس جدید ہتھیار ہوتے تو جس طرح دشمن ہمارے جال میں پھنسا تھا ان میں سے ایک بھی بچ کر واپس نہ جا سکتا مگر اسلحہ کی کمی کی وجہ سے دشمن اپنا بہت سا سامان بچا کر واپس لے گیا۔





نماز ظہر کا وقت تھا جب علی اپنے گروپ کے مجاہدین کے مرکز میں داخل ہوا۔ پہرے پر موجود مجاہد نے پہلے اس کی شناخت کی اور پھر آگے جانے دیا۔ اس مرکز کا انچارج کمانڈر عمر تھا' جو پہلے افغان فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔ جب روسی فوج افغانستان میں داخل ہوئی تو یہ فوج سے بھاگ آیا اور مجاہدین میں شامل ہو گیا۔ اور جب سے یہ مرکز بنایا گیا تھا' اسی وقت سے اس کا انچارج تھا۔ اس کے ماتحت مجاہدین کے کئی چھوٹے مراکز تھے۔

کمانڈر عمر نے فوراً علی کو اپنے پاس اندر بلایا اور خیریت پوچھنے کے بعد بتایا کہ مجھے تمہاری روانگی کی اطلاع وائرلیس پر مل چکی تھی مگر تم دو دن تاخیر سے یہاں پہنچے ہو۔ علی نے راستے میں پیش آنے والے واقعات سے کمانڈر عمر کو آگاہ کیا جن کی وجہ سے وہ دو دن لیٹ ہو گیا تھا۔ کمانڈر عمر نے تمام واقعات سننے کے بعد کہا کہ تم نے بے شک اچھے کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن چیف کمانڈر کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے تمہیں سیدھے یہاں پہنچنا چاہئے تھا۔ ہم پچھلے دو دن سے تمہارے بارے میں بہت فکرمند تھے۔ ہم تمہیں کل حیدر مرکز پر بھیج دیں گے۔ اس کے بعد تم نے اپنا کام کس طرح کرنا ہے اور کون سا بھیس بدل کر شہر میں داخل ہونا ہے' وہاں تمہیں پتا چل جائے گا۔ اب تم لوگ آرام کرو۔

رات کے چار بجے تھے جب باہر شور و غل سے علی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ تمام مجاہدین اپنے بوٹوں کے تسمے باندھ رہے ہیں اور ایسے معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے کسی چھاپہ مار کارروائی کے لیے جا رہے ہوں۔

وہ جلدی سے اُٹھا' اپنے بوٹ پہنے' کلاشنکوف اٹھائی' گولیوں کو چیک کیا اور کمانڈر عمر کے پاس آیا اور اس تیاری کے بارے میں پوچھنے لگا۔ کمانڈر عمر نے بتایا کہ ابھی چند منٹ پہلے وائرلیس پر ایک دوسرے گروپ کے مجاہدین کے ایک مرکز سے پیغام ملا ہے کہ وہ مکمل طور پر گھیرے میں آ چکے ہیں۔ انہوں نے ہم سے مدد مانگی ہے اور اگر ہم ان کی مدد کو جلدی نہ پہنچے تو دشمن مرکز پر قبضہ کر کے سب کو شہید کر دے گا کیونکہ فرار کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ علی نے بھی ساتھ جانے کی اجازت مانگی۔ پہلے تو کمانڈر نے اسے کہا کہ ایک تو تم تھکے ہوئے ہو' دوسرے ہمارے مہمان ہو اس لیے تم آرام کرو

لیکن جب علی نے زیادہ ہی اصرار کیا تو اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ایک پہاڑ کے دامن میں رکے اور وائرلیس پر کمانڈر عمر اس مرکز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ فکرمند تھا کیونکہ روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے وہ محاصرہ توڑ کر مجاہدین کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا۔ اگر دیر ہو گئی تو محاصرہ توڑنا مشکل ہو جائے گا۔ اس نے علی کو وائرلیس دیتے ہوئے کہا: "تم اس پر کوشش کرو۔" خود مجاہدین کو ہدایات دینے لگا کہ پہلی دفعہ دوسرے گروپ نے مدد مانگی ہے اگر ہم انہیں نہ بچا سکے تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اتنی دیر میں علی کا وائرلیس پر رابطہ قائم ہو گیا اور اس نے وائرلیس کمانڈر عمر کو دے دی۔ کمانڈر عمر نے سب سے پہلے خیریت دریافت کی' پھر دشمن کی پوزیشنوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔ وہ معلومات کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔

بات ختم ہوئی تو اس نے چند تجربہ کار مجاہدین کو بلایا اور پھر کاغذ پر نقشہ بنا کر ٹارچ کی روشنی میں انہیں سمجھانے لگا۔ ان میں علی بھی شامل تھا۔

کمانڈر عمر بتا رہا تھا کہ مجاہدین جو اس مرکز میں ہیں' ان میں سے دس مجاہد شہید ہو چکے ہیں' پندرہ زخمی ہیں اور اٹھارہ مجاہد اس وقت بھی دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اسلحہ اتنا تھوڑا ہے کہ وہ مزید ایک گھنٹہ بمشکل مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مرکز کے جنوب کی طرف دشمن کی فوج سب سے زیادہ ہے اور اسے ٹینکوں کی مدد بھی حاصل ہے۔ دشمن کا خیال ہے کہ اگر مجاہدین کو کوئی مدد مل سکتی ہے تو اسی جانب سے مل سکتی ہے اور یہ خیال اس کا درست بھی ہے۔ مشرق کی طرف سے بھی کوئی مدد نہیں آ سکتی کیونکہ ادھر بھی دشمن مورچہ بند ہے اگرچہ اس کی تعداد جنوب کی نسبت کم ہے' مگر اس طرف مجاہدین کا کوئی مرکز نہیں ہے جدھر سے مدد آ سکے اور دشمن اس کمزوری سے باخبر ہے۔ شمال کی جانب دشمن کی تعداد کافی کم ہے لیکن ادھر سے حملہ خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ ادھر چار میل کے فاصلے پر دشمن کی چھاؤنی ہے جہاں سے چند منٹوں میں اسے مدد مل سکتی ہے اور دشمن کی چال بھی یہی ہے کہ جنوب کی طرف سے نہ صرف مجاہدین کی مدد روکی جائے بلکہ حملہ کر کے انہیں شمال کی جانب بھاگنے پر مجبور کیا جائے۔...... شمال میں موجود روسی فوجی بھاگتے ہوئے مجاہدین کو گرفتار کر لیں۔ رہی مغرب کی سمت۔ اوّل تو یہ جنوب اور شمال کی مکمل زد میں ہے' دوسرے اس طرف کا پہاڑ بالکل ننگا ہے اور مجاہدین اس طرف سے بھاگیں تو ان پر بمباری کے ساتھ ساتھ گولہ باری بھی کی جائے گی۔ ویسے بھی یہ انتہائی مشکل راستہ ہے بلکہ راستہ ہے ہی نہیں کیونکہ پہاڑ تقریباً سیدھا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس کل ساٹھ مجاہدین ہیں

اور جنوب میں دشمن کی تعداد پانچ سو سے سات سو کے لگ بھگ ہے۔ اب آپ لوگ رائے دیں کہ ہم کدھر سے حملہ کریں۔

مختلف مجاہدین نے مختلف رائیں دیں۔ آخر میں علی نے کہا کہ میں آپ جتنا تجربہ کار تو نہیں ہوں لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ دشمن کو چونکہ یہی توقع ہے کہ محصور مجاہدین کو امداد صرف جنوب سے مل سکتی ہے اس لیے ساٹھ میں سے چالیس مجاہدین جنوب ہی سے حملہ آور ہوں جبکہ باقی بیس مجاہدین شمال کی طرف سے دشمن کے کیمپ پر حملہ کر کے فرار کا راستہ بنائیں۔

''لیکن شمال کی طرف سے اور وہ بھی بیس مجاہدین کی کارروائی تو خودکشی ہے کیونکہ دشمن کے کم از کم بھی وہاں ایک سو فوجی تو لازماً ہوں گے۔'' کمانڈر عمر نے کہا۔

علی نے کہا کہ یہی بات دشمن بھی سوچ رہا ہے کہ شمال کی جانب سے مجاہدین کسی صورت بھی حملہ آور نہیں ہوں گے' اس لیے یہ حملہ غیر متوقع ہوگا اور اس صورت میں جب آپ جنوب کی طرف سے دشمن پر حملہ کر چکے ہوں گے' اس غیر متوقع حملے میں دشمن کو ہماری قوت کا اندازہ لگانے کا موقع ہی نہیں ملے گا اور افراتفری میں جب تک وہ سنبھل پائے گا' اتنی دیر میں محصور مجاہدین ہم تک آ ملیں گے۔

کمانڈر عمر اس بات پر سوچنے لگا اور پھر کہا کہ منصوبہ تو کافی خطرناک ہے مگر اس کے علاوہ کوئی قابل عمل صورت بھی نہیں مگر ایک بات تو بتاؤ کہ اگر بھاگتے ہوئے مجاہدین پر مشرق کی طرف والے دشمن نے حملہ کر دیا تو اس صورت میں کیا ہوگا۔

علی نے کہا کہ مشرق کی طرف والے روسی فوجی حملہ نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جب ہم حملہ کریں گے تو دشمن مشرق کی طرف ہی بھاگے گا۔ اگر مشرق کی طرف والے روسی فائرنگ کرتے ہیں تو ان کے اپنے آدمی زیادہ تعداد میں مارے جائیں گے۔

کمانڈر نے علی کی بات سن کر کہا کہ تم ہو تو ابھی بہت چھوٹے لیکن قدرت نے تمہیں دماغ بہت بڑا دیا ہے۔ فوجی افسر ہوتے ہوئے بھی یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ چونکہ یہ منصوبہ تمہارا ہے اس لئے تم ہی اس پر بہتر طور پر عمل کر سکتے ہو' بیس مجاہدین کے بجائے تیس مجاہدین لے جاؤ۔ دوسری طرف تیس مجاہدین سے میں دشمن کی توجہ اپنی طرف لگائے رکھوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا' اپنے آپ کو زیادہ خطرے میں نہ ڈالنا۔

علی نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ آپ یہ ذمہ داری میرے سپرد کر رہے ہیں' میرے لیے دعا بھی کرنا۔ انشاءاللہ میں بھی سارے مجاہدین کو زندہ سلامت واپس لانے کی کوشش کروں گا اور یہ وائرلیس سیٹ آپ مجھے دے دیں کیونکہ اب محصور مجاہدین سے مجھے ہی رابطہ قائم کرنا ہے۔ کمانڈر عمر نے

وائرلیس سیٹ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔

علی نے رخصت ہوتے ہوئے کمانڈر عمر سے کہا کہ آپ جاتے ہی فوراً حملہ کر دیں تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی ہم بھی کارروائی شروع کر سکیں۔

علی خدا کا نام لے کر چل پڑا۔ بڑا پرخطر راستہ تھا۔ قدم قدم پر خطرہ تھا۔ دو مجاہد آگے تھے۔ وہ مخصوص جنگلی جانور کی آواز میں راستہ صاف ہونے کا اشارہ کرتے تو باقی مجاہدین اس جگہ پہنچ جاتے۔ آہستہ آہستہ چلتے' بیٹھتے' رینگتے وہ ایک نالے میں پہنچ گئے۔ یہاں کافی جھاڑیاں تھیں۔ سب مجاہدین کو علی نے یہاں بیٹھنے کا کہا اور تین مجاہدین کو ساتھ لے کر آگے دشمن کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر انہیں دشمن کے خیمے نظر آئے۔ ایک خیمے کے اندر سے مدھم سی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اب تینوں مجاہدوں کو علی نے کہا کہ تم رینگتے ہوئے آگے جاؤ اور دشمن کی پوزیشنوں کا پتا کر کے آؤ۔ وہ خود بھی رینگتا ہوا خیمے کی طرف روانہ ہو گیا۔ مزید آگے جا کر اُس نے دیکھا کہ جس خیمے سے روشنی آ رہی ہے' اُس سے پرے کافی تعداد میں اور بھی خیمے ہیں۔ روشنی والے خیمے کے باہر ایک مسلح فوجی پہرہ دے رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کسی افسر کا خیمہ ہے۔

علی نے سوچا کہ اگر کسی طریقے سے فوجی کو اغوا کر لوں تو دشمن کی ساری پوزیشنوں کا پتا چل سکتا ہے لیکن اسکے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر اغوا کرنے میں ناکام ہو گیا تو سارا پلان فیل بھی ہو سکتا ہے۔ پھر خود ہی اُس کے ذہن میں جواب اُبھرا کہ فوجی پوری رات جاگ کر تھکا ہوا ہے' مزاحمت نہیں کر پائے گا اور افسر اندر شراب پی کر گہری نیند سو رہا ہوگا اور قریب کوئی دوسرا فوجی بھی نظر نہیں آ رہا۔ دشمن شاید اس طرف سے بالکل بے فکر ہے۔ اگر بے فکر نہ ہوتا تو پہرے کا ٹھیک ٹھاک انتظام ہوتا مگر علی کو ابھی تک کوئی دوسرا پہرے دار نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے علی نے اس فوجی کو اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ رینگتا ہوا اس کی پشت پر پہنچ گیا۔ پھر اچھل کر اُس نے ایک ہاتھ اُس کے منہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے زور سے اُس کے سر پر پستول کا بٹ مارا تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ اس کا منصوبہ کامیاب رہا۔ وہ اُسے گھسیٹتا ہوا نالے میں لے آیا۔

اتنی دیر میں دوسرے مجاہدین بھی آ چکے تھے۔ بے ہوش فوجی کو ہوش میں لانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ جلد ہی وہ ہوش میں آ گیا۔ اپنے آپ کو مجاہدین میں دیکھ کر وہ سخت گھبرایا۔ علی نے اُسے تسلی دی کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور اگر ذرہ بھی تم نے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو چیخ کی آواز تمہارے منہ سے باہر آنے سے پہلے ہی تمہاری جان نکال دی جائے گی۔

فوجی نے کہا کہ اگر آپ مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے تو میں ہر طرح سے آپ کی مدد کو تیار ہوں۔ مجھے خود روسی فوج سے نفرت ہے۔

پھر اُس نے علی کو رُوسی افغان فوج کی ساری پوزیشنوں کے بارے میں بتایا۔ علی نے اپنے بھیجے ہوئے تین مجاہدین سے بھی رپورٹ لی تو معلومات کافی حد تک ایک جیسی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ فوجی ٹھیک بتا رہا تھا۔

علی نے مزید سوالات پوچھے تو پتا چلا کہ دشمن کو واقعی اس طرف سے کسی کارروائی کی توقع نہیں تھی۔ دشمن کے اس طرف سو سے کم فوجی تھے.......... ایک افغان فوجی افسران کی قیادت کر رہا تھا۔ وہی افسر اس وقت خیمے میں سو رہا تھا۔ دشمن کا منصوبہ تھا کہ محصور مجاہدین کو صبح گرفتار کریں گے۔ اس لیے فوجی تو پہاڑ کی چوٹی پر پوزیشنیں لیے بیٹھے تھے مگر افغان فوجی افسر نیچے خیمے میں سو رہا تھا۔

علی نے اتنی دیر میں زبردست گولہ باری کی آواز سنی۔ اسی آواز کا اُسے انتظار تھا۔ اس گولہ باری کا مطلب تھا کہ کمانڈر عمر نے اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔ اس طرف کا دشمن بھی یقیناً چوکس ہو گیا ہو گا کہ محصور مجاہدین باہر آئیں تو انہیں گرفتار کرے۔

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے۔ ایک گروپ جو پانچ مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ دشمن کی گاڑیوں پر قبضہ کر کے فوراً اس نالے میں آ جائے۔ کام کا اسلحہ بھی ان میں لاد لے۔ دوسرے دس مجاہدین کے گروپ کو دشمن کے تمام خیموں کو آگ لگانے کا کام سونپا گیا اور انہیں کہا گیا کہ خیموں کو آگ لگانے کے بعد اسلحہ کے ذخیرہ کو بھی آگ لگا دیں مگر اپنے آپ کو بچاتے ہوئے۔ آگ لگانے کے بعد اس گروپ کا کام تھا کہ مشرق کی طرف سے آنے والے دشمن کا راستہ روکے تاکہ مجاہدین کسی بھی صورت میں گھیرے میں نہ آ جائیں۔

وہ دونوں گروپ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد علی نے وائرلیس پر محصور مجاہدین کے کمانڈر سے رابطہ قائم کیا اور اُسے کہا کہ وہ شمال کی طرف سے محاصرہ سے نکلنے کی کوشش کریں۔

محصور کمانڈر نے کہا کہ اس طرف تو دشمن ہمیں زندہ گرفتار کرنے کے لیے تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔

علی نے اُسے کہا کہ آپ مجاہدین کو لے کر اس طرف آنے کی تیاری کریں۔ دس منٹ بعد آپ کو راستہ صاف ملے گا اور آپ دشمن کو مشرق کی طرف بھاگتا ہوا دیکھیں گے۔ دشمن اس وقت ہمارے محاصرہ میں ہے۔ اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ وقت ضائع نہ کرنا۔

محصور کمانڈر سے بات ختم کرنے کے بعد علی نے باقی پندرہ مجاہدین کو ساتھ لیا اور دشمن کے

مورچوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ رینگ رینگ کر چل رہے تھے تاکہ دشمن انہیں قبل از وقت نہ دیکھ لے۔

اندھیرا چھٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اگر چند منٹ کے اندر اندر کارروائی مکمل نہ ہوئی تو نہ محصور مجاہدین نکل سکتے تھے اور نہ ہی علی کے ساتھی‘ اس لیے ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا جا رہا تھا۔ گرفتار فوجی کو اُن مجاہدوں کے ساتھ بھیج دیا تھا جو خیموں کو آگ لگانے گئے تھے تاکہ وہ اُن کی مدد کر سکے اور اُن دس مجاہدین کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر کسی فوجی کو کسی خیمے میں پائیں تو اُسے زندہ نہ چھوڑیں کیونکہ ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں جو ان کو گرفتار کرنے کے بعد پہرہ دے سکیں۔

علی اور اُس کے ساتھی پہاڑ پر آدھے سے زیادہ چڑھ چکے تھے اور وہاں سے اُنہیں دشمن کے مورچے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر جھاڑیوں اور پتھروں کی اوٹ میں چھپ گئے۔ مورچوں پر راکٹوں سے حملہ کرنے کا پروگرام تھا لیکن یہ حملہ خیموں کو آگ لگانے کے بعد کرنا تھا۔ علی کی نظر خیموں پر تھی۔ اُس نے دیکھا کہ چند لمحوں بعد سارے خیمے آگ کی لپیٹ میں تھے۔ اس نے دشمن کی گاڑیاں بھی نالے کی طرف جاتی دیکھیں اور جب اسلحہ کے ذخیرہ کو آگ لگی تو زبردست دھماکے ہونے لگے۔

علی کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اور دوسرے مجاہدین نے راکٹوں سے پہاڑ پر بنائے گئے مورچوں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ دشمن کے فوجیوں کو اتنی زبردست کارروائی کی توقع ہی نہیں تھی‘ اور اسے مجاہدین کی تعداد کا بھی کوئی اندازہ نہ تھا اس لیے مقابلہ کرنے کے بجائے وہ بوکھلا کر بھاگ اٹھے اور علی کی توقع کے مطابق وہ مشرق کی طرف بھاگے۔ علی نے فوراً وائرلیس پر رابطہ قائم کر کے محصور مجاہدین کو راستہ صاف ہونے کا سگنل دیا اور آگے بڑھ کر دشمن کے بنائے گئے مورچوں پر قبضہ کر لیا۔

چند منٹوں بعد محصور مجاہدین زخمیوں اور شہداء کو اُٹھائے ہوئے مورچوں میں تھے۔ علی نے کہا کہ آپ لوگ فوراً نالے کی طرف نیچے جائیں‘ وہاں ہمارے پانچ مجاہد موجود ہیں۔ ہم مزید دس منٹ تک یہاں دشمن کا مقابلہ کریں گے کیونکہ اگر دشمن کو پتا چل گیا کہ ہم بھاگ رہے ہیں تو وہ ہم پر پشت سے حملہ کر سکتا ہے۔

روسی افغان فوجیوں میں سے کئی بھاگتے ہوئے اور کئی راکٹوں سے مر گئے تھے اور ان کی لاشیں مورچوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ محصور مجاہدین نالے تک پہنچ گئے ہیں اور دشمن فوری طور پر جوابی حملہ بھی نہیں کر سکتا تو اس نے مخصوص فائر کی آواز سے دس مجاہدین کو نالے میں واپس پہنچنے کی ہدایت کی اور خود مورچوں میں دشمن کا اسلحہ ناکارہ کرنے لگا۔

علی پریشر بم ساتھ لانا نہیں بھولا تھا۔ اس نے پہاڑ پر دشمن کے کئی فوجیوں کے پیٹ چاک ک اور ان کے اندر پریشر بم رکھ دیے۔ پھر پانچ مجاہدین کے علاوہ باقی سب کو واپس جانے کے کہا۔......... پانچ مجاہدین کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ دشمن پر زبردست گولہ باری جاری رکھیں اتفاق سے یہ گولہ باری دشمن کی اپنی توپوں سے ہو رہی تھی جو ابھی تک مجاہدین نے تباہ نہیں کی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد علی نے اپنے پانچ ساتھیوں سمیت واپسی کا راستہ لیا اور نالے میں پہنچ کر علی تمام مجاہدین سے کہا کہ چھوٹے چھوٹے گروپوں میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ نالے کے ا سے کوئی نہ جائے کیونکہ ممکن ہے دشمن نے نالے میں بارودی سرنگیں بچھائی ہوں۔ واپسی کا راستہ و ہوگا جس راستے سے آئے تھے۔

علی اور دوسرے مجاہدین گروپوں کی صورت میں گاڑیوں سے اُتر کر پہاڑ کے وسط ہی میں تھے۔ کہ دشمن کے بمبار طیاروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ سب مجاہدین پتھروں اور جھاڑیوں کی اوٹ چھپ گئے۔ دشمن کی نظر شاید مجاہدین پر نہیں پڑی تھی اس لیے وہ کھڑی گاڑیوں کو اپنے بموں کا نشانہ رہا تھا لیکن چند بم مجاہدین کے درمیان بھی گرے جس سے دو مجاہد شہید ہو گئے۔ جونہی بمباری ختم ہ علی نے کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو پہاڑ کے دوسری طرف پہنچنے کی کوشش کرو کیونکہ اس طرف جھاڑ بہت کم ہیں' اگر دشمن کے ہیلی کاپٹر آ گئے تو پھر ہم سے کسی کا بچنا مشکل ہے جبکہ پہاڑ کی دوسری طر گھنی جھاڑیاں ہیں اور چھپنے کے لیے بہت جگہیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین جب زخمیوں اور شہدا کو لے کر مرکز میں پہنچے تو کمانڈر عمر ابھی تک ن آیا تھا۔ محصور مجاہدین کے کمانڈر نے علی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ایسے محاصرہ میں ہم میں کسی ایک کا بھی بچنا ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن آپ لوگوں نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جس پر مجھے ا بھی یقین نہیں آ رہا۔ اب بھی مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ کوئی خواب ہو۔ اس نے مزید کہا کہ ج میں نے مورچے میں تمہیں پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا تو میرا خیال تھا کہ کمانڈر کوئی اور ہے کیونکہ تم تو ا کل کے بچے نظر آتے ہو۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میری قوم میں جرأت کے ساتھ ساتھ تم جیسے ذ نوجوان بھی ہیں۔ تمہاری ہی عمر کا میرا بیٹا بھی تھا جو پچھلے سال شہید ہو گیا تھا۔

سارے مجاہدین تھکے ہوئے تھے اور نیند اُن کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ شہداء اور زخمیوں کا ذ تھا مگر یہ تو یہاں کا روز کا معمول تھا' اس لیے زخمیوں کی مرہم پٹی کے بعد سب نے ناشتہ کیا اور پھر سو کے لیے لیٹ گئے۔

جب مجاہدین سو کر اُٹھے تو نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا مگر کمانڈر عمر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ علی ا

سوچ ہی رہا تھا کہ کچھ مجاہدین کو کمانڈر عمر کو اطلاع دینے بھیجے کہ ہم واپس آ چکے ہیں' اس لیے آپ بھی واپس آ جائیں کہ ایک مجاہد نے آواز دی کہ کمانڈر عمر اور دوسرے مجاہدین آ رہے ہیں۔

کمانڈر عمر کا استقبال کرنے مجاہدین باہر نکل آئے اور پورا مرکز تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ کئی مجاہدوں نے کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر کے خوشی کا اظہار کیا۔

کمانڈر عمر نے علی کو دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا اور شاباش دی۔ پھر وہ محصور مجاہدین کے کمانڈر سے بغل گیر ہوا۔

کمانڈر عمر نے علی سے ساری تفصیل پوچھی اور پھر علی کو بتایا کہ تمہیں اس طرف بھیج کر میں بہت پچھتایا اور اللہ سے دعائیں کرتا رہا کہ وہ تمہیں بخیر و عافیت واپس لائے۔ پھر علی کو بتایا کہ ہم نے جاتے ہی دشمن پر جو حملہ کیا تو دشمن کو چونکہ اس طرف سے حملہ متوقع تھا اس لئے دشمن کے جوابی گولے سیدھے ہم پر آ گرنے لگے جس سے پانچ مجاہد پہلے پانچ منٹوں ہی میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ہم نے پوزیشنیں تبدیل کیں تو پھر ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ جب سورج طلوع ہونے والا تھا اور صبح کی روشنی پھیل چکی تھی' ایک مجاہد کو پہاڑ کی چوٹی پر اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ دشمن کی پوزیشنوں کا اندازہ لگائے کہ ہمارے گولے ٹھیک جگہ پر گر بھی رہے ہیں کہ نہیں۔ جب وہ نیچے آیا تو اس نے بتایا کہ اس نے دیکھا ہے کہ دشمن ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ پسپا ہو رہا ہے۔ مجھے یقین نہ آیا۔ میں دوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور دوربین لگا کر دیکھا تو بات سچ تھی۔ میں نے پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا مگر دشمن کے بمبار طیارے آ گئے اور ہمیں مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ دشمن مسلسل پہاڑوں پر بمباری کرتا رہا۔ ہمارے پاس کوئی طیارہ شکن توپ نہ تھی۔ اگر ہوتی بھی تو ہم دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکتے کیونکہ اس کے طیارے بہت اونچائی سے بمباری کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں واپس آنے میں دیر ہوئی مگر تم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے' وہ مدتوں یاد رہے گا۔

علی حیدر مرکز کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑا تھا کہ افغان فوج سے بھاگے ہوئے دو فوجی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ کل صبح جب آپ لوگوں نے حملہ کیا تو ہمارے سبھی افسروں کا خیال تھا کہ مجاہدین کی بہت بڑی تعداد حملہ کر کے ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجاہدین شمال کی جانب سے حملہ آور ہوں گے۔ جب خیموں کو آگ لگی اور مورچوں پر اچانک حملہ ہوا تو مقابلہ کرنے کا کسی نے سوچا ہی نہیں۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا اور مرکز کے جنوب میں جو فوجی دستے تھے انہیں بھی پسپائی کے لیے کہہ دیا گیا۔ جب سب دوپہر کے بعد چھاؤنی میں اکٹھے ہوئے اور سوچنے لگے کہ اگر مجاہدین زیادہ تعداد میں ہوتے اور جس طرح

انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا تھا' وہ ہمارا پیچھا ضرور کرتے اور ہم اپنی چھاؤنی کا تحفظ بھی نہ
کر پاتے۔ جب عصر کے وقت معلوم ہوا کہ آپ مورچے چھوڑ کر واپس جا چکے ہیں تو سب سوچوں
میں پڑ گئے۔ سب کا خیال تھا کہ کم از کم ایک ہزار مجاہدین نے شمال کی جانب سے حملہ کیا ہے۔ جب
مشرقی مورچوں میں موجود فوجیوں کو پتا چلا کہ مجاہدین نے شمال سے حملہ کر دیا ہے تو وہ بھی سارا اسلحہ
چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شام کے وقت بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں کے ساتھ بہت بڑا فوجی کانوائے لاشیں اُٹھانے آیا
تو وہ محفوظ اسلحہ اور گولہ بارود دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب روسی افغان فوجی شمالی پہاڑ پر لاشیں اُٹھانے
لگے تو وہ دھماکے سے پھٹنے لگیں جن سے کئی روسی اور افغان فوجی ہلاک ہو گئے جس کے بعد وہ کئی لاشیں
اُٹھائے بغیر ہی واپس چلے گئے۔ ہم دونوں ساتھی مجاہدین سے ملنے کا فیصلہ کر چکے تھے' اس لیے وہیں
جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ رات ہم نے جھاڑیوں میں گزاری اور صبح کو ہم اِدھر چل پڑے کہ کوئی مجاہد
مل جائے تو اس سے کسی مرکز کا پتا پوچھیں۔ اسی تلاش میں ہمیں دو مجاہدوں نے گرفتار کر لیا اور یہاں
لے آئے۔

عسکریوں کی باتیں سن کر علی کو خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتنی بڑی مدد
کی ہے کہ دشمن کی آنکھوں کو تیس مجاہد ہزار بن کر نظر آئے۔ یقیناً اللہ نے اپنے فرشتے مدد کے لیے بھیجے
ہوں گے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تیس مجاہدوں کو دشمن ہزار سمجھنے لگے لیکن اُسے افسوس بھی ہوا کہ اللہ نے
تو اس قدر مدد کی لیکن ہم بزدل نکلے کہ دشمن کا اسلحہ بارود بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے۔ اس نے کمانڈر عمر
سے ان باتوں کا اظہار کیا تو کمانڈر عمر نے کہا کہ علی جتنا بڑا تم نے کام کیا ہے اس میں یقیناً اللہ کی مدد
شامل ہے اور اللہ تعالیٰ بزدلوں کی مدد نہیں کرتا۔

''لیکن مجھے لاشوں کے پھٹنے کی سمجھ نہیں آئی یہ کیا چکر ہے؟''

علی نے کمانڈر عمر کو پریشر بموں کے بارے میں بتایا کہ میں انہیں ساتھ لے گیا تھا۔





علی جب حیدر مرکز پہنچا تو عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ اس مرکز کا انچارج محمد حنیف خان تھا۔
وہ اپنے قبیلے کا سردار بھی تھا۔ اس کے قبیلے کے سو سے زیادہ مجاہد جہاد کرتے ہوئے شہید ہو چکے تھے۔
یہ مرکز کوئی زیادہ بڑا نہیں تھا اور اس مرکز پر مجاہدین کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ یہاں چار غاریں
تھیں جن میں مجاہدین رہتے تھے۔ ان میں دو مجاہدین نے خود پہاڑ کے اندر بنائی تھیں جبکہ دو قدرتی
طور پر بنی ہوئی تھیں۔ غاروں کے سامنے بہت گہرا نالہ تھا جو اکثر پانی سے بھرا رہتا تھا اور نالے کے
دوسری طرف بڑے بڑے اونچے درخت تھے۔ اس وجہ سے مرکز دشمن کے حملہ سے بہت محفوظ تھا۔

حنیف خان کا خیال تھا کہ گردیز میں کسی اہم مشن پر جو آدمی آ رہا ہے وہ کوئی منجھا ہوا تجربہ کار
مجاہد ہوگا کیونکہ ہیڈ کوارٹر سے آدمی بھیجنے کا مقصد ہی یہی سمجھ آتا تھا کہ یہ کوئی ایسا کام ہے جو ہم نہیں کر
سکتے مگر علی کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی کہ یہ سولہ سترہ سال کا لڑکا گردیز جا کر کیا کرے گا لیکن جب اُس
نے علی کے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین سے علی کے کارناموں کے بارے میں سنا تو اس کی حیرانی میں
مزید اضافہ ہو گیا۔ اسے خوشی بھی ہوئی کہ افغانستان میں اب بھی اچھے مجاہد موجود ہیں۔

علی اس مرکز پر تین دن رہا۔ اس دوران میں اس نے گردیز شہر کے بارے میں مکمل معلومات
حاصل کیں' راستوں کا جائزہ لیا اور چوتھے دن وہ گردیز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے وقت حنیف خان
نے اُسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم ابھی بچے ہو' وہاں جا کر کوئی جذباتی حرکت نہ کرنا اور ہر قدم
سوچ سمجھ کر اُٹھانا۔

علی شہر پہنچنے کے بعد ایک ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اسے ہوٹل میں ایک شناسا چہرہ داخل
ہوتا ہوا نظر آیا۔ وہ اس کے گاؤں کے رہنے والے نور محمد کا چہرہ تھا۔ اس نے بھی علی کو جلد ہی پہچان لیا۔
نور محمد علی کا ہم سکول تھا اور علی سے چھ سال بڑا تھا۔

دونوں اُٹھ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ہوٹل کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔
نور محمد علی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور کہا کہ بھئی ہم تو سمجھے تھے کہ تم بھی گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح
شہید ہو چکے ہو' تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ویسے بھی ہمارے گاؤں کے چند ہی لوگوں کو تو

زندہ چھوڑا گیا تھا۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ جب رُوسی فوج افغانستان نہیں آئی تھی' کیسا اچھا ماحول تھا' گاؤں کے لوگ کتنے خوش تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے دُکھ میں شریک ہوتا تھا۔ عیدیں آتیں۔ روزے آتے۔ کیسی دھوم دھام سے ہم چھوٹی عید مناتے۔ برسات میں جب پہاڑوں پر بارشیں ہوتیں تو نہاتے ہوئے کتنا لطف آیا کرتا تھا اور بہار میں جب پہاڑوں پر پھول کھلتے تو کیسا خوبصورت نظارہ ہوتا تھا لیکن نہ جانے ہمارے ملک کو کس کی نظر لگ گئی۔ باغات اُجڑ گئے اور پہاڑوں پر اب پھول بھی تو نہیں کھلتے .... نور محمد باتیں کرتے کرتے اچانک چونکا اور کہنے لگا:

''یار علی! میں غلطی سے جو کچھ کہہ گیا ہوں' اُسے اپنے تک ہی رکھنا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ افغانستان اب آزاد نہیں اور مجھے ایسی باتیں کسی اور سے نہیں کرنی چاہئیں لیکن کیا کروں چھ سال بعد تم اپنے گاؤں کے پہلے فرد ہو جو مجھے نظر آئے ہو۔ اس لیے دل کی باتیں زبان پر آ گئیں۔''

علی نے کہا کہ تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔ میں حکومت کی کسی ملازمت میں نہیں ہوں۔ میں تو گاؤں کا محاصرہ ہونے سے پہلے ہی گاؤں سے نکل گیا تھا۔ بھائی نور محمد! یہ تو بتاؤ کہ میرے پیارے گاؤں پر میرے بعد کیا بیتی؟ میں نے روسیوں کو اپنے گاؤں کے آدمیوں کو اکٹھا کر کے گولیاں مارتے تو دیکھا تھا لیکن بعد میں کیا ہوا مجھے کچھ پتا نہیں۔

نور محمد نے کہا کہ یہ ہوٹل محفوظ نہیں ہے۔ اس کا مالک حکومت کا مخبر ہے۔ اس لیے کسی دوسری جگہ چل کے باتیں کرتے ہیں۔

وہ علی کو لیے ہوئے ایک دوسرے ہوٹل میں آ گیا اور الگ تھلگ کونے میں بیٹھ کر وہ علی کو بتانے لگا کہ روسی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے گاؤں کو محاصرہ میں لے لیا اور بہت کم لوگ تمہاری طرح محاصرے سے پہلے نکل سکے۔ طیاروں کی بمباری ہی سے پورا گاؤں ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ اس کے بعد ٹینکوں سے گولہ باری ہونے لگی۔ گاؤں کے مردوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دشمن جب بھی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلتا ہم اس کے بہت سے آدمی مار دیتے اور باقی پھر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں پناہ لیتے۔ آہستہ آہستہ ہمارے پاس کارتوس ختم ہو گئے اور روسیوں نے گاؤں کے سب مردوں' عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔ زخمیوں کو علیحدہ کر کے ان کو زمین پر لٹا دیا اور پھر ان پر ٹینک چڑھا دیئے اور دوسروں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ گاؤں کو آگ لگا کر ساری لاشوں کو آگ میں پھینک دیا۔

روسی افغان فوجی افسروں میں ایک میرے والد کا دوست تھا۔ اس کے کہنے پر ہمارے گھر کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ فوجی افسر مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور یہاں انٹیلی جنس میں بھرتی کروا دیا۔

علی اس بات پر چونکا کہ نور محمد کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے۔ نور محمد نے بات آگے بڑھاتے ہوئے علی سے کہا کہ تم کسی قسم کی فکر نہ کرو میں نے آج تک کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں جانتا ہوں افغان حکومت کی انٹیلی جنس افغان عوام پر کتنا ظلم کر رہی ہے لیکن تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کچھ تم بھی تو بتاؤ کہ آج کل کیا کر رہے ہو اور یہاں گردیز میں کس کام کی غرض سے آئے ہو؟''

علی پہلے تو شاید بتا دیتا کہ وہ کس کام سے آیا ہے لیکن اب جبکہ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ نور محمد کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے تو اس نے اپنے بارے میں بتانا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ میں گردیز دیکھنے آیا ہوں۔

نور محمد نے کہا: ''تم اتنا عرصہ رہے کہاں اور کرتے کیا رہے؟''

علی سوچنے لگا کہ میں اُسے کیا بتاؤں مگر بتائے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ جھوٹ سے بھی بچنا تھا اور سچ بھی نہیں بولا جا سکتا تھا۔ اس لیے اس نے کہا کہ بھائی نور محمد! تم مجھ سے بڑے ہو۔ اس لیے جانتے ہی ہو کہ جب ایک آدمی کا گھر نہ رہے تو وہ کہاں جاتا ہے۔ افغانستان میں پہاڑ ہیں یا پھر شہر۔ پہلے پہاڑوں پر گھومتا رہا اور اب اس شہر میں ہوں۔

نور محمد علی کی بات سن کر مسکرایا اور کہا: ''تم صحیح بات نہیں بتانا چاہتے تمہاری مرضی لیکن میری ایک بات یاد رکھنا' شہر میں اجنبی لوگوں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے محتاط ہو کر رہنا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا مگر اوّل تو مجھے وہاں تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ملے گی' دوسرے جس کام کے لیے تم آئے ہو ممکن ہے وہاں رہ کر نہ کر سکو۔''

علی کو شک ہوا کہ نور محمد کو شاید پتا چل گیا ہے کہ میں کس سلسلے میں آیا ہوں یا پھر مجھے اپنی باتوں سے گھیر کر اصل بات اگلوانا چاہتا ہے لیکن علی نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔ نور محمد علی کو ایک دفعہ پھر محتاط رہنے کی تلقین کر کے چلا گیا۔

علی نے اپنے قیام کا فیصلہ اسی ہوٹل میں کیا جس کے بارے میں نور محمد نے بتایا تھا کہ حکومت کے مخبر کا ہے اور وہاں انٹیلی جنس کے بہت زیادہ آدمی آتے ہیں۔ علی کا خیال تھا کہ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے اس لیے میں وہاں زیادہ محفوظ رہوں گا۔

اُسے گردیز آئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ کمانڈر نے جتنے بھی افراد کے نام بتائے تھے کہ یہ لوگ وہاں تمہارے کام آئیں گے' ان میں سے کسی ایک سے بھی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ سب کے گھر بند تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ کہاں گئے ہوئے ہیں۔ آخر علی نے چھاؤنی جانے کا فیصلہ کیا تا کہ اگر میجر فیاض خان وہاں ہے تو اس سے براہِ راست مل سکے۔

جب علی چھاؤنی پہنچا اور اُس نے میجر فیاض خان کے بارے میں پوچھا تو اُسے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ اُس کی ٹرانسفر ہوگئی ہے۔ کہاں؟ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتاتا تھا۔ علی پوچھتا پوچھتا کرنل موسیٰ تک پہنچ گیا۔

کرنل موسیٰ نے علی کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا اور علی سے درجن سے زیادہ سوال کر دیئے۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میجر فیاض سے کیا رشتہ ہے؟ کیوں ملنا چاہتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔

علی ذہنی طور پر ان سوالوں کے جواب سوچ کر آیا تھا، اس لیے اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ ہوا لیکن یہاں بھی اُسے یہی جواب ملا کہ اُس کی ٹرانسفر ہوگئی ہے۔

جب علی نے پوچھا کہ کہاں ٹرانسفر ہوئی ہے تو جواب ملا کہ چونکہ جنگ لگی ہوئی ہے اس لیے معلوم نہیں وہ اس وقت کس محاذ پر ہے۔

وہ چھاؤنی سے بھی ناکام واپس لوٹا۔ اب صرف ایک ہی فرد رہ گیا تھا جس سے پتا چل سکتا تھا کہ میجر فیاض کہاں ہے، وہ تھا عبدالکریم۔ آخر کار علی نے عبدالکریم کا گھر ڈھونڈ ہی نکالا۔

علی نے عبدالکریم کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آئی۔

''کون ہے؟''

علی نے سلام عرض کرنے کے بعد بتایا کہ اماں! میں عبدالکریم صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔

''بیٹا! اندر آ جاؤ۔ اس گھر میں مجھ بڑھیا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔'' علی اندر چلا گیا۔ دوبارہ سلام کیا۔ عبدالکریم کی والدہ ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ہی عمر کی ہوں گی۔

علی نے عبدالکریم کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے وہ گھر نہیں آیا۔ میں نے اس کے سارے دوستوں سے پوچھا مگر کسی کو کچھ پتا ہی نہیں۔ وہ اتنا عرصہ گھر سے باہر کبھی نہیں رہا۔ معلوم نہیں میرا بیٹا کس حال میں ہے۔ اس کے تو کئی دوست بھی گھروں میں نہیں ہیں، مگر بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو؟۔

''میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں اُن سے ملنا چاہتا تھا۔''

ابھی وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا کہ عبدالکریم کی والدہ نے کہا ''بیٹا! میں نے تم سے کھانے پینے کا پوچھا ہی نہیں۔ تم بیٹھو! میں ابھی تمہارے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ علی کو اس کی آواز ہمسائے کے گھر سے آئی جہاں وہ اپنی ہمسائی سے کہہ رہی تھی:

''میرے بیٹے کا مہمان دوسرے شہر سے آیا ہے۔ مجھے کچھ روپے ادھار دے دو۔ عبدالکریم

جونہی آیا میں لوٹا دوں گی۔''

ہمسائی کچھ زیادہ ہی بدمزاج قسم کی لگتی تھی، اس نے لحاظ کرنے کے بجائے کہا:

''تمہارا بیٹا اب کبھی واپس نہیں آئے گا چاچی! اور ہم اب مزید تمہیں کچھ ادھار نہیں دے سکتے۔ تمہارا بیٹا ڈاکوؤں کا ساتھی تھا، حکومت نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہوگا۔''

عبدالکریم کی والدہ کو غصہ تو بڑا آیا مگر صبر و تحمل سے کہا: ''بیٹی! میرا بیٹا بہت شریف اور پانچ وقت کا نمازی ہے۔ وہ کبھی ڈاکو نہیں بن سکتا۔ دیکھو میرا مہمان گھر آیا ہوا ہے، تم میرا چاندی کا ہار رکھ لو اور اس کے بدلے ہی کچھ دے دو۔ بیٹا آئے گا تو پیسے تمہیں لوٹا کر ہار واپس لے لوں گی۔ اس وقت میرے بیٹے کی عزت کا سوال ہے۔ اس کا مہمان کیا سوچے گا کہ عبدالکریم کے گھر گیا اور اس کی والدہ نے کھانے کے لیے بھی نہ پوچھا۔ پھر پورے دو ماہ بعد تو ہمارے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔ جب سے عبدالکریم گیا ہے اس کا کوئی دوست بھی تو نہیں آیا۔ پتا نہیں لوگوں کو کیا ہوگیا ہے۔ کوئی بتاتا ہی نہیں، میرا بیٹا کہاں ہے۔ لو بیٹی! یہ ہار لے لو اور مجھے کچھ پیسے دے دو۔''

''نہیں چاچی! میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ نہیں۔ جاؤ کسی اور گھر کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔'' ہمسائی نے بے رُخی سے کہا۔

علی نے دیوار پار سے یہ ساری گفتگو سنی جس سے علی کا شک یقین میں بدل گیا کہ عبدالکریم کو حکومت نے پکڑ لیا ہے۔ افغانستان میں ڈاکو صرف مجاہدین ہی کو بدنام کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ اس کے پاس کافی رقم تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کچھ رقم عبدالکریم کی والدہ کو دے دوں گا۔ مگر کس طرح؟ وہ خیرات تو لے گی نہیں۔ اللہ نے اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ڈال دی۔ جب عبدالکریم کی والدہ واپس آئی تو وہ بہت افسردہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ علی کو اپنی پریشانی سے آگاہ کرتی، علی نے کہا:

''اماں! مجھے جلدی ہے، دراصل میرے ابو نے عبدالکریم صاحب سے پچھلے سال کچھ رقم ادھار لی تھی۔ مجھے وہ واپس کرنے بھیجا ہے۔'' پھر اس نے جیب سے پانچ ہزار افغانی روپے نکالے اور عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

''عبدالکریم آئے تو اسے دے دینا اور کہنا کہ امان گل نے رقم بھیجی ہے۔ باقی رقم بھی ہم جلد واپس کر دیں گے۔'' عبدالکریم کی والدہ نے رقم لے لی اور کہا کہ بیٹا! میں تمہیں کچھ کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔

پھر وہ جلدی جلدی بازار گئی اور سودا لا کر علی کے لیے کھانا تیار کرنے لگی۔ جب علی کھانا کھا کر گھر سے باہر نکلا تو چار آدمیوں نے اُسے پکڑ کر گاڑی میں بٹھا لیا اور خاد کے دفتر لے گئے۔

خادؔ افغانستان کی ایک خفیہ سرکاری تنظیم کا نام ہے جسے بھارت اور رُوس کے ذریعے سے منظم کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد مجاہدین اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی کرنا ہے اور انہیں گرفتار کرنے کے علاوہ پاکستان میں تخریب کاری کرنا ہے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ پہلے خاد کا سربراہ تھا جو ببرک کارمل کی جگہ افغانستان کا حکمران بن گیا ہے۔ خاد کے دفاتر دراصل اذیت کدے ہیں۔ ان دفاتر میں گرفتار لوگوں پر اس قدر تشدد کیا جاتا ہے کہ اکثر قیدی تشدد سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک خاد کے تشدد سے پچھلے آٹھ سالوں میں کم از کم ایک لاکھ افراد شہید ہو چکے ہیں۔ اس کا طریق کار بالکل روس کی ''کے جی بی'' کی طرح ہے۔



نوٹ: یاد رہے کہ یہ ناول 1989ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے جب افغانستان پر نجیب اللہ برسرِ اقتدار تھا۔ 1996ء میں طالبان نے نجیب اللہ کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا .... ملک احمد سرور



علی کو گرفتار کر کے ایک مکان کے بہت بڑے تہہ خانے میں لے جایا گیا اور کرسی سے جکڑ کر باندھ دیا گیا اور ایک ہی سوال بار بار پوچھا جانے لگا کہ تمہارا مجاہدین سے کیا تعلق ہے۔ مجاہدین کے کس گروپ سے تعلق ہے۔ مجاہدین کے مراکز کن کن پہاڑوں میں ہیں۔ تم گردیز کس مشن پر آئے ہو۔ میجر فیاض سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

جب علی نے ہر سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کیے رکھی تو ایک جلاد صفت آدمی آگے بڑھا اور کرسی پر جکڑے ہوئے علی پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ پھر بھی علی نے کچھ نہ بتایا تو اس کا جسم جلتی سگریٹوں سے داغا جانے لگا۔ یہ بڑی اذیت ناک سزا تھی۔ علی نے یہ سب کچھ بھی برداشت کر لیا۔ پھر جسم میں سوئیاں چبھونے لگے۔

علی کا درد سے برا حال تھا لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہا۔ اس کے بعد اُسے زمین پر لٹا دیا گیا۔ ڈنڈوں اور نوک دار جوتوں سے تشدد کیا جانے لگا۔ اس پر بھی علی نے خاموشی جاری رکھی تو اُسے چھت سے اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ اس کی شلوار کے پائنچے بند کر کے اس میں چوہے چھوڑ دیئے اور زمین پر اس کے چہرے کے نیچے مرچیں جلائی گئیں۔ یہ تشدد ناقابل برداشت تھا۔ علی نے اس موقع پر حضرت بلالؓ پر ہونے والے تشدد کو یاد کیا کہ کلمہ پڑھنے کے جرم میں ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا تھا لیکن اُن کی زبان سے پھر بھی احد.........احدؔ کے الفاظ ہی نکلتے تھے۔ علی کو یہ واقعہ یاد کر کے کچھ حوصلہ ہوا۔

جب اُسے چھت سے اُتارا گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس کی آنکھوں میں سخت جلن تھی اور جسم کا رُواں رُواں دُکھ رہا تھا۔ جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ کر اس کے کپڑوں میں جم چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی آئے اور علی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے گئے۔ اب اُسے جس کمرے میں پھینکا گیا' اس کے اندر روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جلاد صفت انسان دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ کمرے کے ایک طرف سے ایک آدمی علی کے پاس آیا اور سہارا دے کر علی کو اُٹھایا۔ اپنے پاس لے جا کر اس نے علی کو لٹایا۔ علی پر ایک دفعہ پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

اس کمرے میں اس آدمی کے علاوہ تین آدمی اور تھے۔ وہ علی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے

رہے مگر علی کو صبح تک ہوش نہ آیا۔

جب صبح اسے ہوش آیا تو اس کی آنکھیں اب بھی دُکھ رہی تھیں اور پورے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر اُس سے اٹھا نہ گیا۔ کمرے میں اب بھی نیم تاریکی تھی۔ چاروں آدمی علی کے پاس آئے اور سہارا دے کر اسے بٹھایا۔ ایک آدمی نے ایک گلاس پانی کے ساتھ علی کو چند سوکھے ہوئے روٹی کے ٹکڑے دیئے کہ یہ کھالو۔

روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے دانتوں سے چبائے نہیں جا رہے تھے کیونکہ چہرے پر بھی اتنا تشدد کیا گیا تھا کہ اب وہ منہ ہلاتا تو درد شروع ہو جاتا۔ اُس نے سوکھے ٹکڑے پانی میں ڈال دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم ہو گئے تو اُس نے آہستہ آہستہ انہیں کھایا۔ پھر اُس آدمی نے اپنی جیب سے ایک ٹکیہ نکالی اور کہا کہ کھالو' درد کچھ کم ہو جائے گا۔

آدھ گھنٹہ بعد علی کو درد میں کچھ کمی محسوس ہوئی تو اُس نے کمرے میں موجود آدمیوں سے پوچھا:

''آپ کون ہیں اور میں کہاں ہوں؟''

اُسی آدمی نے جس نے علی کو سہارا دیا تھا' بتایا کہ ہم قیدی ہیں اور جیل میں ہیں۔ تم بھی جیل میں ہو مگر یہ تو بتاؤ تمہارا جرم کیا ہے؟

''میرا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ میں خدا کا نام لیتا ہوں اور اب افغانستان میں یہی سب سے بڑا جرم ہے۔ یہاں چوری' ڈکیتی' قتل وغیرہ تو معاف کیے جا سکتے ہیں لیکن خدا کا نام لینا ناقابل معافی جرم بن گیا ہے کیونکہ جب ہم خدا کا نام لیتے ہیں تو حکومت سمجھتی ہے کہ اسکا خونی انقلاب ناکام ہو جائے گا اور ہمیں انقلاب دشمن کہہ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ پھر تشدد کیا جاتا ہے کہ ہم خدا کا نام لینا چھوڑ کر وقت کے نمرود کو سجدہ کریں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت کے نمرود کو سجدہ نہیں کیا تھا اور نہ ابراہیمؑ کے ماننے والے اس وقت کے نمرود کو سجدہ کریں گے۔''

علی کی باتیں سن کر ایک آدمی بولا:

''میجر فیاض! اس کا جرم بھی ہمارے ہی والا ہے۔ اس لیے اسے بھی ہمارے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔''

علی، میجر فیاض کا نام سن کر چونکا اور پوچھنے لگا: ''کیا آپ میجر فیاض ہیں؟''

''ہاں! مگر کیا تم مجھے جانتے ہو؟''

''ہاں! میں جانتا ہوں۔'' علی نے جواب دیا۔

''مگر مجھے پتا بھی تو چلے کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو۔''

پہلے تو علی بتانے لگا پھر سوچا کہ کہیں دشمن کی یہ کوئی چال نہ ہو' اس لیے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ میجر فیاض ہے میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اُس نے یہ بات میجر فیاض سے بھی کہہ دی۔

میجر فیاض نے کہا کہ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں ہی میجر فیاض ہوں۔ یہ میرے ساتھ مسعود' زرتاج اور سیف اللہ ہیں' انہیں سے پوچھ لو۔

علی نے یہ نام سنے تو اُسے یاد آیا کہ انہی افراد کو تو وہ شہر میں ڈھونڈتا رہا تھا لیکن اپنی تسلی کے لیے اُس نے مزید پوچھا:

''آپ کا ایک اور بھی تو بڑا اہم ساتھی ہے' وہ کہاں ہے؟''

میجر فیاض نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: ''شاید تم عبدالکریم کی بات کرتے ہو۔''

''ہاں! اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم ہی میجر فیاض ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ عبدالکریم کا کیا ہوا اور وہ اب کہاں ہے؟''

میجر فیاض نے علی کو بتایا: ''وہ اب ہم میں نہیں ہے۔ اس پر روسی درندوں نے تشدد کا ہر طریقہ آزمایا لیکن وہ پہاڑ تھا۔ ایسا پہاڑ کہ ریزہ ریزہ ہو کر بھی اس کی زبان نہ کھلی۔ اس کی ایک ایک ہڈی توڑ دی گئی۔ اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے لوہے کی سلاخوں سے داغ دی گئیں۔ وہ مزید چند لمحوں کا مہمان تھا کہ وحشی درندوں نے ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لیے ہمارے سامنے اسے آگ میں جلا دیا۔ وہ آگ میں جل گیا مگر پھر بھی اُس نے آہ نہ کی۔ وہ بہت عظیم تھا۔ میرے خیالوں سے بھی زیادہ عظیم۔''

یہ کہہ کر اُس نے اپنے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور رونا شروع کر دیا۔ علی بھی رونے لگا۔ جب آنسو آنکھوں سے بہہ گئے تو علی نے بتایا کہ عبدالکریم کی والدہ کو اب بھی عبدالکریم کا انتظار ہے اور پھر اُس نے اپنی گرفتاری تک کا تمام واقعہ سنایا تو میجر فیاض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں بھی اس کے ہمسائے یٰسین نے گرفتار کروایا ہے۔ بڑا ذلیل اور کمینہ آدمی ہے۔ کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی [illegible] بھی ہے۔

علی نے میجر فیاض کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ کمانڈر صاحب کو آپ کے بارے میں بڑی تشویش تھی۔ آپ ہی کا پتا کرنے مجھے گردیز بھیجا ہے۔ جب میں چھاؤنی گیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ کی ٹرانسفر ہو گئی ہے اور جب پوچھا جاتا کہ کہاں تو کوئی جواب نہ ملتا۔ پھر علی نے کمانڈر کا تحریری پیغام اپنے جوتے کے چمڑے کے اندر سے نکالا اور میجر فیاض کو دیا۔ علی کا جوتا موٹے چمڑے کا تھا۔ اس نے چمڑے کو چیر کر اس کے اندر پیغام بند کر کے سلوشن سے جوڑ دیا تھا۔ اب کوئی دوسرا تلاشی لینے کے باوجود اس پیغام کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ علی کی تلاشی لینے والوں نے بھی علی کے جوتوں کی

ایڑی تک کو چیر پھاڑ دیا تھا مگر وہ کچھ نہ نکال سکے تھے۔ میجر فیاض علی کی مہارت پر بڑا حیران ہوا۔

پیغام پڑھنے کے بعد میجر فیاض نے علی کو بتایا کہ تین ماہ قبل روسیوں کو مجھ پر شک ہو گیا تھا۔ اس لیے ڈھائی ماہ پہلے مجھے مجاہدین کا ساتھی ہونے اور مجاہدین کو اسلحہ سپلائی کرنے کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا لیکن ان کے پاس میرے خلاف کوئی بھی ثبوت نہ تھا۔ مجھ پر بھی ایسے ہی تشدد کیا گیا جیسے تم پر ہوا لیکن مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکے۔ پھر عبدالکریم کے ہمسائے کی وجہ سے، میرے ساتھی بھی گرفتار ہو گئے لیکن میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے ہمیں ابھی تک زندہ کیوں چھوڑا ہوا ہے۔

علی کو آئے ہوئے یہاں ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس کے زخم بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ اس میں میجر فیاض کی تیمارداری اور ایثار بھی شامل تھا۔ وہ اپنے حصے کا آدھا کھانا بھی علی کو دے دیتا تھا۔ یہ آٹھواں دن تھا جب ایک روسی افسر اندر آیا۔ میجر فیاض اور علی سے کہنے لگا کہ اب بھی وقت ہے تم ہمارے سوالوں کے جواب دے دو ورنہ تمہیں دوسری جیل میں بھجوا دوں گا جہاں تمہارے گوشت کا قیمہ بنا کر کتوں کے آگے پھینک دیا جائے گا۔

میجر فیاض نے روسی کو جواب دیتے ہوئے کہا: ''اے روسی درندے! تم نے ہمارے ساتھی عبدالکریم شہید کے صبر و استقامت کو دیکھ لیا۔ ہم پر بھی جو چاہو تشدد کر لو۔ ہم بھی انشاء اللہ عبدالکریم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی کی خاطر خدا کی راہ میں اپنی جان پیش کر دیں گے اور تم جیسے وحشی درندوں کی بات مان کر اپنی آخرت خراب نہیں کریں گے۔''

روسی افسر کو خدا، اسلام اور آخرت کا ذکر سن کر طیش آ گیا۔ وہ خدا اور رسول ؐ کو گالیاں دیتے ہوئے میجر فیاض کو تھپڑ مارنے لگا۔ علی نے جب روسی افسر کی زبان سے خدا اور رسول ؐ کے خلاف گالیاں سنیں تو اسے غصہ آ گیا۔ اس نے روسی کو گریبان سے پکڑ لیا اور مکے مار مار کر اس کے دانت توڑ دیئے۔ اگر باہر سے مزید سپاہی آ کر روسی کو نہ بچاتے تو آج علی یقیناً چند منٹوں میں روسی کو جہنم رسید کر دیتا۔

روسی گالیاں بکتا ہوا چلا گیا۔ جاتے جاتے اپنے ماتحت سپاہیوں کو حکم دے گیا کہ ان کو یہاں سے لے جا کر دوسری جیل میں کتوں کے سامنے پھینک دو۔

روسی افسر کے جانے کے بعد میجر فیاض نے کہا: ''دوستو! میرا خیال ہے کہ ہم سب کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ ذہنی طور پر ہر طرح کی اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جس جیل کی یہ روسی بات کر کے گیا ہے میں نے اُسے دیکھا ہوا ہے۔ یہ چھاؤنی کے قریب ایک پرائیویٹ بلڈنگ میں بنائی گئی ہے اور یہاں پر قیدیوں پر تشدد کرنے کی جدید ترین مشینیں روس سے منگوا کر رکھی گئی ہیں۔ یہاں وہ مشین بھی ہے جس میں ایک طرف آدمی کو اس کے ہاتھ، پاؤں باندھ کر ڈال دیا جائے

تو دوسری طرف اس کا قیمہ بن کر نکل آتا ہے۔ وہاں ایک کمرے میں خونخوار کتے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتے ایک منٹ کے اندر اندر آدمی کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں۔ زہریلے سانپ بھی ہیں اور گرم گرم تیل کے کڑاہے بھی۔ اُبلتے ہوئے تیل میں قیدیوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ اس جیل میں بعض اوقات قیدیوں کو مزید اذیت دینے کے لیے طرح طرح کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ جن کے لگانے کے بعد آدمی پاگلوں کی طرح اپنے جسم کو نوچتا ہے۔ وہاں زنبوروں سے زندہ آدمی کے ناخن اکھاڑے جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہر وہ تشدد جو روسی کر سکتے ہیں، وہاں کیا جاتا ہے۔ لیکن دوستو! یاد رکھو ہم سے پہلے سینکڑوں مجاہدین پر تشدد کر کے یہ سارے طریقے آزمائے گئے۔ وہ ابلتے تیل میں پھینکے گئے۔ ان کے جسم سے گوشت کاٹ کر ان پر مرچیں اور نمک چھڑکا گیا۔ ان کے جسم کے ایک ایک کر کے سارے اعضاء کاٹ دیئے گئے لیکن انہوں نے روسی کمیونزم کے سامنے پھر بھی سر نہ جھکایا۔ انہوں نے زندگی کے آخری سانس تک ایک ہی گواہی دی کہ اسلام کے علاوہ تمام نظام باطل ہیں۔ جب تک ایک افغان بھی زندہ ہے وہ کسی روسی کو افغانستان میں برداشت نہیں کرے گا۔ اس لیے دوستو! آؤ عہد کریں کہ ہم بھی اُنہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور آؤ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے اندر صبر و برداشت پیدا کرے۔'' اس پر سب نے آمین کہا۔

رات کے نو بج چکے تھے جب پانچوں قیدیوں کو لیے گاڑی گردیز کی سڑکوں سے گزر رہی تھی اور انہیں موت کی جیل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ جب سے روسی فوجیں افغانستان مین آئی تھیں، گردیز شہر کی سڑکیں سورج غروب ہوتے ہی ویران ہونا شروع ہو جاتیں اور لوگ روسیوں کے ڈر کی وجہ سے اپنے اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ خود کمیونسٹ بھی اپنے گھروں کی عزت بچانے کی خاطر سرِ شام ہی کنڈیاں لگا لیتے ہیں اور جب یہ گاڑی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی تو شہر پر مکمل ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

زخمی روسی افسر اذیت ناک موت کا تماشہ دیکھنے کے لیے جیل میں بے قراری کے عالم میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ جلادوں کو ہدایات دے رہا تھا کہ ایک قیدی کو زہریلے سانپوں کے کمرے میں پھینکنا ہے، دو کو قیمہ بنانے والی مشین میں ڈالنا ہے اور جس نے مجھے گھونسے مارے ہیں، اُسے تیل کے اُبلتے ہوئے کڑاہے میں۔ میجر فیاض کو بھوکے خونخوار کتوں کے آگے ڈالنا ہے تا کہ انہیں پتا چلے کہ روسی افسر پر ہاتھ اُٹھانا کتنا بڑا جرم ہے اور آج میں دیکھوں گا کہ اُن کا خدا ان کو مجھ سے کیسے بچاتا ہے۔''

ادھر روسی افسر انتظار میں بے قرار ہو رہا تھا اور قادر مطلق کو چیلنج کر رہا تھا، اُدھر گاڑی کا ڈرائیور اپنا راستہ بدل چکا تھا اور گاڑی شہر چھوڑ کر دور بڑی سڑک پر آ چکی تھی۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک محفوظ جگہ آ کر اس نے گاڑی سڑک سے اتار دی اور سڑک سے کوئی دو فرلانگ دور لے

جا کر اس نے گاڑی روکی' پیچھے آ کر اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مسلح سپاہیوں کو نیچے بلایا۔ گا
چونکہ مکمل طور پر بند تھی۔ اس لیے سپاہیوں کو یہ پتا ہی نہ چلا کہ وہ جیل کے بجائے ویرانے میں پہنچ
ہیں۔ سپاہی خوشی خوشی نیچے اترنے لگے کہ ڈرائیور نے جھپٹ کر دونوں سے کلاشنکوفیں چھین لیں
انہیں حکم دیا کہ قیدیوں کو فوراً باہر نکالو۔ اُن کے ہاتھ کھول دو اور آنکھوں سے پٹی ہٹا دو۔

جب قیدی باہر نکلے تو وہاں چاند کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس روشنی میں علی نے ڈرائیور کو پہچان لیا
تو نور محمد تھا۔ دونوں سپاہی جو اب قیدی بن چکے تھے' تھر تھر کانپ رہے تھے۔ علی نے نور محمد کا تعارف
فیاض سے کرایا۔ سب ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور نئی زندگی کی ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

نور محمد بڑی بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا' پھر خود کلامی میں کہنے لگا کہ اب تک انہیں آ
جانا چاہئے تھا۔ اسی جگہ آنے کا طے ہوا تھا۔ علی نے پوچھا کہ کن لوگوں نے یہاں آنا ہے تو نور محمد نے
کہ مجاہدین کے ایک گروپ نے آپ کی مدد کو آنا تھا۔ ابھی وہ یہ بات کر ہی پایا تھا کہ تھوڑی دور
ایک پرندے کی مخصوص آواز آئی .... نور محمد نے بھی جوابی طور پر آواز نکالی اور پھر دس مجاہد
وہاں پہنچ گئے۔ ان میں حیدر مرکز کا انچارج حنیف خان بھی تھا۔

نور محمد نے کہا کہ ہمیں یہاں سے جلد نکل جانا چاہئے مگر علی نے کہا کہ عبدالکریم کی والدہ اور اُ
کے قاتل کو لیے بغیر نہیں جائیں گے۔ میجر فیاض کو بھی عبدالکریم کی موت کا بہت دُکھ تھا۔ اس نے بھ
علی کی بات کی تائید کی۔ آخر طے ہوا کہ نور محمد' علی اور دوسرے چار مجاہدین گاڑی میں بیٹھ جائیں۔
مجاہد قیدی سپاہیوں کی وردیاں پہن لیں تاکہ اگر کسی جگہ گاڑی روکی جائے تو کسی کو شک نہ پڑے۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے جب گاڑی عبدالکریم کے گھر کے سامنے رکی۔ علی نے عبدالکر
کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو عبدالکریم کی والدہ نے گھر کا دروازہ کھولا۔ علی اندر چلا گیا۔ دوسری طرف
نور محمد اور دو مجاہدین یٰسین کے گھر میں داخل ہو گئے۔

علی نے جلدی جلدی عبدالکریم کی والدہ کو صورت حال بتائی اور کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو تیار ہ
جاؤ اور گھر کی کوئی قیمتی چیز اپنے ساتھ لے لینا چاہتی ہو تو لے لو کیونکہ روسی اس گھر کو بہت جلد گھیر
میں لے لیں گے۔

"مگر میرا عبدالکریم کہاں ہے؟" عبدالکریم کی والدہ نے پوچھا۔

علی نے کہا کہ اماں عبدالکریم کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا۔ آپ جلدی کریں۔

عبدالکریم کی والدہ حیران و پریشان کھڑی تھی۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کہ
"! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا' تم جو کہتے ہو مان لیتی ہوں۔ عبدالکریم بھی یہی کہتا تھا کہ رُوسی

ے ظالم ہیں۔ میرے گھر میں قیمتی چیز تو کوئی بھی نہیں۔ ایک عبدالکریم ہی تھا وہ اس وقت گھر میں
ں لیکن مجھے یاد آیا بیٹا! قرآن مجید لے لوں کیا پتا عبدالکریم مجھے واپس آنے دے یا نہیں اور اگر
ی اس گھر میں آ گئے تو کہیں وہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ کریں۔ عبدالکریم نے مجھے بتایا تھا کہ
یوں نے کئی جگہ مسجدوں کو شہید کر دیا ہے اور کئی جگہ قرآن مجید بھی جلا دیئے ہیں۔ اس لیے قرآن
ساتھ لے کر جاؤں گی۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نور محمد بھی آ گیا۔ اُس نے آتے ہی کہا:

"بھئی' جلدی کرو ورنہ ہم سب پکڑے جائیں گے۔"

گاڑی بخیر و عافیت اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ ایک دو جگہ گاڑی کو روکا بھی گیا مگر نور محمد نے اپنا کارڈ
ایا اور گاڑی کو کلیئرنس مل گئی۔

مجاہدین بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جب گاڑی اُن کے سامنے آ کر رکی تو سب کو
ن آیا۔ دونوں قیدیوں کی جان بخشی کر دی گئی کیونکہ اُنہوں نے مجاہدین میں شامل ہو کر جہاد کرنے کا
کیا تھا۔ ان کو بھی ساتھ لیا۔ گاڑی کو آگ لگا دی کیونکہ آگے راستہ پیدل تھا۔

وہ سب پیدل ہی حیدر مرکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ یٰسین کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے
۔ اس کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی۔

عبدالکریم کی والدہ کو علی نے سہارا دیا ہوا تھا۔ اُس نے کئی دفعہ پوچھا بھی کہ عبدالکریم کہاں ہے
یٰسین کے ہاتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں تو علی نے کہا: "اماں! مرکز پہنچ کر سب کچھ بتا دیں گے۔"

راستے میں نور محمد نے علی اور میجر فیاض کو بتایا کہ جب میری علی سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو مجھے
وقت پتا چل گیا تھا کہ علی کسی خاص مشن پر آیا ہے۔ خاص طور پر جب اس نے کہا تھا کہ پہلے
وں پر گھومتا رہا' اب اس شہر میں ہوں۔ اس جواب سے واضح تھا کہ پہاڑوں پر مجاہدین ہی گھومتے
اور شہر میں کسی خاص کارروائی کے لیے آتے ہیں۔ لیکن علی نے صاف صاف اس لیے نہ بتایا کہ
تعلق انٹیلی جنس سے تھا۔ میں نے اس پر نظر رکھی لیکن اس نے بڑی غلطی کی۔ چھاؤنی سے سیدھا
الکریم کے گھر چلا گیا۔ عبدالکریم کا گھر انٹیلی جنس کی نظر میں تھا۔ پھر کرنل موسیٰ نے بھی اپنا آدمی
لگا دیا۔ اتفاق سے یٰسین بھی اس وقت گھر میں تھا' اس لیے پکڑا گیا اور میں اس کی کچھ مدد نہ کر سکا۔
دونوں ڈرائیور چھٹی پر تھے اس لیے میری ڈیوٹی لگائی گئی کہ رات 9 بجے قیدیوں کو موت جیل' لانا
۔ مجھے اس بات کا دو بجے پتا چلا۔ مجھے یقین تھا کہ موت جیل لائے جانے والے قیدیوں میں علی
شامل ہوگا۔ حبیب اللہ میرا واقف تھا جس کا رابطہ مجاہدین سے تھا۔ میں دوڑا دوڑا اُس کے پاس گیا

اور اُسے سب کچھ سمجھایا اور اس کے ساتھ یہ طے ہوا کہ میں گاڑی کو یہاں تک لانے کی کوشش کر
گا۔ اگر ناکام رہا تو مجاہدین موت جیل پر چھاپہ ماریں۔ موت جیل کا سارا نقشہ میں نے اُسے سمجھا
لیکن اللہ نے ہماری مدد کی اور ہم کامیاب ہو گئے۔

ادھر یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے مرکز کی طرف جا رہے تھے' اُدھر روسی افسر کا برا حال تھا۔ وہ
سے پاگل ہو گیا تھا۔ قیدی رات کے بارہ بجے تک نہیں آئے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا
قیدی کدھر چلے گئے ہیں۔

وہ کبھی خونخوار کتوں کے پنجروں کی طرف جاتا' کبھی سانپوں کو دیکھتا اور کبھی اُبلتے ہوئے
کے کڑاہے پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا۔ غصہ میں وہ اپنا ذہنی توازن بالکل کھو بیٹھا تھا۔ اسی غصے میں
ایک افغان سپاہی کو تھپڑ مارنے لگا۔ افغان سپاہی پیچھے ہٹ گیا اور وہ دھڑام سے اُبلتے ہوئے تیل
میں گر پڑا۔ باہر نکالنے سے پہلے ہی وہ چند منٹوں میں روسٹ ہو گیا۔

قدرت نے دکھا دیا کہ خدا کو چیلنج کرنے والا نمرود ہو یا فرعون اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

راستے میں ایک جگہ نور محمد نے اپنے گاؤں جانے کی اجازت مانگی۔ اُس نے بتایا کہ اگر میں نے ا
گھر والوں کو فوراً پاکستان نہ پہنچایا تو میرے فرار کے جرم میں ان سب کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

حنیف خان' میجر فیاض اور علی نے نور محمد کا شکریہ ادا کیا۔

رات کے چار بج چکے تھے جب وہ حیدہ مرکز پہنچے۔ یٰسین کو پہرے داروں کے حوالے کر
باقی لوگ سو گئے۔ صبح اُٹھے۔ سب نے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد عبدالکریم کی والدہ کو عبدالکریم
شہادت کے بارے میں بتایا۔

یہ سن کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ نہ روئی اور نہ اپنے بیٹے کی شہادت
کوئی تبصرہ کیا۔ اس کے بعد یٰسین کو لایا گیا۔ علی اور میجر فیاض کا اصرار تھا کہ اسے زندہ جلایا جائے
جن مجاہدین کو اس نے گرفتار کروایا تھا' ان میں سے کئی کو زندہ جلایا گیا تھا۔

میجر فیاض نے عبدالکریم کی شہادت کا واقعہ پوری تفصیل سے مجاہدین کے سامنے رکھا تو
مجاہدین نے علی اور میجر فیاض سے اتفاق کیا۔

یٰسین کو زندہ جلانے کے لیے مٹی کا تیل لایا گیا اور لکڑیاں اکٹھی کی گئیں۔ یٰسین یہ منظر د
کانپ اُٹھا۔ وہ میجر فیاض' علی اور حنیف خان کے پاؤں پکڑ پکڑ کر معافیاں مانگنے لگا لیکن سب
اُسے ٹھوکریں مار کر پرے ہٹا دیا' اس لیے کہ وہ انتہا کا ظالم انسان تھا جس نے اپنے ایمان کے
ساتھ غیرت بھی روسیوں کے ہاتھ بیچ دی تھی اور نہ جانے اُس نے کتنے مجاہدین کو گرفتار کروایا تھا

ان میں سے کتنے تشدد سے شہید ہو گئے۔ ایسے آدمی پر رحم کھانا زہریلے سانپ کو گھر میں آزاد چھوڑ دینے کے برابر تھا۔

یٰسین' عبدالکریم کی والدہ کے پاؤں پکڑ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ عبدالکریم کی والدہ نے میجر فیاض سے کہا کہ اسے معاف کر دو۔

میجر فیاض کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ جس کے بیٹے کو اُس نے پکڑوایا اور جسے روسیوں نے زندہ جلا دیا' وہ اسے معاف کرنے کے لیے کہہ رہی ہے۔ یہ کیسی عورت ہے۔ اس نے عبدالکریم کی والدہ سے کہا:

''اماں! تم شاید نہیں جانتیں کہ عبدالکریم کو کس طرح شہید کیا گیا تھا۔''

''میں جان گئی ہوں لیکن عبدالکریم ایک مجاہد تھا۔ اُس نے اپنی جان اسلام پر دی اور اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ کیا اہل مکہ نے نبی کریمؐ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا تھا؟ کیا آپؐ نے اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کر دیا تھا۔ اگر مجھے ماں سمجھتے ہو تو اسے چھوڑ دو اور یاد رکھو جہنم کی آگ اس آگ سے زیادہ گرم ہے' جو عذاب خدا اسے دے گا وہ تم نہیں دے سکتے۔''

عبدالکریم کی والدہ کے کہنے پر یٰسین کو چھوڑ دیا گیا۔ حنیف خان نے دو مجاہدین سے کہا کہ اسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر مرکز سے دور جا کر چھوڑ آؤ۔ جاتے ہوئے علی نے اُس سے کہا کہ اگر تم نے آئندہ کسی مجاہد کو گرفتار کروایا تو پھر یاد رکھنا اُبلتے ہوئے تیل میں تمہارے کباب تلے جائیں گے۔

علی اور میجر فیاض ابھی اسی مرکز میں تھے' انہیں یہاں آج پانچواں روز تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کے وہ فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ یٰسین اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مرکز آ پہنچا ہے۔ اس نے آتے ہی حنیف خان سے کہا کہ میں نے مجاہدین سے بہت زیادتیاں کی ہیں اور میرے گناہ مجھے ضمیر کی آگ میں جلا رہے ہیں' یہاں سے جانے کے بعد ضمیر کی آگ نے مجھے ایک لمحہ بھی چین نہیں لینے دیا۔ میں نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ زندگی کے بقیہ ایام جہاد کرتے ہوئے گزار دوں۔ شاید اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

پھر وہ عبدالکریم کی والدہ کے قدموں میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

''اماں! میں عبدالکریم کو واپس تو نہیں لا سکتا اور عبدالکریم کی جگہ بھی نہیں لے سکتا لیکن جس راستے پر اس نے جان دی ہے میں بھی اس مشن پر اپنی جان دے دوں گا۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میرے بیوی بچے آپ کے ساتھ پاکستان جائیں گے اور زندگی کے آخری سانس تک آپ کی خدمت کریں گے۔ خدا کے لیے مجھے اور میری بیوی کو معاف کر دو۔ لالچ نے ہماری آنکھیں اندھی کر دی

تھیں۔ اماں! میں اپنا گھر فروخت کر آیا ہوں۔ میں اب کبھی وہاں نہیں جاؤں گا۔ میرے بچے جہاں آپ رہیں گی آپ کے ساتھ رہیں گے۔"

پھر اُس نے نوٹوں کی ایک تھیلی عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

"یہ وہ روپے ہیں جو میں نے مکان فروخت کر کے حاصل کیے ہیں۔ ان میں وہ روپے بھی شامل ہیں جو میرے پاس پہلے تھے۔ ان کا جو چاہو کرو۔ چاہو اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤ یا پھر مجاہدین کو دے دو۔"

جب وہ عبدالکریم کی والدہ سے یہ باتیں کر رہا تھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے بیوی بچے ہاتھ جوڑے عبدالکریم کی والدہ کے سامنے کھڑے تھے۔ عبدالکریم کی والدہ رحمدل خاتون تھیں۔ اُس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اپنی گود میں بٹھالیا اور روپے حنیف خان کے حوالے کر دیئے۔ حنیف خان نے اُن میں سے آدھے مجاہدین کے لیے رکھ لیے اور بقیہ عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

"پاکستان میں یہ تمہارے اور تمہارے ساتھ ان بچوں کے کام آئیں گے۔"

چھٹے دن علی، میجر فیاض، عبدالکریم کی والدہ، یٰسین کے بیوی بچے اور پانچ دوسرے مجاہد واپس اپنے مرکز کی طرف روانہ ہوگئے۔ یٰسین وہیں حیدر مرکز میں رہا۔

چیف کمانڈر کے پاس پہنچ کر میجر فیاض اور علی نے ساری روداد سنائی۔ چیف کمانڈر ان کی ہمت وجرأت کی داستان سن کر مسکرایا اور کہا کہ تم لوگوں نے قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کی یاد تازہ کر دی ہے۔ میں تم لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ اللہ کا شکر ہے تم بخیر و عافیت واپس آئے۔

عبدالکریم کی والدہ اور یٰسین کے بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا گیا۔ میجر فیاض بھی چند دن رہنے کے بعد حیدر مرکز واپس چلا گیا تاکہ شہر کے قریب رہ کر چھاپہ مار کارروائیوں کی نگرانی کر سکے۔





سردیاں ختم ہو رہی تھیں اور بہار کا آغاز ہو چکا تھا۔ پہاڑوں پر پڑی برف پگھل رہی تھی۔ مجاہدین کے مرکز میں اطلاع ملی کہ کابل میں روسی کابل حکومت کے اعلیٰ فوجی افسروں کا اجلاس ہوا ہے جس میں مجاہدین کے بڑے بڑے مراکز پر زبردست حملے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اُن میں وہ مرکز بھی شامل تھا جس میں آج کل علی رہ رہا تھا۔ یہ مرکز تین اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ صرف شمال مشرق کی طرف سے ایک راستہ اس مرکز تک جاتا تھا۔ یہی راستہ صوبے کے بڑے بڑے شہروں کو آپس میں اور پھر کابل سے ملاتا تھا اور مجاہدین اسے راہِ عمومی افغانستان کا نام دیتے تھے۔ عرصے سے اس راستے پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ دُشمن نے اس پر قبضہ کے لیے بڑے حملے کیے مگر ناکام رہا تھا۔

مجاہدین کا یہ مرکز جدید طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے غار بنائے گئے تھے۔ زخمیوں کے لیے یہاں زمین دوز ہسپتال تھا اور خوبصورت مسجد بھی پہاڑ کے اندر ہی تعمیر کی گئی تھی۔ ایک غار کے اندر ریڈیو سٹیشن تھا جو ایک ویگن میں قائم تھا۔ اس ریڈیو سٹیشن سے پورے افغانستان کے لیے پروگرام نشر کیے جاتے تھے۔ رُوسی مسلمانوں کے لیے پروگرام روسی زبان میں نشر ہوتے تھے۔ پہاڑوں کے اوپر طیارہ شکن توپیں لگائی گئی تھیں۔ اس مرکز کے ایک طرف مجاہدین کے ہوٹل بھی تھے جہاں مجاہدین کے قافلے قیام کرتے تھے۔

اس مرکز میں جہاں نئے آنے والے فوجیوں کو تربیت دی جاتی تھی، وہاں دوسرے مراکز اور صوبوں کو اسلحہ بھی سپلائی کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ ایک بہت بڑا اہم مرکز تھا اور یہاں سے جنگ کرنے والے مجاہدین دُشمن کا ناک میں دم کیے ہوئے تھے۔ دشمن اس مرکز سے بہت پریشان تھا اور اسے ہر حالت میں تباہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس پر حملے کی خصوصی منصوبہ بندی کی گئی۔

مارچ کے پہلے ہفتے میں اطلاع ملی کہ دُشمن کا ایک بہت بڑا کانوائے سینکڑوں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ اس مرکز کے قریب واقع چھاؤنی کی طرف آ رہا ہے۔ دُشمن کا پروگرام تھا کہ پہلے فوجی قوت چھاؤنی میں اکٹھی کی جائے اور پھر وہاں سے اس مرکز پر حملہ کیا جائے۔ اس فوجی کانوائے کو طیاروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ مجاہدین نے اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے کئی اقدامات کیے۔ قافلے

کے راستے میں ٹینک شکن بارودی سرنگیں بچھائی گئیں۔ گڑھے کھودے گئے اور گھات لگا کر کئی جگہ حملہ بھی کیا گیا۔ اس طرح دُشمن کو قدم قدم پر بھاری نقصان اُٹھانا پڑا اور یہ کانوائے جسے اس چھاؤنی میں ایک ہفتے کے اندر پہنچنا تھا پورے چھ ہفتوں بعد پہنچ سکا۔ علی مجاہدین کی ان تمام چھاپہ مار کارروائیوں میں برابر شریک رہا۔

مجاہدین کا خیال تھا کہ دُشمن کا بھاری جانی و مالی نقصان ہوا ہے اور وہ خاصا تھک بھی چکا ہے' اس لیے وہ ہمارے مرکز پر فوری حملہ آور نہ ہو سکے گا لیکن دُشمن نے غیر متوقع طور پر فوراً حملہ کر دیا۔

جمعے کا دن تھا اور اپریل کا مہینہ۔ خاصی تعداد میں مجاہدین اپنے عزیزوں سے ملنے پاکستان گئے ہوئے تھے۔ مرکز میں موجود مجاہدین کی تعداد اس وقت بمشکل ایک سو تھی۔ صبح کا وقت تھا جب دُشمن کے بیس سے زیادہ بمبار طیارے نمودار ہوئے۔ ان کے ساتھ تقریباً ایک درجن ہیلی کاپٹر بھی تھے۔ طیاروں نے مرکز پر بمباری شروع کر دی اور ہیلی کاپٹروں سے مرکز کے تین اطراف میں کمانڈوز اتارے جانے لگے تاکہ مجاہدین کو کسی طرف سے مدد نہ مل سکے۔ چوتھی طرف سے دُشمن نے بہت بڑی فوج کے ساتھ اس قدر زوردار حملہ کیا کہ مجاہدین کہیں بھی اُن کا راستہ نہ روک سکے۔ یوں دُشمن کی فوج مجاہدین کے اس مرکز کے قریب اُونچے پہاڑوں پر قابض ہوگئی۔

مرکز میں موجود مجاہدین اکٹھے ہوئے اور تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ دُشمن کا آخری دم تک مقابلہ کیا جائے گا۔ مجاہدین کی تمام طیارہ شکن توپیں دُشمن کے ہوائی جہازوں پر گولیاں برسانے لگیں مگر یہ توپیں دور تک مار نہیں کر سکتی تھیں' اس لیے کہ دُشمن کے طیارے اُونچائی پر اڑتے ہوئے اندھا دھند بمباری کر رہے تھے۔ ایک ایک ہزار پونڈ کے بم برسائے جا رہے تھے۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے جہاز میں سے جہاز نکل رہا ہو۔ ایک ایک کر کے مجاہدین کی طیارہ شکن توپیں تباہ ہوتی گئیں۔ نیپام بموں سے مرکز میں کئی جگہ آگ لگ گئی۔

بمباری سے بچنے کے لیے مجاہدین نے کوہ دوز غار میں پناہ لی ہوئی تھی۔ ایک بہت بڑا بم غار پر آ گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اس غار کے اندر ستر مجاہدین تھے۔ 45 مجاہدین فوری طور پر ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے اور بقیہ کے لیے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

غار کے اندر بچنے والوں میں علی بھی شامل تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بچنے والے مجاہدین مزید کتنے گھنٹے بند غار کے اندر زندہ رہیں گے۔ اس قدر تباہ کن بمباری میں باہر سے کسی امداد کی امید نہ تھی۔ اگر امداد آ بھی گئی تو جتنی دیر میں غار کے منہ کے آگے سے ہزاروں ٹن ملبہ ہٹایا جائے گا' اُتنی دیر میں غار کے اندر آکسیجن ختم ہو چکی ہو گی اور زندہ بچ جانے والے مجاہدین بھی دم گھٹنے سے شہید ہو چکے

ں گے۔ علی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا۔ دوسرے مجاہدین بھی یقیناً یہی سوچ رہے ہوں گے لیکن ھیرے میں کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو گھنٹے گزر گئے اور مجاہدین نے محسوس کیا کہ ان کے لیے اب سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ جاہدین کے چیف کمانڈر جو نیپام بم سے شدید زخمی ہو چکے تھے' وہ بھی غار کے اندر تھے۔ انہوں نے مام مجاہدین کو اپنے قریب بلایا اور کہا:

''اے مجاہدین اسلام! شاید تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے ہم بھی اُن شہداء سے جا ملیں جو ہمارے سامنے پہاڑ کے ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو چکے ہیں لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ لوگ بھی اللہ کی رضا کی خاطر شہید ہوئے اور ہم بھی خدا کی راہ میں جان قربان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور پھر قتل کر دیئے گئے یا مر گئے' اللہ اُن کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔ وہ اُن کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے۔'' (الحج)

''اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو لوگ جو مال و متاع جمع کرتے ہیں' اُس سے اللہ کی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے۔'' (آلِ عمران)

کمانڈر نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''اللہ کے ہاں سرخروئی جنگ میں فتح یا شکست کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو جانتا ہے کہ ہم میں سے کسی کے دل میں دُنیا کا لالچ نہ تھا۔ ہم نے خالصتاً دین اسلام کے پرچم کی سربلندی کے لیے جہاد کا آغاز کیا اور ظالموں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔ اللہ کو ہمارے ساتھیوں کی موت اسی طرح منظور تھی اور شاید ہماری موت بھی۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم ایک بار پھر اپنے وطن کو آزاد دیکھ سکیں اور سرزمین افغانستان پر اسلام کا پرچم لہرا سکیں اور یہی خواہش ہر اس شہید کی تھی جو ہم سے پہلے اللہ کے پاس جا چکا۔ دوستو! آؤ مل کر دعا کریں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے' ہماری شہادت کو قبول فرمائے اور ہمارے وطن کو آزاد کرائے۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک طرف سے علی کی آواز آئی:

''قابلِ احترام کمانڈر صاحب! شہادت ہمارے لیے اعزاز ہے اور ہم موت سے نہیں ڈرتے' لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بے بسی کی موت مر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم اللہ سے مدد کی دعا

کریں۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو ہماری مدد کے لیے فرشتے بھیج سکتا ہے۔ کیا اللہ میدان بدر میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد نہیں کی تھی اور کیا ابرہہ کے لشکر کو ابابیلوں سے نہیں کروایا تھا؟ پھر ہم اللہ کی مدد اور رحمت سے مایوس کیوں ہیں؟''

علی خاموش ہوا تو مجاہدین کے کمانڈر کی آواز سنائی دی: ''دوستو! علی صحیح کہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بظاہر ہمارے بچنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے' لیکن ہمارا تو یقین ہے کہ اللہ ہر چیز پر ہے۔ کیا اللہ نے اپنے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کی اُس وقت مدد نہیں کی تھی جب وہ دریا میں گر تھے اور مچھلی نے انہیں نگل لیا تھا اور جب انہوں نے اللہ سے مدد مانگی تو کیا مچھلی نے اُنہیں صحیح سالم سے باہر نہیں پھینک دیا تھا؟ اور ہاں' مجھے یاد آیا۔ بنی اسرائیل کے تین افراد کا ایک ایسا ہی واقعہ نبی کر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔ اُن کے غار کا منہ بھی بند ہو گیا تھا۔ واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

بنی اسرائیل کے تین افراد کو سفر کے دوران میں رات آ گئی۔ موسم بڑا خراب تھا۔ بارش طوفان آیا ہوا تھا۔ اس طوفان سے بچنے کے لیے وہ تینوں ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے۔ طو بارش کے نتیجے میں پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے گری اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ تینوں آ پریشان ہو گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ اب ہم اس غار سے باہر کیسے نکلیں گے۔ انہوں نے مل کر پورا ز لگایا مگر پتھر اتنا بھاری تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔ ان کا خیال تھا کہ اب ہمیں اس مصیب سے کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی۔ پھر ایک نے کہا کہ اگر ہم اپنے نیک اعمال کے ذریعے اللہ سے مانگیں تو ممکن ہے اللہ ہماری مدد کرے۔ سب نے اس کی بات پر اتفاق کیا۔

پھر ان میں سے ایک نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا: ''یا اللہ میرے ماں باپ بوڑ تھے۔ میں اُن کی اچھی طرح خدمت کرتا اور جب تک انہیں کچھ کھلا پلا نہ لیتا' میں اپنے بچوں کو کھلا خود کھاتا۔ ایک روز میں رزق کی تلاش میں بہت دور نکل گیا۔ جب میں واپس آیا تو والدین سو تھے۔ میں نے دودھ دوہا تاکہ اُن کو پلاؤں مگر وہ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اُن جگاؤں اور نہ یہ پسند کیا کہ اُن سے پہلے کسی اور کو کھلاؤں۔ اس طرح میں دودھ کا پیالہ لیے اُن سرہانے کھڑا اُن کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا اور میرے بچے بھوک سے بے تاب ہو کر میرے قدموں میں لوٹتے لوٹتے سو گئے' یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میرے ماں باپ جاگ اُٹھے اور پھر اُنہوں نے دودھ پی لیا۔ اے میرے مالک! اگر یہ سب کچھ میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا تو چٹان کو غار منہ سے ہٹا دے۔''

اُس نے دعا ختم کی تو چٹان تھوڑی سی غار کے منہ سے ہٹ گئی'

پھر دوسرے شخص نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا! ''اے میرے پروردگار! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو بہت خوبصورت تھی اور مجھے بہت زیادہ پیاری لگتی تھی۔ میں اُس کے پاس بری نیت سے گیا مگر وہ راضی نہ ہوئی' کیونکہ وہ نیک اور تجھ سے ڈرنے والی لڑکی تھی۔ وقت گزرتا گیا اور ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا۔ اُس لڑکی کے پاس کھانے پینے کو جب سب ختم ہو گیا تو وہ میرے پاس مدد مانگنے آئی۔ میری نیت اب بھی خراب تھی' اس لیے میں نے اُسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرے ساتھ برا کام کرے۔ فاقوں سے وہ اس قدر مجبور ہو گئی تھی کہ اُس نے میری شرط مان لی۔ ...... جب میں نے اُس پر قابو پالیا تو وہ کہنے لگی کہ اللہ سے ڈر اور گناہ نہ کر۔ میں اُس کے پاس سے ہٹ گیا اور چاہنے کے باوجود برا کام نہ کیا اور دینار بھی اُس کے پاس رہنے دیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا۔'' اُس نے دعا ختم کی تو چٹان تھوڑی سی اور پرے ہٹ گئی مگر باہر نکلنا اب بھی مشکل تھا۔

تیسرے شخص نے دُعا کرتے ہوئے کہا: ''اے میرے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے چند مزدوروں کو اپنے کام کے لیے اجرت پر رکھا اور سب کو ان کی اجرتیں دیں' لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا۔ میں نے اُس کی اُجرت کے روپے کام میں لگائے اور اُن سے بہت نفع حاصل ہوا۔ اُس نفع سے کئی اونٹ' گائیں' بھیڑیں اور غلام میرے پاس جمع ہو چکے تھے۔ کچھ مدت بعد وہ مزدور واپس آیا اور مجھ سے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے سارے اونٹ' گائیں' بھیڑیں اور غلام اُس کے سامنے کر دیئے تو وہ حیران ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اللہ کے بندے مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے اپنی مزدوری مانگی ہے' تیرا مال نہیں۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ سارا مال تیری ہی مزدوری کے نفع سے حاصل ہوا ہے۔ اُس نے سارا مال لے لیا اور چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نکال۔'' اُس کی دُعا کے بعد چٹان غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹ گئی اور یوں اُنہیں نئی زندگی ملی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مجاہدین کے کمانڈر نے کہا کہ اے دوستو! آؤ آج ہم بھی اپنے اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی ہم میں سے کسی کے نیک کام کے بدلے اس مصیبت سے نجات دلائے۔

اس کے بعد ایک مجاہد نے دُعا مانگتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کالج میں پڑھ رہا تھا کہ ایک دن ہمارے شہر میں کمیونسٹوں نے جلوس نکالا۔ میں بھی جلوس دیکھنے گیا ہوا تھا جو کمیونزم کے حق میں نعرے لگا رہا تھا۔ جلوس ایک مسجد کے سامنے رُک گیا اور جلوس میں شامل لوگوں نے اسلام کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے کیونکہ اس مسجد کا مولوی اسلامی نظام کے حق میں تقریریں کرتا اور

روس میں مسلمانوں پر ہونے والے کمیونسٹوں کے ظلم کی داستانیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے
مولوی صاحب مسجد سے باہر آئے اور انہوں نے اسلام کے خلاف نعروں پر شدید احتجاج کیا
کمیونسٹوں نے انہیں شہید کر دیا۔ مسجد کو آگ لگا دی اور قرآن مجید پھاڑ کر استنجا خانے میں پھینک
دیے۔ وہاں موجود کئی دوسرے لوگوں نے اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو۔ اس پر ایک
کمیونسٹ نے آگے بڑھ کر کہا کہ جاؤ' جا کر اپنے اللہ کو بلا لاؤ۔ یہ کہہ کر اُس کمیونسٹ نے پھاڑے
ہوئے قرآن مجید پر پیشاب کر دیا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں گھر کی طرف دوڑا اور بندوق اُٹھا کر جلوس
میں آ گیا۔ پھر اُس کمیونسٹ اور کئی دوسرے کمیونسٹوں کو قتل کر کے میں مجاہدین سے آ ملا۔ اے اللہ! اگر
یہ سب کچھ میں نے تیری محبت میں کیا تھا تو ہماری مدد کر۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔ پھر دوسرے مجاہد نے دُعا کرتے ہوئے کہا:

''اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ حامد اور میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ حامد میرا بچپن کا دوست
اور ہماری دوستی بہت گہری تھی۔ جب ہم کالج میں آئے تو اس کے نظریات بدل گئے اور وہ کمیونسٹ
ہو گیا۔ میں نے اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ تیرا مذاق اڑاتا' قرآن
عیسائیوں کی لکھی ہوئی کتاب کہتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انتہائی بے ہودہ الفاظ
استعمال کرتا۔ اُسے میں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ ایک دن پوری کلاس میں اُس نے قرآن اور
اسلام کے خلاف تقریر شروع کر دی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت غلط الفاظ استعمال
کیے۔ میں نے پہلے اُسے زبان سے روکا' لیکن وہ نہ رکا بلکہ جھگڑنے لگا۔ اس پر میں نے اُس گستاخ
رسولؐ اور مرتد کو جو کبھی میرا بڑا پیارا دوست تھا' بہت مارا اور اُس کی گستاخ زبان کاٹ کر پھینک دی۔
اے میرے خدا! اگر یہ سب کچھ تیری خوشنودی کی خاطر تھا تو ہماری مدد فرما۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔ اس طرح اُن سب مجاہدین نے باری باری دُعا کی۔ آخر میں
کمانڈر نے دُعا کرتے ہوئے کہا: ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ اس ملک میں جب روسی فوج داخل ہوئی تو
بچوں' بوڑھوں اور عورتوں پر ظلم ہونے لگا۔ گاؤں کے گاؤں ملبے کے ڈھیر بنا دیئے گئے۔ مسجدوں اور
مدرسوں کو شہید کر دیا گیا اور تیرا نام لینے کے جرم میں مسلمانوں کو شہید کیا جانے لگا۔ مجھ سے یہ
برداشت نہ ہو سکا اور میں نے تیری راہ میں بندوق اُٹھا لی۔ اگر یہ سب کچھ تیری رضا کی خاطر ہے تو
ہماری مدد کر۔''

کمانڈر کی دُعا پر جونہی مجاہدین نے آمین کہی' باہر زبردست دھماکہ ہوا۔ پہاڑ لرزنے لگے
اور عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے باہر قیامت آ چکی ہو اور جب مجاہدین

نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ روشنی غار کے اندر آ رہی تھی۔ غار کا منہ کھل چکا تھا اور ہزاروں ٹن ملبہ دور
بکھرا پڑا تھا۔ مجاہدین اتنی جلدی قبولیت دُعا پر حیران تھے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ سب مجاہدین کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

ہوا یوں کہ دُشمن کے ایک درجن طیارے دوبارہ حملہ کرنے آئے۔ انہوں نے مرکز پر زبردست
بمباری کی۔ دو بڑے بڑے بم غار کے سامنے ملبے پر پڑے اور اُن کے پھٹنے سے ملبہ دور دور تک بکھر گیا
اور یوں اللہ نے اپنے بندوں کی مدد اپنے دُشمنوں کے ذریعے کر کے اپنے قادرِ مطلق ہونے کا اعلان کیا۔

مجاہدین نے باہر نکل کر جائزہ لیا تو تمام طیارہ شکن توپیں تباہ ہو چکی تھیں۔ صرف تین زمینی
توپیں سلامت تھیں اور جو مجاہدین اُنہیں چلا رہے تھے وہ اُنہی تینوں سے دُشمن کی پیش قدمی روکے
ہوئے تھے جبکہ دُشمن طیاروں اور ان گنت توپوں سے مسلسل اُن پر گولہ باری کر رہا تھا۔ کئی بم اُن کے
دائیں بائیں پھٹے مگر اللہ نے اُنہیں بچائے رکھا۔ اب اس مرکز میں صرف تیس مجاہد صحیح سلامت تھے اور
بیس زخمی۔ باقی سب شہید ہو چکے تھے۔

چیف کمانڈر کے سامنے اب دو مسئلے تھے۔ ایک زخمیوں اور لاشوں کو نکال کر محفوظ جگہ پہنچانا'
دوسرے ریڈیو سٹیشن ویگن کو صحیح سلامت نکال کر لے جانا۔ مرکز کو بچانا اب کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

کمانڈر نے مجاہدین سے مشورے کے بعد کہا کہ توپوں پر صرف چھ مجاہد رہیں گے۔ پانچ میرے
ساتھ ہوں گے۔ باقی فوری طور پر ریڈیو سٹیشن ویگن' زخمیوں اور شہداء کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔

اس مرکز سے کسی بھی چیز کو سلامت لے جانا ناممکن نظر آ رہا تھا کیونکہ فضا میں دُشمن کے طیارے
مسلسل بمباری کر رہے تھے اور کمانڈوز نے تمام راستے بند کیے ہوئے تھے' لیکن اس کے باوجود دو مجاہد
ریڈیو سٹیشن ویگن میں سوار ہوئے۔ باقیوں نے زخمی اور شہیدوں کو پک اپ گاڑیوں میں رکھا اور اللہ
کے سہارے وقفے وقفے سے نکل پڑے۔ جونہی وہ مرکز سے نکلے دُشمن کے طیارے آ گئے اور اُن پر بم
برسانے لگے مگر ڈرائیور انتہائی مہارت سے گاڑیوں کو نکال کر لے گئے۔ راستے میں اُنہیں بہت زیادہ
لاشیں نظر آئیں جو مجاہدین کی نہیں تھیں بلکہ روسی کمانڈوز کی تھیں جنہیں مجاہدین کے ایک دوسرے
گروپ نے زمین پر اترتے ہی ہلاک کر دیا تھا اور اس وقت بھی وہ گروپ اس راستے کی حفاظت کر رہا
تھا مگر مرکز میں چیف کمانڈر اس بات سے بے خبر تھا۔





چیف کمانڈر سمیت اب مرکز میں صرف بارہ مجاہد باقی تھے۔ اُن میں علی بھی شامل تھا۔

اُن .... کا ایک ہی مقصد تھا کہ دُشمن کی پیش قدمی سورج غروب ہونے تک روکی جائے۔ ان بارہ مجاہدین نے اس مہارت سے مورچے سنبھالے ہوئے تھے کہ دُشمن یہی سمجھتا رہا کہ مجاہدین کی بہت بڑی تعداد مرکز میں اُن کے خلاف لڑ رہی ہے۔ چیف کمانڈر زخمی ہونے کے باوجود مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا۔

ابھی سورج غروب ہونے میں کچھ وقت باقی تھا جب مجاہدین کے پاس اسلحہ ختم ہوگیا۔ کلاشنکوفوں کی کچھ گولیاں اور چند دستی بم بچے تھے۔ کمانڈر نے کہا کہ تمام توپیں تباہ کر دی جائیں تا کہ دُشمن ان پر قبضہ نہ کر سکے اور مزید کوئی گولی نہ چلائی جائے۔ یہ کہہ کر وہ سورج غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا تا کہ رات کی تاریکی میں پسپائی محفوظ راستے سے ہو سکے۔

چند منٹ بعد کمانڈر نے دوربین سے دیکھا کہ دُشمن کے ٹینک مرکز کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اُس کے ساتھ ساتھ دُشمن کی توپوں سے گولہ باری بھی ہو رہی تھی۔ کمانڈر نے مجاہدین سے کہا کہ نکلنے کا راستہ ٹینکوں کی زد میں آ چکا ہے' اس لیے آپ سب آہستہ آہستہ پچھلے پہاڑ کی طرف سرکنا شروع کر دیں اور درختوں کے اس جھنڈ کے نیچے اکٹھے ہوں جو چوٹی کے قریب نظر آ رہا ہے۔

مجاہدین آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ لیٹ کر رینگ رہے تھے تا کہ دُشمن اُنہیں دیکھ نہ سکے۔ آہستہ آہستہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مجاہدین اب پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جب وہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے پہنچے تو اندھیرا پہاڑ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ انہوں نے ہوائی جہازوں کو آتے دیکھا۔ ایک جہاز سے روشنی کے بم پھینکے گئے۔ بموں کی روشنی اس قدر زیادہ تھی کہ زمین پر چیونٹی بھی نظر آ سکتی تھی۔

مجاہدین کے لیے یہ صورتحال بڑی پریشان کن تھی۔ خدشہ تھا کہ اُنہیں دیکھ لیا جائے گا اور پھر اس جگہ بموں کی بارش شروع ہو جائے گی۔ روشنی کے دو گولے اپنی جگہ معلق تھے۔ دور سے نظر آ رہا تھا کہ دُشمن کے ٹینک مرکز کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں۔ طیارے بڑی نیچی پرواز کر رہے تھے۔ اگر اس

وقت مجاہدین کی ایک بھی طیارہ شکن توپ سلامت ہوتی تو روسی طیارے گرانا کچھ مشکل نہ تھا۔

علی نے اپنی بندوق سیدھی کی تو کمانڈر نے اُسے روکا کہ گولی مت چلائے لیکن روکنے سے پہلے ہی علی کی گولی چل چکی تھی اور روشنی کا گولہ اُس کا نشانہ بن چکا تھا۔ علی نے دوسری گولی دوسرے گولے پر چلانے میں بھی دیر نہ کی اور وہ بھی ٹھیک نشانے پر لگی۔ کمانڈر نے مجاہدین سے کہا کہ اب فوراً جگہ تبدیل کر لو کیونکہ یہاں اب زبردست بمباری شروع ہو جائے گی۔

تاریکی کا فائدہ اٹھاتے اور دوڑتے ہوئے مجاہدین خاصے دور آ گئے۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں کے نیچے پتھروں کی اوٹ میں لیٹ گئے۔ دشمن کے طیاروں نے بمباری پھر شروع کر دی تھی۔ بمباری اس قدر زیادہ تھی کہ اگر مجاہدین پہلی جگہ موجود ہوتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ سلامت نہ بچتا۔ تھوڑی دیر بعد بمباری تھم گئی۔ مجاہدین کا خیال تھا کہ طیارے دوبارہ آئیں گے' لیکن خاصی دیر تک وہ نہ لوٹے۔ مجاہدین اُٹھے اور پہاڑ سے نیچے اُترنے لگے۔ وہ بڑی احتیاط سے چل رہے تھے کیونکہ خدشہ تھا کہ روسی کمانڈوز اس پہاڑ پر کسی جگہ چھپے ہوئے نہ ہوں۔

ابھی وہ پہاڑ کا نصف راستہ بھی نہیں اترے تھے کہ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ نیچے سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ کئی گولیاں علی کے کانوں کے قریب سے گزر گئیں۔ سب مجاہدین ایک دفعہ پھر لیٹ گئے اور الٹی سمت رینگنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر وہ ٹھہرے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ چیف کمانڈر سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں زخمی مجاہدین اور ریڈیو سٹیشن ویگن والے بچ کر نکل سکے ہیں یا نہیں۔ روسی کمانڈوز اپنے راستے میں دیکھ کر مجاہدین پریشان ہو گئے تھے۔ وہ دیر تک وہیں لیٹے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ کمانڈوز اُن کا پیچھا کریں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب انہوں نے اس طرف دھماکوں کی آوازیں سنیں جس طرف سے اُن پر فائرنگ کی گئی تھی۔ سب اس طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اُدھر سے بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ علی کا خیال تھا کہ مجاہدین کے کسی گروہ نے روسی کمانڈوز پر حملہ کر دیا ہے اور یہ دستی بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں' اس لیے ہمیں مجاہدین کی مدد کے لیے اُس طرف جانا چاہئے لیکن کمانڈر کا خیال تھا کہ کہیں ہمیں پھنسانے کے لیے دُشمن نے یہ جال نہ پھیلایا ہو۔ علی اور دوسرے مجاہدین کا کہنا تھا کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کے لیے خطرہ مول لینا پڑے گا۔ کمانڈر نے ایک دفعہ پھر سارے اسلحہ کا جائزہ لیا اور مجاہدین کی رائے سے اتفاق کیا۔

مجاہدین کے تین گروپ بنا دیئے گئے تا کہ سارے اکٹھے گھیرے میں نہ آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ کمانڈوز کے مرکز کی طرف بڑھنے لگے۔ علی اور اُس کا ساتھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ اُنہیں دو سائے

اپنی طرف دوڑتے نظر آئے۔ علی نے دیکھتے ہی گولی چلادی لیکن اتفاق سے نشانہ خطا گیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ جو کوئی بھی تھا فارسی زبان میں اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ اُس نے مزید کہا کہ اگر آپ مجاہدین ہیں تو گولی مت چلایئے۔ ہم دونوں روسی فوج کے مسلمان فوجی ہیں۔ ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے' کلاشنکوفیں ہم نیچے پھینک رہے ہیں۔

علی کے ساتھی مجاہد نے کہا کہ ان پر اعتبار نہ کیا جائے' لیکن علی کا خیال تھا کہ روس کے مسلمانوں کو افغان مسلمانوں کے خلاف زبردستی لڑایا جا رہا ہے' اس لیے ہمیں ان پر گولی نہیں چلانی چاہیے جبکہ وہ خالی ہاتھ بھی ہیں۔ اپنے ساتھی سے یہ کہہ کر علی نے آواز دی کہ آپ لوگ آگے آجائیں۔ یہ سن کر وہ دونوں علی کی طرف دوڑ پڑے۔ عین اس وقت ایک دھماکہ ہوا اور اُن میں سے ایک نیچے گر پڑا۔ علی نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا کہ کہیں اُس نے دستی بم تو نہیں پھینکا' لیکن اُس کے ساتھی نے نفی میں جواب دیا۔

ادھر سے آواز آئی کہ میرا ساتھی شدید زخمی ہو گیا ہے۔ براہ کرم آپ لوگ میری مدد کریں۔ علی اور اس کا ساتھی ان کی طرف دوڑے۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو زخمی کی ٹانگ اڑ چکی تھی اور باقی جسم بھی شدید زخمی تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زخمی کے لیے کیا کریں۔ خون اس قدر تیزی سے بہہ رہا تھا کہ زخمی کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ علی اپنا پٹکا پھاڑ کر اس کے زخموں پر باندھنے لگا' مگر خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ زخمی درد سے کراہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز آئی:

''میرے مسلمان بھائیو! شاید میں نہ بچ سکوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری آخری خواہش پوری ہو گئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے مجاہدین کا ساتھی بنا دے۔ آج میں مجاہدین کے ساتھی کی حیثیت سے مر رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور چومنے لگا۔ پھر اس نے کہا: ''اے مجاہدو! آخری دم تک لڑنا۔ روس کے مسلمانوں کی آزادی تک لڑنا۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے گا۔''

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر زخمی کے لب ہلے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس کا ساتھی اس کے ساتھ چمٹ کر رونے لگا۔ علی اور دوسرے مجاہدین کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ شہید روسی فوجی کا ساتھی روتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''اے دوست! تو نے تو روس کے مسلمانوں کی آزادی تک میرا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا مگر پہلے ہی قدم پر ساتھ چھوڑ گیا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک تیرے مشن کو زندہ رکھوں گا' خواہ مجھے تنہا ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔''

علی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''اے روسی دوست! ہم تمہارے ساتھی بنیں گے تم تنہا نہیں ہو' عالم اسلام کا ہر حریت پسند تمہارا ساتھی ہو گا۔ کچھ کی دعائیں' کچھ کا مال اور کچھ کی جانیں

تمہارے ساتھ ہوں گی۔ ہم سب کی ایک ہی منزل ہے اور ایک ہی راستہ۔ ہمارا ایک ہی خدا ہے' ایک ہی دین اور ایک ہی دشمن بھی' اس لیے افغانستان کا ایک ایک فرد تمہارے ساتھ ہے۔''

علی نے روسی سے پوچھا کہ یہ تمہارا ساتھی شہید کیسے ہوا تو اُس نے کہا: ''ہم پیچھے روسی افغان کمانڈوز کے مورچے میں موجود اسلحہ تباہ کر کے اور کمانڈوز کو قتل کر کے بھاگے تھے تاکہ مجاہدین سے جا ملیں۔ بھاگتے ہوئے ہمارے پاؤں اپنی ہی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ پر پڑے اور یہ حادثہ پیش آ گیا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ فی الحال ہمیں کسی محفوظ مقام کی طرف جانا چاہیے۔ کمانڈوز کا ایک دوسرا گروپ بھی قریب ہی موجود ہے جو حملہ آور ہو سکتا ہے۔'' اُنہوں نے شہید کی لاش اُٹھائی اور چل پڑے۔

مجاہدین محفوظ مرکز میں پہنچ چکے تھے۔ دوسرے مراکز سے کمانڈروں کو طلب کیا گیا تھا۔ مجاہدین کے سامنے فوری مسئلہ بڑے مرکز کو روسیوں سے واگزار کرانا تھا۔ مختلف مراکز سے کمانڈر اپنے اپنے مجاہدین کے ساتھ پہنچ گئے۔ اُن کا ہنگامی اجلاس فوری طور پر شروع ہو گیا۔ علی کو اُس کے تجربے اور ذہانت کے باعث اجلاس میں خصوصی طور پر بلایا گیا تھا۔ بیشتر کمانڈروں کی رائے تھی کہ فوری حملے کے بجائے ایک ماہ کا انتظار کیا جائے' لیکن علی کا کہنا تھا کہ حملہ فوراً بلکہ آج ہی کیا جائے کیونکہ جس طرح ہم اچانک حملے میں شکست کھا بیٹھے ہیں' دُشمن بھی اسی طرح ہمارے اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں ہو گا' اس لیے وہ بھاگ اُٹھے گا۔ جو کمانڈر علی کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے' اُنہوں نے اُس کی تائید کی۔ بڑی بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے فیصلہ کیا گیا کہ حملہ آج رات سورج غروب ہوتے ہی شروع کر دیا جائے۔

مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی تھی اور ان کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ ہر مجاہد شکست کا داغ فوری طور پر دھونے کے لیے بے تاب تھا۔ فضا تکبیر اور الجہاد' الجہاد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ بندوقوں کو صاف کیا جا رہا تھا اور اسلحہ گاڑیوں اور خچروں پر لادا جا رہا تھا۔ اتنے میں چیف کمانڈر تشریف لے آئے۔ اُن کی گردن پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مجاہدین دیکھتے ہی اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ کمانڈر نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اے دین اسلام کے جانثارو! دُشمن کے اچانک حملہ کی وجہ سے ہم اُس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ہماری تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود جس جرأت کے ساتھ مجاہدین نے دُشمن کی پیش قدمی کو روکا' وہ قابل تعریف ہے۔ اگرچہ اس وقت آپ لوگ بہت بڑی تعداد میں ہیں' مگر دُشمن کی تعداد اب بھی آپ سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے' اس لیے دوستو! اللہ کے بھروسے پر ہمت اور جرأت کے ساتھ آگے بڑھو اور دُشمن کو تہس

نہس کردو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اس کے ساتھ ہی فضا "نَصْرٌمِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْب" کے نعروں سے گونج اُٹھی اور پھر مجاہدین تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے دُشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے چل پڑے۔

دُشمن اُن کے اِس حملے کی تاب نہ لا سکا اور جلدی ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ دُشمن کے سینکڑوں فوجی بھاگتے ہوئے مارے گئے اور پانچ سو سے زیادہ گرفتار ہوئے۔ بہت زیادہ اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ آیا اور مرکز پر مجاہدین کا دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ اس کامیابی پر مجاہدین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

مرکز پر قبضہ کے بعد مجاہدین کے چیف کمانڈر نے سب کمانڈروں کی دوبارہ میٹنگ بلائی۔ مجاہدین کا اس مرتبہ بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ ایک سو سے زیادہ مجاہدین جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ دو سو کے قریب زخمی تھے۔ دُشمن کا نقصان بھی کم نہیں تھا۔ پہاڑوں پر بکھری ہوئی دُشمن کی لاشوں کو جب اکٹھا کیا گیا تو اُن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔ چیف کمانڈر کا خیال تھا کہ دُشمن کے کم از کم بارہ سو فوجی مارے گئے ہوں گے۔ بعد میں مجاہدین کے جاسوسوں نے چھاؤنی سے اطلاع دی کہ دُشمن کے پندرہ سو سے زیادہ فوجی ہلاک ہوئے ہیں اور چار طیارے اور بیس ٹینک تباہ ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں۔ مجاہدین خوش تھے کہ اتنی بڑی فوج اور اسلحہ کے ساتھ دُشمن ایک دن سے زیادہ ایک لمحہ بھی اُن کے مرکز پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکا۔

رُوسی مسلمان فوجی نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور چیف کمانڈر نے اُسے مجاہدین میں شامل کرلیا۔

دوسرے دن شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ رُوسی فوجی جس کا نام عبدالرحمٰن تھا' جنازے میں شامل تھا۔ وہ جنازہ پڑھنے والوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کسی ایک فرد کی آنکھوں میں بھی آنسو نہ تھے اور نہ کسی طرف سے خواتین کی آہ و بکا کی آواز آ رہی تھی۔ اُس نے اپنی اس حیرانی کا ذکر علی سے کیا اور پوچھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں' بیٹوں اور باپوں کی موت پر بھی آنسو نہیں بہا رہے۔ علی عبدالرحمٰن کو ایک بوڑھے کے پاس لے گیا جس کے اس معرکے میں پانچ میں سے تین بیٹے شہید ہو چکے تھے۔

بوڑھے مجاہد نے عبدالرحمٰن کا سوا[ل] اور کہا: "بیٹا! افغانستان میں بارہ لاکھ سے زیادہ افراد شہید ہو چکے ہیں۔ ہم کن کن پر روئیں۔ ب[ش]ہادت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اور انعام خوشی سے قبول کیا جاتا ہے' آنسوؤں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ اُن کے لیے بہشت کی زندگی ہوگی۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں۔ یہ اللہ کے

ذمہ ایک سچا وعدہ ہے اور یہ وعدہ قرآن' تورات' انجیل سب میں ہے۔ (یعنی شہادت کے بدلے جنت دی جائے گی۔) اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ پس مسلمانو! خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

بوڑھے مجاہد نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "بیٹا! افغانستان کی ہر ماں آنسو بہانے کے بجائے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتی ہے کہ اسلام کا پرچم سر بلند رکھنا' خواہ تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ مردوں میں جس کا بیٹا شہید ہوتا ہے' وہ فخر محسوس کرتا ہے کہ وہ شہید کا باپ بن گیا۔ نوجوان کہتے ہیں کہ ہم اپنے جذبات آنسوؤں میں نہیں بہائیں گے بلکہ ہماری بندوق سے گولی نکلے گی اور دُشمن کا خون بہے گا۔ بچے جوان ہونے کی دُعائیں مانگتے ہیں تاکہ وہ شہداء کے نقشِ قدم پر چل سکیں"۔

عبدالرحمٰن کے لیے یہ باتیں کسی حد تک نئی نہیں تھیں۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنے دادا سے سنا تھا کہ مسلمان جب قربانی کے لیے نکلتے ہیں تو پھر آنسو نہیں بہاتے' لیکن اُسے مجاہدین کا یہ جذبہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا پہلی دفعہ موقع مل رہا تھا۔





عبدالرحمٰن علی کا دوست بن گیا تھا۔ جب وقت ملتا دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ عبدالرحمٰن نے بتایا کہ وہ ترکمانستان کا رہنے والا ہے۔ لازمی فوجی بھرتی کے قانون کے تحت اُسے فوج میں بھرتی کر کے افغانستان بھیج دیا گیا۔ علی کے پوچھنے پر اُس نے تفصیل سے رُوس میں مسلمانوں کے حالات بتائے۔ اُس نے کہا:

''روس کے مسلمان مدت سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ میرے دادا جو پانچ چھ سال پہلے فوت ہوئے' بتایا کرتے تھے کہ کیمونسٹوں سے پہلے عیسائی زار بادشاہوں کی حکومت تھی۔ یہ عیسائی زار انتہائی ظالم اور سفاک حکمران تھے۔ مسلمانوں نے اس ظلم کے خلاف جنگیں لڑیں مگر چونکہ وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے' روسی فوج کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی اور انہیں کسی مسلمان ملک سے مدد بھی حاصل نہ تھی' اس لئے وہ اپنے علاقوں کا دفاع نہ کر سکے اور آہستہ آہستہ تمام علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ روسیوں نے مسلمانوں سے جائیدادیں چھین لیں۔ زمینیں ضبط کر لیں۔ مساجد اور دینی مدارس کو شہید کر دیا۔ 1742ء میں صرف قازان کے ایک ضلع میں 546 میں سے 418 مساجد شہید کی گئیں اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر کے ان کی زمینیں عیسائیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

اگرچہ قازان' کریمیا اور آذربائیجان سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا تھا مگر مسلمانوں کے عظیم مجاہد اور عالم اسلام کے پہلے گوریلا رہنما امام شاملؒ نے 1859ء تک شمالی قفقاز میں جہاد جاری رکھا۔ اُنہوں نے تین لاکھ رُوسی فوج کا مقابلہ کیا مگر اُن کے پاس جدید ہتھیار تھے نہ کسی اسلامی ملک نے اُن کی مدد کی جس کی وجہ سے رُوس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اُسی زمانے میں رُوسی افواج ترکستان کے علاقوں پر قابض ہوتی چلی گئیں اور سمرقند' بخارا اور خوارزم جیسے اسلامی شہر زاروں نے اپنی بادشاہت میں شامل کر لیے۔ زار سلطنت کا ایک تہائی سے زیادہ رقبہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل تھا۔

عیسائی زاروں کے ظلم کی وجہ سے روس میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی اور جب 1917ء میں کیمونسٹ انقلاب آیا تو مسلمانوں کو امید پیدا ہوئی کہ اب ہمیں آزادی مل جائے گی

کیونکہ لینن اور دوسرے کیمونسٹ رہنماؤں نے اپنے منشور میں مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ زاروں سے نجات حاصل کرنے کے بعد مسلم اقوام کو آزادی دے دی جائے گی۔ اسی لیے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے کیمونسٹوں کا ساتھ دیا' لیکن اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد کیمونسٹ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ کیمونسٹ چونکہ خدا اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے' اس لیے اُن کے نزدیک وعدوں اور معاہدوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لینن کو جب مسلمانوں نے اُس کا وعدہ یاد دلایا تو اُس نے کہا تھا کہ معاہدہ صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہی تو ہوتا ہے اور جب مسلمانوں نے اُسے بتایا کہ وہ اپنے وعدوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات کے مطابق قائم رکھنے کے عادی ہیں تو لینن نے کہا تھا کہ پھر تمہارے آباؤ اجداد بے وقوف ہوں گے۔

کیمونسٹ حکمران زاروں سے کہیں زیادہ ظالم نکلے۔ زاروں کے ظلم سے بچی ہوئی زمینیں اور گھر بار چھین لیے گئے۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل اور لاکھوں کو فاقوں مرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا لیکن وقت بہت ضائع ہو چکا تھا۔ کیمونسٹوں نے خاصی تعداد میں نام نہاد ملاؤں کو خرید لیا تھا جو کیمونزم کو اسلام کے عین مطابق بتا رہے تھے''۔

عبدالرحمٰن نے بات آگے بڑھاتے ہوئے مزید بتایا۔ ''جب کیمونسٹ انقلاب آیا تو میرے دادا اس وقت جوان تھے۔ ان کے اندر اسلام کی محبت اور آزادی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بھی اسلام کی سربلندی کے لیے آزادی کی جنگ میں کیمونسٹوں کے خلاف مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ اسلام کی محبت رکھنے والے جوان مجاہدین کے قافلہ میں شامل ہوتے گئے اور مجاہدین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ جہاد کا جذبہ قابل دید تھا۔ بچے اور بوڑھے بھی مجاہدین کی صفوں میں آنے لگے اور عورتیں اپنے زیورات اتار کر مجاہدین کے لیے جہاد فنڈ میں دینے لگیں۔ مجاہدین نے ترکستان کے کئی علاقوں میں آزادی کا اعلان کر دیا اور بخارا میں مسلمانوں کی آزاد حکومت قائم بھی ہو گئی' لیکن رُوسیوں نے ایک بہت بڑی فوج مجاہدین کو کچلنے کے لیے بھیج دی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ تھا بھی فرسودہ اور پھر بہت سے نام نہاد علماء مسلمانوں کو جہاد سے یہ کہہ کر روک رہے تھے کہ کیمونزم ایک اقتصادی نظام ہے' مذہب سے اس کی کوئی دشمنی نہیں اور کیمونسٹ غریب عوام کو ظالم سرمایہ داروں سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں مجاہدین' جدید ترین اسلحہ سے لیس سرخ فوج کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور یوں رقبے کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کا سب سے بڑا علاقہ زاروں کے بعد کیمونسٹ تسلط میں چلا گیا۔''

عبدالرحمٰن بتا رہا تھا کہ جس طرح افغانستان میں رُوسی کابل حکومت مجاہدین کو ڈاکو' لٹیرے اور

اشرار کہہ کر بدنام کرتی ہے اور آبادیوں کو لوٹنے' بے گناہوں کو قتل کرنے اور اُن کے گھروں کو آگ لگانے کے بعد عوام میں یہ پراپیگنڈہ کرتی ہے کہ یہ سب اشرار (مجاہدین) نے کیا ہے' اسی طرح کیمونسٹ رُوسی حکومت نے ترکستان کے مجاہدین کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا کیا تھا۔ رُوسی کیمونسٹ مجاہدین کو ''بسماچی'' کہتے تھے جس کے معنی لٹیرے اور ڈاکو کے ہیں' لیکن مسلمانان ترکستان نے اس لفظ کو اپنی آزادی کی علامت بنا دیا' اس لیے اُن کی تحریکِ آزادی ''بسماچی تحریک'' کہلاتی ہے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ اُس کے دادا بھی اسی بسماچی تحریک کے مجاہد تھے۔ کیمونسٹوں نے اُن کے خاندان کے ساتھ بہت ظلم کیا تھا۔ تمام زمینیں چھین لی تھیں۔ رُوسی ظالموں نے گھر والوں کو گھر کے اندر بند کر کے آگ لگا دی۔ اس طرح اُس کے پردادا' پردادی اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے' جن میں دادا کی دو بہنیں اور ایک بھائی بھی شامل تھے' جل کر شہید ہو گئے۔ دادا کے بڑے بھائی نے احتجاج کیا تو اُسے کیمونسٹ پکڑ کر لے گئے۔ اُن کی لاش ایک ہفتہ بعد گاؤں کے قریبی نالے میں پڑی ملی۔ اُن کے جسم کے اعضاء کاٹے جا چکے تھے اور اُنہیں انتہائی تشدد سے ہلاک کیا گیا تھا۔ بعد میں دادا کو ایک عینی گواہ نے بتایا کہ کیمونسٹ اُسے کہتے تھے' اس تحریر پر دستخط کر دو کہ تمہارے گھر کو آگ بسماچیوں (مجاہدین) نے لگائی ہے اور اُنہی نے گاؤں کی مسجد شہید کی ہے اور قرآن مجید بھی پھاڑ کر پھینکے ہیں۔ جب اُنہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو اُن پر ناقابل برداشت تشدد کیا گیا۔ اُن کے جسم کو جلتے سگریٹوں سے داغا گیا۔ پھر باری باری جسم کے اعضاء کاٹے گئے اور اس طرح اُنہیں شہید کر دیا گیا۔

میرے دادا نے بتایا: ''ہم نے شکست کے بعد پہاڑوں کو اپنا مرکز بنایا ہوا تھا۔ عظیم مجاہد ابراہیم بیگ ہمارے کمانڈر تھے۔ ہم نے چھاپہ مار کارروائیوں میں دُشمن کو بہت نقصان پہنچایا مگر دُشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ہمارے پاس جدید اسلحہ بھی نہ تھا۔ آخر کار ہم سرخ فوج کے محاصرے میں آ گئے۔ گھیراؤ روز بروز تنگ ہوتا گیا۔ خورد و نوش کا سامان بھی ختم ہو گیا۔ مجاہدین درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرنے لگے۔ ہمارا کمانڈر ایک جرات مند مجاہد تھا۔ اُس نے تقریباً دو ہزار مجاہدین کے ساتھ دُشمن کا مضبوط محاصرہ توڑ دیا اور پھر وہ دریائے آمو پار کر کے افغانستان میں داخل ہو گئے لیکن افغانستان کی حکومت نے اُنہیں پناہ نہ دی بلکہ دھوکے سے رُوسیوں کے حوالے کر دیا۔ بعد میں پتا چلا کہ افغانستان کی حکومت نے احکامات جاری کیے ہوئے تھے کہ کسی رُوسی مسلمان کو پناہ نہ دی جائے۔ افغانستان کے صوبہ مزار شریف کے گورنر کا تو رُوسیوں سے گہرا تعلق تھا۔''

علی نے جب یہ سنا تو اسے بڑی حیرانی ہوئی اور اُس نے پوچھا کہ کیا واقعی افغانستان کے

ابراہیم بیگ:۔ ابراہیم بیگ کو روسیوں نے 1931ء میں سزائے موت دے دی۔

حکمرانوں نے روس کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ''ہاں' میرے دادا بتاتے تھے کہ روس کے مسلمانوں پر ایک طرف کیمونسٹوں کی طرف سے ظلم ہو رہا تھا اور دوسرا ظلم ہمارے ہمسایہ افغانستان کے حکمرانوں نے کیا۔ اگر افغانستان کے اندر ہمیں پناہ مل جاتی تو ہمیں تحریک آزادی کو منظم کرنے کا موقع مل جاتا اور ہم یقیناً روس میں رقبے کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھ دیتے مگر افسوس جنہوں نے مددگار بننا تھا وہی دُشمن کے آلہ کار بن گئے۔''

علی اس کی بات سن کر کہنے لگا: ''ہاں اگر اس وقت افغانستان کے حکمران یہ غلطی نہ کرتے تو آج افغانستان کے عوام بھی غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑے ہوتے۔''

عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم صحیح کہتے ہو۔ یہ جنگ جو تم افغانستان کے پہاڑوں میں لڑ رہے ہو' ہم روس کے پہاڑوں میں لڑتے۔ میرے دادا نے مرتے وقت یہی کہا تھا۔ وہ ہسپتال میں داخل تھے۔ افغانستان میں رُوسی فوج کو آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ میں ہسپتال میں اُن کی تیمارداری کے لیے گیا تو اُنہوں نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہا تھا: ''عبدالرحمٰن' مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔ مجھے یاد ہے جب افغانستان کے حکمرانوں نے ہمیں رُوسی فوج کے حوالے کیا تھا تو ایک مجاہد نے کہا تھا: ''افغان دوستو! ہم صرف ترکستان کے مسلمانوں کی آزادی کی جنگ نہیں لڑ رہے بلکہ یہ افغانستان اور اسلامی دُنیا کی بقا کی جنگ بھی ہے۔ اگر ہم آزاد نہ رہے تو ایک دن تم بھی غلامی کی سرخ زنجیروں میں جکڑے جاؤ گے۔'' وہ مجاہد تاریخ کا استاد تھا۔ رُوسیوں کے عزائم سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے سرخ انقلاب کے آگے روس کے اندر بند نہ باندھا تو پھر یہ جلد یا بدیر پوری اسلامی دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔''

علی نے کہا کہ آج افغان مجاہدین کے رہنما بھی تو یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف افغانستان کی جنگ آزادی نہیں لڑ رہے بلکہ یہ پاکستان' ایران اور دوسرے اسلامی ممالک کے دفاع کی جنگ بھی ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا یہ بات تو سمجھنے کی ہے' کل افغانستان کے حکمران ترکستان کے مسلمانوں کی یہ بات نہ سمجھ سکے اور اگر آج دوسرے اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے افغان عوام کی یہ بات نہ سمجھی تو پھر کل اُن کا بھی وہی حشر ہوگا جو آج افغانستان کا ہو رہا ہے۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی' پھر علی نے کہا: ''تم اپنے دادا کی کہانی سنا رہے تھے کہ اُنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ پھر اس کے آگے کیا ہوا؟''

عبدالرحمٰن نے کہانی آگے بڑھاتے ہوئے اُسے بتایا کہ بہت کم مجاہدین خوش قسمت نکلے جو

گرفتاری سے بچ گئے' گرفتاری کے بعد اُن پر ناقابل برداشت تشدد کیا گیا۔ کئی مجاہدین اس تشدد کو برداشت نہ کر سکے اور شہید ہو گئے۔ جب دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی اور جرمنوں نے روس کا ناک میں دم کر دیا اور جرمن فوجیں رُوسی دارالحکومت ماسکو کے قریب پہنچ گئیں تو روس نے مسلمانوں کو مراعات دینے کا اعلان کر دیا تاکہ وہ جرمنوں کے مقابلے میں لڑیں۔ اس دوران میں بہت بڑی تعداد میں گرفتار مجاہدین کو بھی رہا کر دیا گیا۔ ان میں ایک میرے دادا بھی تھے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ رہائی کے بعد میرے دادا نے خاموشی اختیار کر لی لیکن ان کا دل زخمی تھا۔ ان کے دل میں رُوسیوں کے خلاف شدید نفرت بھری ہوئی تھی' لیکن وَہ بے بس تھے۔ وہ اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن جب بھی موقع ملتا' اس کا اظہار کرنے سے وہ نہ رکتے۔ رُوسیوں کے خلاف اور اسلام کے حق میں پراپیگنڈہ کرنے کے الزام میں وہ بڑھاپے میں بھی ایک دفعہ گرفتار ہوئے۔ میرے والد مقامی کمیونسٹ پارٹی کے اہم عہدیدار تھے' اس لیے ان کی سفارش پر رہا کر دیئے گئے۔

عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد مذہبی تعلیم نہ صرف ممنوع قرار دے دی گئی بلکہ مذہب کے خلاف وسیع پیمانے پر پراپیگنڈہ کیا جانے لگا۔ اکثر مساجد اور دینی مدارس کو آگ لگا کر جلا دیا گیا اور بقیہ کو اصطبلوں' شراب خانوں' ناچ گھروں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسلامی دُنیا کو دھوکا دینے کے لیے چند مدارس اور مساجد کو کھلا رہنے دیا گیا' جہاں سرکاری کمیونسٹ پارٹی کے مولوی نماز پڑھاتے اور وہی دینی تعلیم دیتے۔ اس طرح نئی نسل آہستہ آہستہ اسلام سے بے بہرہ ہوتی گئی۔ اس کا رشتہ اسلام اور اسلامی تاریخ سے بھی ٹوٹ گیا۔ آج روس میں ان گھروں کی تعداد بہت محدود ہے جن میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی ہے اور اسلامی تاریخ بھی پڑھائی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں مذہب کے خلاف تعلیم کا خصوصی انتظام ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی نے گھر میں دینی تعلیم حاصل بھی کر لی ہو تو وہ سکول یا کالج میں جا کر بے اثر ہو جاتی ہے۔

(کمیونسٹ دور میں ایک کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ آٹھ ہزار دینی مدارس اور 25 ہزار سے زیادہ مساجد شہید یا بند کر دی گئیں۔ 45 ہزار علماء کو شہید کیا گیا.............ملک احمد سرور)

علی نے پوچھا: ''برادر عبدالرحمٰن! پھر تم میں یہ انقلاب کیسے آ گیا اور تم اسلامی تعلیمات سے کیسے آگاہ ہوئے؟''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ سب اللہ کا کرم اور میرے دادا کا کمال تھا۔ اُنہوں نے مجھے اسلامی تعلیمات ہی سے آگاہ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی سنہری تاریخ بھی پڑھائی۔ انہوں نے عیسائی زاروں اور کمیونسٹوں کے ظلم و تشدد کے بارے میں بھی بتایا۔ اس کے باوجود جب میں دسویں جماعت میں پہنچا

تو مذہب کے بارے میں میرے خیالات بدلنے لگے۔ یہ سکول میں مذہب کے خلاف کیے گئے پراپیگنڈے کا اثر تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے دادا زندہ تھے۔ جب بھی میں کوئی بات اسلام کے خلاف سنتا تو دادا جان سے اس پر بحث ضرور کرتا۔ میرے دادا ایسے مدلل جواب دیتے کہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والا شک فوراً دور ہو جاتا۔

ایک روز ہمارے ٹیچر نے مذہب کے خلاف لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ مارکس نے کہا تھا کہ مذہب عوام کے لیے افیون ہے۔ ٹیچر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح افیمی آدمی معاشرے میں کارآمد نہیں ہوتا' اسی طرح مذہبی آدمی بھی انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے بے کار ہوتا ہے اور مذہب انسان کے اندر ترقی کے بجائے جمود اور جہالت پیدا کرتا ہے۔

میں نے سکول سے واپس آ کر دادا جان سے اس پر بات کی تو دادا جان فرمانے لگے: ''بیٹا افیون ایک نشہ ہے اور افیمی گلیوں میں تم نے بے ہوش پڑے دیکھے ہوں گے جنہیں اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے اردگرد کی۔ نشہ انسان کے اندر سستی اور کاہلی پیدا کرتا ہے۔ ممکن ہے بعض مذاہب میں نشہ مذہبی رسومات کا حصہ ہو لیکن اسلام ایسا مذہب نہیں۔ یہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور یہ انسان کو بیکار رہنے کے بجائے عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اگر مذہب اسلام افیون ہوتا یا افیون کی طرح ہوتا تو اس کے ماننے والے مدہوش افیمیوں کی طرح بے خبر بھٹک رہے ہوتے' لیکن اسلام تو انسان کے اندر شعور اور قوت عمل پیدا کرتا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ لڑائی میں ایک افیمی نے تین ہوشمند انسانوں پر قابو پایا ہو؟ کبھی نہیں' لیکن جنگ بدر میں 313 اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید اسلحہ سے لیس ایک ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی اور پھر دیکھتے دیکھتے مسلمانوں نے ایشیا' یورپ اور براعظم افریقہ کے اکثر علاقوں کو فتح کر لیا۔ کوئی افیون کی رسیا قوم ایسا نہیں کر سکتی۔''

''یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ اس زمین پر مذہب کے نام پر جس قدر قتل و غارت گری ہوئی اس کی مثال بھی نہیں ملتی اور اسلام کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ساری فتوحات قتل و غارت گری کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں۔'' میرے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میرے دادا نے کہا: ''یہ بالکل پہلے اعتراض کے الٹ ہے۔ پہلے یہ کہا گیا کہ مذہب انسانی معاشرے کے لیے افیون ہے اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ مذہب جنگی جنون پیدا کرتا ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے مسلمانوں نے کبھی لڑائی میں پہل نہیں کی۔ جنگ بدر' احد' احزاب' ہمیشہ کفار حملہ آور ہوئے۔ پھر جب ایران اور شام سے جنگیں ہوئیں تو یہاں بھی ان کی حکومتوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے پہل کرنے کی کوشش کی اور خود ختم ہو گئیں۔ ہندوستان میں محمد بن قاسمؒ اس وقت آیا جب ہندوستان کا راجہ داہر اور اس کے ساتھی

انسانیت کو ظلم کی چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہے تھے۔ محمد بن قاسم امن کا فرشتہ بن کر آیا اور ہندو اس کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ سپین کی تاریخ کو دیکھ لیجئے۔ طارق بن زیاد کو خود وہاں کے مظلوم عوام نے ظالم حکمرانوں کے خلاف مدد کے لیے بلایا۔ باقی مذاہب کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اسلام دُنیائے عالم کے لیے امن وسلامتی کا پیغام لے کر آیا اور جس علاقے میں بھی پہنچا علم وامن کے چراغ روشن کرتا چلا گیا۔ خود روس کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں درندگی اور جہالت کا دور دورہ تھا اور یہاں قتل وغارت گری مذہب کے نام پر نہیں خود غرضی کی خاطر ہو رہی تھی۔ جب ترکستان میں اسلام آیا تو یہاں امن قائم ہوا بلکہ یہ علاقہ علم وادب کا گہوارہ بن گیا اور علوم وفنون کی اس لہر نے یہاں کی معاشرتی قدروں کا رخ بدل دیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام ترمذی جیسے عالم یہاں پیدا ہوئے۔ صنعت وحرفت کو فروغ ملا اور مسلمانوں کے ذریعے اس علاقے میں جدید سائنسی علوم پہنچے۔ بڑے بڑے ماہرین فلکیات، ماہرین طب اور ریاضی دان اسی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ مشہور فلسفی ناصر خسرو، شہرہ آفاق طبیب بوعلی سینا، ریاضی دان محمد خوارزمی اور ماہر ارضیات البیرونی کا تعلق اسی خطہ سے تھا جسے رُوسی ترکستان کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہم لوگوں کو تاریکی اور جہالت سے نکال کر علم کی روشنی میں لے آیا۔“

میرے دادا نے مزید بتایا کہ اسلامی فوج نے کبھی کسی عورت، بچے بوڑھے پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، باغات اور فصلوں کو نہیں جلایا مگر مذہب پر اعتراض کرنے والے یہ کمیونسٹ کیا کر رہے ہیں؟ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل اور باغات، فصلوں اور عبادت گاہوں کو آگ لگا رہے ہیں۔ درحقیقت اسلام امن وآشتی کا نام ہے اور لادین کمیونزم ظلم وجبر کی تصویر، مذہب اسلام کے ماننے والوں میں آخرت کی جواب دہی کا احساس ہوتا ہے اور وہ خلق خدا پر ظلم کرتے ہوئے خدا سے ڈرتے ہیں جبکہ کمیونسٹ بے خوف وخطر ہر ظلم کیے جاتے ہیں۔

میں نے کہا: ”دادا جان! ہمارے اُستاد صاحب تو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اگر وجود ہوتا تو کہیں نہ کہیں وہ نظر آتا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ساری کائنات جس میں انسان اور حیوانات سب شامل ہیں خود بخود ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں پیدا ہو گئے ہیں اور اُنہیں کسی خدا نے نہیں بنایا۔“

میرے اس سوال کے جواب میں اُنہوں نے کہا: ”کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز نظر آنی چاہئے جس کا کوئی وجود ہے اور خدا انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتا اس لیے اُس کا کوئی وجود نہیں۔ میرے بیٹے! مکان میں لگے ہوئے تاروں میں برقی رو بہہ رہی ہے لیکن انسانی آنکھ اُسے دیکھ نہیں سکتی تو کیا

ہم انکار کر دیں کہ اُن کے اندر برقی رو کا وجود نہیں، اس لیے کسی چیز کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا یہ ثبوت ہرگز نہیں کہ انسانی آنکھ اُسے دیکھ سکتی ہو۔“

”مگر دادا جان! بجلی کے تاروں کو ہاتھ لگا کر محسوس تو کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے اندر برقی رو ہے۔“ میرے اس نکتے پر دادا جان نے فرمایا: ”ربڑ کے دستانے پہن کر ہاتھ لگاؤ تو کیا پھر بھی تم بجلی کی رو محسوس کر سکتے ہو؟ بالکل نہیں۔ اسی طرح خدا کے وجود کا احساس بھی اُس وقت ہو گا جب انسان اپنے دل ودماغ پر چڑھا ہوا لادینیت کا غلاف اُتار دے گا اور اللہ پر ایمان لے آئے گا۔ جس طرح تاروں میں سے گزرنے والی برقی رو بلب کو روشن کر دیتی ہے، اسی طرح ایمان لانے کے بعد انسان کا دماغ روشن ہو جاتا ہے اور پھر اُسے کائنات کی ہر چیز خدا کے وجود کی شہادت دیتی نظر آتی ہے۔“

سوال کے دوسرے حصہ کا جواب دیتے ہوئے دادا جان نے کہا: ”بیٹا! رہی کمیونسٹوں کی دوسری بات کہ یہ کائنات اور انسان سب ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ باہر کھڑی تمہارے باپ کی موٹر سائیکل خود بخود بن گئی ہے تو کیا تم اسے مان لو گے؟“ میں نے کہا: ”ہرگز نہیں۔ آخر موٹر سائیکل خود بخود کیسے بن سکتی ہے؟ اسے تو کسی ورکشاپ میں کسی انجینئر نے بنایا ہے۔“ اس پر میرے دادا نے کہا: ”جب یہ چھوٹی سی موٹر سائیکل جس کا نظام ایک ان پڑھ مستری بھی سمجھ لیتا ہے، خود بخود نہیں بن سکتی تو انسان اور یہ کائنات جو انتہائی پیچیدہ نظام پر مشتمل ہے اور جسے بڑے بڑے سائنسدان بھی نہیں سمجھ پاتے، وہ خود بخود کیسے بن گئی؟ اسے جس ہستی نے بنایا ہے، اسے ہم اللہ کہتے ہیں۔ تم نے انجینئر کو دیکھے بغیر یہ تو مان لیا کہ یہ موٹر سائیکل کسی انجینئر نے بنائی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اتنی بڑی کائنات اور انسان کے خالق کو بغیر دیکھے نہیں مانتے۔ اگر اسے خدا نے نہ بنایا ہوتا تو یہ کائنات اتنی منظم نہ ہوتی۔ سورج روزانہ مشرق ہی سے طلوع نہ ہوتا۔ موسم گرما، برسات، بہار، خزاں اپنے وقت پر نہ آتے۔ بیٹا! اتنی بڑی کائنات کو وہی ہستی کنٹرول کر سکتی ہے جسے اونگھ آتی ہو نہ نیند اور جو بے پناہ صلاحیتوں اور قوتوں کی مالک ہے اور اس ہستی کا نام ہے اللہ.......... جو سب چیزوں کو پیدا کرنے والا بھی ہے۔“

”دادا جان! ہمارے اُستاد یہ بھی کہتے ہیں کہ مذہبی رسومات سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے مثلاً پانچ وقت نماز پڑھنے سے۔“ اس پر دادا جان کہنے لگے کہ یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ پانچوں نمازوں میں بمشکل پون یا ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ اگر ہم چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ خالق کی عبادت میں لگا دیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے کیونکہ اس کے بدلے میں ہمیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت حاصل ہو گی۔ پھر بیٹا! خود غور کرو یہ اعتراض کرنے والے دن رات میں کئی کئی گھنٹے شراب خانوں اور

سینما گھروں میں گزار دیتے ہیں لیکن وہ وقت اُنہیں ضائع ہوتا نظر نہیں آتا۔ بیٹا! حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹ خدا کو نہیں مانتے' اس لیے ہر وہ بات جس میں خدا کا ذکر آئے' اُنہیں اچھی نہیں لگتی۔

اسی طرح میرے دادا جان نے مجھے اسلام کے بارے میں ہر بات سمجھائی۔ میری امی سے ایک دفعہ اُن کا جھگڑا بھی ہو گیا۔ امی کو اعتراض تھا کہ دادا جان مذہبی تعلیمات کی وجہ سے اُن کے بیٹے کو کسی مصیبت میں پھنسا دیں گے لیکن اُنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ دادا جان نے مجھے سختی سے منع کیا تھا کہ بیٹا ان باتوں کے سلسلے میں باہر کسی سے بات نہ کرنا' کیونکہ روس کے ظالمانہ نظام میں' میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مصیبت میں پھنسو۔ جب میں نے اعتراض کیا کہ اگر اسلام سچ ہے تو پھر ہمیں اپنی جان کی پروا نہیں کرنی چاہیے اور کھل کر کمیونسٹوں کے سامنے اسلام کی دعوت رکھنی چاہیے تو دادا جان نے کہا: ''بیٹا! عزیمت اپنی جگہ اور حکمت اپنی جگہ' ہمارے لیے بہترین راستہ نبی کریم کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال تک مکہ میں خفیہ تبلیغ کی۔ پھر اصحاب کہف کا واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ اُنہیں بھی ایک ظالم حکومت کا سامنا تھا اور وہ اپنے دین کی خاطر غار میں چھپ گئے تھے۔ اس لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ظالم رُوسی حکومت کا مقابلہ کر سکیں' لیکن ہمیں اپنے دین کو زندہ رکھنا ہے اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا' اس وقت تک کے لیے جب تک روس میں دوبارہ جہاد کا آغاز کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس قوت نہ آجائے''۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ اُس نے اپنے دادا جان کے مشورے سے کمیونسٹ نوجوانوں کی تنظیم کمسومول میں شمولیت اختیار کر لی۔ اُس کے دادا نے کہا تھا کہ بیٹا! روس میں زندہ رہنے کے لیے تمہیں ظاہری طور پر کمیونسٹ بننا ہی پڑے گا اور کمسومول میں شمولیت کے بعد تم چاہو تو اپنے مسلمان بھائیوں کی بہتر طور پر مدد کر سکو گے۔

علی کے پوچھنے پر عبدالرحمٰن نے بتایا کہ کمسومول روس کے اندر نوجوان کمیونسٹوں کی تنظیم ہے جس میں زیادہ تر طلبہ شامل ہوتے ہیں۔ کمسومول میں شمولیت کے بعد ملازمت کا حصول آسان ہو جاتا ہے اور اس تنظیم کے ارکان کو زیادہ شک وشبہ کی نظر سے بھی نہیں دیکھا جاتا۔

عبدالرحمٰن نے اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا:

یہ 1984ء کی بات ہے جب میں ایک ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کورس مکمل کرنے کے بعد فارغ ہوا ہی تھا کہ مجھے فوجی خدمات انجام دینے کے لیے بلا لیا گیا۔ ایک سال کی فوجی تربیت کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تمہیں افغانستان بھیجا جا رہا ہے۔ وہاں پاکستان' چین اور امریکہ کے فوجی افغان عوام کا خون بہا رہے ہیں اور تم افغانستان کے مظلوم عوام کی مدد کرنے جا رہے ہو۔ ہمیں ویڈیو فلمیں بھی دکھائی گئیں

جن میں غیر ملکی افراد کو افغان عوام پر ظلم کرتے دکھایا گیا تھا۔

مجھے رُوسیوں کی ان باتوں پر ہرگز یقین نہ آیا کیونکہ مجھے میرے دادا نے کمیونسٹوں کی تمام پُرفریب چالوں سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ جہاں مجھے رُوسی جہنم سے نکلنے کی خوشی تھی وہاں افسوس بھی تھا کہ کہیں میری چلائی ہوئی کوئی گولی کسی مجاہد کو نقصان نہ پہنچا دے۔ مجھے تجسس بھی تھا کہ اس طرح افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جہاں ممکن ہوا میں مجاہدین کی مدد بھی کروں گا اور موقع ملتے ہی اُن سے مل جاؤں گا۔ میرے دادا کی باتوں نے میرے سینے میں ایک آگ لگائی ہوئی تھی جس کا اظہار میں رُوس کے اندر رہ کر نہیں کر سکتا تھا۔

میں تین دن کی چھٹی لیکر اپنے والدین سے ملنے چلا آیا۔ عموماً ایسے موقع پر چھٹی نہیں دیتے لیکن چونکہ میں کمسومول کا رکن بھی تھا' اس لیے مجھے تین دن کی رخصت دے دی گئی۔ جب میں گھر پہنچا تو مجھے میرے دادا بہت یاد آئے جو چار سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مجھے افغان عوام کے بارے میں بہت کچھ مزید بتاتے۔ مجھے یاد ہے کہ رُوسی فوجوں کے افغانستان میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ روس کو یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا کیونکہ افغانستان کے جفاکش مسلمانوں کو کبھی کوئی بیرونی قوم فتح نہیں کر سکی اور یہ زمانہ بھی 1917ء کا نہیں ہے۔ پھر اُنہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ افغانستان کی آزادی ترکستانی ریاستوں کی آزادی کا وسیلہ بن جائے اور تم رقبہ کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کو آزاد ہوتے دیکھ سکو۔ اگر ایسا ہو گیا اور مجھے یقین ہے' ضرور ہو گا تو بیٹا تم خوش قسمت ہو گے۔ ہم تو آزادی کی حسرت لئے مر جائیں گے۔

رُخصت ہونے سے پہلے میں اپنی امی کے کمرے میں گیا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُنہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ کہنے لگیں ''بیٹا! تم ہمیں کمیونسٹ سمجھتے رہے ہو لیکن تمہارا باپ کمیونسٹ ہے نہ میں ہوں۔ یہ تو ہم روس کے اندر رہنے کے لیے کمیونزم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم کمیونسٹ ہوتے تو تمہارا دادا تمہیں یوں اسلامی تعلیمات نہ دے پاتا۔ بیٹا! تمہارے بچھڑنے کا مجھے بہت دُکھ ہو رہا ہے۔ کیا معلوم ہم دوبارہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے یا نہیں۔'' بیٹا! افغان مجاہدین پر نشانہ لے کر کبھی گولی نہ چلانا۔ وہ تمہارے مسلمان بھائی ہیں اور اسلام کی سربلندی اور وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جہاں ممکن ہو اُن کی مدد ضرور کرنا۔ رُوسی کمیونسٹوں نے صرف تمہارے دادا کے خاندان کے ساتھ ہی ظلم نہیں کیا تھا۔ یہاں ہر دوسرا مسلمان گھرانہ ایسے ہی ظلم کا شکار ہوا۔ خود میرے نانا کے خاندان کے بیسیوں افراد رُوسی کمیونسٹوں نے ذبح کر دیئے تھے اور میری ماں جب بھی

اپنے والدین کو یاد کرتی تھی تو دھاڑیں مار مار کر روتی تھی۔ وہ یہی زخم لے کر اس دُنیا سے چلی گئی۔''

پھر میری امی ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگیں۔ میں نے پہلی دفعہ اُنہیں خدا کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے دیکھا تو خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری امی خدا کے حضور آنسو بہاتی کہہ رہی تھیں: ''اے خدا! تو ہماری بے بسی کو جانتا ہے۔ ہم یہاں تیرے دین کی خاطر کچھ نہ کر سکے۔ ہمیں معاف فرما۔ میں اپنا اکلوتا بیٹا تیرے حوالے کر رہی ہوں۔ اسے ہمت اور جرات عطا کر تا کہ یہ تیری راہ میں لڑنے والے مجاہدین کے کام آئے اور اسے آخرت میں ہمارے لئے بخشش کا وسیلہ بنا۔ آمین۔''

میں بے اختیار اپنی ماں سے لپٹ کر رونے لگا۔ وہ مجھے تسلی دینے لگیں کہ بیٹا ہمت سے کام لو۔ تم نے تو ابھی بہت بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ میں نے رومال سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا: ''امی شاید آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں بزدل ہوں' میں تو خوشی کے آنسو بہا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو بھی میرے ہی جیسے اسلامی جذبات دیئے ہیں''۔

میں سامان باندھ کر بیٹھا ہی تھا کہ امی جان میرے کمرے میں آئیں اور کہنے لگیں۔ دوسرے کمرے میں تمہارے والد تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

والد صاحب کمرے میں ٹہل رہے تھے جیسے بہت بے چین ہوں۔ اُنہوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر اپنے پاس بٹھا کر کہنے لگے: ''بیٹا! اگر آج تمہارے دادا جان زندہ ہوتے تو جو باتیں میں تم سے کہنا چاہتا ہوں' وہ کہتے۔ بیٹا ایک بات نوٹ کر لو کہ روس کے مسلمانوں کی اکثریت مجبوراً کمیونسٹ بنی ہوئی ہے۔ مثلاً میں اور میرے بہت سے دوسرے دوست اس لیے کمیونسٹ بنے اور کمسومول میں شامل ہوئے تھے کہ ہم رُوسی کمیونسٹوں سے نجات حاصل کر سکیں اور مسلمانوں کے اندر قومی بیداری پیدا کر سکیں تا کہ وہ آزادی کی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو سکیں' لیکن ہم ناکام رہے ہیں کیونکہ روس کی خفیہ سروس بہت وسیع اور مضبوط ہے۔ حالت یہ ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے پر اور بیٹا اپنے باپ پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے دادا جان نے تمہاری تربیت نہ کی ہوتی تو میں بھی تم پر اعتبار نہ کرتا۔ بیٹا! افغانستان میں پاکستان' چین اور امریکہ کے فوجی نہیں لڑ رہے' بلکہ روس نے افغانستان پر اُسی طرح قبضہ کر لیا ہے جس طرح تمہارے ملک ترکمانستان پر کیا تھا۔ بیٹا! میری خواہش ہے کہ جب بھی تمہارے لئے ممکن ہو تم مجاہدین سے جا کر مل جاؤ۔ اللہ نے تمہیں موقع دیا ہے۔ اس سے فائدہ ضرور اُٹھانا اور ہمارے لئے دُعا کرتے رہنا۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر کہنے لگے:

''بیٹا! میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ روس کے افغانستان سے ملے ہوئے سرحدی علاقوں میں صورتحال بڑی خراب ہو چکی ہے اور رُوسی کمیونسٹوں کو شک ہے کہ افغان مجاہدین جو کارروائیاں روس

کے اندر آ کر کر رہے ہیں' ان میں یہاں کے مسلمان کمیونسٹ لیڈر ان کی مدد کرتے ہیں۔ کئی سرحدی شہروں اور قصبوں کے مسلمان کمیونسٹ عہدیداروں کو نہ صرف برطرف کر دیا گیا ہے بلکہ کئی گرفتار بھی کر لئے گئے ہیں اور روس کی خفیہ پولیس کو ہوشیار کر دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں پر خصوصی نظر رکھے۔''

میں نے اس موقع پر کہا: ''ابا جان! کمیونسٹوں کی یہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے کہ روس کے اندر افغان مجاہدین یہاں کے مسلمانوں کی مدد کے بغیر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔''

ابا جان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ بات درست نہیں۔ یہاں کے کمیونسٹ مسلمانوں میں اتنی جرأت ہے نہ ان کے پاس وسائل ہیں کہ وہ افغان مجاہدین کی مدد کر سکیں۔ بے شک ہمارے دل یہی چاہتے ہیں کہ ہم اُن کی مدد کریں لیکن روس کی اتنی منظم خفیہ پولیس کے ہوتے ہوئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری اطلاعات کے مطابق روس کے مفرور مسلمان فوجیوں کے ذریعہ ہو رہا ہے جو مجاہدین سے جا ملے ہیں اور روس کی خفیہ پولیس ابھی اس بات کو نہیں جانتی۔ مسلمان کمیونسٹوں کا صرف اتنا قصور ہے کہ بعض کارروائیوں کا اُنہیں علم ہو جاتا ہے مگر وہ خفیہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں کرتے۔





روس سے ایک طیارے کے ذریعے ہمیں کابل پہنچایا گیا۔ اُترتے ہی ہمیں احساس ہوگیا کہ کابل کی صورتحال بہت خراب ہے کیونکہ ہوائی اڈے پر بہت بڑی تعداد میں رُوسی فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ پہلے تین ماہ میری ڈیوٹی بھی ہوائی اڈے پر لگائی گئی۔ اس دوران میں ایک دفعہ مجاہدین نے کابل کے ہوائی اڈے پر بھی حملہ کیا اور کئی طیاروں کو نقصان پہنچانے کے بعد کوئی نقصان اُٹھائے بغیر واپس چلے گئے۔ رُوسی کرنل کو جب معلوم ہوا کہ مجھے فارسی زبان بھی آتی ہے تو اُس نے مجھے دیہات میں کارروائی کرنے والے دستوں میں شامل کردیا۔

ایک دن اطلاع ملی کہ کابل کے نزدیک ایک گاؤں میں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں۔ اُنہیں گرفتار کرنے کے لیے کئی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کا قافلہ اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم نے گاؤں کو پوری طرح محاصرے میں لیا بھی نہیں تھا کہ چھ طیارے آئے اور گاؤں پر بمباری شروع کردی۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹینکوں سے گولہ باری بھی ہورہی تھی۔ یوں چند مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے رُوسیوں نے پورے گاؤں کو ملبے کا ڈھیر بنادیا۔ معصوم بچے، بوڑھے، مرد اور خواتین بھی شہید کردی گئیں۔

جب رُوسیوں کو یقین ہوگیا کہ اب کوئی چیز زندہ سلامت نہ بچی ہوگی تو ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر آئے اور انہوں نے بمباری سے بچے ہوئے گھروں کی تلاشی لینا شروع کردی۔ گاؤں میں جگہ جگہ آگ لگ گئی تھی اور مسجد سمیت بہت سے گھر مکمل طور پر تباہ ہوگئے تھے۔ گاؤں کے ایک طرف چند مکان بچے ہوئے تھے۔ میں ان میں سے ایک میں داخل ہوگیا۔ میں دعا کررہا تھا کہ مجاہدین اس گھر کے اندر ہوں تاکہ میں انہیں بچاسکوں۔ گھر کے اندر مجھے دو بوڑھی خواتین اور ایک بچہ نظر آیا۔ خواتین بہت خوف زدہ تھیں اور بچہ سہما ہوا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہاں کوئی مجاہد تو نہیں چھپا ہوا۔ خوف زدہ عورتوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھا تو پہلے دو کمرے خالی تھے مگر ایک طرف مجھے دروازہ نظر آیا جو شاید نیچے تہہ خانے میں جاتا تھا۔

میں جونہی اس طرف بڑھا ایک بڑھیا میرے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میں نے بڑھیا سے آہستگی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں، صرف مجاہدین کو دیکھنا چاہتا ہوں، میں

اُنہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بڑھیا کو شاید مجھ پر اعتبار نہ آیا۔ وہ مجھے روکتے ہوئے کہنے لگی کہ نیچے مجاہدین نہیں بلکہ میری بچیاں ہیں۔ میں نے زیادہ اصرار نہ کیا اور واپسی کے لئے چل پڑا۔

ساتھ والے گھر کی تلاشی لی جاچکی تھی۔ میں تیسرے گھر میں داخل ہوا تو وہاں سے اسماعیل جو اس دن میرے ساتھ شہید ہوا تھا، باہر نکل رہا تھا۔ اس لیے میں تلاشی لئے بغیر ہی واپس آگیا۔ اللہ کا شکر تھا کہ کوئی زندہ انسان رُوسیوں کے ہاتھ نہ آیا لیکن اُنہوں نے گاؤں میں لوٹ مار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مجاہدین یا تو اسی گھر میں چھپے بیٹھے تھے جس کی میں تلاشی لے کر آیا تھا یا پھر اُنہیں ہماری آمد کی پہلے اطلاع مل گئی تھی اور وہ پہاڑی غاروں میں جاکر چھپ گئے تھے۔

چند روز بعد پھر ایک ایسی ہی کارروائی کے لیے رُوسی افغان فوج نے ایک گاؤں کو محاصرہ میں لیا ہوا تھا۔ ایک دن پہلے مجاہدین نے روس کا ایک طیارہ گرایا تھا جس میں رُوسی فوج کے اعلیٰ افسر ہلاک ہوگئے تھے۔ اطلاع ملی تھی کہ طیارہ گرانے والے مجاہدین کے ساتھی اس گاؤں میں ہیں۔ گھر گھر کی تلاشی لی جارہی تھی۔

تلاشی کے بہانے رُوسی فوجی ہر گھر سے قیمتی سامان لوٹ رہے تھے کہ گاؤں میں کسی غدار نے ایک بوڑھی عورت کے بارے میں بتایا کہ وہ مجاہدین کے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہے۔ رُوسیوں نے اسے پکڑلیا۔ اس سے مجاہدین کے ٹھکانوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب اس نے کچھ نہ بتایا تو ایک رُوسی نے اس کے بال پکڑ کر اسے گھونسے اور ٹھڈے مارے۔ تشدد کے باوجود وہ انکار کرتی رہی۔ رُوسی فوجی افسر انتہائی ظالم تھا۔

مجھے بوڑھی مجاہدہ پر رحم آرہا تھا مگر میں اتنے رُوسیوں کی موجودگی میں اُس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ بڑھیا پر تشدد بڑھتا گیا مگر اُس کی زبان پھر بھی خاموش رہی تو رُوسی افسر نے باری باری اس کے ہاتھ کٹوادیئے۔ ہاتھوں سے خون بہہ بہہ کر زمین پر جم رہا تھا لیکن بوڑھی مجاہدہ کی زبان پھر بھی خاموش رہی۔ ظالم رُوسی نے سنگین مار کر اس کی ایک آنکھ ضائع کردی۔ اُس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ جب اس نے پھر بھی کچھ نہ بتایا تو رُوسی افسر نے اس کے دونوں پاؤں کٹوادیئے۔

ہاتھوں اور آنکھ کے راستے ہی اتنا خون بہہ چکا تھا کہ وہ زندہ بچ نہیں سکتی تھی۔ اب پاؤں کے کاٹے جانے سے وہ بے ہوش ہوکر گر پڑی اور چند لمحوں بعد شہید ہوگئی لیکن کسی مجاہد کے ٹھکانے کے بارے میں اُس نے کچھ نہ بتایا۔ بڑھیا کے حوصلے کے سامنے ظلم ہار گیا اور جذبہ شہادت جیت گیا۔

ایک ایسے ہی واقعے کا سامنا مجھے ایک اور جگہ بھی کرنا پڑا۔ مجاہدین گھر کے کسی تہہ خانے میں چھپے ہوئے تھے۔ رُوسی فوجیوں نے گھر کی تلاشی لی مگر وہ مجاہدین کا سراغ نہ لگا سکے تو گھر کے مالک پر

تشدد کیا جانے لگا۔ اسے شکنجے میں کس دیا گیا اور چاقو سے اس کے جسم کے کئی حصوں سے گوشت کاٹا گیا۔ زخموں پر مرچیں اور نمک چھڑکا گیا۔ وہ درد سے چیخنے لگا۔ اس کے باوجود مجاہدین کے بارے میں کچھ بتانے سے اس نے انکار کر دیا۔

پھر اس کے آٹھ سالہ بچے کو اس کے سامنے لایا گیا اور کہا گیا کہ اب بھی نہ بتاؤ گے تو تمہارے اس بچے کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کی زبان پھر بھی خاموش رہی۔ بچے پر تشدد کیا گیا کہ شاید بچے کی چیخوں سے باپ کا دل پگھل جائے اور مجاہدین کے بارے میں بتا دے۔ مگر باپ پر اپنے بیٹے کی چیخوں کا بھی جب کوئی اثر نہ ہوا تو انتہائی ظالمانہ طریقے سے بچے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ پھر رُوسی افسر نے کہا کہ اگر تم اب بھی نہ بتاؤ گے تو تمہارے دوسرے بیٹوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔

شاید جنگل کے درندے بھی اتنے ظالم نہ ہوتے ہوں جتنا ظالم یہ رُوسی افسر تھا۔ اس ظلم کے بعد بھی وہ قہقہے لگا رہا تھا مگر اس مجاہد کا حوصلہ پہاڑوں سے بھی بلند تھا۔ اگر ایسا ظلم کسی پہاڑ پر ہوتا تو شاید وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

اپنے بیٹے کی شہادت پر اس نے زبان کھولی تو رُوسی افسر نے سمجھا کہ شاید اب مجاہدین کے بارے میں بتانے لگا ہے لیکن اس نے کہا:

''اے ظالم رُوسی درندو! تم نے اپنے ظلم کی انتہا کر دی ہے لیکن تم نہیں جانتے میں نے اپنے اللہ سے اپنی جان، مال اور اولاد کا جنت کے بدلے سودا کیا ہوا ہے اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ دین اسلام کے ماننے والوں کا جسم ریزہ ریزہ بھی کر دیا جائے گا تو بھی اُن کی زبان سے لا الہ الا اللہ ہی کی آواز آئے گی۔ تم جن کا مجھ سے پتا پوچھتے ہو وہ مجھے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ وہ اسلام کی سربلندی اور وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ تم جیسے خونی بھیڑیوں سے اس سرزمین کو پاک کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ تم میرے باقی دو بیٹوں کو بھی شہید کر کے دیکھ لو مگر مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکو گے۔''

رُوسی درندوں نے اس کے دوسرے دونوں بیٹوں کو بھی سنگینیں مار مار کر شہید کر دیا۔ میرے لئے یہ ظلم ناقابل برداشت تھا۔ ان لمحات میں کئی دفعہ سوچا کہ ان رُوسی فوجیوں کو بھون کر رکھ دوں لیکن دماغ کہتا کہ تم نے مجاہدین سے جا کر ملنا ہے۔ اگر تم نے یہاں کوئی حرکت کی تو کر کچھ بھی نہ سکو گے اور مفت میں مارے جاؤ گے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک رُوسی فوج میں ہوں، دیہات کی تلاشی کے وقت میں اپنے آپ کو سب سے آگے رکھوں گا تاکہ مجاہدین کی مدد کر سکوں۔

چند روز بعد کا واقعہ ہے کہ ایک گاؤں کی تلاشی کے دوران میں، میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ گھر

کے دالان میں ایک بوڑھا اپنی بکریوں کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گھر میں کوئی اور ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس گھر میں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں۔ میں کمروں کی تلاشی لینے کے لیے دروازہ کھولنے لگا تو بوڑھے نے مزاحمت کی کہ اندر میری بچیاں ہیں، اس لیے دروازہ مت کھولو۔

رُوسی کمیونسٹ فوجی ایسے گھروں میں لازماً داخل ہوتے تھے۔ وہ نوجوان لڑکیوں کی عزت لوٹ کر اُنہیں قتل کر دیتے تھے۔ میں نے بوڑھے سے کہا کہ میں جانتا ہوں اندر مجاہد ہیں۔ میں مسلمان ہوں اور مجاہدین کی مدد کرنا چاہتا ہوں، اس لیے اگر میرے ساتھ دھوکہ کرو گے تو مجاہدین کو مرواؤ گے۔

بوڑھے کو میری بات کا یقین آ گیا تو اس نے کہا کہ میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ پہلے بتاؤ مجاہدین کن کن گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ بوڑھے نے پہلے تو سمجھا کہ میں شاید اسے چکر دینے کی کوشش کر رہا ہوں لہٰذا اس نے کچھ نہ بتایا۔ میں نے اُسے دوبارہ یقین دلایا تو اس نے کہا کہ ساتھ والے گھر میں بھی ہیں۔

جب اس نے ساتھ والے گھر کا نام لیا تو میں فکر مند ہو گیا۔ اگر کوئی دوسرا تلاشی لینے والا اس گھر میں داخل ہو گیا تو مجاہدین کو بچانا مشکل ہو جائے گا کیونکہ مجاہدین کے پاس اگر اسلحہ ہوتا تو وہ مقابلہ کرتے۔ وہ چھپتے صرف اس وقت تھے جب ان کے پاس اسلحہ ختم ہو جاتا۔ میں نے بوڑھے سے کہا کہ ہمارے افسر سے کہنا کہ مجاہدین کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے اور تمہاری کچھ بکریاں زبردستی چھین کر لے گئے ہیں اور تم نے اُنہیں پہاڑوں کی طرف بھاگتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد میں اُسے پکڑ کر باہر لے آیا اور ساتھ والے گھر میں داخل ہو گیا۔ وہاں صحن میں اسماعیل کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا تلاشی لے لی ہے تو اس نے کہا کہ ہاں، اس گھر میں کوئی مجاہد نہیں۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی لیکن میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اسمٰعیل کے بارے میں شک ہو گیا کہ شاید وہ بھی میری طرح مجاہدین کی مدد کر رہا ہے۔

ایک بار ہم تلاشی لے رہے تھے کہ چھپے ہوئے مجاہدین گھیرے میں آ گئے۔ رُوسی کمیونسٹ فوجی بھی ساتھ تھے۔ میں مجاہدین کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ مجاہدین کی تعداد دس تھی۔ جب اُنہیں پکڑ کر گھر سے باہر لا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ دوسرے فوجی بھی بہت بڑی تعداد میں عام افغان عوام اور دوسرے مجاہدین کو پکڑ کر لا رہے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج ان کی مدد ضرور کروں گا ورنہ رُوسی ان سب کو ختم کر دیں گے۔ شام ہونے والی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر ان کے لئے بھاگنے کا موقع پیدا کر دیا جائے

تو کم از کم آدھے تو بچ جائیں گے۔ میرے پاس چار ہینڈ گرینیڈ تھے۔ میں نے اُن میں سے دو نکالے اور اللہ کا نام لے کر میرے آگے جو مجاہد تھا' اُس کی جیب میں رکھ دیے۔ مجاہد نے میری طرف گردن گھما کر دیکھا تو میں نے آہستگی سے کہا کہ میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ شور وغل میں کوئی رُوسی میری بات نہ سن سکا اور نہ کسی نے مجھے دیکھا۔

پہاڑ کے دامن میں رُوسی ٹینک کھڑے تھے۔ تمام مجاہدین اور دوسرے افغانوں کو وہاں لا کر لائن میں کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ میں نے جس مجاہد کے کوٹ کی جیب میں ہینڈ گرینیڈ رکھے تھے اس کے ہاتھ اس طرح باندھے تھے کہ وہ رسی میں سے ہاتھ جب چاہے نکال لے اور میں نے اسے بتا بھی دیا۔ ان قیدیوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ رُوسی فوجیوں نے پوزیشنیں لے لیں۔

مجھے پتا تھا کہ اگر افغان مجاہد میری چال سمجھ گیا ہے تو پھر مجھے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے میں ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میں دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ تھوڑا سا اندھیرا اور چھا جائے تا کہ مجاہدین کو بھاگنے میں آسانی رہے اور ایسا ہی ہوا۔ جب رُوسی فوجی افسر حکم دینے آیا کہ ان سب کو گولی مار دو تو میری نظریں اس مجاہد پر تھیں جس کے پاس گرینیڈ تھے۔ اس سے پہلے کہ رُوسی فوجی گولیاں برساتے' اس نے گرینیڈ رُوسیوں کی طرف پھینک دیے۔

یہ دیکھ کر سب مجاہدین بھاگ نکلے۔ میرا منصوبہ کامیاب رہا۔ صرف بارہ مجاہدین شہید اور سات زخمی گرفتار ہوئے۔ باقی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ 9 رُوسی ہلاک ہوئے۔ میں خود بھی زخمی ہو گیا تھا اور انہی زخموں نے مجھے انکوائری کے دوران میں بچانے میں مدد دی اور انکوائری افسر یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا کہ دستی بم مجاہد تک کیسے پہنچے اور کس نے پہنچائے۔

ایک دن تلاشی کی مہم کے بعد ہم واپس آ رہے تھے کہ ایک خوبصورت افغان بچہ دوڑ کر سامنے آ گیا۔ اس نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا۔ رُوسی افسر نے وہ سگریٹ مجھ سے چھین لیا اور خوش ہو کر بچے کو تھپکی دی۔ رُوسی افسر نے سگریٹ منہ میں دبا کر جونہی سلگایا' وہ دھماکے سے پھٹا اور رُوسی افسر کا منہ اور چہرہ جل گیا اور ایک آنکھ سے خون بہنے لگا۔ یہ دراصل سگریٹ بم تھا جس میں تمباکو کی جگہ بارود بھرا ہوا تھا۔ بچہ رُوسی افسر کا جلا ہوا چہرہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ رُوسی افسر نے اسے پکڑنے کا حکم دیا۔

دوسرے فوجی اُس بچے پر تشدد کرنے لگے کہ بتاؤ سگریٹ تجھے کس نے دیا تھا اور وہ کہاں ہے لیکن بچے نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اُسے بہت مارا گیا۔ اُس کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے اور جسم سے بھی کئی جگہ سے خون بہنے لگا مگر اُس نے کچھ نہ بتایا۔ رُوسی افسر نے مجھے کہا کہ عبدالرحمٰن اسے گولی مار دو۔ اس نے میرا چہرہ خراب کیا ہے' اسے ختم کر دو۔ شاید کہنے سے پہلے رُوسی افسر نے یہ نہ سوچا تھا کہ

رُوسیوں نے تو پورے افغانستان کا چہرہ خراب کر دیا ہے اور لاکھوں معصوم بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کیا ہے۔

میں نے بڑی آہستگی اور بددلی کے ساتھ کلاشنکوف کو سیدھا کیا۔ بچے نے اُٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ دوسرے رُوسی فوجی گولی مارنے لگے تو میں نے کہا کہ آج نشانہ میں لگاؤں گا۔ ایک کہنے لگا کہ جلدی کرو۔ یہ بھاگ جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں اڑتے ہوئے پرندے کو نشانہ بنا لیتا ہوں' یہ تو صرف بھاگ رہا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ بچہ دور چلا جائے تو نشانہ لوں۔ میں نے نشانہ بچے کی ٹانگوں کے درمیان لیا۔ اسے گولی تو نہ لگی مگر وہ دہشت سے گرا اور پھر اُٹھ کر دوڑ پڑا۔

ساتھی رُوسیوں نے قہقہہ مارا کہ بڑا نشانے باز بنتا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک اور لگانے دو۔ میں نے نشانہ لینے میں خاصا وقت لگایا اور اتنی دیر میں بچہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔ رُوسی افسر چیخا کہ جلدی کرو۔ میں نے پھر نشانہ اس کی ٹانگوں کے درمیان لیا۔ بچہ گرا یا لیٹ گیا۔ رُوسی ہنسا کہ بچہ مارا گیا ہے مگر چند لمحوں بعد بچہ اُٹھا اور رُوسی افسر کی طرف دیکھ کر زور سے پکارا:

''تم میرے ماں باپ کے قاتل ہو' میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔''

یہ کہتے ہی وہ پہاڑ کی دوسری طرف اُتر گیا اور رُوسی افسر کا زور کا تھپڑ میرے منہ پر پڑا اور ساتھ گندی گالیاں بھی سننے کو ملیں کہ میں نے جان بوجھ کر نشانہ خطا کیا ہے۔ اسماعیل ساتھ کھڑا تھا۔ وہ بولا کہ صاحب کبھی کبھی اچھے سے اچھے نشانچی کا نشانہ بھی خطا ہو جاتا ہے' اس میں عبدالرحمٰن کا کوئی قصور نہیں' اس نے تو نشانہ لگایا اور بچہ دو دفعہ گرا بھی تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ کابل کی خیر خانہ کالونی کے چوک میں رُوسی فوجی پوسٹ میں پہلے بھی پیش آ چکا تھا۔ وہاں افغان بچے مختلف چیزیں رُوسی فوجیوں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ اُن میں امریکی سگریٹ بھی ہوتے تھے۔ جب بچوں نے اچھی طرح اعتبار جما لیا تو ایک دن عام سگریٹوں کے بجائے اُنہوں نے رُوسیوں کو بارودی سگریٹ پیش کیے۔ سگریٹ پیش کرنے کے بعد بچے غائب ہو گئے۔ جب سگریٹ پیئے جانے لگے تو دھماکوں سے کئی فوجیوں کے ہونٹ' ناک' مونچھیں اور چہرے جل گئے۔ میرے خیال میں یہ اس انتقامی جذبے کا اظہار تھا جو رُوسیوں نے اپنے ظلم سے افغان بچوں میں پیدا کر دیا ہے۔

مجھے ایک افغانی فوجی نے بتایا کہ کابل شہر ہی میں ایک کنڈر گارٹن سکول ہے جب روس نے افغانستان میں فوج اتاری' وہاں کے بچوں نے روس سے آیا ہوا دودھ پینے سے انکار کر دیا اور روس مردہ باد' کارمل مردہ باد' کے نعرے لگاتے ہوئے سکول سے باہر نکل آئے۔ جب بچوں سے پوچھا گیا

کہ وہ دودھ کیوں نہ پیتے تو انہوں نے کہا: ''ہم دودھ اُس وقت پئیں گے جب روس ہمارے ملک سے نکل جائے گا۔''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ کابل میں مجاہدین رات کو تقریباً روزانہ شب خون مارتے ہیں۔ ان چھاپہ مار کارروائیوں میں وہ پہرے پر رُوسی افسروں اور فوجیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جب وہ کسی رُوسی کو قتل کرتے ہیں تو اس کی لاش پر مختلف نعرے درج کر جاتے تھے۔ دو رُوسیوں کی لاشوں پر تو میں نے بھی اس طرح کے نعرے دیکھے تھے:

''روس کا قبرستان.........افغانستان' افغانستان'

''یہ سمرقند و بخارا نہیں.........افغانستان ہے۔''

مجھے یہ نعرے پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ افغان عوام سمرقند و بخارا کے حشر سے آگاہ ہیں۔

عبدالرحمٰن خاموش ہوا تو علی نے پوچھا کہ اسماعیل تمہارا ساتھی کب اور کیسے بنا؟ عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ اسی دن کی بات ہے جب بچے کے سگریٹ سے ہمارے افسر کا منہ جل گیا تھا۔ اسماعیل رات کو میرے پاس آیا اور مجھے چھاؤنی کے ایک ویران کونے میں لے گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ تم نے جان بوجھ کر اس بچے کو گولی کیوں نہیں ماری تھی۔ میں سمجھا کہ اسے رُوسی افسر نے میری جاسوسی کے لئے بھیجا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے نشانہ تو لیا تھا مگر نشانہ خطا گیا۔

وہ مسکرایا اور کہنے لگا: ''میرے ساتھ تو جھوٹ نہ بولو۔ میں نے تو تمہیں اس سے پہلے بھی اُس دن گاؤں میں مجاہدین کی مدد کرتے دیکھا تھا جب تم نے گرینیڈ ایک مجاہد کی جیب میں ڈالے تھے اور دوست! یہ میں ہی تھا جس نے تمہاری بہت بڑی غلطی کو سامنے نہیں آنے دیا تھا اور میری ہی وجہ سے رجسٹر میں گرنیڈوں کی کمی ظاہر نہ ہو پائی۔ پھر اس بوڑھے کو بھی تم نے ہی سبق پڑھایا کہ وہ کہے کہ مجاہدین اُس کی بکریاں زبردستی اُٹھا کر لے گئے ہیں' حالانکہ مجاہدین اس کے گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔''

اسماعیل کی باتوں نے مجھے چونکا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ اگر اس نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بھی در پردہ مجاہدین کی مدد کرتا ہے' چنانچہ میں نے کہا:

''برادر اسماعیل! میں بے قصور افغان عوام پر ظلم نہیں کر سکتا۔ مجھے چینیوں' امریکیوں اور پاکستانیوں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا مگر یہاں تو نہتے بے قصور عوام پر گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔ اس معصوم بچے کا کیا قصور تھا؟ اس کے والدین کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اگر اُس نے سگریٹ میں بارود بھر کر رُوسی افسر کا چہرہ جلا دیا تو قیامت کیوں آ گئی؟ رُوسی تو مجاہدین کو گرفتار کر کے زندہ جلا دیتے ہیں' اس وقت انہیں ذرا بھی انسانیت کا خیال نہیں آتا۔ اگر تم میری جاسوسی کرنے آئے ہو تو جاؤ' جا کر

کہہ دو کہ میں نے سب کچھ دانستہ کیا ہے اور میں مسلمان ہوں' ترکستانی ہوں اور رُوسیوں کے ظلم کے خلاف ہوں' مجھے بھی زندہ جلا دیں یا جیل میں بند کر دیں۔''

میں خاموش ہوا تو اسماعیل بولنے لگا: ''برادر عبدالرحمٰن! میں بھی تمہارا ساتھی ہوں۔ میں بھی رُوسیوں کے اُتنا ہی خلاف ہوں جتنے تم ہو۔ اُنہوں نے ہمارا وطن ہم سے چھینا اور اب افغانستانیوں سے اُن کا وطن چھین رہے ہیں۔ آتے وقت میرے باپ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ افغان عوام پر گولی نہ چلانا' وہ تمہارے بھائی ہیں۔ میں نے اس نصیحت پر ہمیشہ عمل کیا ہے مگر تمہاری طرح حماقتیں نہیں کیں۔ جہاں بھی ممکن ہوا ہے' میں نے مجاہدین کی مدد کی ہے۔ اور سنو! پچھلے ماہ جو رات کو رُوسی افسر پراسرار طور پر اپنے کمرے میں ہلاک ہو گیا تھا' اُسے میں نے ہی ہلاک کیا تھا کیونکہ اُس نے ایک افغان مجاہد کی نوجوان بہن کو زبردستی یہاں منگوایا تھا اور اُس کی عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ میں اُس لڑکی کی جان اور عزت تو نہ بچا سکا مگر ایسا انتظام کیا کہ دونوں ختم ہو گئے۔ اور بارُودی سگریٹ بنانے کا طریقہ بھی میں نے ہی ایک افغان فوجی کو اس وقت بتایا تھا جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجاہدین کا ساتھی ہے۔ پھر اُس نے رُوسی افسر کو قتل کرنے میں میرا ساتھ بھی دیا اور اب مختلف جگہوں پر بچوں اور سگریٹ بیچنے والوں کے ذریعے یہ دھماکے وہی تو کروا رہا ہے۔''

اسماعیل کچھ دیر خاموش رہا جیسے کوئی اہم بات سوچ رہا ہو' پھر کہنے لگا کہ عبدالرحمٰن! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بہت جلد مجاہدین کے پاس چلا جاؤں گا کیونکہ یہ ظلم اب مجھ سے مزید نہیں دیکھا جاتا اور بعض اوقات تو مجبوراً ہمیں بھی گولی چلانا پڑتی ہے۔ اُس وقت دل بہت دُکھتا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ باقی زندگی اسلام کی سربلندی اور اپنے وطن کی آزادی کے لیے وقف کر دوں گا۔ مجھے یقین ہے' افغانستان ضرور آزاد ہو گا اور پھر ہم ترکستانی مسلمانوں کے لیے بھی آزادی کی جنگ لڑنا آسان ہو جائے گا۔ میرے باپ نے مجھے آتے ہوئے کہا تھا کہ رُوسی کمیونزم کے غبارے سے ہوا نکلنے کو ہے اور پھر یہ زیادہ دیر مسلمانوں کو غلامی کی زنجیریں نہیں پہنا سکتا۔

اسماعیل کی باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ایسے محسوس ہوا جیسے مجھے میرا ہم خیال بھائی مل گیا ہو۔ میرے ابو نے سچ کہا تھا کہ روس کے مسلمانوں کی اکثریت کمیونسٹ نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لئے کمیونزم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ میں بے اختیار اسماعیل سے لپٹ گیا اور خوشی سے ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر خدا کے حضور عہد کیا کہ ہم دونوں مجاہدین کے پاس چلے جائیں گے اور اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی سرخ زنجیر کاٹ دیں گے اور اگر زندہ رہے تو افغانستان کی آزادی کے بعد اپنے وطن کی آزادی تک رُوسیوں کے خلاف

لڑتے رہیں گے۔

ہمیں ایسا موقع جلد ہی مل گیا کہ جب اعلیٰ رُوسی فوجی افسروں نے مجاہدین کے اس مرکز پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ ہمیں ہیلی کاپٹر سے اس مرکز کے جنوب مغرب کی طرف اُتارا گیا۔ ہمارے گروپ کی تعداد تیس تھی جن میں چودہ رُوسی اور باقی سب افغانی تھے۔ بہت سے کمانڈوز کو مجاہدین نے اُترتے ہی قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا لیکن اتفاق سے ہمارا گروپ بچ گیا۔

ہم نے یہاں اُترتے ہی مورچے بنائے اور مورچوں کے اردگرد بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ ہم نے رات کو اشارہ ملتے ہی اس طرف سے مرکز پر حملہ کرنا تھا۔ یہاں اُترتے ہی میری اور اسماعیل کی گفتگو ہوئی کہ آج رات یہ مورچے تباہ کر کے مجاہدین سے جا ملیں گے۔ رات کے بارہ بجے ہم نے اپنے منصوبہ پر عمل شروع کیا۔ اسماعیل نے اس طرح فائرنگ شروع کی جیسے مجاہدین نے ہم پر حملہ کر دیا ہو۔

اتفاق سے آپ لوگ اُس وقت ہمارے مورچوں کی طرف آ رہے تھے۔ اس طرح ہمارے منصوبے کو اللہ نے ہمارے لئے آسان بنا دیا۔ اب سب لوگوں کی توجہ آپ کی طرف تھی اور وہ آپ سے بہت ڈرے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ آگے بڑھ کر حملہ کیا جائے یا مورچوں میں بیٹھ کر دفاع کیا جائے۔ میں نے اُس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسلحے کا ذخیرہ تباہ کر کے رُوسیوں کے مورچوں پر دستی بموں سے حملہ کر دیا۔ تین افغانی ہمارے ساتھ مل گئے۔ دو اُن میں سے شہید ہو گئے اور تیسرا معلوم نہیں کس طرف بھاگ گیا۔

تمام رُوسیوں کو ختم کرنے کے بعد ہم آپ کی طرف بھاگے کہ اسماعیل کا پاؤں ایک بارودی سرنگ پر آ گیا اور میرا پیارا دوست آزادی کی حسرت لئے شہید ہو گیا۔ وہ مجاہدین کا شیدائی تھا۔ جب رُوسی شکست کھا کر بھاگتے تو اُسے بہت خوشی ہوتی تھی۔

عبدالرحمٰن اور علی نے عہد کیا کہ ہم سب مل کر (انشاءاللہ) اسماعیل کے مشن کو زندہ رکھیں گے اور ایک نہ ایک دن افغانستان اور ترکستان ضرور آزاد ہوں گے اور دُنیا افغانستان کے ساتھ ساتھ ترکستان کی عظیم اسلامی مملکت پر بھی اسلامی پرچم لہراتا دیکھے گی۔



سردیوں کی آمد آمد تھی۔ مجاہدین کے ہیڈکوارٹر میں میدانی صوبوں سے مجاہدین آئے ہوئے تھے اور آج اُن کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وہ چیف کمانڈر کے سامنے اپنے اپنے علاقوں کے مسائل رکھ رہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ دُشمن کے مقابلے میں اُنہیں لڑائی میں بہت زیادہ نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم میدانی علاقے میں دُشمن کا مقابلہ کیسے کریں۔

اس مسئلے پر طویل بحث ہوئی۔ آخر میں چیف کمانڈر نے کہا کہ اِن علاقوں میں علی کو آزمایا جا سکتا ہے۔ وہ نوعمر ضرور ہے مگر ذہین ہے۔ وہ وہاں جا کر نئی تدابیر سوچے گا اور مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لے گا لیکن تم سب کو اُس کے ماتحت کام کرنا پڑے گا۔ اگر آپ لوگ اس کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو اس کا اچھے سے اچھا منصوبہ بھی ناکام ہو جائے گا اور اگر آپ لوگوں نے اُسے نوعمر سمجھ کر اُس کے احکامات کو اہمیت نہ دی تو وہ کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اس پر میدانی صوبوں سے آئے ہوئے مجاہدین نے کمانڈر کو مکمل یقین دہانی کرائی کہ علی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی اور وہ اُس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔

میٹنگ برخاست ہوئی تو کمانڈر نے علی کو بلوایا۔ اُس کا تعارف دوسروں صوبوں سے آئے ہوئے مجاہدین سے کرایا اور اُسے اُس کے نئے مشن سے آگاہ کیا۔ علی کچھ دیر سوچتا رہا' پھر کمانڈر صاحب سے گزارش کرتے ہوئے کہا: ''میں تو میدانی علاقے میں لڑنے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا اور تجربہ کار مجاہدین کی موجودگی میں' میں وہاں اُن سے بہتر کیا کام کر سکتا ہوں؟''

''میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے۔ تم وہاں جا کر حالات کا جائزہ تو لو۔ پھر اللہ مدد کرنے والا ہے۔'' کمانڈر نے کہا۔

دوسرے دن علی کی کمانڈر صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو کمانڈر نے کہا: ''یقیناً تم نے سفر کی تیاری شروع کر دی ہوگی۔ پرسوں جمعہ ہے۔ ہفتے کو آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔''

علی نے کہا کہ اگر آپ عبدالرحمٰن' درویش خان' فاروق خان اور انجینئر عبداللہ کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دیں تو اس سے مجھے کافی حوصلہ رہے گا۔ کمانڈر صاحب نے مسکراتے ہوئے

اِن مجاہدین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

ہفتے کو نمازِ ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ علی اور دوسرے مجاہدین روانگی کے لیے بالکل تیار کھڑے کمانڈر صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ قریب ہی دو خچر کھڑے تھے جن پر سامان خورد و نوش اور ضروری اسلحہ لدا ہوا تھا۔ علی سوچوں میں گم اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمانڈر صاحب تشریف لے آئے۔ اُنہوں نے علی کی پریشانی دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی۔

علی بولا: ''میں پریشان تو نہیں' صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ نے مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی ہے' کیا میں اس کا حق ادا کر سکوں گا؟''

کمانڈر صاحب نے کہا: ''سوچنا اچھی بات ہے' مگر کسی مشکل کام کو دیکھ کر پریشان ہونا اچھی بات نہیں۔ تم اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جا رہے ہو۔ اللہ یقیناً تمہاری مدد اُسی طرح کرے گا جس طرح وہ پہلے مدد کرتا رہا ہے۔'' پھر علی کے ساتھ جانے والے مجاہدین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ''آپ لوگ ایک انتہائی اہم کام پر جا رہے ہیں اور اِس کام کی کامیابی منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے آپس میں اتحاد پر منحصر ہے۔ تمام فیصلے صلاح مشورے سے کرنا' کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو کمانڈر کا فیصلہ قطعی ہونا چاہیے۔ ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی نہیں گھبراتے اور نا اُمیدی کی فضا میں بھی اللہ سے مدد کی اُمید رکھتے ہیں' اس لیے جب کوئی مشکل وقت آ جائے تو اللہ ہی سے مدد کی دُعا کرنا کیونکہ وہی سب سے بڑا مددگار ہے۔''

اس کے بعد سب نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے دُعا کی۔ کمانڈر صاحب سب مجاہدین سے گلے ملے اور پھر مجاہدین کا یہ قافلہ اللہ اکبر' اور نَصرٌ مِّنَ اللہِ وَ فَتحٌ قَرِیبٌ کے نعروں کی گونج میں رُخصت ہوا۔

یہ قافلہ دس مجاہدین پر مشتمل تھا۔ مرکز سے روانہ ہوئے تیسرا دن تھا اور صبح نو بجے کا وقت تھا جونہی وہ پہاڑی نالے سے نکل کر تنگ وادی میں داخل ہوئے' ایک پہاڑی کے دامن میں اُنہیں افراد کا ایک جمگھٹا نظر آیا۔ علی اُنہیں دیکھ کر فوراً رُک گیا اور اُس نے دوسرے مجاہدین کو بھی آگے جانے سے روک دیا۔ وہ اکیلا ہی تھوڑا سا آگے گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مجاہدین ہی کے حامی ہیں۔

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایک بوڑھا پہاڑی کو کھودنا چاہتا ہے۔ دوسرے لوگ اُسے روک رہے ہیں بلکہ اُس کا خوب مذاق بھی اُڑا رہے ہیں۔ علی نے پوچھا کہ بھائی اصل معاملہ کیا ہے اور آپ لوگ اس بوڑھے کا کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔ وہاں کھڑے لوگوں میں سے ایک بولا: ''یہ بوڑھا پاگل ہو گیا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے بیوی بچے اس پہاڑی کے اندر ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر وہ پہاڑی کے

اندر ہوں بھی تو وہ زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم نے اُسے بہتیرا سمجھایا ہے' مگر ہماری بات سنتا ہی نہیں۔''

علی نے بوڑھے سے پوچھا: ''بابا! آخر تم اس پہاڑی کو کیوں کھودنا چاہتے ہو اور ایک ''کسّی'' سے کیسے کھود لو گے۔ ان لوگوں کی بات سچ ہے کہ تمہارے بیوی بچے اِس پہاڑی کے اندر اگر ہوں بھی تو وہ زندہ نہیں ہوں گے۔''

بوڑھے نے بتایا: ''بیٹا! بات یہ نہیں ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مردہ۔ میں اُنھیں یہاں سے نکال کر قبرستان میں لے جا کر دفن کرنا چاہتا ہوں اور یہ لوگ میری مدد کرنے کے بجائے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔''

''بابا! کیا آپ سارا واقعہ بتائیں گے کہ تمہارے بیوی بچے اس پہاڑی کے اندر کیسے دب گئے۔'' علی نے پوچھا۔

بوڑھا کچھ دیر آنکھیں بند کیے سوچتا رہا' پھر بتانے لگا:

''بیٹا! میری داستان دوسرے مظلوم افغانوں سے مختلف نہیں۔ میرا گاؤں یہاں سے دو میل دور شمال کی طرف پہاڑوں کے دوسری جانب واقع ہے۔ آج سے تین سال پہلے ہم اس گاؤں میں بڑی پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری وادی بہت ہی خوبصورت اور سرسبز وادی تھی۔ سیب' انگور' اخروٹ' چلغوزے کے بڑے بڑے خوبصورت باغات تھے اور یہاں کے رہنے والے خوشحال زندگی کے مزے لے رہے تھے۔ رُوس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا' مگر اس کے بعد بھی کئی سال تک ہمارا گاؤں رُوسی فوج کی لائی ہوئی تباہی و بربادی سے محفوظ رہا۔ اردگرد کے دیہات کے لوگ دوسرے علاقوں میں رُوسی فوج کے مظالم کا سن کر پاکستان ہجرت کر گئے۔ اُنہوں نے ہمیں بھی سمجھایا کہ رُوسی فوج کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب کس گاؤں کو تباہ کرنے کے لیے آ جائے' اس لیے آپ لوگ بھی پاکستان ہجرت کر جائیں' مگر ہمارا دل نہ چاہا کہ ہم اپنے گھر' خوبصورت باغات' کھیت اور چراگاہیں چھوڑ کر دوسرے ملک چلے جائیں۔''

بوڑھا تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا' ایک حسرت بھری آہ کھینچی اور پھر کہنے لگا: ''اور پھر وہی ہو کہ ایک صبح دُشمن کے آدھ درجن طیارے بمباری کرنے آ پہنچے۔ بم' راکٹ اور میزائل اولوں کی طرح گاؤں پر گرنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خوبصورت گاؤں ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ جونہی طیارے واپس گئے' زندہ بچ جانے والے لوگ گاؤں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرا بیٹا اور بہو بھی شہید ہو گئے۔ دونوں چھوٹے بچے اور بیوی بچ گئی۔ میں اُنہیں لے کر یہاں آ گیا۔ اس پہاڑی کے اندر ایک چھوٹا سا غار تھا۔ میں نے بیوی بچوں کو غار کے اندر بٹھایا اور گاؤں واپس چلا گیا' تاکہ زخمیوں کی مدد کر سکوں اور شہید ہونے والوں کو دفنا سکوں۔ گاؤں میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی۔ میں بھی دوسرے افراد کے ساتھ

مل کر زخمیوں کو ملبے کے نیچے سے نکالنے لگا۔ ابھی ہم شہداء کو دفنانے اور زخمیوں کی امداد سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دُشمن کے جہاز ایک دفعہ پھر آ گئے۔ ہم پناہ کی تلاش میں پہاڑوں کی طرف بھاگے۔ بستی پر، پہاڑوں پر، ہر طرف بم ہی بم گر رہے تھے۔ میں گرتا پڑتا' سامنے پہاڑ تک پہنچ گیا کہ ایک بم میرے قریب پھٹا۔ میں زمین سے اُچھلا اور دور جا گرا' پھر کیا ہوا مجھے کچھ علم نہیں۔

''جب مجھے ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھا۔ میں نے اپنے اردگرد دیکھا' گاؤں کے کئی اور افراد بھی بستروں پر زخمی حالت میں پڑے تھے۔ مجھے اپنے بیوی بچوں کی فکر تھی۔ نہ جانے ان کا کیا بنا۔ میں نے اپنے قریب دائیں بائیں لیٹے ہوئے زخمیوں سے پوچھا مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ڈاکٹر سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ کل وہ فوجی آئیں گے جو تمہیں یہاں پکڑ کر لائے تھے' ان سے پوچھنا۔ دوسرے دن دو فوجی آئے۔ میں نے اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ جہاں تم زخمی حالت میں پڑے ملے تھے' اُس کے قریب ہمیں کوئی عورت ملی نہ کوئی بچہ۔

''اُن کا جواب سن کر میں نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیوی بچے اُن ظالموں سے بچ گئے۔ میرا خیال تھا کہ وہ غار سے نکل کر پاکستان ہجرت کر گئے ہوں گے۔

''میں ہسپتال میں دو ماہ پڑا رہا۔ ٹھیک ہوا تو مجھے تفتیش کے لیے جیل لے جایا گیا۔ وہاں پہلے نرمی اور پھر سختی سے پوچھا جانے لگا کہ بتاؤ تمہارا مجاہدین سے کیا تعلق ہے۔ پھر وہ تشدد شروع ہوا جس کے بارے میں سوچتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ تشدد ایک مجھ پر ہی نہیں ہو رہا تھا' میری آنکھوں کے سامنے کئی دوسرے قیدی اس ناقابلِ برداشت تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ یہ دیکھو میرے ہاتھ' زنبوروں سے میرے ناخن جڑوں سے اُکھاڑ دیئے گئے۔ (پشت سے قمیص اُٹھاتے ہوئے) اور یہ دیکھو کہاں کہاں سے میرا گوشت نوچا گیا۔ رُوسی اتنے ظالم تھے کہ جسم کے جن حصوں سے گوشت نوچتے' اُن پر نمک اور مرچیں چھڑک دیتے۔ میں تڑپتا تو وہ قہقہے لگاتے۔ یہ تشدد کئی ماہ مسلسل ہوتا رہا' پھر اُنہوں نے مجھے قید میں پھینک دیا۔

''گرفتار ہوئے اڑھائی سال بیت گئے تھے جب ایک دن رُوسی افسر نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور مجھے پیشکش کی کہ اگر میں پاکستان میں جاسوسی اور بموں کے دھماکے کرنے کی ذمہ داری اُٹھاؤں تو وہ مجھے رہا کر دیں گے۔ میں نے اُس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ مجھے دوبارہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل میں میرے ساتھیوں نے مجھے سمجھایا کہ یہ پیشکش قبول کر لو۔ اُنہوں نے بتایا کہ کئی افراد پہلے بھی اسی طرح رہا ہوئے ہیں لیکن میں نے اُن کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مجھے یہ ہرگز منظور نہ تھا کہ اپنی رہائی کی خاطر اُس ملک کے عوام کو دُکھ دوں جنہوں نے مصیبت کے وقت ہمارے بیوی بچوں کو پناہ دی

ہے۔ یہ کہاں کا انصاف تھا کہ میں جیل سے نکلنے کے لیے دوسروں کے بچوں کے خون سے ہاتھ رنگوں۔ اس طرح تین ماہ اور بیت گئے اور پھر ایک دن معلوم نہیں مجھے کیوں رہا کر دیا گیا۔ شاید میں بوڑھا تھا' رہا ہو کر بھی اُن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جیل میں اُن کا اناج ضائع کر رہا تھا۔

''رہا ہونے کے بعد میں پاکستان گیا۔ دو ماہ تک پاکستان میں اپنے بیوی بچوں کو ڈھونڈتا رہا' مگر وہ مجھے کہیں نہ ملے۔ گاؤں کے کئی لوگ مجھے ملے مگر کسی نے بھی میرے بیوی بچوں کو پاکستان آتے نہیں دیکھا تھا۔ تھک ہار کر میں ادھر چلا آیا۔ جب یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ پہاڑی میں جو غار تھا' وہ غائب ہو چکا ہے۔ پہلے تو شک ہوا کہ شاید یہ وہ پہاڑی ہی نہیں لیکن میری یادداشت اتنی بھی کمزور نہ تھی۔ ساری زندگی اسی علاقے میں گزاری تھی۔ رُوس کے طیاروں کی وحشیانہ بمباری نے اگر علاقے کی شکل بگاڑ دی تھی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جگہ بھی بدل گئی۔ میں نے پہاڑی کا غور سے جائزہ لیا۔ یہ وہی پہاڑی تھی مگر بمباری سے غار کا منہ بند ہو چکا تھا اور وہاں جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میرے بیوی بچے اندر دب کر شہید ہو چکے ہیں۔ پہلے تو سوچا کہ اُنہیں غار کے اندر ہی دبا رہنے دُوں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے وہ لوگ غار میں نہ ہوں۔ ممکن ہے وہ زندہ ہوں اور کسی دوسری جگہ رہ رہے ہوں۔ یہی شک دُور کرنے کے لیے میں نے غار کو کھودنے کا فیصلہ کیا۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ میری مدد کرتے' اُلٹا میرا مذاق اُڑانے لگے۔

''بیٹا! تم ہی بتاؤ! میں کیا کروں۔ اگر غار کھودنے کے بعد وہ نہیں ملتے تو میں اُن کی تلاش جاری رکھوں گا۔ اگر اُن کی نعشیں مل جاتی ہیں تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ اب اس دُنیا میں نہیں رہے اور یوں میرے دل کو سکون مل جائے گا۔''

بوڑھے نے اپنی دردبھری داستان ختم کی تو وہاں کھڑے لوگوں میں سے بہت سوں کی آنکھیں پُرنم ہو چکی تھیں۔ علی نے کہا: ''بابا! تمہاری داستان سن کر بہت دُکھ ہوا۔ یہاں افغانستان میں ہر دوسرا فرد تمہاری ہی طرح دُکھی ہے۔ بعض کے والدین شہید ہو گئے اور بعض کی اولاد۔ بعض اپنے ماں باپ کی شہادت پر دُکھی ہیں اور بعض اپنی اولاد کے بچھڑنے پر غمگین۔ غار کھودنے میں ہم تمہاری مدد کریں گے۔''

اس کے بعد علی اور دوسرے مجاہدین نے غار کے منہ سے ملبہ ہٹانا شروع کر دیا۔ اُن کی طرف دیکھ کر بعض دوسرے افراد بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔

اُنہوں نے صبح دس بجے ملبہ ہٹانا شروع کیا' اب ایک بج چکا تھا مگر ابھی تک کسی انسانی جسم کے نشان نہ ملے تھے۔ سب ساتھیوں نے دوپہر کے کھانے اور نماز کے لیے وقفہ کیا۔ کھانا کیا تھا' رات کی روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے تھے جنہیں اُنہوں نے چائے کے قہوے کے ساتھ کھایا۔ نماز کے بعد ملبہ

ہٹانے کا کام دوبارہ شروع کر دیا گیا۔

عصر کا وقت قریب تھا جب بوڑھے نے اُٹھ کر اُونچی آواز میں کہا: ''رُک جاؤ۔ وہ مل گئے۔'' بوڑھے کی آواز سن کر سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بوڑھے نے اُنہیں اشارے سے قریب بلایا اور اُنگلی سے اشارہ کر کے بتانے لگا کہ یہ دیکھو' میری بیٹی گل بانو کا ہاتھ ہے۔ سب نے غور سے دیکھا تو مٹی میں چند اُنگلیاں نظر آ رہی تھیں۔

پھر سب لوگوں نے علی کی ہدایت پر مٹی کو چھوٹی چھوٹی لکڑیوں سے آہستہ آہستہ ہٹانا شروع کیا' تاکہ لاشوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد منظر صاف ہو گیا۔

وہاں ایک بوڑھی عورت' ایک بچی اور ایک بچے کی لاشیں اکڑی ہوئی تھیں۔ سب کے کپڑے بالکل صحیح معلوم ہو رہے تھے۔ عورت نے سر پر چادر اوڑھی ہوئی تھی جیسے اُس نے غار سے باہر کسی آدمی سے پردہ کیا ہوا ہو۔ وہ اپنے بچوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہاتھ اپنے بچوں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے اور اسی حالت میں اکڑ گئے تھے۔ بچی کے سر پر بھی موٹے کپڑے کا دوپٹہ تھا اور بالوں کو افغانستان کے دیہات کے مخصوص انداز میں گوندھا ہوا تھا۔ بچے کے سر پر ٹوپی تھی۔ گردن مٹی کے بوجھ سے نیچے کو تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی۔ دونوں بچوں کے ہاتھ اپنی ماں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ شاید زندگی کے آخری لمحات میں مدد کیلئے وہ ایک دوسرے کی طرف لپکے ہوں اور اسی حالت میں اُن کو موت آ گئی۔

اُنہیں دیکھ کر ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے ٹیلی ویژن پر کسی منظر کو ایکشن میں ساکن کر دیا گیا ہو۔ قریب سے دیکھنے پر بھی اُن کے چہروں پر موت کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ وہ ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے سکتے کی حالت میں ہوں اور ابھی تھوڑی دیر بعد بولنے لگیں گے۔ تین سال گزرنے کے باوجود ابھی تک مٹی نے اُن کے جسموں کو کھایا تھا نہ اُن کے کپڑے گلے سڑے تھے۔ یہ منظر ایک طرف ایمان افروز تھا اور دوسری طرف مظلومیت کی وہ تصویر جسے پتھر دل انسان بھی دیکھ کر رو پڑے۔

بوڑھا زاروقطار رونے لگا اور وہاں کھڑے ہر فرد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھے کے آنسو تھمے تو وہ اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے بتانے لگا کہ ایک دن مولوی صاحب نے جمعے کے خطبہ میں جہاد پر تقریر کی اور لوگوں کو بتایا کہ روسیوں کے خلاف اب جہاد فرض ہو چکا ہے۔ میری اس بیٹی نے بھی یہ بات سنی۔ رات کو مجھ سے پوچھنے لگی: ''بابا! جہاد کیا ہوتا ہے۔'' میں نے اسے بتایا کہ بیٹا اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی حفاظت اور سربلندی اور وطن کی آزادی کے لیے کافروں سے لڑائی کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔

میری بات سن کر اُس نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا: ''بابا! مولوی صاحب نے تو کہا تھا کہ کافروں نے ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور کافر روسی' مسجدیں بھی شہید کر رہے ہیں' پھر آپ اُن سے لڑنے کیوں نہیں جاتے؟''

میں نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا: ''بیٹی! ضرور جاؤں گا۔''

''بابا! مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے نا۔ میں بھی کافروں کے خلاف لڑوں گی۔'' اور پھر میرے جواب سے پہلے ہی بول پڑی۔: ''بابا! اگر میں کافروں سے لڑتی ہوئی ماری گئی تو اللہ مجھ سے خوش ہو جائے گا نا اور مجھے بھی جنت میں جگہ دے گا نا۔'' یہ بتا کر بوڑھا ایک دفعہ پھر رونے لگا۔

بوڑھے کی بیٹی کی باتیں سن کر علی کو بھی اپنی بہن صائمہ بہت یاد آئی اور وہ بھی ایک طرف جا کے سر گھٹنوں پر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ میں اپنی بہن کے خون کے ایک ایک قطرے کا بدلہ لوں گا' مگر یہاں تو ہر طرف روسیوں نے خون کے دریا بہا دیئے ہیں۔ رُوسیوں کے ظلم اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر پوری روسی فوج کو بھی قتل کر دیا جائے تو شاید پھر بھی بدلہ پورا نہ ہو سکے۔ علی نے ایک دفعہ پھر دل ہی دل میں اپنے عہد کو دہرایا کہ اے اللہ' میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک انسانیت کو روسیوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے لڑتا رہوں گا۔

علی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بوڑھے کو تسلی دی' پھر سب نے تینوں شہیدوں کی لاشوں کو قبرستان میں لے جا کر دفنایا اور واپس اُسی جگہ آ کر رات بسر کرنے کا انتظام کرنے لگے۔

صبح ناشتا کرنے کے بعد علی اور اُس کے ساتھی آگے کی طرف روانہ ہونے لگے تو بوڑھے نے اُن سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ میں اگر اور کچھ نہ کر سکا تو آپ لوگوں کا کھانا وغیرہ تیار کر دیا کروں گا۔ علی نے بوڑھے کو بھی ساتھ لے لیا۔

اُنہیں چلتے ہوئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ دُشمن کے چار ہیلی کاپٹر آتے نظر آئے۔ علی نے مجاہدین کو فوراً محفوظ جگہوں میں چھپنے اور پوزیشنیں سنبھالنے کو کہا۔ خچروں کو ایک جھنڈ میں کھڑا کر دیا گیا۔ اتنے میں ہیلی کاپٹروں سے بمباری شروع ہو گئی۔ علی اور اُس کے ساتھیوں کے پاس ایسے کوئی ہتھیار نہیں تھے جن سے وہ ہیلی کاپٹروں کو نشانہ بنا سکتے۔ ہیلی کاپٹر بمباری کر کے گئے تو جیٹ طیارے آ پہنچے۔ طیاروں کی بمباری تباہ کن تھی۔ شاید اس بمباری سے مجاہدین کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا مگر خچر مجاہدین کو بچا گئے۔ جونہی طیارے آئے' خچر درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ طیاروں نے بم خچروں کے اردگرد گرانے شروع کر دیئے۔ دونوں ہی خچر ہلاک ہو گئے۔

ابھی طیارے فضا ہی میں پرواز کر رہے تھے کہ ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ علی نے تمام

مجاہدین سے کہا کہ جلد از جلد پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ تمام مجاہدین جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ کر رینگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ خچر ہلاک ہو چکے تھے اس لیے سامان خورد ونوش بھی مجاہدین کو اُٹھا کر لے جانا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ پر درخت بہت تھے اس لیے مجاہدین طیاروں کی نظر میں آئے بغیر پہاڑ پر چڑھ گئے۔

درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے علی نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا اور آئندہ کے اقدامات کے بارے میں مشورہ مانگا۔

بوڑھے مجاہد کا خیال تھا کہ کل جب ہم غار کا ملبہ ہٹا رہے تھے وہاں کوئی دُشمن کا جاسوس تھا جس نے آپ کی آمد کی اطلاع روسیوں کو کر دی ہے۔ ورنہ یہاں قریب کوئی گاؤں ہے نہ کوئی مجاہدین کا مرکز۔ سب مجاہدین نے بوڑھے کی بات سے اتفاق کیا۔

علی نے مجاہدین سے کہا کہ اگرچہ ہمارے پاس حملہ روکنے اور مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اسلحہ نہیں لیکن جو اسلحہ بھی ہے اس سے ہم آخری دم تک لڑیں گے۔

علی نے دو دو مجاہدین کے گروپ بنا کر پانچ مختلف جگہوں پر اُنہیں بٹھا دیا۔ مجاہدین یا تو پتھروں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے یا پھر اُن گڑھوں میں بیٹھے تھے جو بموں کے پھٹنے سے بن گئے تھے۔

دُشمن کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں پہاڑ کے نیچے وادی میں پہنچ چکی تھیں اور ٹینکوں سے دیکھے اور نشانہ لیے بغیر اردگرد کے پہاڑوں پر گولہ باری ہو رہی تھی۔ کئی گولے مجاہدین کے پیچھے گرے۔

خاصی دیر تک گولہ باری کرنے کے بعد دُشمن کے فوجی بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلے اور دونوں اطراف سے پہاڑوں پر چڑھنے لگے۔ اب مجاہدین کے پاس سوائے مقابلے کے کوئی راستہ نہ تھا۔ مجاہدین کی فائرنگ سے رُوسی درختوں کی اوٹ میں چھپنے لگے اور جو رُوسی سامنے والے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے وہ بھی نیچے کی طرف دوڑے۔

اب مجاہدین کے مورچوں کی نشاندہی ہو چکی تھی اور دُشمن کی ساری فوج بڑی منصوبہ بندی سے پہاڑ پر چڑھ رہی تھی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ بہت تھوڑا تھا۔ روسیوں کو بھی شاید اس کا علم تھا۔ جونہی مجاہدین فائرنگ کرتے وہ یا تو درختوں کی اوٹ میں چھپ جاتے یا پھر بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے ہو جاتے۔ فائرنگ بند ہوتی تو پھر اوپر چڑھنا شروع کر دیتے۔ آہستہ آہستہ مجاہدین کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا۔

رُوسیوں کو یہ تو شاید معلوم تھا کہ مجاہدین کی تعداد تھوڑی ہے مگر چونکہ مجاہدین پانچ مختلف مورچوں سے فائر کر رہے تھے اس لیے اُن کی اصل تعداد کا اندازہ نہ کر پائے تھے۔ اس کے باوجود

روسی افسر نے مجاہدین کو ڈرانے کے لیے میگافون پر اعلان کیا: ''ہمیں علم ہے کہ تم بہت تھوڑی تعداد میں ہو اور تمہارے پاس اسلحہ بھی ختم ہونے والا ہے اس لیے ہتھیار پھینک دو۔ ہم تمہیں آدھ گھنٹے کی مہلت دیتے ہیں''۔ روسی افسر نے یہ ایک چال چلی تھی کہ شاید مجاہدین خوفزدہ ہو کر ہتھیار پھینک دیں۔

علی رینگتا ہوا ہر مجاہد کے پاس گیا۔ سب کے پاس گنتی کی چند گولیاں باقی تھیں۔ اُس نے سب مجاہدین کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کے لیے کہا تا کہ نئی صورتحال کے بارے میں مشورہ کیا جا سکے۔ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے بم کے پھٹنے سے بہت بڑا گڑھا بنا ہوا تھا۔ سب مجاہدین وہاں اکٹھے ہو گئے۔ علی نے سب سے ایک دفعہ پھر پوچھا کہ کیا کیا جائے۔

بوڑھے مجاہد نے کہا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مرنا باعثِ فخر بھی ہے اور آسان بھی۔ گرفتاری کے بعد جیل میں جو تشدد ہو گا اس کا تصور بھی خوفناک ہے اور وہاں کی موت بھی بہت تکلیف دہ ہو گی اس لیے میرا مشورہ ہے کہ جیل کے بجائے یہاں کی موت قبول کی جائے۔ سب مجاہدین نے اس سے اتفاق کیا۔

علی نے مجاہدین سے کہا کہ جن حالات میں ہم گھرے ہیں ہمارے لیے نئے نہیں اور اللہ نے ہمیشہ ہماری مدد کی ہے۔ جب گردیز جیل میں روسی مجھے موت کی طرف لے جا رہے تھے تو اللہ نے گاڑی کو زندگی کی شاہراہ پر ڈال دیا پھر جب ہم غار میں پھنسے تو اللہ نے ہمیں وہاں سے بھی بے بسی کی موت سے بچا لیا۔ اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مجاہدین کو مزید تسلی دینے کے لیے علی نے کہا: ''مجھے یاد آیا کہ میرے دادا جان نے بتایا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین میں شامل تھے کہ ایک جگہ انگریز فوج نے اُنہیں محاصرے میں لے لیا۔ اسلحہ کے ساتھ ساتھ سامان خورد ونوش بھی ختم ہو گیا لیکن مجاہدین نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اللہ سے مدد کے لیے دُعا مانگی۔ دُعا کے تھوڑی دیر بعد زبردست طوفان آیا اور انگریزی فوج پر پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ پتھروں کی اس بارش سے کئی فوجی زخمی ہوئے اور کئی مارے گئے اور باقی خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لیے دوستو! آؤ ہم بھی اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس مشکل سے نکالے۔''

(یہ واقعہ شمالی وزیرستان میں خیسور شریف کے علاقے میں پیش آیا تھا۔)

پھر سب مجاہدین اللہ سے رو رو کر دُعا مانگنے لگے: ''اے اللہ! ہمیں موت کا غم نہیں اس لیے کہ تیرے اپنے ارشاد کے مطابق شہادت سے بہتر کوئی موت نہیں لیکن ہم اس مشکل وقت میں جہاد جاری رکھنے کے لیے تجھ سے مدد کے طلبگار ہیں۔ اے اللہ! تو ہماری اُسی طرح مدد کر جس طرح تو نے

ہمارے بزرگوں کی مدد کی، جس طرح جیل میں مدد کی، جس طرح غار میں مدد کی۔ اے اللہ! دُشمن کو اُسی طرح تباہ کر دے جس طرح تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے تباہ کیا۔ اے اللہ! ہمیں اس مشکل وقت میں استقامت اور صبر عطا فرما۔“

دُعا کے بعد سب مجاہدین نے سکون محسوس کیا۔ علی دوربین لگا کر دُشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اُس کی نظر دُشمن کے ٹینکوں اور گاڑیوں کے قریب دو ان پھٹے بڑے بڑے بموں پر پڑی۔ اُس نے دُوربین عبدالرحمٰن کو دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو وہ بم ہی ہیں نا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہیں تو بم ہی مگر ان سے ہمیں کیا فائدہ؟

”اگر ہم ان کو بلاسٹ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا دُشمن کا پورے کا پورا کانوائے تباہ نہیں ہو جائے گا۔“ علی نے کہا۔

”مگر ہم ان کو بلاسٹ کریں گے کیسے؟ جہاز سے گرنے کے بعد تو وہ پھٹے نہیں، یہاں ہمارے سوچنے سے کیسے پھٹ جائیں گے؟“ عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

علی نے کہا: ”کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔“

یہ کہہ کر علی نے اپنی بندوق سیدھی کی اور بم کا نشانہ لینے لگا ہی تھا کہ نیچے سے پھر میگا فون پر آواز آئی: ”صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ ہم فائر کھول دیں گے۔“

”چند منٹ اور انتظار کر لو۔ میرا اللہ تمہیں دوزخ کے فرشتوں کے حوالے کرنے والا ہے۔“ علی نے پکار کر کہا۔

دُوسرے مجاہدین نے علی کو ٹوکا کہ یہ تم نے کیا کر دیا۔ اب تو دُشمن کو ہماری جگہ کا علم ہو گیا ہے۔ ایک ہی گولہ ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے۔

”میرے ساتھیو! فکر نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ دُشمن کو تباہ کرنے والا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ دونوں ان پھٹے بم دُشمن کے کتنے قریب پڑے ہیں اور اللہ نے ہماری ہی مدد کے لیے انہیں وہاں اس حالت میں رکھا ہے۔“ علی نے مجاہدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

علی نے بات ختم بھی نہیں کی تھی کہ روسیوں کی نیچے سے آواز آئی: ”ہم تمہارے خدا کو مانتے ہیں نہ تمہارے فرشتوں کو۔ اگر تمہارا کوئی خدا کہیں موجود ہے تو آج اُسے بھی بلا لو۔ تمہارے ساتھ ساتھ آج اُسے بھی گرفتار کر کے لے جائیں گے یا پھر اُسے بھی تمہارے ساتھ ہی ختم کر دیں گے۔“

علی کو رُوسیوں کی اس گستاخی پر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے بلند آواز سے رُوسیوں کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا: ”چند لمحوں بعد تم میرے خدا کو بھی مان لو گے اور فرشتوں کو بھی دیکھ لو گے اور تم جو میرے خدا کی شان میں گستاخی کر رہے ہو اُس کی سزا تمہیں ملنے ہی والی ہے۔“

علی نے دل ہی دل میں دُعا کی کہ اے اللہ! میں نے تیرے ہی بھروسے پر شیطان کے پجاریوں کو چیلنج کیا ہے۔ تو ہی میری عزت رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد اُس نے سورۃ الفیل پڑھی اور بم کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ پہلی گولی خطا گئی مگر علی مایوس نہ ہوا۔ اُس نے پھر اللہ سے دُعا کی اور گولی چلا دی مگر دُوسری گولی بھی خطا گئی۔ اُدھر دُشمن نے فائر کھول دیا اور گولے مجاہدین کے اردگرد گرنے لگے۔ علی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تیسری گولی چلائی۔ تیسری گولی ٹھیک نشانے پر لگی مگر بم نہ پھٹا۔ علی کے پاس اب مزید کوئی گولی نہ تھی۔ تیسری گولی کے بے اثر ہو جانے کے بعد بھی وہ مایوس نہ ہوا۔ ساتھی مجاہدین نے کہا کہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ہم میں سے جتنے بھی بچ کر نکل جائیں، اچھا ہے۔ علی نے کہا کہ بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ہمارے سامنے موت ہے یا پھر گرفتاری۔

علی نے عبدالرحمٰن کی کلاشنکوف لی اور بم کو بلاسٹ کرنے کی ایک اور کوشش کرنے لگا۔ ایک دفعہ پھر اُس نے دل ہی دل میں اللہ کو پکارا اور گولی چلا دی۔ گولی نہ صرف نشانے پر لگی بلکہ بم اس زور سے پھٹا کہ کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔ علی نے دُوربین لگا کر دیکھا تو نیچے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک دُھواں اور گردوغبار تھا یا پھر دھماکوں کی زبردست آوازیں تھیں۔ دُشمن کی طرف سے گولہ باری بند ہو چکی تھی۔ ہر مجاہد باری باری دُوربین لگا کر نیچے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گردوغبار ہٹا تو نیچے کا منظر کچھ صاف ہوا۔ دُشمن کے ٹینکوں اور گاڑیوں کا ملبہ بکھرا پڑا تھا اور کئی گاڑیوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ علی نے مشورہ کے بعد نیچے جانے کا فیصلہ کیا۔

حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجاہدین آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع ہوئے۔ نیچے اُتر کر اُنہوں نے مختلف پوزیشنیں سنبھال لیں۔ علی نے ایک جلتی ہوئی گاڑی کی اوٹ سے اعلان کیا کہ جو رُوسی بھی زندہ بچا ہے، ہاتھ اُٹھا کر سامنے آ جائے۔ تھوڑی دیر میں مختلف جگہوں پر چھپے ہوئے کئی رُوسی ہاتھ اُٹھائے باہر آ گئے۔ علی نے آوازیں دے کر مجاہدین کو مختلف پوزیشنوں پر جانے کو کہا۔ عبدالرحمٰن اور درویش خان سے کہا کہ تمام روسیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے جائیں۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو علی نے اردگرد تمام جگہوں کی تلاشی لینے کے لیے کہا۔ چار مجاہدین سے کہا کہ ممکن ہے کچھ رُوسی بچ کر بھاگ گئے ہوں، اُن کا پیچھا کیا جائے مگر زیادہ دور نہ جایا جائے۔ علی نے اُن سے کہا اگر کسی کے پاس گولیاں ختم ہو گئی ہوں تو زخمی رُوسیوں کے بچے ہوئے میگزین اور کلاشنکوفیں لے لی جائیں۔

اسلحہ کسی مجاہد کے پاس بھی نہ تھا، خالی بندوقیں تھیں۔ اگر رُوسیوں کو معلوم ہو جاتا تو وہ کبھی یوں

گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو پیش نہ کرتے۔ سب مجاہدین نے آگے بڑھ کر رُوسیوں سے چھینا ہوا اسلحہ لیا اور بھاگنے والے رُوسیوں کا پیچھا کرنے چلے گئے۔

بم کے پھٹنے کے ساتھ ہی نہ صرف رُوسیوں کی گاڑیوں کو آگ لگی اور ٹینک تباہ ہوئے بلکہ جس گاڑی میں گولہ بارود رکھا ہوا تھا' اُسے بھی آگ لگ گئی اور گولہ بارود بھی سارے کا سارا تباہ ہو گیا۔ کئی رُوسیوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گئیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ساٹھ سے زیادہ رُوسی مارے گئے۔ ایک سو سے زیادہ زخمی حالت میں گرفتار ہوئے جن میں تیس کی حالت نازک تھی۔

علی اور مجاہدین نے بچا ہوا تمام اسلحہ سنبھال لیا۔ اتنی دیر میں دُوسرے مجاہدین بھی دس رُوسیوں کو گرفتار کر کے واپس لے آئے۔ تمام مجاہدین نے اس فتح پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

علی کے سامنے اب مسئلہ یہ تھا کہ یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکلا جائے مگر گرفتار شدہ رُوسیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ مجاہدین سے مشورہ کیا تو عبدالرحمٰن اور بوڑھے مجاہد نے کہا کہ ہم اُنہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے اور نہ اُنہیں چھوڑنا درست ہے' اس لیے سب کو قتل کر دیا جائے۔

''لیکن اسلام میں قیدیوں کے ساتھ ایسے سلوک کی اجازت نہیں۔ ہم مقدمہ چلائے بغیر ان کو سزائے موت کیسے دے سکتے ہیں۔'' علی نے کہا۔

بوڑھا بولا: ''یہ مجاہدین کے ساتھ کوئی کم ظلم تو نہیں کرتے۔ یہ ظالم رُوسی تو مجاہدین کے ہاتھ پاؤں باندھ کر خونخوار کتوں کے آگے زندہ ڈال دیتے ہیں۔''

''اگر ظالم رُوسیوں کی طرح ہم بھی ظلم کرنے لگیں تو پھر اسلام اور کمیونزم میں کیا فرق رہ جائے گا؟ میرے خیال میں' ہم ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُنہیں کھلے میدان میں پھینک جاتے ہیں اور فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اِنہیں بھوک سے تڑپا تڑپا کر مارتا ہے یا پھر اِنہیں نئی زندگی عطا کرتا ہے۔'' علی نے کہا۔ مجاہدین نے معمولی ردوکد کے بعد علی کی بات مان لی۔

علی اور اُس کے ساتھی تمام روسیوں کو کھلی جگہ پھینک کر خود آگے چل پڑے۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ دُشمن کے ہوائی جہاز آ دھمکے۔ علی اور اُس کے ساتھی فوراً اوٹ میں چھپ گئے۔

ہوا یہ کہ دُشمن کے جہازوں نے کھلے میدان میں پڑے ہوئے رُوسی فوجیوں کو مجاہدین سمجھ کر بمباری شروع کر دی۔ اتنی بمباری ہوئی کہ ایک بھی رُوسی زندہ نہ بچ سکا۔

جب جہاز واپس چلے گئے تو علی نے دو مجاہدین کو بھیجا کہ جا کر پتا کر کے آؤ' رُوسیوں کا کیا بنا۔ تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے واپس آ کر بتایا کہ تمام رُوسی مر چکے ہیں اور لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دُور

دُور تک بکھری پڑی ہیں۔ یہ سن کر علی نے کہا: ''اللہ کا انتقام بڑا سخت ہوتا ہے۔ شاید ہم اُنہیں اس اذیت سے نہ مار سکتے جس طرح اُن کے اپنے ساتھیوں نے بمباری کر کے مارا اور وہ سزا اس موت سے ہزاروں گنا زیادہ خوفناک ہوگی جو یہ لوگ اب دوزخ میں جا کر بھگتیں گے۔ وہاں اُنہیں فرشتے بھی نظر آ جائیں گے اور خدا کی طاقت کا بھی اندازہ ہو جائیگا۔''

سب مجاہدین نے ایک دفعہ پھر اللہ کی مدد پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اس واقعے نے نہ صرف مجاہدین کے اللہ تعالیٰ پر یقین کو مستحکم کیا بلکہ اُن کے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو بھی اور بڑھایا۔

مرکز سے چلے ہوئے یہ آٹھواں دن تھا۔ مجاہدین پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ وادی میں سے گزر رہے تھے۔ یہ مجاہدین کے زیرِ قبضہ علاقہ تھا اس لیے بے فکر ہو کر چلے جا رہے تھے کہ پہاڑی کی ایک چھوٹی سی گھاٹی میں درختوں کے گھنے جھنڈ میں سے آواز آئی: ''بھائیو! ٹھہر جاؤ۔'' علی اور اُس کے ساتھیوں نے جو مڑ کر دیکھا تو دو افراد اُنہیں رُکنے کا کہہ رہے تھے۔ علی اور اُس کے ساتھی رک گئے۔

وہ دونوں افراد اُن کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے کمانڈر صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ سوال وجواب کے بعد جب علی کو یقین ہو گیا کہ یہ مجاہدین ہی کے ساتھی ہیں تو وہ اُن کے ساتھ چل پڑے۔

تنگ گھاٹی میں درختوں کی چھاؤں میں بیس کے قریب مجاہدین اپنی چادریں زمین پر بچھائے' کچھ بیٹھے اور کچھ لیٹے' آرام کر رہے تھے۔ اُنہوں نے جونہی علی اور اُس کے ساتھیوں کو دیکھا' سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے علی اور اُس کے ساتھیوں کا گلے مل کر استقبال کیا' پھر باہمی تعارف ہوا۔

مجاہدین کے اس گروپ کے قائم مقام کمانڈر محمود خان نے علی کو بتایا کہ آگے راستہ بند ہے اور اس راستے کی حفاظت کیلئے مجاہدین نے جو مرکز قائم کر رکھا تھا اُس پر کل دُشمن نے قبضہ کر لیا تھا۔

علی نے کہا: ''مگر مرکز پر دُشمن کا اچانک قبضہ کیسے ہو گیا؟ ہمیں راستے میں مجاہدین کا ایک قافلہ ملا تھا جو تین دن پہلے اسی علاقے سے گزر کر گیا ہے۔''

محمود خان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: ''تین دن پہلے یہ مرکز ہمارے قبضے میں تھا اور مجاہدین کے جس قافلے کا آپ نے ذکر کیا ہے' وہ تین دن پہلے صبح ہمارے ہی مرکز سے ناشتا کر کے روانہ ہوا تھا۔ اُن کے جانے کے کئی گھنٹے بعد نمازِ عصر کے وقت اچانک دُشمن کے کئی طیارے آ گئے اور اُنہوں نے تباہ کن بمباری شروع کر دی۔ پہاڑ پر ہماری تین پوسٹیں تھیں اور ایک پوسٹ دُوسری طرف نیچے اَمن کوہ میں تھی جس میں ہمارے کمانڈر صاحب رہتے تھے۔ ایک سو مجاہدین اس مرکز پر موجود تھے' پچیس نیچے اور پچھتر پہاڑ کے اُوپر۔

''پہاڑ پر اولوں کی طرح رُوسیوں کے بم گر رہے تھے۔ ہماری طرف سے تین طیارہ شکن توپیں

بھی بارود اُگل رہی تھیں۔ جہاز اُونچائی پر تھے پھر بھی ہم نے جلد ہی ایک طیارہ گرا لیا۔ طیارے گئے تو ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے جو تباہ کن شیلنگ کرنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم نے دُشمن کے تین ہیلی کاپٹر گرا لیے۔ ہمارے کئی مجاہدین شہید اور زخمی ہو چکے تھے۔ بموں اور راکٹوں کی بارش میں بھی ڈٹے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

''دھماکے سے پھٹنے والے بموں کی بارش تو رُک گئی مگر دُشمن نے آخری دفعہ ایسے بم پھینکے ہمارے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ میں نے پہاڑ کے دامن میں واقع پوسٹ پر اپنے کمانڈر شیر دل خان سے رابطہ کیا اور اُنہیں تمام صورتِ حال بتائی۔ اُنہوں نے فوراً پسپائی کا حکم دیا۔ زہریلی گیس کے بموں سے بے شمار مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔

''ہم نے زخمیوں کو سنبھالا اور اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔ ابھی ہم پہاڑ کی نصف اترائی تک آئے تھے کہ دُشمن کے ہیلی کاپٹروں کی آواز پھر سنائی دی۔ اُنہوں نے کوئی بمباری نہ کی۔ میرا خیال ہے کہ ان ہیلی کاپٹروں سے کمانڈوز اتارے گئے۔ ہم پچیس مجاہدین کے علاوہ صرف دس زخمی بچے اور یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ زخمیوں کو ہم نے پانچ مجاہدین کے ساتھ پیچھے ہیڈ کوارٹر بھیج دیا ہے اور ہم پچھلے دو دن سے بغیر کچھ کھائے پڑے ہیں۔ ہم انتظار کر رہے تھے کہ ہمارے مرکز سے کب مدد آتی ہے۔''

کمانڈر محمود خان نے بات ختم کی تو علی نے پوچھا: ''کمانڈر شیر دل خان اور اُن کے ساتھی مجاہدین کا کیا بنا؟''

''کچھ معلوم نہیں'' محمود خان نے بتایا۔

علی نے کمانڈر محمود خان سے کہا کہ پہلے ہم آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں' باقی باتیں پھر ہوں گی۔ علی کے پاس سامان خورد و نوش کافی مقدار میں موجود تھا۔

سب مجاہدین نے مل کر کھانا تیار کیا۔ کھانا کھا چکے تو علی نے محمود خان سے پوچھا کہ اب بتائیں پہاڑ کے دُوسری طرف مجاہدین کے کتنے مورچے تھے اور اُن کے پاس کیسے ہتھیار تھے۔

محمود خان نے بتایا کہ کمانڈر شیر دل سمیت پچیس مجاہدین وہاں موجود تھے۔ دو غار پہاڑ کے اندر کھودے گئے تھے۔ ایک خیمہ بھی تھا۔ کلاشنکوفوں کے علاوہ صرف ایک مارٹر توپ اور ایک راکٹ لانچر مجاہدین کے پاس تھا۔

علی نے مزید پوچھا کہ ہیڈ کوارٹر سے امداد کب تک پہنچے گی تو محمود خان نے بتایا کہ اب تک امداد آ جانی چاہیے تھی۔ معلوم نہیں دیر کیوں ہو رہی ہے۔

علی خاصی دیر سوچتا رہا پھر بولا: ''آپ کو یہاں فارغ نہیں بیٹھنا چاہیے اور دُشمن سے مرکز واپس لینے کا پروگرام بنانا چاہیے۔ ممکن ہے ہیڈ کوارٹر میں ادھر آنے کے لیے مجاہدین ہی نہ ہوں۔ اگر آپ نے جوابی حملہ کرنے میں دیر کی تو دُشمن کو پہاڑ پر مضبوط مورچے بنانے کے لیے وقت مل جائے گا اور پھر اُس پر مجاہدین کا دوبارہ قبضہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ ممکن ہے شام تک آپ کے لیے ہیڈ کوارٹر سے بھی مدد آ جائے۔ اتنی دیر میں آپ کو حملہ کرنے کی منصوبہ بندی مکمل کر لینی چاہیے۔ میرے تمام ساتھی بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔''

تمام مجاہدین نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے علی کو اس حملے کے لیے اپنا کمانڈر تسلیم کر لیا۔ علی نے عبدالرحمٰن' محمود خان اور دُوسرے دو مجاہدین کو اپنے ساتھ لیا اور دُشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ لینے چل پڑا۔ وہ رینگتے ہوئے اور درختوں میں چھپتے ہوئے دُشمن کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک اُونچی جگہ درختوں کے جھنڈ میں وہ رُک کر حالات کا جائزہ لینے لگے۔ علی نے دُوربین لگا کر دیکھا۔ پہاڑ کے اُوپر دُشمن نے پانچ چوکیاں قائم کر لی تھیں۔ علی نے دُشمن کی پوزیشنوں کا ایک کاغذ پر نقشہ بنایا اور ذہن میں اُٹھنے والے سوالات محمود خان سے پوچھے کیونکہ وہی اس علاقے کو صحیح طور پر جانتا تھا۔ جب پہاڑ کا جائزہ مکمل ہو گیا تو علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کے دُوسری طرف کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ اُنہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ پہاڑ پر دُشمن کے فوجی مسلسل گشت کر رہے تھے۔ بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے پہاڑ کے دُوسری طرف کا مکمل جائزہ لے سکتے تھے۔

علی نے دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں کئی خیمے لگے ہوئے ہیں اور بے شمار گاڑیاں اور ٹینک کھڑے ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ دُشمن نے یہاں بھی قبضہ کر لیا ہے۔ شیر دل خان اور اُس کے ساتھی یا تو گرفتار کر لیے گئے ہیں یا پھر لڑتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں۔ علی نے اس جگہ کا نقشہ محمود خان کے مشورہ سے مکمل کیا اور پھر وہ واپس آ گئے۔

علی' عبدالرحمٰن اور محمود خان اپنے سامنے نقشہ پھیلائے تمام صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ غور و خوض کے بعد علی نے کہا: ''اگر ہمیں ہیڈ کوارٹر سے مدد مل جائے تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا لیکن اگر کسی وجہ سے ہیڈ کوارٹر سے مدد نہیں مل پاتی تو پھر بھی حملہ آج رات ہی ہونا چاہیے کیونکہ دُشمن اپنے مورچے مضبوط کرنے میں مصروف ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مورچوں کو مضبوط اور محفوظ بنا لے ہمیں حملہ کر کے اُن پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ دُشمن کے فوجیوں کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ ہماری تعداد بہت قلیل ہے مگر اس کے باوجود میرے خیال میں دُشمن کو شکست دی جا سکتی ہے۔''

محمود خان، علی کی بات سے اتفاق نہیں کر رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ حملے کے لیے کم از کم دو سو مجاہدین ہونے چاہئیں اور ہماری تعداد صرف اکتیس ہے، اس لیے ہمیں ہیڈ کوارٹر سے آنے والے مجاہدین کا انتظار کرنا چاہیے۔ علی اور عبدالرحمٰن کے دلائل ایسے تھے کہ محمود خان کو اُن کی بات ماننا پڑی۔ علی نے محمود خان سے کہا کہ شام تک زیادہ سے زیادہ ٹائر، پھٹے پرانے کپڑے اور مٹی کا تیل اکٹھا کر لیا جائے۔

شام تک یہ سارا سامان اکٹھا ہو چکا تھا۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ وہ نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد فوراً سو جائیں کیونکہ حملہ سحری کے وقت کیا جائے گا۔ اُس وقت دُشمن کی زیادہ تعداد سوئی ہوئی ہو گی اور اگر ہم پہرے داروں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کام آسان ہو جائے گا۔

سب مجاہدین سو چکے تھے، مگر علی، عبدالرحمٰن اور محمود خان جاگ رہے تھے اور حملہ کرنے کے بعد پیش آنے والی ہر ممکنہ صورت پر بحث کر رہے تھے۔ علی نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم کسی طرح آج کسی پہرے دار کو اغوا کر لیں تو اُس سے نہ صرف ہمیں دُشمن کے بارے میں مزید معلومات مل جائیں گی بلکہ آج کے ”شب نام اور جواب شب نام“ کا بھی پتا چل جائے گا، جن کے حوالے سے ہم دُشمن کے مورچوں میں بآسانی داخل ہو جائیں گے۔

(شب نام یعنی رات کے نام اور جواب شب نام خفیہ کوڈ/ پیغام ہوتے ہیں جو ہر رات بدل دیے جاتے ہیں تاکہ دُشمن اگر کسی طرح بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں مرکز میں گھسنے کی کوشش کرے تو پہرے دار اُسے آسانی سے پکڑ سکیں کیونکہ شب نام اور جواب شب نام کا پتا صرف اپنے آدمیوں کو ہوتا ہے تاکہ اگر وہ کسی ضرورت کے تحت رات کو مورچے سے باہر نکلیں تو پہرے دار کو اپنی شناخت کرا سکیں۔)

”کسی پہرے دار کو اغوا کرنا زیادہ مشکل تو نہیں مگر اس سے دُشمن قبل از وقت چوکنا بھی ہو سکتا ہے۔“ محمود نے کہا۔

”لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چند مجاہدین ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے چلے جائیں اور کسی پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کریں۔“ علی نے متبادل تجویز پیش کی۔

محمود خان بولا: ”یہ تجویز قابلِ غور ہے۔ سحری کے وقت پہرے دار ویسے بھی اتنے چوکنے نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں شمال کی جانب والے پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کی جائے جو ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے اور اُس کے اگلی طرف کوئی چوکی بھی نہیں ہے جہاں سے فوری طور پر کوئی اس کی مدد کو پہنچ سکے۔

جب تمام باتوں پر اتفاق ہو گیا تو علی، عبدالرحمٰن اور محمود خان بھی سو گئے۔ رات کے تین بجے

سب مجاہدین کو جگا دیا گیا۔ علی نے سب مجاہدین سے کہا کہ وہ وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کریں اور اللہ سے مدد کی خصوصی دُعا مانگیں۔

نمازِ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد علی نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا اور اُن سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”دوستو! ہم تھوڑی دیر بعد دُشمن سے اپنا مرکز واپس لینے کے لیے حملہ کرنے والے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دُشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ جدید اسلحے سے لیس ہے لیکن دوستو! اللہ نے اکثر قلیل گروہ کے ہاتھوں کثیر تعداد رکھنے والے گروہ کو شکست سے دوچار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فتح و شکست کا انحصار اسلحہ اور افراد کی تعداد پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فتح صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے“۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: ”اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں ذلیل کرے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے“۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”غم نہ کھاؤ اور پریشان نہ ہو، تم ہی سربلند رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔“

”دوستو! ہم خالص اللہ کے لیے یہ جہاد کر رہے ہیں اور ہم میں سے کسی کے دل میں رتی برابر بھی مالِ غنیمت کا لالچ نہیں۔ اس لیے اللہ یقیناً ہماری مدد کرے گا اور ہماری مدد کے لیے آسمانوں سے اُسی طرح فرشتے بھیجے گا جس طرح پہلے مجاہدین کی مدد کے لیے بھیجتا رہا ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ اللہ کی مدد اسی صورت میں آئے گی اگر تم لوگ ثابت قدم رہے۔“

اس کے بعد علی نے دعا کی: ”اے اللہ! تو مجاہدین کو ان کے مقاصد میں کامیابی عطا فرما۔ تو ان کا حامی اور مددگار بن اور مجاہدین کے دشمنوں کی چالوں کو انہی کی طرف الٹا دے اور ان کو ذلیل و رسوا کر۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ان کا تیرے سوا کوئی نہیں تو تو ہی ان کے لئے کافی ہو جا اور اپنا وعدہ پورا کر جو قرآن مجید میں ان کے ساتھ کیا ہے کہ ”مومنین کی مدد ہم یقیناً کریں گے۔“

دُعا کے بعد علی نے مجاہدین کے چھ گروپ بنائے۔ پہلے گروپ میں دس مجاہدین رکھے۔ اُن کے ذمہ پہاڑ کے دامن میں جا کر پوزیشنیں سنبھالنا تھیں۔ اُنہیں ٹائروں کے گرد کپڑے لپیٹ کر اور تیل میں بھگو کر اشارہ ملتے ہی فوراً پہاڑ پر پہنچانا تھا۔

باقی مجاہدین کو چار چار کے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر گروہ کا ایک امیر مقرر کیا گیا۔ نقشے کی مدد سے دُشمن کی تمام پوزیشنیں سمجھانے کے بعد علی نے کہا کہ چار کے گروپ میں سے دو مجاہد دائیں ہاتھ فائرنگ کریں گے اور دو بائیں ہاتھ۔ اس طرح ہر چوکی پر دو طرف سے حملہ ہو گا اور ہر گروہ دو دو میں تقسیم ہو جائے گا اور دو افراد کا ہر گروہ دوسرے دو مجاہدین سے مل کر دوبارہ چار کا گروہ بن جائے گا۔

اس طرح دُشمن ہماری تعداد کا اندازہ نہ لگا پائے گا۔ تھوڑے ہونے کے باوجود ہمیں دُشمن کثیر سمجھے گا۔ ان ہدایات کے بعد سب مجاہدین نے اپنا اپنا سامان لیا اور حملہ کرنے چل پڑے۔

پہاڑ کے دامن میں جا کر علی نے تمام مجاہدین کو بٹھا لیا اور محمود خان کے گروپ کو بھیجا کہ وہ پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کرے' اگر وہ ناکام ہو جائے تو وہیں سے مخصوص پرندے کی آواز میں آگاہ کر دے تا کہ ہم حملہ شروع کر دیں۔

محمود خان اپنے گروہ کو لے کر چلا گیا اور علی مجاہدین کو ایک دفعہ پھر اُن کی پوزیشنیں سمجھانے لگا۔

پون گھنٹے بعد محمود خان اور اُس کے ساتھی واپس آ گئے۔ محمود خان نے بتایا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب لوٹے ہیں۔ پہرے دار کو اغوا کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے بعد ٹھکانے لگا دیا ہے۔ پہریدار کی معلومات کے مطابق دُشمن کی تعداد پہاڑ کے اُوپر سو سے کم ہے اور پہاڑ کے دُوسری طرف بھی ساٹھ سے زیادہ نہیں۔ پہرے دار نے آج کے شب نام کچھ اس طرح بتائے ہیں: ''پہرے دار کسی دُوسرے فرد کو دیکھ کر 'دریش' کہے گا جس کا مطلب ہو گا' رُک جاؤ۔ اس کے بعد وہ پوچھے گا:

''شب نام'' آنے والا فرد شب نام کے جواب میں ''مورس'' بولے گا اور پہرے دار سے جواب شب نام پوچھے گا۔ آج کا جواب شب نام ''کلاشنکوف'' ہے۔ پہاڑ کے اوپر زیادہ تر افغان فوجی ہیں جبکہ پہاڑ کی دُوسری طرف نیچے زیادہ تر رُوسی ہیں۔ شیر دل خان کے ساتھی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں اور زندہ بچنے والوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ گرفتار اور شہید ہونے والوں کی صحیح تعداد پہرے دار کو بھی معلوم نہ تھی۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ مجاہدین کے ہاتھوں رُوسی بھی خاصی تعداد میں مرے ہیں۔

علی نے سب مجاہدین سے کہا کہ شب نام اور جواب شب نام اچھی طرح یاد کر لو۔ ہتھیار کسی صورت نیچے نہیں پھینکنے اور کلاشنکوف کو ان لاک رکھنا ہے۔ جب پہرے دار 'دریش' کہے گا تو آپ کلاشنکوف نیچے کر لیں گے مگر زمین پر نہیں رکھیں گے تا کہ بوقت ضرورت چلانے کے لیے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہو۔ سب سے پہلے پہریدار کو خنجر سے اس طرح ٹھکانے لگائیں کہ کوئی چیخ نہ نکلے اور شور نہ ہو تا کہ سوئے ہوئے بیدار نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آرام گاہوں میں گھس کر اسلحہ پر قبضہ کر لیں اور بعد میں سب کو بھون ڈالیں۔ اب آگے بڑھنے کے لیے دو اطراف میں فائرنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالفرض پہرے دار کی دی ہوئی معلومات غلط نکلیں تو بھی کام اس قدر صفائی سے ہونا چاہیے کہ دُشمن کو ہمارے حملے کا اُس وقت پتا چلے جب موت اُس کی شہ رگ تک پہنچ چکی ہو۔

ٹائروں والے مجاہدین سے علی نے کہا کہ جونہی میری طرف سے سیٹی کی آواز آئے' ٹائر فوراً

لے کر اوپر آ جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنا آپریشن زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں مکمل کر لیں گے۔ اتنی دیر میں تم لوگ' ٹائروں کے اُوپر کپڑے لپیٹ کر اُنہیں مٹی کے تیل میں بھگو لینا۔

علی کی ہدایات جونہی ختم ہوئیں تمام گروہ اپنے اپنے نشانے کی طرف چل پڑے۔ پہرے دار کی بتائی ہوئی معلومات درست تھیں' اس لیے پہرے پر موجود افراد کو ٹھکانے لگانے میں دیر نہ لگی۔ مجاہدین دُشمن کی آرام گاہوں میں اس تیزی سے داخل ہوئے کہ دُشمن سنبھلتا تو کیا' اکثر فوجی نیند کی حالت ہی میں گولیاں کھا کر موت کی نیند سو گئے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام پوسٹوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا اور بہت زیادہ اسلحہ ہاتھ آیا۔

علی نے سیٹی بجا کر ٹائروں والے مجاہدین کو اُوپر آنے کی ہدایت دینے کے بعد سب کو مختلف جگہوں پر ہوشیار کر دیا تا کہ کسی طرف سے بھی اگر دُشمن حملہ آور ہو تو اُسے منہ کی کھانا پڑے۔ سب سے زیادہ خطرہ نیچے سے تھا جہاں رُوسی تعینات تھے۔ علی مسلسل نیچے نظر رکھے ہوئے تھا مگر حیرت انگیز طور پر اُدھر ابھی تک کسی قسم کی ہلچل نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اُنہوں نے گولیاں چلنے کی آواز نہ سنی ہو۔

تھوڑی دیر بعد نیچے سے مجاہدین ٹائر لے کر پہنچ گئے۔ کل بیس ٹائر تھے۔ پہاڑ پر درخت تھے اس لیے سب ٹائروں کا نیچے تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ اگر آدھے بھی پہنچ جاتے تو کام بن سکتا تھا۔ علی نے اللہ سے دُعا کی: ''اے اللہ! جس طرح تو نے پہلے ان ٹائروں کے ذریعے دُشمن کا ایک کانوائے تباہ کیا تھا' آج بھی تو دُشمن کے اس کانوائے کو ان ٹائروں سے تباہ کر دے۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں۔ ہتھیار بھی ہمارے پاس ناقص ہیں' لیکن تیرے بھروسے پر ہم نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے ہماری کامیابی تیری مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ یا اللہ! پہاڑ پر بہت زیادہ درخت اور جھاڑیاں ہیں لیکن تو آگ لگے ٹائروں کو تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود دُشمن کے خیموں اور گاڑیوں تک پہنچا سکتا ہے۔''

دُعا کے بعد علی اور دُوسرے مجاہدین نے آگ لگا کر ٹائروں کو نیچے پھینکنا شروع کر دیا۔ کچھ ٹائر تو راستے میں جھاڑیوں اور درختوں میں پھنس گئے جب کہ زیادہ تر ٹائر دُشمن کے خیموں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دُشمن کے خیمے اور گاڑیاں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں۔

نیچے ہر طرف تباہی مچی ہوئی تھی اور اُوپر پہاڑ پر ایک مجاہد صبح کی اذان دے رہا تھا۔ مجاہدین نے بغیر کسی نقصان کے پہاڑ پر قبضہ کر لیا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد مجاہدین نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے

انہیں اتنی آسانی سے اس فتح سے نوازا۔ دُشمن کی آرام گاہوں سے خاصی مقدار میں سامان خوردونوش بھی ملا۔ نماز کے بعد علی نے تمام مجاہدین سے کہا کہ آپ لوگ ناشتہ کر کے تھوڑی دیر کے لیے آرام کریں۔ نیچے ہم تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد چلیں گے۔ علی نے کچھ مجاہدین کو مختلف جگہوں پر پہرے کیلئے بیٹھادیا۔

سورج خاصا اُوپر چڑھ آیا تھا۔ علی سب مجاہدین کو اپنے پاس بلا کر نیچے جانے کے لیے ہدایات دے رہا تھا کہ اچانک دُشمن کے طیارے آدھمکے اور بمباری شروع کر دی۔ محمود خان نے علی کو بتایا کہ دائیں طرف دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غار ہے، وہاں جا کر پناہ لی جائے، چنانچہ مجاہدین پتھروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے غار کے اندر پہنچ گئے۔ دو مجاہد بمباری سے زخمی بھی ہو گئے تھے۔

رُوسی جہاز بمباری کر کے واپس چلے گئے۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ دُشمن کے فوجیوں کی لاشوں کو ایسی پوزیشنوں میں رکھو کہ دُشمن اُنہیں مجاہدین سمجھ کر اُن پر بمباری کرتا رہے۔ مجاہدین نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر بعد رُوسی جہاز ایک دفعہ پھر بمباری کرنے آ گئے۔ دس بج چکے تھے مگر جہاز ابھی تک مسلسل بمباری کر رہے تھے۔ مجاہدین غار میں محفوظ تھے۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہیلی کاپٹر بہت نیچی پرواز کرتے ہوئے شیلنگ کرنے لگے۔ وہ اتنی نیچے پرواز کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے راکٹ لانچر سے نشانہ لے کر ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔

(راکٹ لانچر بنیادی طور پر ایک ٹینک شکن ہتھیار ہے اور اس کی مار پانچ سو میٹر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مجاہدین نے شروع شروع میں طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو ڈرانے کے لیے اس ہتھیار کا استعمال شروع کیا، کیونکہ اس سے نکلنے والا راکٹ فضا میں میزائل کی طرح نظر آتا ہے لیکن اللہ نے اُسے ہیلی کاپٹروں کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار بنادیا۔)

رُوسی ہیلی کاپٹروں نے غار کے منہ کے سامنے کئی بم پھینکے۔ یہ بم کیا تھے، بس دُھواں ہی دُھواں تھا جو غار کے اندر گھس آیا تھا۔ جونہی زہریلا دُھواں اندر داخل ہوا، کئی مجاہد زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

عبدالرحمٰن فوراً زمین پر لیٹ گیا اور اُس نے مجاہدین سے کہا: ”فوراً زمین پر لیٹ جاؤ۔ اپنا منہ اور ناک زمین کے قریب رکھو، یہ انتہائی زہریلی گیس ہے۔ جو مجاہد ذرہ بھر اُوپر اُٹھے گا، وہ لمحوں میں شہید ہو جائے گا۔“

اس دوران میں زہریلی گیس سے دو مجاہد شہید ہو گئے۔ اُن میں وہ بوڑھا مجاہد بھی تھا جو راستے میں علی سے ملا تھا۔

علی نے لیٹے لیٹے عبدالرحمٰن سے کہا کہ ہمیں غار کے منہ پر جا کر لیٹنا چاہیے تا کہ باہر دُشمن پر نظر

رکھ سکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دُشمن اپنے کمانڈوز اُتار دے اور وہ ہمیں اچانک آ دبوچیں۔ عبدالرحمٰن نے علی سے اتفاق کیا، چنانچہ وہ دونوں اور چار اور مجاہد رینگتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے۔

علی کا شک درست نکلا۔ علی نے نظریں اُٹھا کر غار کے باہر جھانکا تو دُشمن کا ایک ہیلی کاپٹر کمانڈوز اُتار رہا تھا۔ علی نے دُوسرے ساتھیوں کو بتایا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہیلی کاپٹر کو جا لینے دیں۔ کمانڈوز جونہی غار کی طرف آئیں تو سب ایک ساتھ کلاشنکوفیں چلائیں۔ دُشمن کو یقین ہے کہ گیس سے سب مجاہدین موت کی نیند سو چکے ہوں گے۔

محمود خان نے بتایا کہ پہلے بھی ایسی ہی گیس ہم پر پھینکی گئی تھی اور اُس گیس نے دیکھتے ہی دیکھتے کئی مجاہدین کو شہید کر دیا تھا اور ہم جو بچنے میں کامیاب ہوئے، وہ بھی اللہ کی مدد تھی کہ ہوا مخالف سمت میں چل رہی تھی لیکن اس کے باوجود گیس نے ہمیں بہت پریشان کیا اور اب تو یہ غار کے اندر بھری پڑی ہے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ گیس زمین سے ایک فٹ اُوپر اثر کرتی ہے۔ آدمی نیچے کی طرف منہ کر کے لیٹا رہے تو اُسے کچھ نہیں ہوتا، لیکن جونہی وہ کھڑا ہو گا، یہ لمحوں میں اُسے مار ڈالے گی۔

علی دُوربین لگائے کمانڈوز کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ وہ ہیلمٹ اور گیس ماسک پہنے ہوئے تھے۔ اُن کی تعداد سولہ تھی۔ وہ سیدھے غار کی طرف چلے آ رہے تھے۔ جونہی وہ قریب آئے، علی اور دُوسرے مجاہدین کی کلاشنکوفوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یا تو وہ مر گئے یا زخمی ہو کر نیچے گر پڑے۔

علی نے دُوربین عبدالرحمٰن کو دیتے ہوئے کہا کہ مجاہدین اور زخمی کمانڈوز پر نظر رکھو، میں اور دُوسرے دو مجاہد رینگتے ہوئے جاتے ہیں اور اُن کے ہیلمٹ اور گیس ماسک اُتار کر لے آتے ہیں۔ اگر کوئی زخمی کمانڈو ہم پر گولی چلانے کی کوشش کرے تو اُس کے گولی چلانے سے پہلے ہی تم اُس پر گولی چلا دینا۔

علی، محمود خان اور ایک اور مجاہد منہ زمین سے لگائے ہوئے کمانڈوز کی طرف رینگنے لگے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے بعد وہ آنکھیں اُٹھا کر دیکھ لیتے۔ کمانڈوز کے پاس پہنچنے کے بعد مجاہدین نے لیٹے لیٹے ہی اُن کے گیس ماسک اُتارے اور خود پہن لیے۔ گیس ماسک پہننے کے بعد علی نے اُٹھ کر اردگرد کا جائزہ لیا اور باقی کمانڈوز کے ہیلمٹ اور گیس ماسک بھی اُتار لیے۔ اس کے ساتھ ہی دُشمن کے زخمی کمانڈوز بھی لمحوں میں موت کی وادی میں پہنچ گئے۔

بارہ گیس ماسک صحیح حالت میں مل گئے تھے جو علی نے مجاہدین کو پہنا دیئے۔ اُس نے باقی مجاہدین کو لیٹے رہنے کی ہدایت کی اور اُن بارہ مجاہدین کو لے کر باہر آ گیا۔ وہ چھ چھ کے گروپوں میں مختلف جگہوں پر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

علی اور اُس کے ساتھیوں کو جھاڑیوں میں بیٹھے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اکٹھے چار ہیلی کاپٹر آ گئے اور اُن سے کمانڈوز اُترنے لگے۔ مجاہدین نے دونوں طرف سے رُوسی ہیلی کاپٹروں پر راکٹ لانچر سے حملہ کیا اور کمانڈوز پر کلاشنکوفوں سے آگ برسنے لگی۔ دو ہیلی کاپٹر تباہ ہوئے اور دو واپس جانے میں کامیاب ہو گئے۔ کمانڈوز میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ خاصی تعداد مین زخمی ہوئے اور باقی نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

علی پانچ مجاہدین کو ساتھ لیے آگے بڑھا اور مردہ کمانڈوز کے گیس ماسک اور ہیلمٹ اُتار کر غار کے اندر مجاہدین کے پاس بھیجے۔ سب مجاہدین گیس ماسک پہن کر باہر آ گئے اور باقی کمانڈوز کے بھی گیس ماسک اُتارنے لگے۔ زندہ کمانڈوز ہاتھ جوڑنے لگے مگر علی نے کہا کہ تم لوگوں پر رحم کھانا باؤلے کتوں کو زندہ چھوڑنے کے برابر ہے۔ تم لوگ انتہائی کمینے دُشمن ہو‘ مجاہدین کو بے بس کر کے مارتے ہو اور ساتھ قہقہے لگاتے ہو۔ یہ گیس کے بم ہم نے نہیں پھینکے‘ تم ہی لوگوں کے پھینکے ہوئے ہیں۔ گیس ماسک اُترنے کے بعد وہ زمین پر لیٹنے لگے تو علی نے مجاہدین سے کہا کہ اُنہیں کھڑے رکھو تا کہ اُنہیں بھی پتا چلے کہ دوسرے انسان گیس سے کس طرح مرتے ہیں۔

چند منٹوں میں سارے کمانڈوز خون کی اُلٹیاں کرتے کرتے ہلاک ہو گئے۔ کمانڈوز کی وردیاں اتار لی گئیں اور اسلحہ اکٹھا کر کے غار کے اندر رکھ دیا گیا۔

علی مجاہدین کو غار سے کافی دور ایک جگہ لے گیا۔ یہاں درخت خاصے گھنے تھے۔ علی نے لیٹ کر ماسک اُتارا اور آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھ کر گیس کو سونگھنے لگا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ اس جگہ گیس نہیں ہے تو اُس نے ماسک اُتار دیا۔ اُس کی دیکھا دیکھی دُوسرے مجاہدین نے بھی ماسک اتار دیئے۔

علی نے مجاہدین سے کہا: ”میرا خیال ہے کہ دُشمن مزید کمانڈوز یہاں بھیجنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ہوائی جہازوں سے بمباری کر سکتا ہے۔ گیس ماسکوں نے زہریلی گیس کے بم بھی ہمارے لیے ناکارہ بنا دیئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دس مجاہدین اوپر رہیں تا کہ اگر ہیلی کاپٹر کمانڈوز لے کر آئیں تو اُنہیں اُترتے ہی ختم کر سکیں۔ باقی مجاہدین نیچے چلیں۔“

نیچے جانے کے لیے علی نے اٹھارہ مجاہدین کو تین مختلف گروپوں میں تقسیم کیا اور اُنہیں مختلف راستوں سے نیچے جانے کی ہدایت کی تا کہ اگر ایک گروپ کسی وجہ سے دُشمن کے گھیرے میں آ جائے تو باقی اُس کی مدد کر سکیں۔

مجاہدین جب نیچے پہنچے تو رُوسیوں کو مقابلے کے لیے تیار پایا۔ علی کی منصوبہ بندی ایسی تھی کہ رُوسی فوجی مجاہدین کی تعداد کا اندازہ نہ لگا سکے۔ مجاہدین کے تین گروپ تین مختلف جگہوں اور سمتوں

سے رُوسیوں پر فائرنگ کرتے ہوئے اور درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ رُوسی آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف پسپا ہونے لگے۔ علی نے عبدالرحمٰن کو مجاہدین کے دُوسرے گروپوں کے پاس بھیجا کہ اُنہیں جا کر بتادو کہ میں دُشمن کی پسپائی کا راستہ بند کرنے پہاڑ کی دُوسری طرف چکر کاٹ کر جا رہا ہوں‘ تم دُشمن پر اپنا دباؤ مزید بڑھا دو۔

علی اور اُس کے ساتھیوں نے اُس راستے پر قبضہ کر لیا جدھر سے رُوسی بھاگ کر جا سکتے تھے۔ پسپا ہوتے ہوئے رُوسی جب اس جگہ پہنچے تو علی نے فائر کھول دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رُوسیوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ علی نے اُن کے ہاتھ پشت پر بندھوانے کے بعد محمود خان اور عبدالرحمٰن کو لڑائی بند کرنے کا اشارہ دیا۔

سب مجاہدین نیچے پہنچ گئے تھے۔ ابتدائی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ رُوسیوں کا ایک دستہ گرفتار مجاہدین کو لے کر دُوسرے راستے سے نکل گیا ہے۔ علی نے محمود خان سے کہا کہ مجاہدین کو لے جاؤ اور رُوسیوں کے اس دستے کو گرفتار کرنے اور گرفتار مجاہدین کو چھڑانے کی کوشش کرو۔

گرفتار رُوسیوں کی تعداد اٹھارہ تھی۔ علی نے اُنہیں غار کے اندر بند کر دیا اور ایک مسلح مجاہد کو اُن پر پہرے پر بٹھا دیا۔

علی مجاہدین کو لے کر دُوسرے غار میں داخل ہوا۔ جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ غار کے اندر بارودی سرنگیں نہیں ہیں تو غار کے اندر بیٹھ کر مجاہدین سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔

ابھی علی اور مجاہدین آپس میں صلاح مشورہ کر ہی رہے تھے کہ محمود خان گرفتار مجاہدین کو چھڑا کر لے آیا۔ اُس نے بتایا کہ رُوسی بھاگ گئے اور ہم اُنہیں گرفتار نہیں کر سکے۔

کمانڈر شیر دل خان زخمی تھا۔ اس کے علاوہ پانچ مجاہد اور زخمی تھے اور لڑائی کرتے ہوئے پندرہ مجاہد شہید ہو گئے تھے۔ زخمی مجاہدین کی فوراً مرہم پٹی کر دی گئی۔

شیر دل خان نے بتایا ”دُشمن نے ہم پر اس قدر اچانک حملہ کیا کہ ہم اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ محمود خان کو پیچھے ہٹ جانے کی اجازت دینے کے بعد خود ہم بھی یہاں سے باہر نکلنے کا سوچ رہے تھے کہ ہم تین طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ دو طرف سے کمانڈوز پہاڑوں پر اُتر کر ہمیں گھیرے میں لے رہے تھے اور تیسری طرف سے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں‘ مجاہدین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا‘ مگر ہمارے پاس اسلحہ بہت تھوڑا تھا جو جلد ہی ختم ہو گیا اور ہم گرفتار کر لیے گئے۔

”میرا خیال تھا کہ محمود خان جوابی حملہ جلد ہی کر دے گا مگر دو دن تک جب حملہ نہ ہوا تو ہم مایوس ہو گئے۔ آج صبح جب گولیوں کی آوازیں سنی تو دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ جب آپ لوگوں نے تین اطراف

سے حملہ کر دیا تو رُوسی ہمیں یہاں سے نکال کر لے گئے مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ محمود خان مدد کو پہنچ گیا۔"

"رُوسی پہاڑ پر اپنے ساتھیوں کی مدد کو کیوں نہ پہنچے؟" علی نے پوچھا تو شیر دل خان نے بتایا:

"پہاڑ کے اُوپر ایک تو زیادہ تر افغانی کمیونسٹ تھے' دوسرے اُوپر جا کر مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ اُنہوں نے وائرلیس پر چھاؤنی میں اطلاع کر دی اور چھاؤنی سے ہیلی کاپٹر اور جہاز آ گئے۔ ہاں اگر اُنہیں یہ پتا ہوتا کہ مجاہدین کی تعداد صرف اکتیس ہے تو وہ ضرور مقابلہ کرتے۔"

شیر دل خان اور علی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے آ کر شیر دل خان کو بتایا کہ ایک رُوسی نے مولانا عبدالودود کی کنپٹی پر کلاشنکوف رکھی ہوئی ہے' ڈرانے دھمکانے کے باوجود کلاشنکوف پرے نہیں کر رہا اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

شیر دل خان زخمی ہونے کے باوجود اُٹھ کر باہر آ گیا۔ علی اور محمود خان بھی ساتھ ہی باہر آئے۔ علی نے دیکھا کہ رُوسی سخت غصے میں ہے۔ شیر دل خان کو دیکھتے ہی اُس نے مولانا صاحب کو اس زور سے ٹھڈا مارا کہ مولانا گر پڑے۔ شیر دل خان نے غصے سے رُوسی سے کہا کہ کلاشنکوف پھینک دو۔ رُوسی نے کلاشنکوف فوراً پھینک دی مگر مولانا کو گریبان سے پکڑ کر شیر دل خان کے پاس لے آیا۔ وہ کچھ بولا بھی' مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مجاہدین اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر پرے لے گئے۔ وہ دُور جا کر بھی سخت غصے میں باتیں کرتا رہا مگر اُس کی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

مولانا نے اُٹھ کر شیر دل خان سے کہا: "کمانڈر صاحب! اسے جلدی گولی مار دو ورنہ یہ آپ کو اور مجھے بھی قتل کر دے گا۔ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کو رُوسیوں کے خلاف میں نے بھڑکایا ہے اور اُس کے ساتھی میں نے مروائے ہیں۔ یہ اسلام اور (نعوذ باللہ) خدا کو بھی گالیاں دیتا ہے۔"

رُوسی نے شاید مولانا کی باتیں سمجھ لی تھیں' اس لیے وہ سخت غصے میں بولنے لگا اور ایسے محسوس ہوا کہ وہ واقعی مولانا کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے لیکن رُوسی زبان یہاں کوئی نہیں جانتا تھا' اس لیے اس کی باتیں کوئی بھی نہ سمجھ پایا۔

مولانا صاحب ایک دفعہ پھر بولے: "کمانڈر صاحب! سنا آپ نے؟ یہ مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے' خدا کے لیے اسے فوراً گولی سے اڑا دو۔"

محمود خان نے بھی مولانا کی بات کی تائید کی۔ دُوسرے مجاہدین بھی رُوسی کو گولی مارنے کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ شیر دل خان نے مجاہدین کی بات مان کر کہا کہ اسے گولی مار دی جائے۔ مجاہدین نے اپنی کلاشنکوفیں سیدھی کر لیں۔ اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتے' علی نے شیر دل خان سے

کہا: "اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ رُوسی کو صفائی کا موقع دیا جائے۔ دُوسرے آپ نے غور نہیں کیا کہ رُوسی اگر مولانا صاحب کو قتل کرنا چاہتا تو وہ اسے یہاں کیوں پکڑ کر لاتا' پھر کلاشنکوف اُس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ آپ کو بھی قتل کر سکتا تھا لیکن اُس نے آپ کے حکم پر کلاشنکوف نیچے پھینک دی۔ اس کا مطلب ہے کہ بات کچھ اور ہے۔"

علی نے جونہی بات ختم کی' مولانا فوراً بول پڑے: "کمانڈر صاحب! اس کی (علی کی طرف اشارہ کر کے) بات مت مانیئے۔ مجھے تو یہ بھی رُوسیوں کا ساتھی نظر آتا ہے۔ کیا کبھی رُوسیوں نے مجاہدین کو صفائی کا موقع دیا؟ رُوسی ظالم اور کافر ہیں اور کافروں کا قتل واجب ہے۔"

شیر دل خان مولانا کی بات پر مسکرایا اور مجاہدین سے کہا کہ کلاشنکوفیں پرے کر لو۔ پھر علی سے کہا: "علی! تمہاری باتیں قابلِ غور ہیں مگر رُوسی زبان یہاں کوئی نہیں جانتا' ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ معاملہ کیا ہے؟"

اس سے پہلے کہ علی کوئی جواب دیتا مولانا بول پڑے: "کمانڈر صاحب! آپ زہریلے سانپ کو زندہ چھوڑ رہے ہیں۔ میں عالم ہوں اور میں اس بچے (علی) سے اسلام کو زیادہ سمجھتا ہوں۔ ہر رُوسی فوجی مسلمانوں کا دُشمن ہے' اس کا قتل واجب ہے۔"

"مولانا صاحب! میں عالم نہیں ہوں مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کمانڈر صاحب کا حکم آ چکا ہے کہ رُوسی کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ کمانڈر صاحب کے حکم کی اطاعت بھی واجب ہے۔" علی نے مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور پھر شیر دل کو بتایا کہ عبدالرحمٰن رُوسی ہے اور وہ رُوسی زبان بھی جانتا ہے۔ کمانڈر شیر دل خان نے ایک مجاہد کو بھیجا کہ وہ عبدالرحمٰن کو بلا لائے۔

عبدالرحمٰن نے دور سے رُوسی کو دیکھا اور اُسے پہچان لیا۔ وہ اُس کا سکول فیلو محمد اسلام تھا۔ محمد اسلام نے بھی عبدالرحمٰن کو پہچان لیا۔ وہ دوڑ کر عبدالرحمٰن سے بغل گیر ہو گیا۔ عبدالرحمٰن اور محمد اسلام کو بغل گیر ہوتے دیکھ کر مولانا صاحب چپ نہ رہ سکے اور بول پڑے: "کمانڈر صاحب! دیکھ لیا' دونوں رُوسی ایک دُوسرے سے بغل گیر ہو کر مل رہے ہیں اور یہ میری بات کا ثبوت ہے کہ کافر کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا حکم ہے: "کافروں کو دوست مت بناؤ۔" اور اللہ تعالیٰ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھنے والے ہوں اور تم میں جو کوئی اُنہیں دوست رکھے گا سو وہی ظالم ہو گا۔" اس لیے کمانڈر صاحب! اگر عبدالرحمٰن مسلمان بھی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ رُوسیوں کا دوست ہے' رُوسی فوج کا سپاہی رہ چکا ہے اور رُوسی فوج کے سپاہی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے اُنہیں

اپنا دوست بنایا تو اللہ کے حکم کے مطابق ہم ظالموں میں شامل ہو جائیں گے۔"

مولانا کی بات سن کر علی کو سخت غصہ آ گیا۔ مولانا کو انتباہ کرتے ہوئے علی نے کہا: "مولانا! اگر آپ نے مزید ایک لفظ بھی عبدالرحمٰن کے خلاف اپنی زبان سے نکالا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" علی کی یہ بات سنتے ہی علی کے ساتھیوں نے اپنی کلاشنکوفیں سیدھی کر لیں۔

"دیکھ لیا کمانڈر صاحب! (علی کی طرف اشارہ کر کے) میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ رُوسیوں کا ایجنٹ ہے۔"

مولانا نے جونہی علی کے خلاف یہ بات کی' شیر دل خان کو بھی غصہ آ گیا۔ اُس نے مولانا سے کہا: "مولانا! تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو اور مجاہدین کے خلاف اپنی زبان بند رکھو اور ہمیں مسئلے کی تہہ تک پہنچنے دو۔"

مولانا غصے میں یہ کہہ کر چل پڑے کہ جب آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی تو پھر میں یہاں مزید ایک منٹ بھی نہیں ٹھہروں گا۔

محمد اسلام نے عبدالرحمٰن سے کچھ کہا تو عبدالرحمٰن نے شیر دل خان سے کہا کہ محمد اسلام کہتا ہے کہ مولانا کو گرفتار کر لیا جائے کیونکہ یہ رُوسیوں کا جاسوس ہے۔

شیر دل خان نے مولانا کو رُکنے کے لیے آواز دی تو مولانا رُکنے کے بجائے دوڑ پڑے۔ علی نے وارننگ دی۔ "مولانا صاحب! رُک جاؤ۔" مگر مولانا پھر بھی نہ رُکے تو علی نے گولی چلا دی۔ گولی مولانا کی پنڈلی میں لگی اور مولانا گر پڑے۔ مجاہدین نے مولانا کو پکڑ لیا۔

بعد میں محمد اسلام نے عبدالرحمٰن کو مولانا عبدالودود کے بارے میں سب کچھ بتا دیا' جس کا فارسی میں ترجمہ کر کے عبدالرحمٰن نے مجاہدین کو بتایا کہ رُوسی فوجی کا نام محمد اسلام ہے۔ یہ کیمیکل انجینئر ہے اور مجاہدین کا مکمل حامی ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مولانا عبدالودود رُوسی فوج کا باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہے اور مجاہدین کی جاسوسی کرتا ہے۔ مولانا عبدالودود ہی نے مجاہد سمیع اللہ' اسد اللہ اور کمانڈر عبدالحکیم کو اغوا کر کے رُوسیوں کے حوالے کیا تھا اور رُوسیوں نے اُنہیں بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ اس مرکز کے تمام نقشے اور دیگر معلومات بھی اسی نے رُوسیوں کو فراہم کی تھیں۔ آج جب رُوسی فوجی بھاگے تو میں جان بوجھ کر رُوسی فوجیوں سے علیحدہ ہو گیا تا کہ مجاہدین سے جا کر مل سکوں۔ میں اِدھر آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے یہ مل گیا اور میں اسے پکڑ کر یہاں لے آیا۔ یہ بیسیوں مجاہدین کا قاتل ہے۔

شیر دل خان' علی اور دُوسرے سب مجاہدین کو مولانا کی اس ایمان فروشی کا سن کر بہت دُکھ ہوا۔ شیر دل خان کا غصے سے برا حال تھا۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ مولانا کی کم سے کم سزا بھی یہ ہے کہ اُسے

خونخوار کتوں کے آگے زندہ پھینک دیا جائے۔ دُوسرے مجاہدین بھی اُسے لعن طعن کر رہے تھے۔

شیر دل خان نے علی اور محمود خان سے مشورہ کرنے کے بعد اُسے فوراً گولی مارنے کا حکم دیتے ہوئے کہا: "اے شیطان اور دولت کے پجاری! مسلمانوں کے ماتھے پر تم کلنک کا ٹیکہ ہو۔ ایک مولوی ہو کر تم نے جو مسلمانوں کے ساتھ ظلم کیا' یہ ہم سب کے لیے باعث شرم ہے۔ تمہیں اگر زندہ جلانے کی سزا بھی دی جائے تو وہ بھی کم ہے مگر اسلام ہمیں اذیت سے مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے اے ایمان فروش! تمہیں صرف سزائے موت دی جا رہی ہے اور یہ بھی سن لو کہ تمہاری لاش شہر کے چوراہے میں بجلی کے کھمبے سے لٹکا دی جائے گی تا کہ خلق خدا جان لے کہ تم مسلمانوں کے بھیس میں ایک ذلیل شیطان تھے۔"

مولانا عبدالودود کمانڈر شیر دل خان کے پاؤں پکڑ کر' گڑگڑا کر معافیاں مانگنے لگا۔ اپنے ننھے منے بچوں کے واسطے دینے لگا۔ شیر دل خان نے ٹھنڈے مارتے ہوئے کہا: "میں کسی غدار کو معاف کر کے اپنا نام غداروں کی فہرست میں درج نہیں کرانا چاہتا۔ تم ایک سفاک قاتل ہو جس نے اسد اللہ' عبدالحکیم اور سمیع اللہ جیسے عظیم مجاہدوں کو قتل کروایا۔ اگر تم ہزار بار زندہ کر کے بار بار قتل کیے جاؤ تو تمہارے لیے یہ بھی سزا کم ہوگی۔ اصل سزا تو تم دوزخ میں بھگتو گے۔"

مولانا عبدالودود کو گولیاں مار کر جہنم رسید کر دیا گیا۔ چار مجاہدین کی ذمہ داری لگائی گئی کہ اُسے لے جا کر رات کو شہر کے چوراہے میں لٹکا آئیں تا کہ اسے دیکھ کر غدار عبرت پکڑیں۔

عصر کی نماز کے لیے جب علی اور اُس کے ساتھی سو کر اُٹھے تو اُنہوں نے مرکز میں سینکڑوں مجاہدین دیکھے۔ کمانڈر شیر دل خان نے علی کو بتایا کہ ہیڈ کوارٹر سے مجاہدین تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچے ہیں۔ ان مجاہدین میں ہماری اپنی جماعت کے علاوہ مجاہدین کی دُوسری جماعتوں کے مجاہدین بھی شامل ہیں۔ مرکز کو چھڑانے کے لیے سب جماعتوں نے اکٹھے ہو کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

نماز کے بعد کمانڈر شیر دل خان نے علی کا تعارف نئے آئے ہوئے مجاہدین سے کراتے ہوئے کہا کہ یہ ہے وہ نوجوان جس نے صرف اکتیس مجاہدین کے ساتھ نہ صرف دُشمن سے یہ مرکز چھڑایا بلکہ دُشمن کے سو سے زیادہ کمانڈوز کو بھی ہلاک کیا اور اٹھارہ کو زندہ گرفتار کیا ہے۔ اگر مجھے اس مرکز کو واپس لینے کے لیے کہا جاتا تو میں کم از کم پانچ سو مجاہدین کے بغیر حملہ نہ کرتا۔

نئے آنے والے مجاہدین کے کمانڈر نے کہا: "اگر ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتے تو بھی یقین نہ کرتے کہ یہ مرکز صرف اکتیس مجاہدین نے دوبارہ فتح کیا ہے۔ یقیناً یہ علی جیسے مجاہدین ہی ہیں جو دُشمن کو ہر محاذ پر ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ میں علی اور دُوسرے تمام مجاہدین کو اس فتح کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

علی نے جواباً کہا: ''میں کمانڈر شیر دل خان اور نئے آنے والے کمانڈر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ مرکز صرف میری وجہ سے فتح ہوا۔ اگر اللہ ہماری مدد نہ کرتا تو ہماری تمام منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی۔ یہ اللہ کی مدد اور میرے ساتھی مجاہدین میں جان پر کھیل جانے کا جذبہ تھا جس کی بدولت ہم سرخرو ہوئے‘ اس لیے ہم سب کو صرف اور صرف اللہ ہی کا شکر ادا کرنا چاہئے۔''

دُوسرے دن تمام شہداء کو دفنایا گیا اور قیدیوں کو پیچھے ہیڈ کوارٹر بھیج دیا گیا جو مجاہدین شدید زخمی ہو گئے تھے‘ اُنہیں پشاور روانہ کر دیا گیا۔





علی اور اُس کے ساتھی دو دن تک اس مرکز پر رہے۔ تیسرے دن صبح کو علی نے کمانڈر شیر دل خان سے جانے کی اجازت مانگی۔ ابھی وہ یہاں سے جانے کی بات ہی کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے آ کر بتایا کہ رُوسی جہازوں کے ذریعے رات کو ہمارے مرکز کے اردگرد اور راستوں پر ان گنت پتھر کے ٹکڑوں کی شکل کی بارودی سرنگیں پھینک گئے ہیں اور صبح سے تین مجاہد ان بارودی سرنگوں سے زخمی بھی ہو چکے ہیں۔

''کیا مجاہدین نے جہازوں کو دیکھا نہیں تھا؟'' علی نے پوچھا تو آنے والے مجاہد نے بتایا:

''پہرے داروں نے دیکھا تو ضرور تھا مگر آپ جانتے ہیں کہ رات کو طیارہ شکن توپوں سے فائر کم ہی کیا جاتا ہے کیونکہ روشنی نکلنے کی وجہ سے توپوں کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ جب تک دُشمن بمباری نہ کرے‘ توپیں عموماً خاموش ہی رہتی ہیں۔''

مجاہدین نے مزید بتایا کہ یہ امبریلا مائنز یعنی چھتری والی بارودی سرنگیں ہیں جو جہاز سے گرائی جائیں تو زمین پر پھٹے بغیر گرتی ہیں۔

بارودی سرنگوں کا سن کر کمانڈر شیر دل خان نے علی سے کہا کہ اب کچھ دیر کے لیے اپنی روانگی ملتوی کر دیں۔ جونہی آپ کا راستہ صاف ہوا‘ آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔

علی‘ شیر دل خان‘ عبدالرحمٰن‘ محمد اسلام‘ محمود خان اور نئے آئے ہوئے کمانڈر نے اردگرد کے تمام پہاڑوں اور راستوں کا جائزہ لیا۔ ہر طرف ان گنت بارودی سرنگیں بکھری پڑی تھیں۔ پورے علاقے کو ان بارودی سرنگوں سے صاف کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ بعض بارودی سرنگیں بالکل پتھر کے ٹکڑوں کی طرح تھیں اور پتھروں کے درمیان پڑی ہوئی تھیں۔

یہ صورتحال دیکھ کر علی نے کہا: ''اتنی بڑی تعداد میں بارودی سرنگیں پھینکنے کا مطلب تو یہی ہے کہ دُشمن ہماری نقل و حرکت محدود کرنا چاہتا ہے اور ہماری چھاپہ مار جنگ کا انحصار تیز نقل و حرکت پر ہے۔ ہمیں انہیں صاف کرتے ہفتوں لگ جائیں گے اور پھر بھی کئی بارودی سرنگیں رہ جائیں گی۔ اس دوران میں اگر دُشمن کوئی بڑا حملہ کر دے تو ہم مرکز کے اندر محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ دُشمن کے پاس ٹینک اور

بکتر بند گاڑیاں ہیں جن کا یہ چھوٹی چھوٹی سرنگیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ (ٹینکوں اور گاڑیوں کے لیے بارودی سرنگیں اور قسم کی ہوتی ہیں) اس طرح مرکز کے اندر بھی ہماری موت ہوگی اور باہر بھی موت۔"

"ہم کوشش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے راستوں کو صاف کریں۔" کمانڈر شیر دل خان نے کہا۔

بارودی سرنگوں سے سارے مجاہدین بڑے پریشان تھے۔ اُنہیں ایک ایک قدم سوچ کر اور دیکھ کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ کے اُوپر دوپہر تک مزید چار مجاہدین زخمی ہو چکے تھے۔

نمازِ ظہر پڑھ کر مجاہدین فارغ ہوئے تو علی نے تجویز پیش کی کہ ان بارودی سرنگوں سے نجات کے لیے اللہ سے دُعا مانگیں جو ہر چیز پر قادر ہے اور مشکل میں پھنسے ہوئے انسان کے لیے جب تمام دُنیاوی راستے بند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کا راستہ پھر بھی کھلا رہتا ہے اور جب انسان اُس سے مدد مانگتا ہے تو وہ ایسے طریقوں سے مدد کرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

علی کی درخواست پر سب مجاہدین نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ نمازِ عصر کے بعد دوبارہ دُعا مانگی گئی۔ نمازِ مغرب اور عشاء کے بعد بھی دُعا کو دُہرایا گیا۔

رات کا وقت تھا اور مجاہدین گہری نیند سو چکے تھے۔ شمال کی جانب سے سیاہ گھٹائیں اُٹھیں اور پورے آسمان پر چھا گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک طوفان نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہوا اس قدر تیز تھی کہ کئی درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ خیموں میں سوئے ہوئے مجاہدین کو غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ بجلی کی کڑک سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ غاروں کے اندر سوئے ہوئے مجاہدین بھی جاگ اُٹھے تھے۔ طوفان اس قدر خوفناک تھا کہ مجاہدین گھبرا کر کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگے۔

آندھی کی رفتار کچھ کم ہوئی تو زبردست ژالہ باری شروع ہوگئی۔ پاؤ پاؤ کے اولے پڑ رہے تھے۔ جب وہ زمین پر پڑتے تو ایسے محسوس ہوتا جیسے چھوٹے چھوٹے بم پھٹ رہے ہوں۔ ژالہ باری، آندھی اور بارش کا شور اس قدر زیادہ تھا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجاہدین نے آج تک ایسا طوفان افغانستان میں نہیں دیکھا تھا۔ جب بجلی کڑکتی تو غار میں بیٹھے ہوئے مجاہدین کو بھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ بجلی اُن کے اوپر گری ہو۔ دو گھنٹے بعد طوفان تھما تو مجاہدین دوبارہ سو گئے۔

صبح جب مجاہدین سو کر اُٹھے تو اُنہوں نے دیکھا کہ بیسیوں درخت جڑوں سے اُکھڑ چکے تھے۔ خیمے اُڑ کر دور درختوں میں پھنسے ہوئے تھے اور کئی طیارہ شکن توپیں بھی الٹی پڑی تھیں۔ صبح کی نماز کے بعد سب مجاہدین کی زبان پر رات کا طوفان تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے تبصرہ کر رہا تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس طوفان سے چند منٹوں بعد یہ پہاڑ بھی اُڑ جائے گا۔ ایک دوسرے مجاہد نے کہا کہ جب بجلی کڑکتی تو مجھے ایسا لگتا جیسے مجھ پر گری ہے۔ ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں

کہ پہاڑ کے اُوپر سے دو مجاہد آئے۔ اُنہوں نے آتے ہی مجاہدین کو مبارکباد دی تو مجاہدین نے حیرت سے پوچھا کہ مبارکباد کس بات کی ہے؟ اوپر سے آنے والے مجاہدین نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ رات کے طوفان سے ہمارا نقصان تو ضرور ہوا ہے لیکن اولوں سے تمام بارودی سرنگیں پھٹ گئیں اور اگر کوئی اولوں سے بچ گئی تو وہ پانی کے تیز ریلے میں بہہ گئی۔

اب علی اور کمانڈر شیر دل خان کی سمجھ میں بات آئی۔ کمانڈر شیر دل خان نے کہا: "علی! تم نے صحیح کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریقوں سے مدد کرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک ہم اس طوفان کو عذاب سمجھ رہے تھے اور اب رحمت خداوندی۔ ہم کئی ہفتوں تک پہاڑوں کو ان بارودی سرنگوں سے صاف نہیں کر سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے صرف دو گھنٹوں میں سارا کام کر دیا اور کل نمازوں کے بعد جو دُعا مانگی اللہ نے کتنی جلدی قبول کی۔"

اللہ کی اس مدد پر سارے مجاہدین نے باجماعت شکرانے کے طور پر دو نفل ادا کیے۔

دوسرے دن علی اور اُس کے ساتھی اپنی منزل کی طرف چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ محمد اسلام بھی اُن کے ساتھ تھا۔ کمانڈر شیر دل خان نے علی سے گلے ملتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے تم جہاں جاؤ گے دُشمن کے خلاف کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ ہم سب تمہاری کامیابی کے لیے دُعا گو ہیں۔

سب مجاہدین نے "اللہ اکبر" کے پر جوش نعرے لگا کر علی اور اُس کے ساتھیوں کو رخصت کیا۔





دو ہفتے بعد علی اور اُس کے ساتھی اپنے مرکز پہنچے۔ یہ مرکز بھی ایک وسیع و عریض پہاڑی وادی میں واقع تھا۔ پہاڑ زیادہ اونچے نہیں تھے۔ پہاڑ کے دوسری طرف میدانی علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ میدانی علاقہ بھی بالکل چٹیل میدان نہیں تھا بلکہ کہیں کہیں پہاڑی نما ٹیلے اور برساتی نالے تھے۔ تحصیل ہیڈ کوارٹر اس مرکز سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر تھا جبکہ صوبائی دارالحکومت تیس میل دور تھا۔ یہ مرکز ایسی جگہ واقع تھا جہاں تین صوبوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ انتہائی اہم جگہ پر واقع تھا۔ پہاڑ سرسبز تھے اور اُن پر گھنے جنگلات تھے۔ کہیں کہیں نیپام بموں سے درخت جل بھی گئے تھے۔ وادی میں کئی جگہ مجاہدین نے پھل دار درخت بھی لگائے ہوئے تھے۔ یہاں چار سو سے زیادہ مجاہدین رہتے تھے۔ زیادہ تر رہائش گاہیں خیموں پر مشتمل تھیں جو درختوں کے گھنے جھنڈوں میں لگائے گئے تھے۔ کچھ رہائش گاہیں پتھر اور مٹی سے تیار کیے گئے مکانوں کی صورت میں بھی تھیں۔

علی نے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پورے مرکز کا جائزہ لیا۔ دُوسرے دن عبدالرحمٰن، محمد اسلام درویش خان، فاروق، انجینئر عبداللہ اور مرکز میں پہلے سے موجود کمانڈر احمد گل اور چار دیگر تجربہ کار مجاہدین کا اجلاس بلایا۔ اجلاس میں یہ طے ہوا کہ پہلے علی پورے صوبے کا دورہ کرے۔ اس دوران میں مجاہدین اپنی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔ دورہ کرنے کے بعد دوبارہ اجلاس ہوگا اور نئی حکمت عملی تیار کی جائے گی۔

علی نے ایک ماہ میں صوبے کا دورہ مکمل کر لیا۔ اس دورے میں علی نے اپنی جماعت کے بیس مراکز کے علاوہ دوسری جماعتوں کے بارہ مراکز بھی دیکھے۔ ان مراکز کے علاوہ صوبائی دارالحکومت سمیت دس بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کا دورہ بھی کیا۔ ان مراکز کے کمانڈروں اور شہروں میں مجاہدین کے حامی افراد سے مختلف اُمور پر تبادلہ خیال بھی کیا۔ دورے کے دوران میں عبدالرحمٰن، انجینئر عبداللہ اور احمد گل ان کے ہمراہ تھے۔

اس دورے سے جہاں علی کو پورے صوبے کی معلومات حاصل ہو گئیں، وہاں مختلف مراکز کے مجاہدین اور کمانڈروں سے تعارف بھی ہو گیا۔ دورہ مکمل کرنے کے ایک ہفتہ بعد علی نے تمام اہم

کمانڈروں کی میٹنگ بلائی۔

کمانڈروں کی میٹنگ میں عبدالرحمٰن بھی شریک تھا۔ اُس نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: ''میں نے چینیوں کی جنگ آزادی کے بارے میں پڑھا ہے۔ جیسی صورت ہمیں ان میدانی صوبوں میں درپیش ہے، انہیں بھی کئی جگہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ چینیوں نے ایسے علاقوں میں دُشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے زمین دوز بھول بھلیوں کا وسیع و عریض جال پھیلا دیا۔ زمین دوز بھول بھلیاں اتنی پیچیدہ ہوتیں کہ جو کوئی بھی اُن کے اندر داخل ہو جاتا، اُسے پھر آسمان دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور وہ بھول بھلیوں کے اندر ہی باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے مرجاتا۔ صرف چند چینی حریت پسند ان بھول بھلیوں سے باہر نکلنے کے راستے سے واقف تھے۔ وہ دُشمن کو اپنے پیچھے لگا لیتے اور بھول بھلیوں میں داخل ہو جاتے۔ دُشمن کے فوجی بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے بھول بھلیوں میں داخل ہو جاتے۔ بھول بھلیوں میں داخل ہونے کے بعد دُشمن کے فوجی واپسی کا راستہ بھول جاتے۔ یہی طریقہ اگر ہم یہاں آزمائیں تو دُشمن کو خاصی پریشانی میں ڈال سکتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن کی اس تجویز پر خاصی بحث ہوئی اور اسے منظور کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ پورے صوبے کو آٹھ زونوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر زون کا ایک انچارج بنایا گیا جسے ''امیر'' کا خطاب دیا گیا۔ ہر زون میں مجاہدین کے تمام مراکز اور کمانڈر امیر کے ماتحت کر دیے گئے۔ اجلاس کی کارروائی کو سمیٹتے ہوئے علی نے کمانڈروں سے کہا:

''جو جو مراکز پہاڑوں یا پہاڑی علاقوں میں ہیں، وہاں مجاہدین کی رہائش اور اسلحہ کو سٹور کرنے کے لیے پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے غار کھودے جائیں تاکہ دُشمن کے طیاروں کی بمباری سے کم سے کم نقصان ہو۔ یہ غار کھودتے وقت ایک بات کا خیال رکھنا کہ سارے غار پچھلی طرف سے آپس میں ملے ہوئے ہوں تاکہ اگر کسی ایک غار کا منہ بند ہو جائے تو مجاہدین پچھلے راستے سے ہوتے ہوئے دُوسرے غار سے باہر نکل سکیں۔ دورے کے دوران میں، میں نے محسوس کیا ہے کہ دُشمن کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد بہت کم ہے۔ آپ لوگ مجاہدین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں، میں بھی مختلف دیہات، قصبوں اور شہروں کا دورہ کروں گا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دوں گا۔ ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ دُشمن کی فوج اور شہروں میں جاسوسی کے نظام کو مزید بہتر بنایا جائے۔ اس کے لیے تمام مراکز کے کمانڈرز اور زونوں کے امراء اپنے اپنے علاقوں میں واقع چھاؤنیوں، تھانوں اور شہروں میں مجاہدین کے حامی افراد کی فہرستیں فوراً مجھے روانہ کریں تاکہ دورے کے دوران میں، میں اُن لوگوں سے ملاقات کر سکوں اور اُنہیں سمجھا دوں کہ اُنہیں کون کون سے کام

کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں۔

''آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری منصوبہ بندی خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو جب تک مجاہدین کے اندر اطاعت نظم یعنی کمانڈر کا حکم ماننے کا جذبہ نہ ہو اُس وقت تک ساری کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اطاعت نظم کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگ مجاہدین کی فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ افغانستان میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ مجاہدین کو جہاد اور شہادت کی فضیلت سے بھی آگاہ کریں۔ اس سلسلے میں روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن مجید اور مغرب کی نماز کے بعد درس حدیث کا اہتمام کریں۔ سب سے بڑھ کر ہر وقت بالخصوص ہر نماز کے بعد اللہ سے فتح ونصرت کی دُعا ضرور کریں کیونکہ اللہ کی مدد کے بغیر ہم تنہا اتنے بڑے دُشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

علی نے اپنے مرکز میں غاریں کھدوانے کا کام شروع کر دیا۔ غاروں کی کھدائی کے سلسلے میں گرفتار قیدیوں سے علی نے معاہدہ کیا کہ وہ اتنے غار کھود دیں تو ہم اُن کو رہا کر دیں گے۔ غاروں کی کھدائی کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی ایک بہت بڑی تعداد کو بڑی سڑک کے اردگرد مختلف جگہوں پر زمین دوز سرنگیں (بھول بھلیاں) کھودنے پر لگا دیا گیا۔ بھول بھلیاں کھودنے کی نگرانی کا کام عبدالرحمٰن کے سپرد کیا گیا۔

سرنگیں (بھول بھلیاں) خاصی گہرائی میں کھودی جا رہی تھیں تا کہ ایک تو کھیتوں میں فصل کی کاشت متاثر نہ ہو اور دُوسرے اگر بمباری ہو تو بھول بھلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مرکز میں علی نے ایک خوبصورت مسجد بھی بنوائی۔ اس سے پہلے مجاہدین کھلے میدان میں نماز پڑھتے تھے۔ مسجد کی چار دیواری پتھر اور مٹی سے بنائی گئی اور چھت لکڑی کے آٹھ ستونوں پر شہتیر ڈال کر رکھی گئی۔ مسجد سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوبصورت تھی۔ منبر بھی لکڑی کا بنایا گیا اور ڈاٹ راکٹ کے دو خولوں کو جوڑ کر بنائی گئی۔ مسجد کے اردگرد درختوں کے جھنڈ تھے جس کی وجہ سے مسجد گرمیوں میں بھی ٹھنڈی رہتی تھی۔

غاروں اور بھول بھلیوں کی کھدائی کا کام جاری تھا کہ علی نے عبدالرحمٰن کے ساتھ مل کر دیہات اور قصبوں میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دینے کا پروگرام بنایا تا کہ مجاہدین کی تعداد میں اضافہ کیا جا سکے۔ انجینئر عبداللہ کو عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں بھول بھلیوں کی کھدائی کی نگرانی کا کام سونپ کر اور درویش خان کو مرکز کا قائم مقام کمانڈر بنا کر علی اور عبدالرحمٰن دورے پر روانہ ہو گئے۔

وہ روزانہ دس سے بارہ دیہات میں جاتے اور عوام کے اجتماعات سے خطاب کرتے۔ علی کی

پرجوش تقریریں سن کر نوجوانوں میں جہاد کا جذبہ مچلنے لگتا اور عبدالرحمٰن جب رُوسیوں کے مظالم کی داستانیں عوام کے سامنے رکھتا تو عورتیں، بوڑھے اور بچے رونے لگتے اور نوجوانوں کے سینوں میں رُوسیوں سے انتقام کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ علی اور عبدالرحمٰن کی تقریروں کے بعد ہر گاؤں اور قصبہ ''آزادی کا ایک ہی حل 'الجہاد الجہاد'' کے نعروں سے گونج اٹھتا۔ نو سال کے بچے سے لے کر اسی سال کے بوڑھے بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے اصرار کر کے اپنا نام لکھوانے لگے۔ اکثر دیہاتوں میں نوجوان لڑکیوں اور عورتوں نے مجاہدین کی مالی امداد کے لیے اپنے زیورات اتار کر علی کے حوالے کر دیئے۔

علی ہر گاؤں اور قصبے میں کسی سابق فوجی یا کسی دوسرے پڑھے لکھے آدمی کو اس گاؤں / قصبے کا امیر مقرر کرتا اور اُسے ہدایات دینے کے بعد اگلے گاؤں روانہ ہو جاتا۔ ہر گاؤں اور قصبے میں ہر بچہ، نوجوان اور بوڑھا مجاہدین میں شامل ہونے پر اصرار کرتا تو علی اُنہیں سمجھاتا کہ اگر سب لوگ جہاد میں شامل ہو گئے تو پھر کھیتوں میں کام کون کرے گا، عورتوں اور بچوں کی کفالت کون کرے گا؟ اس لیے ہر گھر سے صرف ایک فرد جہاد میں شریک ہو اور باقی دوسرے کام کریں تا کہ بال بچوں کا خرچ بھی چلتا رہے اور جہاد بھی جاری رہے۔ عورتیں جہاد میں شرکت کا کہتیں تو علی اُنہیں کہتا: ''میری ماؤں اور بہنو! جب تک تمہارے بیٹے اور بھائی زندہ ہیں، تمہیں بندوق اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پانچ وقت نماز کے بعد ان کی کامیابی کے لیے دُعا کیا کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے''۔

عبدالرحمٰن کو پہلی دفعہ افغان عوام کو یوں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ افغانوں میں اس قدر جذبہ جہاد دیکھ کر علی سے کہنے لگا: ''جس قوم کا ہر بوڑھا، بچہ، جوان اور عورت جہاد کے لیے یوں بے قرار ہو اس قوم کو رُوس تو کیا پوری دُنیا مل کر بھی شکست نہیں دے سکتی''۔

ایک ہفتے میں پورے علاقے میں علی اور عبدالرحمٰن کی تقریروں نے آگ لگا دی۔ حکومت کو اپنے مخبروں سے جب علی اور عبدالرحمٰن کی سرگرمیوں کی اطلاعات ملیں تو وہ بہت پریشان ہو گئی۔ اُن کی گرفتاری کے لیے فوجی دستے فوراً روانہ کر دیئے گئے لیکن علی اور عبدالرحمٰن طوفان کی طرح ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پہنچ رہے تھے۔ جب فوجی دستے ایک گاؤں میں پہنچتے تو پتا چلتا کہ علی اور عبدالرحمٰن یہاں سے دوسرے گاؤں جا چکے ہیں۔ فوجی دستے علی اور عبدالرحمٰن کو تو گرفتار نہ کر سکے مگر اُنہوں نے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ عوام نے ہر قسم کا ظلم برداشت کر لیا لیکن علی کو گرفتار کرانے کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔

جب علی کو علم ہوا کہ فوجی دستے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں تو وہ اپنا دورہ ختم کر کے واپس آ گیا۔

دس دنوں کے اندر علی نے سو سے زیادہ دیہات اور قصبوں کا دورہ مکمل کر لیا تھا اور ہزاروں افراد نے

جہاد میں شرکت کے لیے اپنے نام لکھوا دیئے تھے۔

جن لوگوں نے جہاد میں شرکت کیلئے نام لکھوائے تھے، علی نے اُن کے مختلف گروپ بنا دیئے اور انہیں مختلف مراکز میں پہنچنے کے لیے پیغامات بھیج دیئے۔

مرکز میں غاریں اور بھول بھلیاں کھودنے کا کام جاری تھا۔ اس دوران میں دُشمن کے طیاروں نے کئی دفعہ ان جگہوں پر بمباری بھی کی مگر اس بمباری سے مجاہدین کے کام کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔ مجاہدین اکثر رات کو بھی بھول بھلیاں کھودنے کا کام جاری رکھتے لیکن اس دوران میں مجاہدین نے از خود دُشمن پر کوئی بڑا حملہ نہ کیا تاکہ دُشمن قبل از وقت مجاہدین کے منصوبے سے آگاہ نہ ہو سکے۔

ایک دن علی کو اطلاع ملی کہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کا بہت بڑا کانوائے اس مرکز پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ علی نے فوراً چیدہ چیدہ مجاہدین کا اجلاس بلایا اور کہا کہ بھول بھلیوں کی کھدائی کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا، اس لیے ہمیں اس کانوائے کو ہر حالت میں مرکز سے کم از کم دس میل دور روکنا ہوگا۔

تمام مجاہدین نے علی کے منصوبے سے اتفاق کیا۔

علی نے ایک سو مجاہدین کو اپنے ساتھ لیا اور کانوائے کو روکنے کے لیے فوراً روانہ ہو گیا۔ کانوائے پکی سڑک کے راستے آ رہا تھا۔ علی نے مناسب جگہ دیکھ کر مجاہدین کو روک لیا اور دو مجاہدین کو گھوڑے دے کر بھیجا کہ پتا کر کے آؤ کہ کانوائے یہاں سے کتنی دور ہے۔ واپس آ کر م[illegible]ں نے بتایا کہ کانوائے تقریباً دو میل دور ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ رات کو وہیں قیام [illegible] کو ہمارے مرکز پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوگا۔

علی نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد کہا: ''سڑک پکی ہے اگر بارودی سرنگیں بچھائیں تو فوراً پتا چل جائے گا، اس لیے میرے خیال میں سڑک کو نیچے سے کھود کر اور مٹی نکال کر دو تین جگہ بڑے بڑے گڑھے بنا دیں۔ اوپر سڑک بالکل صحیح نظر آئے گی اور جب ٹینک اس کے اوپر سے گزریں گے تو بجری اور تارکول کی تہہ بوجھ برداشت نہ کر پائے گی اور اگلا ٹینک اس میں پھنس جائے گا۔ اس کے بعد وہ دوسرے ٹینک سڑک کی سائیڈ سے گزارنے کی کوششیں کریں گے۔ دونوں سائیڈوں پر ہم بارودی سرنگیں دبا دیتے ہیں۔ اس طرح کانوائے یہاں مکمل طور پر رُک جائے گا۔''

علی کی یہ تجویز سب کو پسند آئی۔

کچھ مجاہدین پکی سڑک کے نیچے سے مٹی کھود کر باہر نکالنے لگے اور کچھ سڑک سے دور ٹیلوں میں مورچے کھودنے لگے۔ ان ٹیلوں سے پیچھے کوئی دو فرلانگ دور ایک پہاڑی تھی۔ وہاں علی نے راکٹوں اور میزائلوں کا دستہ متعین کر دیا اور دس مجاہدین کا ایک دستہ آگے بھیج دیا۔ ان مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ

آگے جا کر مورچے کھود دیں۔ جب کانوائے گزر کر آگے آ جائے تو سڑک پر بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ کانوائے واپس مڑنے لگے تو اُس پر حملہ کر دیں۔

آدھی رات تک سارا کام مکمل ہو چکا تھا۔ علی نے چند مجاہدین کی پہرے پر ڈیوٹی لگائی اور باقی کو آرام کرنے کے لیے کہا۔

سحری کا وقت تھا جب پہرے داروں نے علی کو جگا کر بتایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانوائے آ رہا ہے۔ علی نے اُٹھ کر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ واقعی کانوائے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صبح ہی صبح مرکز پہنچنا چاہتا ہے تاکہ مجاہدین کو بے خبری میں آ دبوچے۔ علی نے تمام مجاہدین کو جگا کر اپنے اپنے مورچوں میں جا کر پوزیشنیں سنبھالنے کا کہا۔

کانوائے بڑا آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ جب وہ مجاہدین کے قریب پہنچا تو اندھیرا چھٹ چکا تھا اور علی دوربین لگائے قافلے کو سڑک پر سے گزرتے دیکھ رہا تھا۔ پہلا ٹینک کھودے گئے گڑھے کے اوپر سے بڑے آرام سے گزر گیا۔ علی کو افسوس بھی ہوا اور مایوسی بھی کہ بجری اور تارکول کی تہہ پر سے اتنا بھاری ٹینک کیسے گزر گیا۔ شاید تقدیر آج ہمیں آزمائش میں ڈالنا چاہتی ہے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اُس کے پیچھے آنے والا دوسرا ٹینک دھڑام سے گڑھے میں گر گیا۔ اتنی دیر میں سلامت گزر جانے والا ٹینک اگلے گڑھے میں گر چکا تھا۔ اب علی کی سمجھ میں بات آئی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جس نے دو ٹینک گڑھوں میں گرا دیئے۔

کانوائے کچھ دیر کے لیے رُکا۔ گڑھوں میں پھنسے ہوئے ٹینکوں میں سے افراد کو نکالا گیا۔ پھر کانوائے گڑھے کے ایک طرف سے چلنا شروع ہو گیا۔ ابھی وہ سڑک سے اُتر کر چند گز ہی چلا ہوگا کہ بارودی سرنگ سے ٹینک کے پرخچے اُڑ گئے اور اس کے پیچھے آنے والی کئی دوسری گاڑیاں بھی الٹ گئیں۔ کانوائے والوں کی مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے گاڑیوں کو گڑھے کے دوسری طرف سڑک سے نیچے اُتار لیا۔ اُدھر بھی تھوڑی دور جا کر آگے بارودی سرنگیں دبائی گئی تھیں۔ جونہی اگلا ٹینک بارودی سرنگ پر سے گزرا، وہ دھماکے سے ہوا میں اُچھلا اور ساتھ کئی دوسری گاڑیوں کو بھی اچھال دیا۔ اب راستہ بند ہو چکا تھا اور کانوائے رُک گیا تھا۔ علی اور مجاہدین انتظار کر رہے تھے کہ کب فوجی بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں سے باہر نکلیں تو فائر کھولیں۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔

ٹینکوں سے چند گولے پھینکے گئے مگر جب کوئی جوابی کارروائی نہ ہوئی تو چند رُوسی فوجی باہر نکلے۔ اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر چند گولے مزید پھینکوائے۔ پھر بھی کوئی جوابی کارروائی نہ ہوئی تو دوسرے فوجی بھی باہر نکل کر راستہ بنانے کی کوشش کرنے لگے۔

جب علی کو یقین ہو گیا کہ اب بڑی تعداد میں فوجی باہر نکل آئے ہیں تو علی نے مجاہدین کو فائر کھولنے کا حکم دیا۔ راکٹ لانچروں اور مشین گنوں سے زبردست فائرنگ شروع ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت رُوسی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ کچھ نے بھاگ کر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں پناہ لی۔ رُوسیوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ چند ٹینکوں سے گولہ باری شروع ہو چکی تھی مگر تھوڑی دیر بعد علی نے دیکھا کہ حسب توقع کانوائے کو پیچھے کی طرف لے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جونہی کانوائے پیچھے کی طرف مڑا' پہاڑی پر موجود مجاہدین نے راکٹوں اور میزائلوں سے حملہ کر دیا۔ ٹینک اور گاڑیاں واپسی کے لیے تیز رفتاری سے چلنے لگیں مگر رُوسیوں کو اس سلسلے میں بھی جلد ہی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے کہ جس سڑک سے تھوڑی دیر پہلے وہ صحیح سلامت گزرے تھے' اُس پر اب بارودی سرنگیں بچھائی جا چکی تھیں۔ جونہی ٹینک اُن پر سے گزرے' وہ پھٹیں تو نہ صرف کانوائے رُک گیا بلکہ روسی فوجی بھی بوکھلا گئے۔ اب پورا کانوائے راکٹوں' میزائلوں اور مشین گنوں کی زد میں تھا۔ کانوائے والوں نے زیادہ دیر مقابلہ نہ کیا اور جلد ہی ایک ٹینک پر سفید جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ سفید جھنڈا دیکھ کر علی نے فائر بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ جونہی فائر بند ہوا' رُوسی اور افغان کمیونسٹ فوجی ہاتھ اُٹھائے ٹینکوں اور گاڑیوں سے باہر آنے لگے۔

90 روسی اور افغان فوجیوں کو زندہ گرفتار کر لیا گیا جن میں پینتیس زخمی تھے۔ مرنے والے رُوسی اور افغان فوجیوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ بہت زیادہ اسلحہ اور گولہ بارود ہاتھ آیا۔ مجاہدین کے پاس چونکہ ٹینک چلانے والا عملہ نہیں تھا' اس لیے علی نے تمام ٹینکوں کو تباہ کروا دیا۔ پوری کارروائی میں صرف پانچ مجاہد زخمی ہوئے۔

دوسرا کانوائے اب ایک ماہ تک نہیں آ سکتا تھا۔ علی کو یقین تھا کہ ایک ماہ تک مجاہدین زمین دوز بھول بھلیوں کے منصوبے کو مکمل کر لیں گے۔

نئے گرفتار شدہ قیدیوں کو ابتدائی تفتیش کے بعد پہاڑوں کے اندر غار کھودنے پر لگا دیا گیا۔ مجاہدین نے حسب توقع بھول بھلیوں کا منصوبہ بروقت مکمل کر لیا۔ مرکز میں غار بھی خاصی حد تک مکمل ہو چکے تھے۔ قیدیوں کے جیل خانے کے لیے غاروں کی کھدائی شروع کر دی گئی۔

غاروں کے سامنے مجاہدین نے چھوٹے چھوٹے باغیچے بنائے۔ بموں اور راکٹوں کے خولوں کو گلدانوں کی صورت دے کر اُن میں طرح طرح کے پھول اُگائے۔ بموں اور راکٹوں کے خولوں میں مہکتے ہوئے رنگ برنگ کے پھول جہاں ماحول کو بہت خوبصورت بنا رہے تھے وہاں وہ دُنیا والوں کو یہ پیغام بھی دے رہے تھے کہ اے دُنیا والو! مجاہدین اسلام کو دیکھو جن پر رُوسی راکٹ اور بم برساتے ہیں' وہ

ان کے برسائے ہوئے بموں اور راکٹوں کے خولوں میں بارود بھرنے کے بجائے محبت اور امن و سلامتی کے پھول اُگا کر دُنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کی جدوجہد آزادی کرۂ ارض پر امن و سلامتی کے لیے ہے۔ جس طرح راکٹوں اور بموں کے خولوں میں یہ پھول مہک رہے ہیں' مجاہدین کی کامیابی کے بعد ہر طرف اسلام کی خوشبو مہکے گی اور دُنیا کو ظلم و جبر سے نجات مل جائے گی اور ہر طرف خوشیاں ہوں گی۔

مرکز بہت وسیع و عریض تھا اور پانچ مربع کلومیٹر سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ پچاس پوسٹیں مختلف جگہوں پر قائم کی گئی تھیں۔ پوسٹیں ایک دُوسرے سے دُور ہونے کی وجہ سے پیغام رسانی میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ علی نے اس مشکل کا ذکر عبدالرحمٰن سے کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر ہم تمام پوسٹوں کو ٹیلی فون کے ذریعے ملا دیں تو ہمارا اطلاعات کا نظام بہت بہتر ہو جائے گا۔ اسی طرح پورے صوبے میں وائرلیس سیٹ کا نظام قائم کر دینا چاہیے تاکہ تمام مراکز باہم مربوط ہو جائیں۔

''لیکن ٹیلی فون اور وائرلیس کا سامان کہاں سے حاصل کیا جائے؟'' علی نے پوچھا

عبدالرحمٰن کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا: ''کچھ سامان تو ہم پاکستان سے بھی خرید سکتے ہیں۔ اس کے لیے وہ زیورات فروخت کیے جا سکتے ہیں جو خواتین نے جہاد فنڈ میں دیئے تھے اور کچھ سامان' ہمیں رُوسیوں پر حملہ کر کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے جو قریب چھاؤنی ہے اگر ہم اُس کے سٹور پر حملہ کر دیں تو اسلحہ کے ساتھ ساتھ' ہمیں ٹیلی فون اور وائرلیس کا خاصا سامان بھی مل جائے گا۔ اس کے بعد رہا ٹیلی فون کی تنصیب کا کام تو میں اور عبداللہ مل کر کر لیں گے۔''

علی نے اس منصوبے سے اتفاق کیا اور تمام زیورات عبدالرحمٰن کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ جو سامان منگوانا ہو فوراً منگوا لیں' اس دوران میں' میں قریبی چھاؤنی پر حملہ کرنے کا پروگرام بناتا ہوں۔

عبدالرحمٰن نے تین مجاہدین کو سامان کی فہرست دے کر پشاور روانہ کر دیا۔ علی کو حملے کی منصوبہ بندی کے سلسلے میں خاصی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ ابھی تک قریبی چھاؤنی میں مجاہدین کا جاسوسی کا کوئی نظام قائم نہیں ہوا تھا اور بغیر جاسوسوں کی مدد کے چھاؤنی کے اندر کسی سٹور پر حملہ کرنا ناممکن بات تھی۔ علی اس سلسلے میں بہت پریشان تھا۔ اس پریشانی کا عبدالرحمٰن کو بھی پتا چل گیا۔ عبدالرحمٰن نے علی کو مشورہ دیا کہ آپ اس سلسلے میں گرفتار افغان فوجی افسر عبدالواحد کے ساتھ بات کیوں نہیں کرتے' وہ رہائی کے لیے کتنی منتیں کر رہا ہے' اُسے اپنی بہن سے بہت محبت ہے' اُس کی بہن کی شادی بہت جلد ہونے والی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر صورت میں اپنی بہن کی شادی کی تقریب میں شریک ہو۔

علی کو عبدالرحمٰن کی تجویز بہت پسند آئی۔ اُس نے عبدالواحد کو بلایا اور کہا: ''عبدالواحد! تم اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے اپنی رہائی چاہتے ہو۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تو ہم بھی تمہاری

بات ماننے کو تیار ہیں۔"

"میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" عبدالواحد نے جواب دیا۔

علی نے اُسے بتایا کہ ہم چھاؤنی پر حملہ کر کے اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں چھاؤنی کے بارے میں آپ سے معلومات درکار ہیں۔

"چھاؤنی پر حملہ اور وہ بھی اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنے کے لیے، آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ اچھی طرح سوچ لیں۔ آپ کا حملہ کامیاب ہو یا ناکام، مجاہدین کو خاصا جانی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔" عبدالواحد نے کہا۔

"یہ ہمیں معلوم ہے۔ آپ سے مشورہ نہیں معلومات چاہئیں۔" علی نے کہا

اس پر عبدالواحد نے علی سے کاغذ اور پنسل منگوائی اور نقشہ بنا کر اُس کو سمجھانے لگا۔ اُس نے بتایا کہ اسلحہ کا سٹور چھاؤنی کے جنوب مغربی کونے میں ہے۔ یہاں رات کے وقت بھی آدھ درجن فوجیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس کے شمال کی جانب ایک فرلانگ کے فاصلے پر دوسرے سامان کا سٹور ہے اور اس سٹور کے ساتھ ہی سامان خورد ونوش کا سٹور بھی ہے۔ چھاؤنی کے جنوب کی طرف گندے پانی کا نالہ ہے۔ جہاں نالہ دائیں طرف مڑے گا، وہاں ساتھ ہی چھاؤنی کے اندر قبرستان ہے۔ اسلحے کا ڈپو اور سٹور قبرستان سے زیادہ دُور نہیں۔ قبرستان پر پہرہ بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ مشرق کی طرف رُوسی فوج متعین ہے۔ چھاؤنی کے اندر رُوسی اور افغان فوجیوں کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ ہے۔

علی نے اُس سے مزید سوالات پوچھے اور اُسے واپس جیل بھیجتے ہوئے کہا: "عبدالواحد! ایک بات اچھی طرح سن لو! اگر تمہاری معلومات غلط نکلیں تو نہ صرف تمہیں سخت سزا دی جائے گی بلکہ تمہارے گھر والوں کو بھی یہیں لا کر بند کر دیا جائے گا۔"

"میں نے آپ کو جو معلومات دی ہیں، اپنے علم کے مطابق صحیح دی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی اپنا وعدہ پورا کریں گے۔"

عبدالواحد کا جواب سن کر علی نے اس سے کہا: "اگر تمہاری معلومات درست نکلیں تو ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ ہاں اگر یہاں سے جانے کے بعد بھی تمہیں کوئی کام کی بات یاد آ جائے تو فوراً آ کر بتانا۔"

دُوسرے دن عبدالواحد نے پہرے پر موجود مجاہد کو بتایا کہ وہ علی کو ایک بہت ضروری بات بتانا چاہتا ہے۔

جب علی تک یہ بات پہنچی تو علی نے اُسے فوراً بلوالیا۔

عبدالواحد نے بتایا کہ سٹور سے تھوڑی دور کیپٹن عبدالستار کی رہائش ہے اور میرے خیال میں وہ مجاہدین کا حامی ہے، اس لیے مشکل وقت میں آپ اُس سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔

علی نے چھاؤنی پر شب خون مارنے کے لیے دو سو مجاہدین کو تیار کیا اور اُن کے دو دستے بنائے۔ ایک سو پچیس مجاہدین کا ایک دستہ بنایا گیا اور درویش خان کو اُن مجاہدین کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ چکر کاٹ کر چھاؤنی کے مشرق میں پہنچیں۔ درویش خان سے کہا کہ وہ تین بجے صبح مشرق کی طرف سے چھاؤنی پر گولہ باری شروع کر دے۔ دُشمن کی زیادہ تر فوج مشرق کی طرف چلی جائے گی اور مغرب کا حصہ کسی حد تک خالی ہو جائے گا۔ اس طرح اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ درویش خان سے مزید کہا گیا کہ وہ چھاؤنی کے زیادہ قریب نہ جائے اور گولہ باری کرتے ہوئے بھی اس بات کا خیال رکھے کہ گولے مشرقی حصے میں ہی گریں۔

درویش خان اپنے دستے کو لے کر صبح ہی صبح روانہ ہو گیا کیونکہ اُسے بہت لمبا چکر کاٹ کر چھاؤنی کے دوسری طرف جا کر مورچے بنانے تھے۔ علی اپنے دستے کے ساتھ نمازِ ظہر کے بعد روانہ ہوا۔

رات کے دو بج چکے تھے جب علی اور اُس کے ساتھی مجاہدین چھاؤنی کے قریب پہنچے۔ اُنہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ چھاؤنی کے گرد بارودی سرنگیں عموماً بہت زیادہ تعداد میں بچھائی جاتی ہیں۔ مجاہدین نے چھاؤنی کے قریب اپنا زیادہ سفر گندے نالے میں کیا۔

گندے نالے کا پانی انتہائی بدبودار تھا اور مجاہدین کے کپڑے گندگی سے خراب ہو چکے تھے۔ رات کے وقت نالے سے اُٹھنے والی بھاپ مجاہدین کو بہت پریشان کر رہی تھی۔ اس بدبو سے بچنے کے لیے مجاہدین نے اپنے پٹکوں کو اپنے ناکوں کے اوپر لپیٹ رکھا تھا۔ سوا دو بجے مجاہدین قبرستان میں داخل ہو گئے۔ قبرستان میں ایک طرف کنواں تھا۔ مجاہدین نے کنویں کے پانی سے اپنے کپڑوں کو صاف کیا تو بدبو ختم ہوئی۔

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے اور اُن کی مختلف ذمہ داریاں لگائیں۔ پونے تین بج چکے تھے، جب مجاہدین آہستہ آہستہ اسلحے کے ڈپو اور سٹور کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ اسلحے کے ڈپو کے ساتھ ہی ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں کی لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ مجاہدین نے سب سے پہلے پہرے داروں کو قابو کیا۔ پہرے داروں کو قابو کرنے میں زیادہ تر خنجروں سے کام لیا گیا۔ مجاہدین نے پہرے داروں کو اس پھرتی سے قابو کیا کہ کوئی بھی پہرے دار خطرے کا سگنل بھی نہ دے سکا۔

ادھر علی نے پہرے داروں پر قابو پانے کی کارروائی مکمل کی ہی تھی کہ درویش خان نے ٹھیک تین بجے گولہ باری شروع کر دی۔ اس گولہ باری سے چھاؤنی کے اندر ایک بھگدڑ مچ گئی۔ علی اور اُس

کے ساتھیوں نے چھاؤنی کے جنوب مغربی حصے میں اپنی پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھیں۔

افغان کمیونسٹ فوجیوں کو جب پتا چلا کہ مجاہدین چھاؤنی کے اندر بھی داخل ہو گئے ہیں تو مغربی حصے میں موجود فوجی شمال کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ فوج کا زیادہ حصہ مشرق کی طرف درویش خان کے حملے کا جواب دے رہا تھا۔

اسلحے کا ڈپو تہہ خانے میں تھا۔ اسلحہ لیجانے کے لیے دُشمن ہی کے ٹرک لائے گئے۔ مجاہدین نے چار ٹرکوں میں اپنی ضرورت کا اسلحہ لادا' تین میں سامان خوردونوش اور ایک ٹرک میں دوسرا سامان رکھا گیا۔ چار گاڑیاں مجاہدین نے اپنے لیے لے لیں۔ اب چھاؤنی سے باہر نکلنے کا مسئلہ تھا۔ علی نے کیپٹن عبدالستار کی رہائش گاہ کے باہر مجاہدین کا ایک دستہ پہلے ہی متعین کیا ہوا تھا۔

علی کیپٹن عبدالستار سے ملا۔ اُس سے اپنا تعارف کرایا اور پھر یہ: ''میں چاہتا ہوں کہ ہمارا سامان بغیر لڑے چھاؤنی سے باہر چلا جائے۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ مجاہدین کے حامی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے آپ کو کچھ نہیں کہا لیکن ٹرکوں اور مجاہدین کو یہاں سے باحفاظت نکالنے کے لیے آپ کو حراست میں لیا جا رہا ہے۔ چھاؤنی سے باہر نکلتے ہی ہم آپ کو آزاد کر دیں گے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے گرفتار کیا ہے' آپ کے ساتھ اُنہیں بھی چھوڑ دیں گے تاکہ بعد میں کسی کو شک نہ ہو کہ آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے۔''

کیپٹن عبدالستار علی کا منصوبہ سن کر مسکرایا اور منصوبے کی داد دیتے ہوئے کہا: ''جیسے آپ کی مرضی۔''

علی نے کیپٹن عبدالستار کو گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اسی گاڑی میں پیچھے مسلح مجاہدین بیٹھ گئے۔ ڈرائیور بھی مجاہدین میں سے تھا جس نے فوجی وردی پہنی ہوئی تھی۔ علی اور کچھ دوسرے مجاہدین بھی فوجی وردی پہنے ہوئے تھے۔ گرفتار شدہ دیگر قیدیوں کو دوسری گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔

تمام ٹرک کیپٹن عبدالستار کی وجہ سے بغیر کسی رُکاوٹ کے چھاؤنی کی حدود سے باہر نکل آئے۔ سب نے یہی سمجھا کہ یہ ٹرک اور گاڑیوں میں فوجی مجاہدین کے حملے کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔

جب علی کا پورا دستہ چھاؤنی سے باہر آ گیا تو علی نے وائرلیس پر درویش خان کو لڑائی بند کر کے واپس آنے کا اشارہ دیا۔

چھاؤنی سے کوئی پانچ میل دور آ کر ٹرکوں کو روک دیا گیا۔ سب سے پہلے کیپٹن عبدالستار کو گاڑی سے باہر نکالا گیا۔ علی نے اُس کے ساتھ تنہائی میں مذاکرات کیے۔ علی نے کہا کہ وہ چھاؤنی کے اندر مجاہدین کے لیے کام کرے اور چھاؤنی میں مجاہدین کے خلاف بننے والے منصوبوں سے بروقت آگاہ

کر دیا کرے۔

کیپٹن عبدالستار نے وعدہ کیا کہ رُوسیوں نے اگر اس واقعہ کے بعد مجھ پر اعتبار کیا تو میں لازماً مجاہدین کے لیے کام کروں گا اور اگر مجھے جاتے ہی گرفتار کر لیا تو پھر بھی مجاہدین کے حامی خاصی تعداد میں چھاؤنی میں موجود ہیں' میں اُن سے آپ کا رابطہ قائم کرانے کی کوشش کروں گا۔

گفتگو مکمل ہو گئی تو دوسرے قیدیوں کو بھی گاڑی سے باہر نکالا گیا۔ سب فوجیوں کو عام راستے کے قریب درختوں سے باندھ دیا گیا۔ کیپٹن عبدالستار کو بھی ایک درخت سے باندھا گیا۔ قیدیوں کو باندھتے ہوئے دو قیدیوں کے ہاتھ علی نے دانستہ ڈھیلے رکھوائے تاکہ مجاہدین کے جانے کے بعد وہ اپنے ہاتھ جلدی کھول لیں اور بعد میں دوسروں کے ہاتھ بھی کھول سکیں اور باحفاظت واپس جا سکیں۔ ان میں دو قیدی زخمی بھی تھے۔

دوسرے قیدیوں کے سامنے علی نے کیپٹن عبدالستار کی بھی خاصی بے عزتی کی۔ علی نے سب قیدیوں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا:

''اگر تم صحیح افغان ہو تو پھر رُوسیوں کا ساتھ چھوڑ کر مجاہدین سے مل جاؤ اور اپنے وطن کی آزادی کی جنگ میں شریک ہو جاؤ۔ تم لوگ رُوسیوں کی خاطر اپنے بھائیوں کو قتل کرتے ہو۔ عوام کو لوٹتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ کافر رُوسی ہمارے ملک پر ظلم کر رہے ہیں۔ تم سے وہ روسی مسلمان اچھے ہیں جنہیں جب یہ پتا چلتا ہے کہ اُن کے سامنے لڑنے والے مسلمان ہیں تو وہ اپنا اسلحہ مجاہدین کے لیے چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ مجاہدین کے ہاتھوں اُنہیں شکست ہو گئی ہے۔ ہمارے جانے کے بعد سوچنا کہ رُوسیوں کی غلامی بہتر ہے یا وطن کی آزادی اور دین کی سربلندی کی خاطر لڑنا۔ اگر تمہارا ضمیر تمہاری سابقہ روسی خدمات پر ملامت کرے تو مجاہدین کی مدد کرنے کے راستے چھاؤنی کے اندر اور باہر ہر جگہ کھلے ہیں' جہاں تم خوشی سے کام کرنا چاہو۔''

ٹرک ابھی مجاہدین کے مرکز سے چند کلومیٹر دور ہی تھے کہ دُشمن کے طیاروں نے حملہ کر دیا۔ علی نے طیاروں کو دیکھتے ہی ٹرکوں کو فوراً ایک قریبی باغ میں کھڑا کرنے کی ہدایت کی اور خود ایک گاڑی میں تیزی سے آگے نکل گیا۔ گاڑی اُس نے ایک کھلی جگہ کھڑی کی اور خود دوڑ کر درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا۔

ٹرک باغ میں چھپا دیئے گئے تھے۔ علی خود خاصی دور درختوں کے جھنڈ میں چھپا بیٹھا تھا۔ درختوں کا یہ جھنڈ اُس جنگل کا حصہ تھا جو وسیع و عریض علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔

طیارے گاڑی اور اُس کے اردگرد وسیع علاقے پر بمباری کرتے رہے۔ کئی بم دُور دُور تک

گرے لیکن علی درختوں کے ایسے جھنڈ میں بیٹھا تھا جہاں قریب گرنے والے بم کے ٹکڑے بھی مشکل ہی سے پہنچ سکتے تھے۔

ادھر باغ میں چھپے ہوئے مجاہدین علی کے بارے میں بہت پریشان تھے جبکہ علی بالکل مطمئن تھا کیونکہ وہ دُشمن کے طیاروں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور طیارے خالی گاڑی پر بم برسا کر اپنے خیال میں مجاہدین کو ہلاک کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد طیارے بمباری کر کے واپس چلے گئے تو علی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلا اور باغ میں پہنچا۔ علی کو دیکھ کر مجاہدین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدین نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ نو بج چکے تھے اور سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ اس کا مالک ایک بوڑھا کسان تھا جو باغ ہی میں بیٹھا تھا۔ علی نے اُس سے کہا: ''ہمیں کچھ پھل اتار دو۔''

بوڑھے کسان نے کہا: ''بیٹا! جتنا پھل کھانا ہے خود ہی اُتار لو۔''

علی اور دوسرے مجاہدین نے پھل اتارے اور کھانے لگے۔ علی نے بوڑھے کسان سے قیمت کا پوچھا تو اُس نے مسکرا کر کہا: ''بیٹا! مجاہدین سے پھل کی قیمت لینا اچھا نہیں لگتا۔ میں بوڑھا اور غریب ہوں، مجاہدین کی کوئی خدمت تو نہیں کر سکتا، میرے لیے یہ اعزاز ہے کہ مجاہدین تھوڑی دیر کے لیے میرے باغ میں رکے اور میرے باغ کا پھل اُن کے کام آیا۔ کاش! میرے پاس پیسے ہوتے تو میں مجاہدین کی اور خدمت کر سکتا۔''

''بابا! تمہارا جذبہ قابل قدر ہے اور اللہ یقیناً اس کی جزا دے گا۔ آپ جیسے بزرگوں کی دُعائیں بھی مجاہدین کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں لیکن اگر ہم اسی طرح مفت میں کسانوں کے پھل کھانا شروع کر دیں تو پھر ہم میں اور رُوسیوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟ پھر ہمارے پاس جو پیسے ہیں، وہ بھی آپ ہی جیسے لوگوں کے دیے ہوئے ہیں، اس لیے آپ پھل کی قیمت لے لیں۔'' علی نے کہا۔

اس پر بوڑھے نے بڑے غصے میں جذباتی ہو کر جواب دیا: ''اگر آپ لوگ مجھ غریب کو ذلیل ہی کرنا چاہتے ہیں تو پیسے دینے کے بجائے میرے سر پر جوتے ماریں۔ جوتے کھا لوں گا مگر پیسے نہیں لوں گا۔ مجاہدین کے تو پاؤں کی خاک پر بھی یہ پورا باغ قربان کر سکتا ہوں۔ آپ لوگ وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں لیکن مجھ بوڑھے کو اپنے باغ کے پھلوں کے چند دانے بھی قربان نہیں کرنے دیتے۔''

بوڑھے کسان کی ضد کے سامنے علی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سب مجاہدین نے بوڑھے کسان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے مرکز کی طرف چل پڑے۔

عصر کا وقت تھا جب درویش خان اپنے دستے کے ساتھ مرکز پہنچا۔ درویش خان کے دستے کے پانچ مجاہدین شہید ہو گئے تھے، دو بارودی سرنگوں سے اور تین گولہ باری سے جبکہ بارہ مجاہد زخمی ہوئے تھے۔ مجاہدین کے نزدیک یہ کوئی بڑا نقصان نہ تھا۔ بلکہ اُن کی طرف سے چھاؤنی کے اندر حملہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس حملے سے رُوسیوں کے اندر خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ پورے شہر میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

چوتھے دن چھاؤنی سے ایک فوجی بھاگ کر آیا۔ اُس نے بتایا کہ کیپٹن عبدالستار نے اُسے بھیجا ہے۔ اُس نے مزید بتایا کہ مجاہدین کی گولہ باری سے رُوسیوں کی اکثر بیرکیں تباہ ہو گئیں اور سینکڑوں روسیوں سمیت بے شمار افغان کمیونسٹ فوجی بھی مارے گئے۔ کیپٹن عبدالستار کے بارے میں اُس نے بتایا کہ ابتدائی تفتیش کے بعد اُسے اُس کے عہدے پر بحال رکھا گیا ہے جبکہ کئی روسی اور دوسرے افغان فوجی افسروں کو نوکری سے معطل کر دیا گیا ہے اور واقعہ کی انکوائری کے لیے کابل سے رُوسی افسر آیا ہوا ہے۔

چھاؤنی کے اندر جا کر حملہ کرنا اور اسلحہ کا ڈپو لوٹ لینا اتنا بڑا واقعہ تھا کہ کابل حکومت اسے چھپا نہ سکی اور یہ خبر نہ صرف دُنیا کے تمام ریڈیو سٹیشنوں سے نشر ہوئی بلکہ اخبارات میں بھی نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ ہیڈ کوارٹر سے چیف کمانڈر نے اس پر علی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی کہ آئندہ کسی چھاؤنی کے اندر جا کر حملہ نہ کرنا کیونکہ چھاؤنیوں کے اندر جا کر حملہ کرنے اور اُن پر قبضہ کرنے کے بارے میں ابھی تک مجاہدین نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، اس لیے مجاہدین کو جان بوجھ کر خطرے میں نہ ڈالا جائے۔

وائرلیس اور ٹیلی فون کا کافی سامان چھاؤنی سے حاصل ہو چکا تھا اور مزید سامان پاکستان سے بھی چند دنوں بعد آ گیا۔ عبدالرحمٰن اور انجینئر عبداللہ نے مرکز کی ساری پوسٹوں کو آپس میں ملا دیا۔ پہلے علی کے پاس صرف دو وائرلیس سیٹ تھے اور وہ بھی صرف چند کلومیٹر تک کام دے سکتے تھے۔ علی نے آئے ہوئے وائرلیس سیٹ تمام اہم مراکز اور شہروں میں مجاہدین کے لیے جاسوسی کرنے والوں کو فراہم کر دیئے۔ اب اس مرکز سے ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر سے بھی علی کی باقاعدہ گفتگو ہو جاتی تھی۔

علی نے عبدالواحد کو حسب وعدہ رہا کر دیا۔ عبدالواحد نے رہا ہونے کے بعد کہا کہ وہ اپنی بہن کی شادی کے بعد واپس مجاہدین کے پاس آ جائے گا اور باقی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دے گا۔

رُوسی افسر اس شکست پر بہت غصے میں تھے اور اُنہوں نے علی کے مرکز پر بہت بڑا حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے دُشمن نے دوسری چھاؤنیوں سے بھی تجربہ کار دستے منگوا لیے اور مرکز پر طیاروں کے حملوں میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیا۔ حملے کی تیاریوں کے بارے میں معلومات جاسوسوں نے علی کو

فراہم کردی تھیں۔

علی نے زمین دوز بھول بھلیوں کے علاقے میں مجاہدین کے لئے زمین دوز پکے اور مضبوط مورچے بھی تعمیر کرائے۔ یہ مورچے باہر سے بالکل نظر نہ آتے تھے۔ ان کا چھوٹا سا منہ کسی درخت یا بہت بڑے پتھر کی اوٹ میں کھلتا تھا۔ زمین دوز بھول بھلیاں بھی بہت گہرائی میں تھیں اور اُن کے اندر جانے اور باہر نکلنے کے بھی چند ہی راستے تھے اور ان سے صرف دو مجاہد واقف تھے جن کی ذمہ داری اُن پر لگائی گئی تھی اور اُنہیں بھول بھلیوں کے نقشے بھی فراہم کر دیئے گئے تھے۔ بھول بھلیوں کی کھدائی کرنے والے مجاہدین بھی اُن بھول بھلیوں کے اندر داخل ہو کر باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

بھول بھلیاں جس علاقے میں بنائی گئی تھیں، وہاں پوری طرح کھیتوں میں فصلیں کاشت کی جاتی تھیں۔ بھول بھلیوں سے نکلنے والی مٹی بہت دور لے جا کر پھینکی جا چکی تھی۔ باہر سے آنے والا آدمی یہ قطعاً اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہاں زمین دوز بھول بھلیوں کا بہت بڑا جال پھیلا ہوا ہے۔

علی نے بھول بھلیوں کے قریب بڑی سڑک پر نہ صرف بارودی سرنگیں بچھا دیں بلکہ پکی سڑک کے نیچے بڑے بڑے گڑھے بھی کھدوا دیئے تاکہ دشمن کی طرف سے حملہ کے لیے آنے والا کانوائے یہاں آ کر رک جائے۔

جب حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو علی اور دوسرے مجاہدین دشمن کے کانوائے کا بے قراری سے انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے ہوائی حملے شدت سے جاری تھے۔ ایک دن تو دشمن کے طیارے مسلسل رات اور دن مرکز پر بمباری کرتے رہے۔ بمباری اس قدر زیادہ تھی کہ مجاہدین کو غاروں سے باہر نکل کر کھانا کھانے نہ نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ مسجد بھی شہید ہو گئی اور طیارہ شکن توپوں پر متعین کئی مجاہد شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔

اس تباہ کن بمباری کو دیکھتے ہوئے علی نے عبدالرحمٰن سے کہا: ”میرا خیال ہے کہ دشمن آج لازماً کسی وقت زمینی حملہ کرے گا۔“

”اور پورا کانوائے زمین دوز بھول بھلیوں میں پھنس جائے گا۔“ عبدالرحمٰن نے علی کی بات مکمل کر دی۔

دوسرے دن گیارہ بجے کا وقت تھا جب علی کو مجاہدین نے کانوائے کے آنے کی اطلاع دی۔ کانوائے کا مقابلہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد صرف نوے تھی۔ بیس مجاہدین مختلف جگہوں پر متعین تھے اور اُن کی ذمہ داری یہ تھی کہ دشمن کے فوجیوں کو اپنے پیچھے لگا کر بھول بھلیوں کے اندر لے جائیں۔ باقی ستر نے ٹینکوں اور گاڑیوں میں رہ جانے والے افسروں اور دوسرے فوجیوں کو ہلاک کرنا تھا۔

دشمن کے کانوائے کو ہیلی کاپٹروں اور طیاروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ طیارے اردگرد وسیع

عریض علاقے پر بمباری کر رہے تھے اور ہیلی کاپٹر کانوائے کے اردگرد ہر دو اطراف نیچی پرواز کے ذریعے شیلنگ کر رہے تھے۔

بھول بھلیوں کے علاقے کے قریب پہنچ کر کچھ ٹینک کھودے گئے گڑھوں میں پھنس گئے اور کچھ ٹینک شکن بارودی سرنگوں کا نشانہ بن گئے۔ کانوائے رُک گیا اور حسب سابق اردگرد زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ ہیلی کاپٹر بھی اردگرد مسلسل شیلنگ کر رہے تھے۔ مجاہدین اپنے مورچوں میں بیٹھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

دشمن کے فوجی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکل کر آگے بڑھنے لگے۔ جن بیس مجاہدین کی ذمہ داری تھی کہ فوجیوں کو اپنے پیچھے لگائیں، ان میں سے کچھ اپنے مورچوں سے نکلے، فائرنگ کی اور بھول بھلیوں کی طرف پسپا ہونے لگے۔ دشمن کے کئی فوجی دستے اُن کا پیچھا کرنے لگے۔ بھول بھلیوں پر متعین دوسرے مجاہدین نے بھی ایسا ہی کیا، دشمن کے باقی دستوں نے اُن کا پیچھا کیا۔

دشمن کے فوجی بھول بھلیوں میں ایسے گم ہوئے کہ پھر باہر نہ نکل سکے۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں رہ جانے والے فوجیوں نے اُن کی واپسی کا خاصا انتظار کیا مگر جب وہ بہت دیر تک واپس نہ آئے تو وہ بھی ان کی تلاش میں باہر نکلے۔ مجاہدین نے ان کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا اور وہ بھی بھول بھلیوں میں داخل ہو کر واپسی کا راستہ بھول گئے۔

ٹینکوں، دوسری گاڑیوں اور ان میں بچ جانے والے دوسرے افراد پر دوسرے مجاہدین نے راکٹ لانچروں اور مشین گنوں سے حملہ کر دیا۔ کئی گاڑیوں اور ٹینکوں کو آگ لگ گئی۔ رُوسیوں نے واپس جانے کی کوشش کی مگر بچ کر جانا ناممکن تھا۔ بھول بھلیوں سے بچ جانے والوں میں سے بھی زیادہ تر مارے گئے اور باقی نے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک فرد بھی زندہ بچ کر واپس نہ جا سکا۔ گرفتار ہونے والے روسی اور افغان افسروں کی تعداد پندرہ تھی۔

مجاہدین کام کا اسلحہ مرکز لے گئے۔ ٹینکوں اور گاڑیوں میں سے جو کام کی تھیں، اُنہیں بھی مرکز لے گئے باقی کو وہیں پڑا رہنے دیا۔

مجاہدین نے پورے کانوائے کی تباہی پر خوشیاں منائیں اور شکرانے کے نفل ادا کیے۔ علی نے وائرلیس پر ہیڈکوارٹر کو بھی اس کامیابی کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع پا کر چیف کمانڈر نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور تمام مجاہدین بالخصوص عبدالرحمٰن اور علی کو مبارکباد پیش کی۔

دوسری طرف روسی افسر پورے کانوائے کے غائب ہو جانے پر نہایت پریشان تھے۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پورا کانوائے کیسے تباہ ہو گیا اور لاشیں کدھر گئیں۔ روسیوں نے ایک

اور کانوائے پہلے کانوائے کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ اس کانوائے کا حشر بھی پہلے کانوائے جیسا ہی ہوا۔ تیسرا کانوائے بھیجنے سے پہلے دُشمن نے بھول بھلیوں والے علاقے کا جائزہ لینے کے لیے اپنے انتہائی تربیت یافتہ کمانڈوز اتارے۔ کمانڈوز بھی بھول بھلیوں میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے یا پھر کچھ مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے اور روسی بھول بھلیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکے۔ دُشمن نے تیسرا کانوائے اس طرف بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ہوائی حملوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

بھول بھلیوں میں ہزاروں روسی فوجیوں کی ہلاکت مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ دُشمن علی کے اس مرکز کو ہر حالت میں تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ کابل میں روسی کمانڈروں کی میٹنگ شروع ہوئی تو ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ دونوں کانوائے مجاہدین نے کیسے تباہ کیے۔

ایک روسی افسر نے میٹنگ میں بحث کرتے ہوئے کہا: ''ہم نے اس مرکز کو تباہ کرنے یا پھر اُس پر قبضہ کرنے کا جو بھی منصوبہ بنایا وہ ناکام ہو گیا۔ مرکز پر اس قدر بمباری کی گئی جس سے کوئی چیز بھی وہاں سلامت نہیں بچ سکتی تھی لیکن اس کے باوجود مجاہدین کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ علی کوئی انسان نہیں، جن ہے جو جب اور جہاں چاہتا ہے، کامیاب کارروائی کر کے واپس چلا جاتا ہے۔''

ایک دوسرے افسر نے کہا: ''یہ وہی علی ہے جو ڈیڑھ سال پہلے گردیز میں کے جی بی اور خاد کے دفتر سے جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی، میجر فیاض اور اُن کے ساتھیوں کو نکال کر لے گیا تھا''۔

افغانستان کے مشرقی زون کے رُوسی فوجی کمانڈر کرنل زیبونوف نے اعلان کیا کہ علی کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لانے والے کو دس لاکھ روبل انعام دیا جائے گا اور جو آدمی کانوائوں کی تباہی کے بارے میں معلومات فراہم کرے گا، اُسے پانچ لاکھ روبل انعام ملے گا۔ (روبل، روسی کرنسی کا نام)





رات کا وقت تھا۔ عبدالرحمٰن، علی، محمد اسلام اور دوسرے مجاہدین بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ پاس ریڈیو بھی رکھا ہوا تھا۔ جونہی خبریں شروع ہوئیں، سب مجاہدین خبریں سننے لگے۔ سب سے پہلی خبر پاکستان میں ہونے والے بم کے دھماکوں کی تھی۔ اس سے قبل بھی روس کے ایجنٹ لاہور، پشاور، کراچی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں دھماکے کر چکے تھے۔ علی کو ان دھماکوں پر بہت دُکھ ہوا تھا۔ آج بھی جب اُس نے دھماکوں کی خبر سنی تو اُس نے قریب بیٹھے مجاہدین سے کہا: ''روسی انتہائی ظالم ہیں اور کمینے بھی۔ پاکستان کے بے گناہ عوام سے اس لیے انتقام لے رہے ہیں کہ وہ بے گھر افغان مہاجرین کی مدد کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں ان دھماکوں کا بدلہ ضرور لینا چاہیے۔'' دوسرے مجاہدین نے بھی ان دھماکوں پر افسوس کا اظہار کیا۔

دوسرے دن بھی علی یہی سوچتا رہا کہ روسیوں سے ان دھماکوں کا بدلہ کیسے لیا جائے۔ شہروں میں دھماکے کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا مگر اس میں بے گناہ افغان عوام کے مارے جانے کا خطرہ بھی تھا۔ علی نے فیصلہ کیا کہ ایک تو شہروں میں روسی فوجی چوکیوں اور دفتروں پر بھرپور حملے کیے جائیں گے اور دوسرے کمیونسٹوں کے محلوں اور چھاؤنیوں میں دھماکے بھی کیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں علی نے چیدہ چیدہ مجاہدین کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ سب نے علی کی باتوں سے اتفاق کیا۔

مجاہدین کے پاس اگرچہ روسیوں سے چھینی ہوئی چند بڑی گاڑیاں تھیں مگر ان گاڑیوں کے ذریعے شہروں میں دفتروں اور فوجی چوکیوں پر حملے کرنے جانا بہت مشکل تھا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے علی نے مجاہدین کے لیے گھوڑوں اور موٹر سائیکلوں کا انتظام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ماہ کے اندر ہی بیس گھوڑ سوار اور پندرہ موٹر سائیکل سوار مجاہدین کے دو دستے تیار ہو گئے۔

رات کے وقت گھڑ سوار مجاہدین کا دستہ جاتا اور کسی نہ کسی فوجی چوکی کا صفایا کر کے آ جاتا۔ ساتھ ہی بہت زیادہ اسلحہ اور خورد و نوش کا سامان بھی لے آتا۔ دن کے وقت موٹر سائیکلوں پر سوار دستے شہروں میں داخل ہو کر پولیس سٹیشنوں اور سرکاری دفتروں پر حملے کرتے۔ اس سے پہلے کہ دُشمن کے فوجی کوئی کارروائی کر سکتے وہ اتنی دیر میں شہر سے دور نکل جاتے۔

ایک دن علی کو خبر ملی کہ صوبائی دارالحکومت میں افغان کمیونسٹ اور روسی اگلے ہفتے ''انقلاب ثور'' کا جشن منائیں گے اور جلوس نکالیں گے۔ (انقلاب ثور: جس دن کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ نور محمد ترہ کئی برسراقتدار آیا تھا۔ یہ 27 اپریل کا دن تھا۔ کمیونسٹ نور محمد ترہ کئی کے برسراقتدار آنے کو ''انقلاب ثور'' یعنی اپریل والا انقلاب کہتے ہیں۔ بعد میں کمیونسٹوں نے اس انقلاب کے بانی نور محمد ترہ کئی کو خود ہی قتل کر ڈالا تھا۔) علی نے کہا کہ جشن کے اس جلوس کے راستے میں لازماً دھماکے کئے جائیں اور جلوس پر حملہ بھی کیا جائے۔

علی نے صوبائی دارالحکومت میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ کو وائرلیس پر پیغام د کہ جشن انقلاب ثور کے سلسلے میں نکالے جانے والے جلوس کے پروگرام سے فوراً مطلع کریں۔ اس کے ساتھ ہی علی نے دو مجاہدین کو صوبائی دارالحکومت بھیج دیا اور اُنہیں ہدایت کی کہ جیسے بھی ہو، جہاں بھی اور جس قیمت پر بھی ملے ایک مکان کرائے پر حاصل کریں۔

علی نے اس پروگرام سے صرف ان مجاہدین کو مطلع کیا جنہیں اس پروگرام میں حصہ لینا تھا۔ اُن کی تعداد علی سمیت تیرہ تھی۔

علی دوسرے مجاہدین کو ہدایات دینے کے بعد دو دن پہلے ہی شہر روانہ ہو گیا تا کہ وہ دھماکے کرنے اور جلوس پر حملہ کرنے کے پروگرام کو بہتر سے بہتر بنا سکے۔ دوسرے مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ ٹائم بم اور ہینڈ گرنیڈ لے کر صرف ایک دن پہلے شہر پہنچیں۔ علی نے عبدالرحمٰن کو ہدایت کی کہ وہ روسی فوجیوں کی وردیاں بھی ساتھ لیتا آئے۔

علی شہر میں ایک بوڑھے مریض کے بھیس میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے وہ اُس مکان میں پہنچا جو مجاہدین نے کرائے پر لیا تھا۔ مکان کا جائزہ لینے کے بعد علی نے مجاہدین کے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور روسیوں کے انتظامات کے بارے میں مزید تفصیلات حاصل کیں۔ دوسرے دن صبح کو علی نے تمام راستوں کا جائزہ لیا اور اُن جگہوں کو ذہن میں محفوظ کر لیا جہاں ٹائم بم رکھے جا سکتے تھے۔

واپس آ کر علی نے کھاد کی چھ بوریاں اور دو گیلن پٹرول منگوایا۔ بیس کے قریب اشتہار لکھے۔ اُن اشتہاروں میں لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ جشن انقلاب ثور کے جلوس میں شریک نہ ہوں، بصورت دیگر اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

یہ اشتہار لکھنے کے بعد علی باہر آ گیا اور چار جگہوں پر ان پڑھ مزدوروں کو پیسے دے کر کہا کہ اُنہیں چوکوں میں نمایاں جگہوں پر لگا دیں۔ بیس اشتہار ایک آدمی بھی لگا سکتا تھا لیکن علی کا خیال تھا کہ

اگر ایک آدمی نے سارے اشتہار لگائے تو وقت زیادہ لگے گا اور زیادہ وقت لگنے کی وجہ سے حکومت کے جاسوسوں کو پتا چل جائے گا۔ اس طرح مزدوروں کے گرفتار ہونے کا خطرہ تھا۔

چار مزدوروں نے چند ہی منٹوں میں سارے اشتہار لگا دیئے۔

جب علی واپس مکان میں پہنچا تو عبدالرحمٰن دوسرے مجاہدین کے ساتھ آ چکا تھا۔ شام تک مجاہدین نے آرام کیا۔ شام کو علی نے دوبارہ کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور تازہ ترین صورتحال سے آگاہی حاصل کی۔ کیپٹن عبیداللہ نے بتایا کہ رات کو جلوس کے راستے پر مکمل گشت ہو گا اور اشتہار پڑھنے کے بعد شہر میں داخل ہونے والے ہر فرد کو چیک کیا جا رہا ہے۔ علی نے عبیداللہ سے کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ جلوس کے راستے کی صفائی کا کام کس وقت شروع ہو گا۔

عبیداللہ نے ایک گھنٹے بعد علی کو اطلاع دی کہ جلوس کے راستے کی صفائی کا کام سحری کے وقت شروع ہو گا اور روسی فوجی خود صفائی کے کام کی نگرانی کریں گے۔

عبدالرحمٰن نے علی سے پوچھا: ''جب آپ کے جاسوسوں کی اپنی عمارت موجود تھی تو پھر آپ نے یہ عمارت کرائے پر کیوں لی؟ اب آپ کو بار بار اُن سے رابطہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم وہاں بھی ٹھہر سکتے تھے۔''

''برادر عبدالرحمٰن! جاسوسوں کو بعد میں بھی کام کرنا ہے جبکہ ہم نے یہ کارروائی کر کے چلے جانا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد جب تفتیش ہو گی تو عمارت کا سراغ لگانا کوئی مشکل کام نہ ہو گا اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے جاسوس کسی صورت بھی حکومت کی نظروں میں آئیں۔'' علی نے بتایا

رات کے دو بجے تھے۔ مجاہدین نے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ ٹائم بموں کو مختلف اوقات پر فکس کر کے کھاد کی بوریوں میں رکھا گیا۔ کھاد کو پٹرول سے پوری طرح بھگو دیا گیا۔ اس طرح ٹائم بموں کی طاقت میں جہاں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا وہاں کھاد کی بوریوں پر کسی کو ٹائم بم ہونے کا شک نہیں ہو سکتا تھا۔ علی نے مجاہدین کو بتایا کہ جب یہ بم پھٹیں گے تو دور دور تک تباہی پھیلے گی۔ دو بم کمیونسٹوں کے محلے میں رکھے جائیں گے۔ کمیونسٹ جلوس سے بچ کر اپنے گھروں کو بھاگیں گے تو محلے میں یہ بم اُن کا استقبال کریں گے اور جب اُن کے گھر والے ان بموں سے مریں گے تو اُنہیں بھی احساس ہو گا کہ پاکستان میں اُن کے کرائے گئے دھماکوں سے جو معصوم بچے، عورتیں اور مرد شہید ہوتے ہیں تو اُن کے رشتے داروں پر کیا گزرتی ہے۔ باقی چاروں ٹائم بم مختلف جگہوں پر رکھے جائیں گے تا کہ اگر جلوس ایک جگہ سے بچ کر نکل جائے تو دوسری جگہ اُن کا شکار ہو جائے۔

علی نے سحری کے وقت ایک مجاہد کو بھیجا کہ وہ باہر کا جائزہ لے کر آئے۔ مجاہدین نے آ کر بتایا کہ جلوس کے راستے کی صفائی شروع ہو چکی ہے۔ علی نے چار مجاہدین سے کہا کہ خاکروبوں کا لباس

پہن لیں۔ باقی مجاہدین کو روسی وردیاں پہنا دی گئیں اور عبدالرحمٰن کو سب کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ علی خود بھی خاکروب کے بہروپ میں تھا۔ سفید بالوں والی ڈاڑھی اور بوڑھے مریض کا میک اپ اُتار چکا تھا۔

راستے میں عبدالرحمٰن نے ایک دو جگہ رُوسی سپاہیوں سے گفتگو بھی کی۔ اُس کی وجہ سے کسی کو بھی شک نہ گزرا۔ عبدالرحمٰن جب اُس سڑک پر پہنچا جہاں بم رکھنے تھے تو وہاں پہنچ کر صفائی کرنے والے خاکروبوں کو جھڑکا کہ وہ صحیح کام نہیں کر رہے اور اپنے ساتھ لائے ہوئے مجاہد خاکروبوں سے کہا کہ اس سڑک پر صفائی کا کام تم سنبھالو۔ اصل خاکروبوں کو دوسری سڑک پر روانہ کر دیا' جہاں کوئی خاکروب تھا نہ کوئی روسی۔ نگرانی کرنے والے روسی سپاہیوں سے کہا کہ تم بھی دوسری سڑک پر چلے جاؤ اور کام کی صحیح نگرانی کرو' یہاں میں خود موجود ہوں' اس لیے یہاں تمہاری ضرورت نہیں۔ رُوسی سپاہیوں نے عبدالرحمٰن کو روسی افسر سمجھ کر فوراً حکم کی تعمیل کی۔

روسی فوجیوں اور اصلی خاکروبوں کے جانے کے بعد علی نے دو مختلف جگہوں پر فٹ پاتھ کی اینٹیں اُکھڑوائیں اور کھاد کی بوریاں زمین میں دفنا دی گئیں۔ پھر اینٹوں کو دوبارہ بڑی مہارت سے لگا کر سڑک اچھی طرح صاف کر دی گئی۔ واپسی پر دو بوریوں کو کمیونسٹوں کے محلے میں کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر میں چھپا دیا گیا۔

کرائے کا مکان جلوس کے راستے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ علی نے مجاہدین سے مشورے کے بعد طے کیا کہ جلوس کا اگلا حصہ جو فوجیوں اور اُن کی گاڑیوں پر مشتمل ہوگا' اگر کسی وجہ سے بموں کے دھماکوں کی لپیٹ میں آنے سے بچ گیا تو ہم اُن پر ہینڈ گرنیڈوں سے حملہ کریں گے۔

اشتہارات کی وجہ سے مجاہدین کے حملے کا خوف خاصا پھیل گیا تھا' اس لیے شہر کے عام لوگوں نے جلوس میں شرکت نہ کی مگر کمیونسٹ پوری تیاری سے شریک ہوئے۔ جلوس میں روسی فوجیوں کے علاوہ افغان فوجی بھی بھاری تعداد میں شریک تھے۔ جلوس میں روسی پرچم کے علاوہ لینن اور گورباچوف کی تصویریں کمیونسٹوں نے اٹھائی ہوئی تھیں۔ کمیونسٹ ''روس زندہ باد' گورباچوف زندہ باد' دقیانوسی نظام (اسلام) مردہ باد' انقلاب ثور زندہ باد' کے نعرے لگا رہے تھے۔ کمیونسٹ لڑکیاں اور لڑکے ڈانس کر رہے تھے۔ کمیونسٹ رہنماؤں نے مجاہدین اور پاکستان کے خلاف تقریریں کیں اور لینن کو نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑا لیڈر قرار دیا۔ جلوس کے آگے آگے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے تھے اور اوپر ہیلی کاپٹر مسلسل پرواز کر رہے تھے۔ مسلح فوجی دستے سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔

جلوس جب ٹائم بموں کے قریب پہنچا تو دور کھڑے مجاہدین نے اپنی اپنی کلائی گھڑیوں کو

دیکھا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ جلوس بہت آہستہ چل رہا تھا مگر دس منٹوں میں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے ٹائم بموں کے قریب پہنچ گئے۔

علی اپنی کلائی گھڑی دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹائم بم زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹے۔ جلوس کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ روسی فوجیوں اور اسلام کے خلاف نعرے لگانے والوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرنے لگیں۔ کھاد میں پٹرول ڈالے جانے کی وجہ سے اردگرد کے کئی مکانوں کو آگ لگ گئی۔ کچھ لوگ پیچھے اور کچھ لوگ آگے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ پیچھے راستہ بند ہو چکا تھا۔ لوگ آگے کی طرف دوڑے تو اگلے ٹائم بم بھی پھٹ پڑے۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں اُلٹ گئیں۔ بچنے والے فوجی آگے کی طرف بھاگے تو مجاہدین نے اُن پر گرنیڈوں سے حملہ کر دیا۔ پوری سڑک پر اسلام دُشمنوں کی لاشیں تڑپنے لگیں۔ سڑک کے دونوں طرف مکانوں کو آگ لگ چکی تھی جو تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ دھوئیں کے بادل پورے شہر پر چھا چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کمیونسٹوں کے محلے سے بھی زبردست دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں۔

مجاہدین ہینڈ گرینیڈ پھینک کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ دور کھڑے کچھ روسی فوجیوں نے اُنہیں دیکھ لیا۔ وہ اُن کی طرف بھاگے۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ وہ دو دو تین تین ہو کر شہر سے باہر نکلنے کی کوشش کریں۔





علی اور عبدالرحمٰن غلطی سے ایک ایسی گلی میں داخل ہو گئے جو آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ واپس مڑے تو اُنہیں دور سے رُوسی فوجی نظر آئے جو اُنہی کی طرف آ رہے تھے۔ اُن کی نظریں بالکل سامنے تھیں، اس وجہ سے وہ گلی میں علی اور عبدالرحمٰن کو نہ دیکھ سکے۔ علی اور عبدالرحمٰن فوراً ایک گھر میں کھلا دروازہ دیکھ کر داخل ہو گئے۔ داخل ہونے کے بعد اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

اس گھر میں ایک بوڑھی عورت اور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ بوڑھی عورت نے علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھا تو آگے بڑھ کر پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟

''کچھ نہیں اماں! رُوسی ہمیں پکڑنا چاہتے ہیں۔'' علی نے کہا

بوڑھی عورت بولی: ''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ مجاہد ہیں۔''

علی نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو بوڑھی عورت اُنہیں اندر لے گئی اور دونوں کو سب سے پچھلے کمرے میں چھپا دیا اور کہا کہ بیٹا تم بے فکر ہو کر یہاں آرام کرو۔

بڑھیا نے اُنہیں دوپہر کا کھانا بھی دیا اور کہا: ''بیٹا! رات تک آپ کو یہیں رہنا پڑے گا۔ رُوسی فوجی پورے شہر میں تلاشی لے رہے ہیں۔ جونہی باہر کے حالات ٹھیک ہوئے، میں آپ کو بتا دوں گی۔''

رات کا کھانا کھا کر وہ فارغ ہوئے ہی تھے کہ اُنہیں باہر سے بڑھیا کی آواز سنائی دی: ''بیٹا! تم صبح سے کہاں تھے؟ پورے شہر میں قیامت برپا ہو گئی اور تم اب آ رہے ہو۔''

''ہاں امی جان! تخریب کاروں نے بہت تباہی مچائی ہے۔ سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں اور ان گنت زخمی ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی مدد کرتے ہوئے باہر دیر ہو گئی۔ میرے بازو پر بھی معمولی زخم آئے ہیں۔'' بڑھیا کے بیٹے نے جواب دیا۔

بڑھیا کے بیٹے کی باتیں سن کر علی اور عبدالرحمٰن کچھ پریشان ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہمارے ساتھ تو آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے والا معاملہ ہوا ہے۔ علی نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر نہ کرو، اللہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا۔

بڑھیا کی آواز پھر سنائی دی: ''بیٹا! میں نے تمہیں پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ لادینوں کا ساتھ

چھوڑ دے۔ روٹی اور کپڑے کی خاطر اپنے دین کو نہ بیچ۔ خدا کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر۔ میں مرنے کے بعد تمہارے مرحوم باپ کو کیا جواب دوں گی؟ تمہارا باپ تو انگریزوں کے خلاف لڑنے والا مجاہد تھا مگر تم کافروں کے ساتھی بن گئے ہو۔''

بڑھیا کے لڑکے نے چیختے ہوئے جواب دیا: ''امی! میں آپ سے کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ چودہ سو سال پرانے مذہب کی باتیں میرے سامنے نہ دہرایا کرو۔ خدا اور رسول کا فضول ذکر میرے سامنے نہ کیا کرو۔ مجھے تمہارے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اللہ ہی ہے جو تجھے سمجھائے!'' بڑھیا نے حسرت سے کہا۔

بڑھیا کا لڑکا پچھلے کمرے کی طرف بڑھا تو بڑھیا نے اُسے روکتے ہوئے کہا کہ پچھلے کمرے میں مت جاؤ۔ ادھر واپس آ جاؤ۔

''مگر کیوں؟'' اُس کے لڑکے نے پوچھا۔

''کوئی بات تو ''کیوں'' کے بغیر بھی مان لیا کرو۔'' بڑھیا نے غصے سے کہا مگر وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھ کر فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ مجاہدین ہیں۔ اُس نے پستول نکال لیا اور غصے سے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟''

اس سے پہلے کہ علی یا عبدالرحمٰن کوئی جواب دیتے، بڑھیا اسے گریبان سے پکڑ کر باہر لے گئی اور کہا: ''میں بتا دیتی ہوں کہ یہ کون ہیں۔ یہ غیرت مند افغان ہیں۔ اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے والے ہیں۔ تمہاری طرح ایمان فروش نہیں۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے امی کہ تخریب کاروں کو آپ نے اس گھر میں پناہ دی ہوئی ہے اور ہم اُنہیں سارا دن باہر ڈھونڈتے پھرتے رہے۔ میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔'' لڑکے نے کہا۔

بڑھیا کی لڑکی شروع سے خاموش تھی، پولیس کا سن کر بول پڑی: ''بھائی جان! ہم تمہیں یہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''طاہرہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان لوگوں کے دھماکوں کی وجہ سے سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں۔ میں ان انقلاب دشمنوں کو معاف نہیں کر سکتا۔''

طاہرہ نے کہا: ''جن لاکھوں افغان مسلمانوں کو روسیوں نے شہید کیا ہے کیا وہ تمہیں نظر نہیں آتے؟ اور کیا پاکستان میں تم لوگ جو دھماکے کراتے ہو، اُن دھماکوں سے انسان نہیں مرتے؟''

''کچھ بھی ہو میں ان کو لازماً گرفتار کراؤں گا اور ہاں طاہرہ! ان کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام بھی ملے گا۔ حکومت نے ایک تخریب کار کے بدلے ایک لاکھ روپے کا اعلان کیا ہے۔ اس رقم سے

تمہارے لیے بہت خوبصورت زیور لاؤں گا۔ ایسا زیور لاؤں گا جسے تم دیکھتی ہی رہ جاؤ۔'' لڑکے نے فیصلہ کن انداز سے کہا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر باہر کی طرف چل پڑا تو طاہرہ اُس کے آگے کھڑی ہوگئی اور اُس نے کہا:

''بھائی جان! میں اُس زیور پر لعنت بھیجتی ہوئی جو ایمان فروشی کے بدلے ملے اور جو مجاہدین کے خون سے سرخ ہوا ہو...... بھائی جان! ہمیں خدا کے سامنے مزید شرمندہ نہ کراؤ اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کا باعث نہ بنو۔ ہم نے پہلے ہی بڑی مشکل سے تمہاری ملک دُشمنی کو برداشت کیا ہوا ہے۔ میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں کہ مجاہدین کو گرفتار کرانے کا ارادہ ترک کر دو۔''

''میں تمہاری یہ فضول بات نہیں مان سکتا۔ احمق لڑکی......!'' کمیونسٹ بھائی نے طاہرہ کو راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

طاہرہ دوڑتی ہوئی اندر گئی' ہاتھ میں خنجر لیے باہر آئی اور اپنے بھائی کو پکڑ کر کہنے لگی:

''بھائی جان! میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نے میری التجا نہ مانی تو پھر یہ بھی سن لو کہ دین کی خاطر آج بہن بھائی کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ میں تم جیسے دین دُشمن بھائی کو تو اپنے ہاتھوں سے قتل کر سکتی ہوں مگر مجاہدین کا اس گھر سے گرفتار ہونا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی۔''

بد بخت کمیونسٹ بھائی نے زور سے تھپڑ مار کر بہن کو پیچھے گرا دیا اور خود باہر کی طرف چل پڑا۔ طاہرہ بھی غصے سے اُٹھی اور اُس نے خنجر اپنے بھائی کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ وہ نیچے گرا تو طاہرہ نے دوسری دفعہ خنجر کا وار اُس کے دل کے قریب کیا۔

بھائی کو قتل کرنے کے بعد اُس نے اپنی ماں سے کہا: ''اماں! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے لادین بیٹے کو قتل کر دیا۔ اگر میں اس دین کے دُشمن کو قتل نہ کرتی تو یہ دین کے محافظوں کو قتل کروا دیتا۔ اماں! دین کا دُشمن کسی مسلمان ماں کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تو اس بات کا دُکھ ہے کہ وہ خون کے رشتے سے میرا بھائی تھا۔ کاش! وہ روسیوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوتا تو میں بھی فخر سے اُسے اپنا بھائی کہتی۔''

''بیٹی! تم نے جو کچھ کیا' اللہ کی خاطر کیا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ دُعا کرو' اللہ مجھے صبر دے۔'' بڑھیا نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد بڑھیا نے دروازہ کھولا' علی اور عبدالرحمٰن سے کہا: ''بیٹا! باہر اندھیرا چھا گیا ہے۔ آپ لوگ چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رُوسی تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں پہنچ جائیں۔''

''اماں! آپ نے اپنے بیٹے کو ہماری خاطر قربان کر دیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ سے

اظہار افسوس کریں یا آپ کا شکریہ ادا کریں۔ وہ آپ کے بڑھاپے کا سہارا اور اکلوتا بیٹا تھا۔''

علی کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ بڑھیا کہنے لگی: ''بیٹا! جو لڑکا اپنے وطن اور دین کا نہ بن سکا' وہ میرا بیٹا کیسے ہو سکتا تھا؟ میرے بیٹے وہ ہیں جو مادرِ وطن اور دین کے لیے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ سارے مجاہدین میرے بیٹے ہیں۔ مجھے اسے (اپنے بیٹے کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اپنا بیٹا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

''اماں! جب آپ نے ہمیں اپنا بیٹا کہا ہی ہے تو جب بھی کوئی مشکل آئے یا ضرورت پڑے تو اپنے ان بیٹوں کو ضرور یاد کر لینا۔'' علی یہ کہہ کر چل پڑا۔

وہ دروازے تک آ چکے تھے کہ عبدالرحمٰن مڑ کر پیچھے گیا۔ طاہرہ جو چادر میں اپنا چہرہ لپیٹے کھڑی تھی' اُسے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے کہا: ''طاہرہ! میں ایک روسی مسلمان ہوں۔ تم نے جس دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کیا ہے' میں اُسی دین کی خاطر تمہیں اپنی بہن بناتا ہوں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ افغانستان میں بھائی اپنی بہنوں کے لیے کیا کرتے ہیں مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں تم جیسی غیرت مند بہن کے لیے اپنی جان بھی دینے کو حاضر ہوں۔''

پھر وہ طاہرہ کی ماں سے مخاطب ہوا: ''اماں! جب طاہرہ میری بہن بن گئی ہے تو آپ میری ماں ہیں۔ میں یہ کچھ رقم ماں سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میں نہیں چاہوں گا کہ میری ماں اور بہن پیٹ بھرنے کے لیے مزدوری کرتی پھریں۔ میں بعد میں بھی آپ کی ضرورت کی ہر چیز بھیجتا رہوں گا۔''

''نہیں بیٹا! میں نے تمہاری زندگی پیسے کے لیے نہیں بچائی۔ میں نے خدا کے لیے تمہاری مدد کی ہے۔ وہی مجھے کھانے کے لیے بھی دے گا۔'' بڑھیا نے کہا۔

''اماں! آپ نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین کو بچانے کے لیے قتل کیا ہے اور اس کا اجر تو خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ رقم تو میں ایک بیٹے کی حیثیت سے ماں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے یہ رقم نہ لی تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ میں آپ کا بیٹا اور طاہرہ کا بھائی بن سکوں۔ اماں! رُوس سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا ہے اور رُوس میں اپنے ماں باپ سے ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ افغان مجاہدین نے مجھے بھائیوں کا پیار دیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میری آپ جیسی کوئی ماں اور طاہرہ جیسی بہن بھی ہو لیکن شاید آپ نے روسی مسلمان کو اس قابل ہی نہیں سمجھا۔'' عبدالرحمٰن نے بڑے دردمندانہ لہجے میں کہا۔

اس پر طاہرہ نے اپنی ماں سے کہا: ''اماں! آپ بھائی جان کا دل نہ دکھائیں۔ پیسے لے لیں۔''

عبدالرحمٰن نے طاہرہ کا شکریہ ادا کیا۔ طاہرہ اور اُس کی ماں نے عبدالرحمٰن اور علی کو دعاؤں کے

ساتھ رخصت کیا۔

علی اور عبدالرحمٰن خاصی مشکلوں سے گزرنے کے بعد شہر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

راستے میں عبدالرحمٰن نے علی سے کہا: ''برادر علی! میں آج سے پہلے یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دین کی خاطر کوئی بہن اپنے بھائی کو یوں قتل بھی کر سکتی ہے۔ افغانستان کی مائیں اور بہنیں بہت عظیم ہیں۔ طاہرہ اور اُس کی ماں چاہتیں تو ہمیں گرفتار کروا کے اپنے بیٹے کی عزت میں اضافہ کروا سکتی تھیں اور لاکھوں افغانی کا انعام بھی حاصل کر سکتی تھیں لیکن اُنہوں نے دین کی خاطر دولت ہی نہیں' خون کے اتنے قریبی رشتے کو بھی قربان کر دیا۔ مجھے تو یہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ یہ عورتیں اس زمانے کی نہیں۔''

''عبدالرحمٰن! افغانستان کے مسلمان دین کی خاطر ہر چیز کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ پہلی مثال ہوگی۔ یہاں یہ بھی ہوا کہ باپ نے بیٹے کو اور بیوی نے شوہر کو دین کی خاطر قتل کر دیا۔ یہ انہی لوگوں کی قربانیاں ہیں جن کی بدولت ہمیں ناقص ہتھیاروں کے باوجود روس جیسی سپر طاقت کے مقابلے میں فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔'' علی نے عبدالرحمٰن کو بتایا۔

وہ مرکز پہنچے تو دوسرے مجاہدین پہلے ہی خیر و عافیت سے پہنچ چکے تھے۔

ان دھماکوں کے بعد رُوسی کرنل زیبونوف نے کابل میں روسی فوجی افسروں کی میٹنگ فوراً بلا لی۔ میٹنگ میں بھی علی کی ذات زیرِ بحث تھی۔ گھوڑ سوار اور موٹر سائیکل سوار دستوں کی کارروائیاں بھی زیرِ بحث آئیں۔ کرنل زیبونوف نے اعلان کیا کہ علی کو گرفتار کرنے کے لیے بیس لاکھ روبل انعام کا اعلان تمام شہروں اور دیہات میں کر دیا جائے۔ کرنل نے کہا کہ اتنے بڑے انعام کے لالچ میں علی کا کوئی بھی ساتھی اُسے گرفتار کروا دے گا۔

ایک روسی افسر نے تجویز پیش کی کہ علی کے مرکز کو تباہ کرنے اور علی کو گرفتار یا ہلاک کرنے کے لیے کیوں نہ سپٹسناز دستے اس کے مرکز میں اتارے جائیں۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں مگر سپٹسناز کی کارروائی کی منظوری لینے اور اُن کو یہاں لانے میں کم از کم تین چار ماہ لگ جائیں گے۔ اس سے زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔'' کرنل زیبونوف نے کہا:

''لیکن' ہمیں علی کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔'' ایک دوسرے روسی افسر نے کہا۔

کرنل زیبونوف نے جواب دیا: ''فی الحال ہوائی حملوں میں مزید شدت پیدا کی جائے۔ علی کے گروپ میں سے اپنے جاسوس بنائے جائیں اور مجاہدین کے بھیس میں اپنے تربیت یافتہ جاسوس بھی بھیجے جائیں۔ سپٹسناز کے بارے میں اگلے ماہ ہونے والی میٹنگ میں غور ہوگا۔''

سپٹسناز والی اطلاع کابل میں مجاہدین کے ایک جاسوس کو مل گئی۔ اُس نے یہ اطلاع فوراً اپنے چیف کو پہنچائی کیونکہ اس اطلاع کا تعلق علی سے تھا اس لئے چیف نے ہیڈکوارٹر میں چیف کمانڈر سے مشورہ کیا۔ کمانڈر صاحب نے کابل کے چیف کو ہدایت کی کہ علی کو یہ معلومات فوراً براہِ راست پہنچائی جائیں۔

چیف نے علی کو وائرلیس پر یہ اطلاع دی کہ اس مرکز پر سپٹسناز اتارنے کا منصوبہ بن رہا ہے۔

''سپٹسناز کیا ہوتے ہیں؟'' علی نے پوچھا تو چیف نے بتایا کہ مجھے فی الحال اُن کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ جونہی معلوم ہوا آگاہ کر دوں گا۔''

''سپٹسناز کب اُتارنے کا منصوبہ ہے؟'' علی نے پوچھا

تو چیف نے بتایا: ''تین چار ماہ تک''

سپٹسناز کے حملے کی تصدیق صوبائی دارالحکومت سے کیپٹن عبیداللہ نے بھی دوسرے دن کر دی لیکن کسی نے بھی یہ نہ بتایا کہ سپٹسناز ہوتے کیا ہیں۔

علی نے سپٹسناز کا ذکر عبدالرحمٰن سے کیا تو وہ یہ نام سن کر ہی پریشان ہو گیا۔ اُس نے علی کو بتایا کہ یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔ سپٹسناز' روس کے وہ خونخوار فوجی دستے ہیں جن کا نام ہی سن کر یورپ کے لوگ اور فوجی کانپنے لگتے ہیں۔ اُس نے مزید بتایا کہ ان دستوں میں شامل فوجیوں کو بچپن ہی میں بھرتی کر لیا جاتا ہے اور جنگلوں کے اندر خونخوار درندوں کی طرح اُن کی پرورش کی جاتی ہے۔ جانوروں کا خون پلایا اور کچا گوشت کھلایا جاتا ہے۔ اُن کی انتہائی سخت تربیت کی جاتی ہے۔ انسانیت اور رحم نام کی ہر چیز اُن کے ذہن سے نکال دی جاتی ہے۔ اُن کے جسم فولادی مگر چیتے کی طرح پھرتیلے ہوتے ہیں اور یہ لوگ بھیڑیے کی طرح ظالم اور سفاک بن جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پتھروں میں پھول اگ سکتے ہیں مگر سپٹسناز کے دلوں میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ اُن میں جنگل کے وحشی اور ظالم درندوں کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنے مخالفوں کو بڑی بے رحمی سے چبا ڈالتے ہیں۔ ہم سپٹسناز کو تربیت یافتہ' درندہ صفت' ظالم اور سفاک وحشی فوجی کا نام دے سکتے ہیں۔ آج تک کسی جگہ بھی دُنیا کی کوئی فوج ان کا مقابلہ نہیں کر پائی۔

اللہ نے علی کو وہ حوصلہ عطا کیا ہوا تھا کہ برے سے برے حالات میں بھی وہ پریشان نہ ہوتا تھا۔ اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''اس کا کوئی حل سوچو۔ میں بھی سوچتا ہوں۔ کل انشاء اللہ پھر بات ہوگی۔''

دوسرے دن علی نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''سپٹسناز کا حملہ تین چار ماہ بعد ہوگا۔ اگر اس دوران میں ہم منتخب مجاہدین کی تربیت اس طرح کر لیں کہ وہ سپٹسناز کا مقابلہ کر سکیں تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں تمام مراکز سے انتہائی صحت مند اور ہر حالت میں جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھنے والے

مجاہدین کو الگ کر لیتے ہیں۔ انہیں سخت تربیتی مراحل سے گزارتے ہیں۔ اگر سپٹسناز کی جنگلوں میں تربیت ہوئی ہے تو مجاہدین بھی پہاڑوں' جنگلوں اور چٹانوں میں کھیل کر جوان ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان کی تربیت کا اہتمام کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ سپٹسناز سے زیادہ بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔''

عبدالرحمٰن نے تجویز سے اتفاق کیا۔ علی نے تمام مراکز سے وائرلیس پر رابطہ قائم کیا اور تمام کمانڈروں کو منتخب مجاہدین بھیجنے کو کہا۔ ''کمانڈروں کو بتا دیا گیا کہ ہمیں کن خوبیوں والے مجاہدین درکار ہیں۔

تیسرے دن ڈیڑھ سو مجاہدین اس مقصد کیلئے اکٹھے ہو چکے تھے۔ علی نے عبدالرحمٰن کو اُن کا انچارج مقرر کرتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! تین ماہ کے اندر اندر ان مجاہدین کو چیتے سے زیادہ پھرتیلے اور شیر سے زیادہ بہادر بنا دو۔ تربیت کے لیے جس سامان کی بھی ضرورت ہوگی' وہ تمہیں بروقت ملے گا۔''

عبدالرحمٰن نے علی کو سامان کی فہرست بنا کر دے دی۔ چند ہی روز میں علی نے وہ تمام سامان عبدالرحمٰن کو فراہم کر دیا۔

پہاڑوں میں واقع ایک اور وادی کو ان مجاہدین کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ علی نے عبدالرحمٰن سے کہا:

''ہم ان مجاہدین کو دوسرے مجاہدین کی نظروں سے تو اوجھل نہیں رکھ سکتے مگر دوسرے مجاہدین کو علم نہ ہونے پائے کہ ان مجاہدین کی تربیت کس مقصد کیلئے کر رہے ہیں۔''

علی نے ان مجاہدین کی خوراک کے لیے بھی خصوصی انتظامات کیے۔ اُس نے دودھ اور گوشت کا مسئلہ حل کرنے کے لیے شہر کے قریب سرکاری ڈیری فارم پر حملہ کیا اور بہت بڑی تعداد میں بھیڑ بکریاں اور گائیں لا کر عبدالرحمٰن کے حوالے کر دیں۔ چند مجاہدین کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ مرکز میں ایک ڈیری فارم قائم کریں جن میں بھیڑ بکریاں' گائیں اور مرغیاں خاصی تعداد میں پالی جائیں تاکہ مجاہدین کو گوشت کی کمی نہ ہونے پائے۔ سبزیوں کی کاشت تو مجاہدین پہلے ہی کرتے تھے۔ علی نے خوراک کے مسئلے کو مزید بہتر بنانے کے لیے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ تشکیل دیا اور اُس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ خوراک کے سرکاری ذخائر اور سٹوروں پر حملہ کر کے زیادہ سے زیادہ سامان خورد و نوش لائیں۔

عبدالرحمٰن نے منتخب مجاہدین کی تربیت کا کام شروع کر دیا۔ اُن کی تربیت میں سخت ورزشوں کے علاوہ پہاڑوں پر دوڑ کر چڑھنا' کھائیوں کو پھلانگنا' ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگانا' تیراکی' خنجر اور بندوق کو انتہائی مہارت سے چلانا اور بندوق کی گولیوں سے بچاؤ وغیرہ کے علاوہ

بہت سی دوسری مشقیں بھی شامل تھیں۔

علی روزانہ مجاہدین کی تربیت کو دیکھتا اور عبدالرحمٰن کو وقتاً فوقتاً مشورے دیتا رہتا۔ محمد اسلام نے ایک دن عبدالرحمٰن اور علی سے کہا:

''اگر مجھے کچھ سامان لا دیا جائے تو میں ایسے دستانے تیار کر کے دے سکتا ہوں جن کے اندر ایک ایسی گیس ہوگی جو لمحوں میں کسی بھی جاندار چیز کو مار سکتی ہے۔''

علی نے سامان کی تفصیل پوچھی۔ دستانوں کا سامان زیادہ مہنگا نہیں تھا۔ گیس کے لیے درکار مختلف کیمیکلز بھی بہت سستے تھے اور پاکستان سے مل سکتے تھے۔

علی نے محمد اسلام کے لیے یہ سامان لانے کے لیے مجاہدین پاکستان بھیج دیے۔





اُدھر روسیوں نے اپنے جاسوس مجاہدین میں داخل کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ منصوبہ انتہائی مہارت سے بنایا گیا تھا۔ اس منصوبے کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ یہ تھا کہ مرکز میں پہلے سے موجود مجاہدین کو خریدا جائے اور دوسرا مجاہدین کے بھیس میں جاسوس داخل کرنے کا تھا۔ روسی دونوں منصوبوں پر بیک وقت عمل کر رہے تھے۔

ایک دن تین افغان فوجی مرکز آئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم کمانڈر سے ملنا چاہتے ہیں۔ مرکز کی استقبالیہ پوسٹ پر ابتدائی تفتیش کے بعد علی کو اطلاع کی گئی۔ علی نے اُنہیں اندر بلا لیا۔

اُنہوں نے بتایا کہ ہم روسی فوج سے بھاگ کر آئے ہیں۔ افغان عوام پر روسی فوج کے مظالم کا ہم مزید ساتھ نہیں دے سکتے۔ مجاہدین کے خلاف لڑتے ہوئے ہمیں ہمارا ضمیر بار بار ملامت کرتا تھا' اس لیے ہم نے فوج سے بھاگنے کا منصوبہ بنایا اور آج اسلحہ سمیت ادھر چلے آئے ہیں۔ اسلحہ استقبالیہ پوسٹ پر جمع کروا دیا ہے۔

علی نے اُن سے بہت سے سوالات پوچھے اور اُنہوں نے اپنے جوابات سے علی کو مطمئن کر دیا۔ علی نے اُنہیں مجاہدین میں شامل ہونے کی نہ صرف اجازت دے دی بلکہ مبارکباد بھی دی۔

ابھی وہ علی کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد اسلام اُدھر چلا آیا۔ اُس نے دور ہی سے تینوں کو پہچان لیا۔ وہ تینوں کابل حکومت کی دہشت گرد تنظیم "خاد" کے افسر تھے۔ محمد اسلام نے تینوں کے بارے میں علی کو بتایا کہ یہ تو خاد کے افسر ہیں۔ علی نے بتایا کہ یہ لوگ خاد کے نہیں بلکہ افغان فوج کے افسر تھے اور بھاگ کر آئے ہیں اور اب مجاہدین میں شامل ہو گئے ہیں۔

محمد اسلام نے کہا کہ بہتر ہے آپ ان کے بارے میں مزید تفتیش کر لیں کیونکہ اتنے پکے کمیونسٹ مجاہدین سے نہیں مل سکتے۔ یقیناً یہ مجاہدین کی جاسوسی کرنے آئے ہیں۔ تینوں افغان افسروں نے اس پر احتجاج کیا لیکن علی نے محمد اسلام کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے اُن سے کہا:

"آپ لوگ مزید چند روز کے لیے زیرِ تفتیش رہیں گے۔ جب تک آپ لوگوں کی بتائی ہوئی معلومات کی ہم تحقیق نہیں کر لیتے' آپ زیرِ حراست رہیں گے۔ اگر آپ واقعی خلوص نیت سے مجاہدین

میں شامل ہونے آئے ہیں تو تفتیش کے سلسلے میں آپ کو مجاہدین سے پورا پورا تعاون کرنا چاہئے۔"

علی نے دو مجاہدین کو اس گاؤں بھیج دیا جسے اُنہوں نے اپنا گاؤں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی علی نے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور اُس سے کہا کہ ان تین افراد کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔

دوسرے دن شہر سے کیپٹن عبیداللہ نے اطلاع دی کہ تینوں کا تعلق خاد سے ہے۔ سرکاری کاغذوں میں تینوں آج کل چھٹی پر ہیں جبکہ خاد کے دفتر میں موجود میرے ایک دوست نے بتایا ہے کہ وہ کسی اہم مشن پر گئے ہوئے ہیں۔

شام کے وقت اُس گاؤں سے بھی مجاہدین واپس آ گئے۔ اُنہوں نے بتایا کہ ان تینوں کا تعلق اُس گاؤں سے نہیں اور گاؤں کا کوئی فرد اُنہیں نہیں جانتا۔

تینوں کو بلایا گیا۔ علی نے اُن کے سامنے حاصل شدہ معلومات رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنہیں سزائے موت سناتے ہوئے کہا: "تم لوگ افغان مسلمانوں کو روس کا غلام بنانے کے لیے کام کر رہے ہو اور یہاں آ کر تم مجاہدین کی جاسوسی کرنا چاہتے تھے لیکن تم یہ بھول گئے کہ اللہ مجاہدین کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو' اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ غداروں کو ہر ملک میں موت کی سزا دی جاتی ہے' اس لیے تمہیں بھی موت کے حوالے کیا جا رہا ہے۔"

چند دنوں کے بعد کا واقعہ ہے کہ علی اپنے کمرے میں بیٹھا مجاہدین سے مختلف اُمور پر گفتگو کر رہا تھا کہ ایک سانپ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ مجاہدین اُسے مارنے کے لیے دوڑے۔ علی نے اُنہیں روک دیا اور کہا کہ جب تک سانپ کسی کو کاٹنے کی کوشش نہ کرے اُسے کچھ نہ کہا جائے۔ سانپ کمرے کا چکر کاٹ کر باہر چلا گیا۔ مجاہدین بھی سانپ کو دیکھنے باہر چلے آئے۔

سانپ عجیب وغریب حرکتیں کر رہا تھا۔ اگر کوئی مجاہد اُسے بھگانے کی کوشش کرتا تو وہ پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا اور پھنکارنے لگتا۔ کبھی خود ہی چلنے لگتا۔ کچھ دور تک جاتا اور پھر واپس آ جاتا۔ پھر اس نے اپنی دُم علی کے پاؤں پر مارنی شروع کر دی۔ دُم مارنے کے بعد وہ پھر دور چلا گیا۔ اُس نے واپس مڑ کر دیکھا اور پھر لوٹ آیا۔ واپس آ کر اُس نے اپنی دُم کو علی کی پنڈلی کے گرد لپیٹ دیا۔ مجاہدین مارنے لگے مگر علی نے اس دفعہ بھی روک دیا۔ علی سانپ کی حرکتیں دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں پوری طرح سانپ کے منہ پر لگی ہوئی تھیں تاکہ اگر وہ کاٹنے کی کوشش کرے تو فوراً اسے ہلاک کیا جا سکے۔ کئی مجاہدین نے علی کو سمجھایا کہ زہریلے سانپ کے ساتھ کھیلنا اچھی بات نہیں۔

سانپ نے علی کو کھینچنے کے لیے زور لگانا شروع کر دیا۔ علی بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ جونہی چلنے

لگا سانپ نے اپنی دم کو پنڈلی سے کھول کر بھاگنا شروع کر دیا۔ علی اور دوسرے مجاہدین اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ مرکز سے کوئی آدھ میل دور جا کر سانپ ایک جگہ رُک گیا۔ وہ پھن پھلا کر کھڑا ہو گیا اور ایک طرف کو منہ کر کے پھنکارنے لگا۔ مجاہدین نے اُس طرف دیکھا تو وہاں دو مجاہدوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین اُن کی طرف چلے۔ علی نے دیکھا کہ دونوں مجاہد مر چکے ہیں۔ ان کے جسم نیلے پڑ چکے تھے۔ دونوں کے پاؤں پر سانپ نے کاٹا ہوا تھا۔ ایک مجاہد نے کہا کہ اُسی چالاک سانپ نے انہیں ڈسا ہے۔ اسے مار دینا چاہیئے۔ وہ واپس مڑے مگر سانپ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے سانپ کو بہت ڈھونڈا مگر سانپ اُنہیں کہیں نظر نہ آیا۔

علی نے مردہ مجاہدین کی شناخت کے لیے ان کی جیبوں کی تلاشی لی۔ دونوں مجاہدوں کا تعلق کمانڈر عید محمد کی چوکی سے تھا۔ علی کو ایک مجاہد کی جیب سے ایک لفافہ ملا وہ اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ خط پڑھنے کے بعد اُس کے چہرے کا رنگ دیکھنے والا تھا۔ اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: ''اے خدایا! ہم تیرے کس کس احسان کا شکر ادا کریں۔ اگر تو ہم نادانوں کی مدد نہ کرے تو چالاک اور مکار دُشمن ہمیں لمحوں میں ختم کر دے۔''

سب مجاہدین علی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید وہ بتائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ علی نے اُن سے کہا کہ دونوں کی لاشیں مرکز کے اندر پہنچا دی جائیں۔

دفتر پہنچ کر علی نے دس مجاہدین سے کہا کہ فوراً جاؤ اور کمانڈر عید محمد کو گرفتار کر کے لے آؤ۔

اب بھی مجاہدین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک مجاہد نے پوچھا تو علی نے کہا کہ صبر کرو۔

کمانڈر عید محمد گرفتار ہو کر آ چکا تھا۔ علی ہر جہادی چوکی پر ٹیلی فون کر رہا تھا کہ سب مجاہدین فوراً یہاں پہنچ جائیں' صرف دو دو مجاہد پہرے کے لیے ہر پوسٹ پر موجود رہیں۔

آدھ گھنٹے بعد تمام مجاہدین اکٹھے ہو چکے تھے۔ علی اونچی جگہ کھڑا ہو گیا اور مجاہدین سے کہا کہ لاشیں اوپر اٹھا لاؤ۔ سب مجاہدین کے سامنے سانپ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اُس نے کہا: ''ہم جب سانپ کا پیچھا کرتے ہوئے ان مجاہدین تک پہنچے تو اُن کی جیب سے یہ خط برآمد ہوا ہے۔ یہ خط کمانڈر عید محمد کی طرف سے صوبائی دارالحکومت میں رُوسی کمانڈر کے نام ہے۔ اس میں مرکز کے نقشوں کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی سرگرمیوں کی ایک ایک تفصیل درج ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ لوگ ان ایمان فروشوں کی لاشیں دیکھ لیں جو ہمارے قتل کا سودا کرنے جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نہ صرف زہریلے سانپ سے ہلاک کروا کے اُن کا منصوبہ خاک میں ملا دیا بلکہ اس سانپ کے

ذریعے تمام منصوبہ طشت از بام بھی کر وا دیا۔ لاشوں کو غور سے دیکھو۔ یہ سانپ کے زہر سے نیلی ہو چکی ہیں اور دوزخ میں نہ جانے ان ایمان فروشوں کو کیا کیا عذاب دیا جائے گا۔ یاد رکھو! جو لوگ دولت کی ہوس میں ایمان کا سودا کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی وجہ سے اس دُنیا میں عذاب خداوندی سے بچ بھی جائیں تو آخرت میں اُن کے لیے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ ہم میں سے کمزور ایمان والا کوئی بھی فرد غداری کرتے وقت ان غداروں کی عبرتناک موت کو یقیناً یاد رکھے گا۔''

سب مجاہدین نے ایمان فروشوں اور کمانڈر عید محمد کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

مجاہدین کا مطالبہ تھا کہ عید محمد غدار ہے' ایمان فروش ہے' اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ علی نے وعدہ کیا کہ اُسے عبرتناک سزا دی جائے گی تاکہ آئندہ کسی کو غداری کی جرأت نہ ہو۔ اُس نے مجاہدین سے کہا کہ آج رات ہر مجاہد شکرانے کے طور پر دو دو نفل ادا کرے کیونکہ اگر اللہ اس سازش کو بے نقاب نہ کرتا تو دُشمن اس مرکز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور ہم میں سے اکثر مارے جاتے۔

سب مجاہدین ''شکر ہے۔ شکر ہے .... یا خدایا شکر ہے۔'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے اپنی اپنی چوکیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔





ایک دن علی اپنے کمرے کے باہر بیٹھا عبدالرحمٰن اور محمد اسلام سے روس کے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اُٹھایا تو پتا چلا کہ استقبالیہ پوسٹ سے فون کیا گیا ہے۔ استقبالیہ چوکی پر متعین مجاہد نے بتایا کہ ایک مجاہد آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ علی نے کہا کہ اُسے فون دے دو۔

مجاہد نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں موٹر سائیکل سوار دستے میں شامل ہوں۔ آج ہم دُشمن کی ایک چھوٹی سے فوجی چوکی تباہ کر کے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا مل گئی۔ وہ زخمی تھی۔ اُس نے ہمیں روک کر مجاہدین کے مرکز کا راستہ پوچھا۔ ہمارے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ اُس کی لڑکی روسیوں نے اغوا کر لی ہے اور وہ اس سلسلے میں مجاہدین کے کمانڈر سے ملنا چاہتی ہے۔ میں اُسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر یہاں لے آیا ہوں۔ علی نے کہا کہ اُسے میرے پاس لے آؤ۔

علی نے بڑھیا کو دور ہی سے پہچان لیا۔ یہ تو طاہرہ کی ماں ہے۔ یہ سوچ کر ہی کہ طاہرہ کو روسیوں نے اغوا کر لیا ہے' علی کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر طاہرہ کی ماں کی طرف چل پڑا۔ عبدالرحمٰن اور محمد اسلام بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے جونہی طاہرہ کی ماں کو دیکھا وہ بھی فکر مند ہو گیا کہ آخر معاملہ کیا ہے کہ اماں کو مرکز آنا پڑا حالانکہ چند دن پہلے جن مجاہدین کے ہاتھ اُس نے پیسے بھیجے تھے' اُنہوں نے تو آ کر یہی بتایا تھا کہ طاہرہ اور اماں بالکل خیریت سے ہیں۔

اُس نے علی سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو اُس نے بتایا کہ طاہرہ کو روسیوں نے اغوا کر لیا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس کا دل چاہا کہ ابھی اُڑ کر چلا جائے اور اپنی بہن اغوا کرنے والوں کا قیمہ بنا دے۔

طاہرہ کی ماں نے روتے ہوئے بتایا: ''میرے مجاہد بیٹو! آج صبح روسی تمہاری اس بہن کو اغوا کر کے لے گئے جس نے تمہیں بچانے کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ میں نے مزاحمت کی تو مجھے اُنہوں نے زخمی کر دیا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

علی نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''اماں! طاہرہ تمہاری ہی بیٹی نہیں مجاہدین کی عزت اور غیرت بھی ہے۔ مجاہدین اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اُسے واپس لائیں گے۔''

اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ اماں کو مہمان خانے میں چھوڑ کر فوراً میرے کمرے میں پہنچو۔ علی زندگی میں کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ موت بار بار اس کے سر پر منڈلائی مگر کسی نے اُس کے چہرے پر پریشانی نہ دیکھی مگر آج وہ انتہائی پریشان تھا۔ پریشانی یہ نہ تھی کہ طاہرہ کو واپس کیسے لایا جائے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ہم لیٹ ہو گئے اور ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی خبیث روسیوں کے ہاتھوں طاہرہ بے آبرو ہو گئی تو کیا ہو گا؟

وہ یہ سوچ کر ہی پاگل ہو رہا تھا کہ طاہرہ جیسی معصوم اور غیرت مند لڑکی روسیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ کمرے میں جاتے ہی سجدے میں گر گیا۔ وہ بہتے آنسوؤں اور تڑپتے دل کے ساتھ خدا کے حضور التجا کرنے لگا: ''اے خدایا! تو نے ہمیشہ میری مدد کی۔ آج میں طاہرہ کی حفاظت کیلئے تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔ میں چاہوں بھی تو فوراً اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا لیکن تو قادرِ مطلق ہے۔ اے اللہ! جس نے تیرے دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کر دیا' میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو اس کی حفاظت اور مدد کو اپنے فرشتے بھیج دے۔''

دُعا کے بعد علی نے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبداللہ سے وائرلیس پر رابطہ قائم کیا اور اُسے بتایا کہ آج طاہرہ نام کی ایک لڑکی کو روسیوں نے اغوا کیا ہے' اُس کے بارے میں معلومات فوراً درکار ہیں۔

عبدالرحمٰن کمرے میں واپس آ چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا مگر اُس کی زبان خاموش تھی۔ وہ بار بار علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ علی کی طرح وہ بھی بہت پریشان تھا۔ علی نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! حوصلہ رکھو۔ طاہرہ کے بارے میں' میں تم سے کم پریشان نہیں لیکن جذبات میں کیا ہوا کوئی بھی فیصلہ اور بنایا ہوا کوئی بھی منصوبہ طاہرہ کو بچانے کے بجائے اُسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''علی! میں تو یہ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں کہ طاہرہ کیا سوچ رہی ہو گی کہ اُس کا بھائی اُس کی مدد کو ابھی تک نہیں پہنچا۔'' عبدالرحمٰن نے بات ختم کی تو علی نے کہا کہ طاہرہ کے اغوا کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ہمیں چاہئے تھا کہ دونوں ماں بیٹی کو اُسی دن اپنے ساتھ لے آتے اور اُنہیں پاکستان بھیج دیتے۔

اُن کے لیے ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور ابھی تک شہر سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ علی نے وائرلیس پر دوبارہ رابطہ قائم کیا تو ڈیوٹی پر موجود فرد نے بتایا کہ عبداللہ اور دوسرے جاسوس ابھی تک دفتر واپس نہیں آئے۔ وہ طاہرہ ہی کے بارے میں معلومات

حاصل کرنے گئے ہوئے ہیں۔

دو گھنٹے بعد وائرلیس پر پیغام آنا شروع ہوا۔ کیپٹن عبیداللہ نے بتایا کہ طاہرہ کو شہر میں موجود روسی کمانڈر روز یروف نے اغوا کرایا ہے۔ جب سے وہ یہاں آیا ہے' ہفتے میں ایک لڑکی ضرور اغوا کراتا ہے۔ اس اغوا میں کمیونسٹ اُس کی مدد کرتے ہیں۔ جب وہ کسی محلے میں کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً اس کی اطلاع روسی کمانڈر کو دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں اُن کمیونسٹوں کو بھی عیاشی کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ طاہرہ کو بھی ایک کمیونسٹ امجد خان نے اغوا کرایا ہے۔ امجد خان کبھی طاہرہ کے بھائی کا دوست تھا۔ طاہرہ کے بھائی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انقلابِ ثور والے دن مجاہدین نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ طاہرہ کا بھائی بذات خود ایک عیاش کمیونسٹ نوجوان تھا۔ طاہرہ کے اغوا کے فوراً بعد روسی کمانڈر روز یروف کو کابل بلا لیا گیا تھا اور طاہرہ ابھی تک اُس کی رہائش گاہ میں قید ہے۔

علی نے کیپٹن عبیداللہ سے کہا کہ ہم موٹر سائیکلوں پر طاہرہ کو روسی کمانڈر کی قید سے رہا کرانے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہمارے آنے سے پہلے روسی کمانڈر کی رہائش گاہ کے اردگرد کے نقشے اور پہرے داروں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے شہر کے مشرق میں احمد گل خان کے باغ کے قریب ملو۔ باغ کے مشرق میں جو نالہ ہے' ہم وہاں انتظار کریں گے۔

علی نے شہر کے قریب مجاہدین کے مراکز کے کمانڈروں کو بھی مطلع کر دیا کہ وہ اپنے بہترین مجاہدین لے کر احمد گل خان کے باغ کے مشرق میں پہنچ جائیں۔ اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ آپ اپنے دستے میں سے دس بہترین مجاہدین کا انتخاب کریں۔ محمد اسلام سے کہا کہ آج تمہارے دستانوں اور گیس کا بھی ٹیسٹ ہو جائے گا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے جب مجاہدین موٹر سائیکلوں پر احمد گل خان کے باغ کے مشرق میں واقع نالے میں پہنچے۔ کیپٹن عبیداللہ اور صوبائی دارالحکومت کے قریبی مراکز کے سو سے زیادہ مجاہدین پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

علی نے مجاہدین کو طاہرہ کے بارے میں مختصراً بتایا۔ جب مجاہدین کو پتا چلا کہ اس نے مجاہدین کو بچانے کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا تو اُن کے جذبات بے قابو ہونے لگے۔ سب مجاہدین نے اس عزم کا اظہار کیا کہ طاہرہ صرف عبدالرحمٰن کی نہیں' ہم سب کی بہن ہے۔ وہ افغان اور ملت اسلامیہ کی ایک غیرت مند بیٹی ہے۔ اگر اُسے کچھ ہوا تو ہم اس شہر کے ایک ایک کمیونسٹ اور ایک ایک روسی سے بدلہ لیں گے۔

علی نے مجاہدین سے کہا: ''آپ صبر سے کام لیں اور جس طرح میں کہتا ہوں' اُسی طرح کریں۔''

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے۔ ایک گروپ کے مجاہدین کی ذمہ داری یہ لگائی کہ وہ واپسی کے راستے کی نگرانی کریں۔ اگر روسی فوج مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے اس راستے کو بند کرنے کی کوشش کرے تو اسے ناکام بنا دیں۔ اس گروپ میں اسی مجاہدین رکھے گئے۔ اس گروپ کو مارٹر توپیں اور مشین گنیں بھی دیدی گئیں۔

پندرہ مجاہدین علی نے اپنے گروپ میں لیے۔ اُن میں دس مجاہدین عبدالرحمٰن کے دستے سے لیے گئے جن کے بارے میں عبدالرحمٰن کو یقین تھا کہ وہ سو روسی فوجیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ باقی مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ اس شہر کے عیاش کمیونسٹ لیڈروں اور امجد خان کو زندہ یا مردہ لے کر یہاں واپس آئیں۔

کیپٹن عبیداللہ نے علی کے سامنے روسی کمانڈر کی رہائش گاہ کے اردگرد کے نقشے اور کوٹھی کے اندر داخل ہونے کے ممکنہ راستوں کے بارے میں تفصیلات رکھیں۔ کوٹھی میں داخل ہونے کے دو راستے تھے۔ ایک سامنے کے دروازے سے جدھر پہرے داروں کے ساتھ ساتھ خونخوار کتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا۔ دوسرا راستہ گٹر کے ذریعے داخلہ کا تھا' ادھر بھی پہریدار موجود تھے مگر کم تعداد میں۔ علی نے گٹر والے راستے کا انتخاب کیا کیونکہ سامنے والے راستے تک پہنچنے کے لیے چھاؤنی میں سے گزرنا پڑتا تھا اور علی کسی بڑی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اُسے لڑائی سے زیادہ طاہرہ کی عزت اور جان کی فکر تھی۔

دونوں گروپ شہر میں اپنے اپنے راستوں سے داخل ہو گئے اور تیسرے گروپ نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ علی اور اس کا گروپ درختوں کے گھنے ذخیرے میں سے گزرتا ہوا چھاؤنی کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ چار دیواری پر خاردار تار لگی ہوئی تھی اور دیوار کے اِس طرف چار پہرے دار بھی نظر آئے۔ علی نے آٹھ مجاہدین سے کہا کہ دو دو کی ٹولیوں میں جاؤ اور اُن چاروں پہرے داروں پر قابو پالو۔

عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ آٹھ مجاہدین زہریلی گیس کے دستانے پہنے زمین پر رینگتے ہوئے اپنے اپنے شکار کی طرف بڑھنے لگے۔ ابھی پہرے داروں سے وہ کئی گز دور تھے کہ پہرے داروں کو رینگنے کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ معلوم کر پاتے کہ سرسراہٹ کس چیز کی ہے' مجاہدین شاہینوں کی طرح جھپٹے اور لمحوں میں اُن کی لاشیں لے کر علی کے سامنے حاضر ہو گئے۔ یہ کارکردگی علی کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ ابھی ان شاہین صفت مجاہدین کی تربیت کے بمشکل دو ماہ مکمل ہوئے تھے۔

اب مجاہدین کے لیے چھاؤنی کے اندر داخل ہونے کا راستہ صاف تھا۔ مجاہدین ایک ایک کر کے گٹر سے گزرتے ہوئے چار دیواری کے دوسری طرف پہنچنا شروع ہو گئے۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر کوٹھی تھی مگر غیر متوقع طور پر ادھر بھی دو خونخوار کتے پہرے کے لیے کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ ابھی تک ان کتوں کی نظریں مجاہدین پر نہیں پڑی تھیں۔ عبدالرحمٰن ہی کے چار تربیت یافتہ مجاہدین نے ان کتوں کو ختم کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

چاروں مجاہدین اس تیزی کے ساتھ کتوں کی طرف دوڑے کہ کتے صرف تین چار دفعہ ہی ''بھوں' بھوں'' کر پائے۔ علی نے دیکھا کہ کتے چھلانگ لگا کر مجاہدین پر اُچھلے۔ اُنہوں نے دونوں کتوں کی گردنوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑا اور کیس سے لمحوں میں موت کی نیند سلا دیا۔ علی نے مجاہدین کے اندر چیتے کی سی پھرتی دیکھ کر عبدالرحمٰن کی تعریف کی۔

دس مجاہدین کو علی نے کوٹھی کے باہر چھوڑا اور پانچ مجاہدین کے ساتھ روشن دانوں کے راستے خود کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کمرے میں سے ہوتے ہوئے علی چوتھے کمرے میں پہنچا۔

کمرے میں ایک لڑکی نماز پڑھ رہی تھی۔ لڑکی کا منہ دوسری طرف تھا' اگر علی کی طرف بھی ہوتا تو وہ چہرے سے تو طاہرہ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اُس نے طاہرہ کی آواز ضرور سنی تھی مگر شکل تو نہیں دیکھی ہوئی تھی کیونکہ جس دن علی اور عبدالرحمٰن نے طاہرہ کے گھر پناہ لی تھی' طاہرہ اُس دن اُن کے سامنے نہیں آئی تھی۔

لڑکی نے سلام پھیرا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ علی کی نظریں لڑکی کے چہرے پر پڑیں۔ لڑکی نہایت خوبصورت تھی اور چہرہ معصومیت سے پُرنور...... علی نے دیکھتے ہی نظریں نیچی کر لیں۔ لڑکی نے بھی فوراً چہرے کو دوپٹے سے ڈھانپ کر نظریں جھکا لیں۔

علی کو یقین تھا کہ یہ لڑکی طاہرہ ہی ہے ورنہ کسی روسی کی کوٹھی میں کون نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی علی نے پوچھا: ''کیا آپ طاہرہ ہی ہیں؟''

''جی'' طاہرہ نے مختصر جواب دیا۔

علی نے اُسے بتایا کہ میرا نام علی ہے اور تمہارا بھائی عبدالرحمٰن باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ علی نے مزید کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ ہمیں پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کسی روسی یا ذلیل افغان نے ابھی تک تمہیں......

علی اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ طاہرہ بول پڑی: ''نہیں' آپ دیر سے نہیں آئے۔ اللہ نے آپ کو بروقت میری مدد کیلئے بھیجا ہے۔ میں ایک مجاہد کی بیٹی ہوں۔ اپنی عزت کی حفاظت بھی اپنے

وطن کی حفاظت کی طرح کرتی لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر رحم کیا اور کسی مشکل لمحے سے پہلے ہی آپ کو میری حفاظت کیلئے بھیج دیا۔''

علی نے روسی کمانڈر وزیروف کے نام پیغام لکھ کر کمرے میں چھوڑ دیا۔ علی نے روسی کمانڈر کو لکھا: ''وزیروف! تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم یہاں نہیں تھے۔ اگر تم مجھے مل جاتے تو میں آج تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا اور اگر اسلام نے لڑکیوں کو اغوا کرنے کی اجازت دی ہوتی تو میں تمہاری بہن اور بیوی کو روس سے بھی اُٹھا کر لے آتا۔ اگر آئندہ کبھی تم نے کسی افغان لڑکی کو اغوا کرایا تو تمہارا انجام بہت برا ہو گا۔''

علی نے طاہرہ سے کہا کہ آپ میرے پیچھے پیچھے آتی جائیں۔ آخری کمرے میں پہنچ کر علی سوچنے لگا کہ طاہرہ کو روشن دان کے ذریعے باہر کیسے نکالا جائے۔ اس سلسلے میں علی نے دو مجاہدین سے کہا کہ آپ پہلے باہر چلے جائیں اور دیوار کے ساتھ نیچے کھڑے ہو جائیں اور اُدھر سے طاہرہ کی نیچے اترنے میں مدد کریں۔

علی نے طاہرہ سے کہا کہ آپ میرے کندھوں پر قدم رکھ کر روشندان تک پہنچیں۔ طاہرہ ہچکچائی اور کہا کہ میں کسی مجاہد کے کندھوں پر اپنے قدم رکھوں' بہت مشکل ہے۔ میں خود ہی روشن دان تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔

علی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طاہرہ نہ صرف روشندان تک آرام سے خود ہی پہنچ گئی بلکہ دوسری طرف بھی اُس نے بلاخوف چھلانگ لگا دی۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ کا حال پوچھا اور اُسے خیر و عافیت سے دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

طاہرہ نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''مجھے یقین تھا کہ میرا بھائی میری مدد کو پہنچے گا اور میں شام سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''میرا دل تو چاہتا تھا کہ میں اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیامت بن کر ٹوٹ رہا تھا۔ بذات خود ہمارے کمانڈر صاحب بھی انتہائی پریشان تھے۔ میں نے کمانڈر صاحب کو کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا لیکن اس کے باوجود اُن کا حکم تھا کہ صبر سے کام لیا جائے۔ اُن کے خیال میں جلدی میں اُٹھایا جانے والا کوئی بھی قدم تمہیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

''آپ کے کمانڈر صاحب کون ہیں؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''اوہ تو تمہیں یہ معلوم ہی نہیں! وہی جو تمہیں کوٹھی سے باہر نکال کر لائے ہیں' کمانڈر علی۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا تو طاہرہ نے کہا کہ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ کا کمانڈر کوئی بوڑھا مجاہد ہو گا۔

علی نے عبدالرحمٰن کو آواز دی کہ بھائی باقی باتیں باہر جا کر کر لینا۔ یہاں ایک منٹ بھی مزید ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔

سب مجاہدین چھاؤنی کی چار دیواری سے گٹر ہی کے راستے باہر آئے۔ علی کو خطرہ تھا کہ کوٹھی کے دوسری طرف کے پہرے داروں سے بھی ٹکراؤ ہوگا مگر کوٹھی کے دوسری طرف پہرے داروں کو شاید پتا ہی نہ چل سکا۔

علی نے باہر آ کر طاہرہ سے کہا کہ ممکن ہے راستے میں کسی جگہ دشمن سے ہمارا ٹکراؤ ہو جائے' اس صورت میں فوراً زمین پر لیٹ جانا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ رہنا۔

مجاہدین کو کسی جگہ بھی روسیوں کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ آرام سے احمد گل خان کے باغ کے قریب نالے میں پہنچ گئے۔......... راستے کا پہرہ دینے والے مجاہدین اپنی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھے۔ علی نے انہیں ہدایت کی کہ جب دوسرا گروپ آ جائے تو اُس کے ساتھ ہی واپس آ جانا۔

نالے پر پہنچ کر مجاہدین نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا گروپ بھی آ گیا۔ راستے پر پہرہ دینے والے مجاہدین بھی واپس آ گئے۔ امجد خان کے علاوہ چار دوسرے کمیونسٹ لیڈر بھی گرفتار کر کے لائے گئے تھے۔

چاند پوری طرح آسمان پر چمک رہا تھا اور چاندنی اس قدر زیادہ تھی کہ ایک دوسرے کی شکلیں بھی پہچانی جا سکتی تھیں۔ علی نے کمیونسٹوں سے کہا: ''تم لوگ انسانیت کے نام پر دھبہ ہو۔ تم نے دین ہی نہیں چھوڑا' تمہاری غیرت بھی مر چکی ہے۔ تم اس حد تک بے غیرت ہو چکے ہو کہ افغان لڑکیوں کو خود اغوا کر کے روسیوں کی کوٹھیوں میں پہنچاتے ہو اور یہ بھول جاتے ہو کہ یہ تمہاری بیٹیاں اور بہنیں ہیں۔ موت کی سزا بھی تمہارے لیے بہت کم ہے۔''

علی نے جونہی بات ختم کی' طاہرہ جو ایک طرف خاموش بیٹھی تھی' وہ اُٹھ کر آگے آ گئی اور امجد خان سے مخاطب ہو کر بولی: ''بے دین و بے غیرت امجد خان! دیکھ لیا تم نے کہ میرا خدا کتنا طاقتور ہے۔ میں نے تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو اور تم نے کہا تھا کہ ہم خدا کو نہیں مانتے' اگر کوئی خدا ہے تو اُسے کہو آ کر آج وہ تمہیں ہم سے بچا سکتا ہے تو بچا لے۔ اب دیکھ لو میرے خدا نے مجھے بچا لیا مگر تمہارا خدا روس تمہیں آج نہیں بچا سکے گا۔''

امجد خان نے بولنا چاہا تو ایک مجاہد نے زور سے اس کے منہ پر مکا مارتے ہوئے کہا: ''خبردار! جو تم نے اپنی ناپاک زبان کھولنے کی کوشش کی۔''

علی نے گرفتار کمیونسٹوں کو گولی مارنے کا حکم دیا اور مجاہدین سے کہا کہ ان کی لاشیں سڑک پر رکھ

دینا اور ان کی لاشوں پر میری طرف سے یہ پیغام بھی لکھ دینا کہ آئندہ سے جس کمیونسٹ یا روسی فوجی نے کسی افغان لڑکی کو اغوا کرنے کی کوشش کی اُس کا حشر بھی انہیں جیسا ہوگا۔

کمیونسٹوں کو علی کی موجودگی ہی میں گولی مار دی گئی اور مجاہدین اپنے اپنے مراکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح کی نماز سے پہلے ہی علی اور اس کے ساتھی اپنے مرکز پہنچ گئے۔ طاہرہ کو اس کی ماں کے پاس بھیج دیا گیا۔

روسی اس کارروائی سے مزید پریشان ہو گئے۔ تیسرے دن استقبالیہ پوسٹ سے علی کو اطلاع دی گئی کہ روسی کمانڈر روزیروف کا نمائندہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ علی نے پوچھا کہ وہ مرکز تک کیسے پہنچا تو علی کو بتایا گیا کہ مرکز سے بہت دور ہی پہرے پر موجود مجاہدین نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اُسے آگے بھیج دیا۔ رُوسی کمانڈر روزیروف کے نمائندے نے علی کو کمانڈر کا خط دیا۔ علی نے خط پڑھا۔ خط میں لکھا تھا:

''ڈیئر علی! میں اس پر معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کی رشتہ دار طاہرہ کو میرے آدمیوں نے غلطی سے اغوا کر لیا۔ میں صوبے میں امن و امان کی خاطر آپ کو صلح کا پیغام دیتا ہوں۔ آپ کی کارروائیوں سے بہت سے لوگ مارے جاتے ہیں اور شہروں میں رہنے والے عوام پریشان ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اس صوبے کے عوام کے سکون کی خاطر جنگ بندی کر لیں۔ معاہدہ ہونے کے بعد ہم آپ کے علاقے میں کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور نہ باغیوں کے مراکز پر بمباری کی جائے گی۔ اسی طرح آپ کو چھاؤنیوں' فوجی چوکیوں اور شہری علاقوں میں کارروائیاں بند کرنا ہوں گی اور ہمارے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ گرفتار فوجیوں کو رہا کرنا ہوگا۔ فوجیوں کی رہائی کے لیے ہم آپ کو تاوان بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔ اگر آپ کو میری تجویز پسند ہو تو میں جس جگہ بھی آپ کہیں گے' جنگ بندی کے معاہدے کی خاطر بات چیت کرنے کیلئے آنے کو تیار ہوں .... فقط' وزیروف۔''

علی خط پڑھ کر ہنسا۔ اُس نے مجاہدین سے مشورے کے بعد روسی کمانڈر کے نام خط لکھ کر روسی نمائندے کے حوالے کیا۔ خط میں علی نے روسی کمانڈر کو لکھا:

''کمانڈر روزیروف! یا تو آپ انتہائی مکار اور چالاک ہیں یا پھر انتہائی بے وقوف۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ بندی کا معاملہ دو ملکوں کے درمیان ہوتا ہے' گھر میں گھس آنے والے ڈاکوؤں اور چوروں کے ساتھ نہیں۔ آپ کی حیثیت ڈاکوؤں اور چوروں کی ہے جو ہمارے ملک اور گھر میں گھس آئے ہیں۔ ڈاکوؤں اور چوروں سے جنگ بندی نہیں کی جاتی' ان سے گھر خالی کرایا جاتا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ جنگ بندی کی بات کرنے کے بجائے اس ملک کو خالی کر کے چلے جاؤ۔

جب ملک سے نکلنے کا فیصلہ کرلو تو پھر تمہیں واپسی کا راستہ دینے اور تمہارے جرائم پر تمہیں معاف کرنے پر بات چیت ہوسکتی ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ میری کارروائیوں کی وجہ سے عوام مارے جارہے ہیں۔ کیا آپ سے میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ شہروں، دیہات اور مجاہدین کے ٹھکانوں پر ہزار ہزار اور دو دو ہزار پونڈ کے بم کون گرا رہا ہے۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے گولہ باری کون کررہا ہے؟ بارودی سرنگوں، زہریلی گیسوں، بوبی ٹریپس اور کھلونا بموں سے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا قتل عام کون کررہا ہے؟ بارہ لاکھ افغانوں کو کس نے شہید اور چار لاکھ سے زیادہ کو کس نے اپاہج بنایا ہے؟ لاکھوں بچوں کو کس نے یتیم کیا ہے۔ اور لاکھوں سہاگنوں کا سہاگ کس نے اجاڑا ہے۔ اور میرے پیارے وطن کی سرزمین کو بنجر کس نے کیا ہے؟ صرف اور صرف روسیوں نے۔ آج چند کمیونسٹ میری کارروائیوں سے مرے ہیں تو تمہیں انسانیت یاد آگئی۔ میں پھر کہوں گا کہ تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ اور ایک بات اور یاد رکھو کہ آئندہ سے اگر تم نے کسی بھی افغان لڑکی کو اغوا کرایا تو میں تمہاری موت بن کر شہر پہنچ جاؤں گا۔ تمہارا دشمن۔ علی'۔

دوسرے دن پھر وہی نمائندہ آگیا۔ اس نے علی سے کہا کہ کمانڈر صاحب نے کہا ہے کہ آپ جنگ بندی کی تجویز پر دوبارہ غور کرلیں بصورت دیگر ہم سپٹسناز دستے منگوانے پر مجبور ہوں گے۔

علی نے نمائندے سے کہا: ''اُس کتے روسی کمانڈر کو جاکر کہہ دو کہ مجاہدین خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہم ریچھوں اور بھیڑیوں سب کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں اور یہ بھی سن لو کہ آئندہ اگر تم اُس کا ایسا کوئی پیغام لے کر آئے تو ہم تمہیں زندہ واپس نہیں بھیجیں گے۔ ڈاکوؤں اور چوروں کے نمائندے سے بات چیت کرنا حریت پسندوں کی توہین ہے اور شہداء سے غداری۔''

روسی نمائندے کے جانے کے بعد علی نے مجاہدین سے مشورے کے بعد مرکز کے ارد گرد دور دور تک پہرے داروں کی تعداد میں اضافہ کردیا اور پہرے داروں کو گھوڑے بھی فراہم کردیے تاکہ رات کو پہرہ دیتے وقت اُنہیں آسانی رہے۔

عبدالرحمٰن سے کہا کہ سپٹسناز کے دستے اب کسی وقت بھی حملہ آور ہوسکتے ہیں، اس لیے اپنے دستوں کی تربیت مزید تیز کردو، اور رات کے وقت انہیں مرکز میں مختلف جگہوں پر سلایا کرو تاکہ سپٹسناز کے اچانک حملے سے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے ساتھ ہی کابل اور صوبائی دارالحکومت میں انٹیلی جنس کے دفاتر کو بھی کہہ دیا گیا کہ سپٹسناز کے حملے کی اطلاع ہمیں بروقت ملنی چاہیے۔





ایک دوپہر علی، عبدالرحمٰن کے خصوصی دستے کی تربیت دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن بھی اُس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ عبدالرحمٰن نے آتے ہی کہا: ''طاہرہ اور اماں کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا ہے۔''

علی: ''مجھے بھی پتا ہے، چند دنوں تک انہیں پاکستان بھیجنے کا انتظام کردوں گا۔''

عبدالرحمٰن: ''لیکن میں آپ سے ایک اور بات کرنا چاہتا ہوں۔''

علی: ''بولیے کیا بات ہے؟ میرے پاس سننے کے لیے خاصا وقت ہے۔''

عبدالرحمٰن: ''علی! تم میرے بھائی اور دوست ہو۔ طاہرہ میری بہن ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم خود بات کرو گے لیکن جہاد نے تمہارے ذہن سے ہر بات نکال دی ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ پھر بھی آخر تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہے، میری خواہش ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو طاہرہ اور اماں سے بات کروں۔''

علی: ''برادر عبدالرحمٰن! ملک کی آزادی سے پہلے میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا ہوں، پھر زندگی کے ایک لمحے کا بھی اعتبار نہیں۔ خود ہی سوچو! میں جس یکسوئی کے ساتھ اب یہاں جنگ آزادی لڑ رہا ہوں کیا شادی کے بعد ایسا ممکن ہوگا؟ اس لیے برادر شادی سے زیادہ جہاد ضروری ہے۔''

عبدالرحمٰن: ''اس بات پر غور کرو کہ شادی کے بارے میں اگر تمہارے ہی خیالات سب مجاہدین کے ہوجائیں تو جس طرح مرد شہید ہورہے ہیں، ان کی جگہ لینے والے کہاں سے آئیں گے؟ اس لیے جہاد کی خاطر بھی شادی بہت ضروری ہے تاکہ اگر ایک نسل جنگ آزادی لڑتے لڑتے ختم ہوجائے تو دوسری نسل اس کی جگہ لینے کے لیے تیار ہو۔ پھر طاہرہ ایسی لڑکی ہے جو تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی بلکہ تمہارا حوصلہ بڑھائے گی۔''

علی: ''تمہاری باتیں قابل غور ہیں، فی الحال مجھے سوچنے کا موقع دو۔''

علی وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ کمرے میں آکر سوچنے لگا کہ شادی واقعی اگر کرنی ہے تو پھر طاہرہ سے اچھی لڑکی کون ہوگی۔ اُسے اس کی وہ ایمان افروز باتیں یاد آئیں جو اس نے اپنے بھائی کے قتل سے پہلے اور بعد میں کی تھیں۔ علی کو محسوس ہوا کہ جیسے طاہرہ کے لیے اس کے دل میں اُسی دن محبت پیدا

ہو گئی تھی جس دن اُس نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ یہ سوچ کر ہی کہ طاہرہ کے لیے اس کے دل میں بہت محبت ہے' وہ ڈرتا تھا کہ شادی کے بعد کہیں جہاد میں کمی نہ آ جائے۔ اُس نے مزید اس پر سوچنا چھوڑ دیا اور اپنے ذہن کو سمجھایا کہ تمہارا کام صرف اور صرف جہاد کے بارے میں سوچنا ہے' رہا طاہرہ سے شادی کا معاملہ' اگر قسمت میں ہوئی تو ہو جائے گی۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن نے پھر بات چھیڑتے ہوئے علی سے پوچھا: ''علی! طاہرہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟''

علی: ''عبدالرحمٰن! شادی سے مجھے انکار نہیں لیکن میں کچھ باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔''

عبدالرحمٰن: ''پوچھو''

علی: ''کیا طاہرہ بھی مجھ سے بخوشی شادی کرنے کے لیے تیار ہو گی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ ہم نے جو اُسے بچایا ہے اس کی اُس سے قیمت وصول کر رہے ہیں۔''

عبدالرحمٰن: ''شادی طاہرہ سے پوچھ کر ہی ہو گی۔ میرے خیال میں تم جیسے مجاہد سے شادی کرنا ہر افغان لڑکی اپنے لئے باعث عزت اور فخر سمجھے گی' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ طاہرہ اس شادی پر خوش نہ ہو۔''

علی: ''میں ایک بات اور کرنا چاہتا ہوں کہ شادی کے بعد طاہرہ کو پاکستان ہی میں رہنا ہو گا۔ اس سلسلے میں بھی اُس سے پوچھ لیں۔''

عبدالرحمٰن: ''کوئی اور بات!''

علی: ''کوئی نہیں۔''

عبدالرحمٰن نے علی کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے اُٹھ کر سیدھا طاہرہ کی ماں کی طرف چلا آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ شادی جلد از جلد ہو جائے' کم از کم پاکستان روانگی سے قبل۔ جس وقت وہ طاہرہ کی ماں کے پاس پہنچا' اتفاق سے طاہرہ اس وقت وہاں نہیں تھی۔ عبدالرحمٰن نے طاہرہ کی ماں سے کہا:

''اماں! میں طاہرہ کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! کیا بات ہے؟''

عبدالرحمٰن: ''میں چاہتا ہوں کہ طاہرہ کی شادی کر دی جائے۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! تم نے طاہرہ کا بھائی بن کر جو بھی فیصلہ کیا ہو گا' اچھا ہی کیا ہو گا لیکن مجھے بھی تو پتا چلے کہ آپ اس کی شادی کس سے کرنا چاہتے ہیں؟''

عبدالرحمٰن: ''اگر طاہرہ راضی ہو گئی تو کمانڈر علی سے بات ہو گی۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! اس سے زیادہ میری بیٹی کی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کی شادی علی سے ہو جائے۔''

عبدالرحمٰن: ''اماں! طاہرہ آ جائے تو میں اُس سے بھی بات کر لوں تاکہ اُس کی مرضی کا بھی پتا چل جائے۔''

تھوڑی دیر بعد طاہرہ بھی آ گئی۔ طاہرہ کی ماں نے کہا کہ لو بیٹا! طاہرہ آ گئی ہے۔ اس سے بھی پوچھ لو۔

طاہرہ: ''اماں! بھائی جان کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

اماں: ''یہ تمہاری شادی کے بارے میں تم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔''

شادی کا نام سن کر طاہرہ بھی عام لڑکیوں کی طرح شرما گئی۔

عبدالرحمٰن: ''ہاں تو میری پیاری بہن طاہرہ! اماں کی بات کا جواب نہیں دیا۔''

طاہرہ: ''جی' میں کیا جواب دوں؟ ادھر ملک میں لڑائی ہو رہی ہے اور آپ کو میری شادی کی پڑی ہے۔''

عبدالرحمٰن: ''تمہاری شادی سے جہاد نہیں رُکے گا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی بہن کی شادی کر کے اسے پاکستان بھیجوں۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! میں نہیں چاہتی کہ وطن کی آزادی سے پہلے میری شادی ہو۔''

عبدالرحمٰن: ''عجیب بات ہے' دونوں کے خیالات ایک جیسے ہیں۔''

طاہرہ: ''کن دونوں کے؟''

عبدالرحمٰن: ''جی' جس سے آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں' اُسے بھی بڑی مشکل سے منایا ہے اور اب تم نے نہ کی رٹ لگا رکھی ہے۔ میں اب تم سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہیں علی سے شادی منظور ہے یا نہیں؟''

علی کا نام سن کر طاہرہ مزید شرما گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ بھلا علی کے ساتھ شادی سے میں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔ وہ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر وہاں سے پرے چلی گئی۔ عبدالرحمٰن بھی اُس کے پیچھے چل دیا۔ اُس نے سمجھا کہ شاید وہ ناراض ہو گئی ہے۔ وہ روس کا رہنے والا تھا' اُسے کیا معلوم تھا کہ افغانستان میں لڑکیاں شادی کے نام پر یوں شرمایا بھی کرتی ہیں۔ طاہرہ تو پڑھی لکھی تھی۔ اس وجہ سے تھوڑی بہت بات کر لیتی تھی' ورنہ عام لڑکیاں تو نکاح کے وقت گردن ہلا کر ہی ہاں میں جواب دیتی ہیں۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ سے کہا: ''میری بات پر ناراض ہو کر ادھر آئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔''

آئندہ سے شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔''

طاہرہ:''بھائی جان! میں آپ سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں؟ ایسا لگتا ہے کہ آپ کو افغانستان کے رسم و رواج کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔''

عبدالرحمٰن:''تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں علی سے شادی منظور ہے۔''

طاہرہ:''مجھے کیا معلوم' اماں سے پوچھیں۔''

عبدالرحمٰن:''اماں تو اس رشتے پر بہت خوش ہے مگر علی کی کچھ شرائط ہیں۔''

طاہرہ:''کیا؟''

عبدالرحمٰن:''وہ چاہتا ہے کہ شادی کے بعد تم پاکستان میں رہو۔''

طاہرہ:''کیا' یہاں رہ کر میں اُن کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتی؟''

عبدالرحمٰن: کمانڈر صاحب کا خیال ہے کہ عورتوں اور بچوں کا مجاہدین کے مراکز اور ان کے قرب و جوار میں رہنا کسی طور پر بھی جہاد کے لیے اچھا نہیں اور ان کی بات ہمیشہ درست ہوتی ہے۔''

طاہرہ:''جب بھائی جان کہتے ہیں کہ درست ہوتی ہے تو پھر میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ غلط ہوتی ہے۔''

عبدالرحمٰن: بہت بہت شکریہ طاہرہ کہ تم نے میری بات مان لی۔ اماں! آپ کا بھی بہت بہت شکریہ۔''

چند دنوں بعد علی اور طاہرہ کا نکاح بڑی سادگی کے ساتھ ہو گیا۔ مجاہدین نے اس قدر سادگی پر احتجاج کیا اور ولیمے کا مطالبہ کیا۔ علی نے مجاہدین کا مطالبہ مانتے ہوئے سب مجاہدین کے لیے ولیمے کی دعوت کا اہتمام کیا۔

عبدالرحمٰن نے تجویز پیش کی کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر سپٹسناز کا مقابلہ کرنے والے خصوصی دستے کا مظاہرہ بھی مجاہدین کو دکھایا جائے مگر علی نے یہ کہہ کر تجویز مسترد کر دی کہ اگر مجاہدین میں دشمن کا کوئی ایک جاسوس بھی ہوا تو وہ ہمارے اس خصوصی دستے کی تیاریوں سے آگاہ ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجاہدین کا یہ دستہ سپٹسناز کے سامنے اچانک موت کے فرشتوں کا دستہ بن کر آئے۔ سپٹسناز مجاہدین کو مولی اور گاجر سمجھ کر آگے بڑھیں تو خنجر ان کا استقبال کریں۔

علی کی بات عبدالرحمٰن کے دل کو لگی اور اس نے اپنی تجویز واپس لے لی۔



شادی کے چوتھے دن ہی علی نے طاہرہ اور اُس کی ماں سے کہا کہ آپ لوگ پاکستان جانے کی تیاری کریں۔ کل صبح آپ کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے گا۔

رُخصت کرتے وقت علی نے طاہرہ سے کہا کہ میرا دل تو نہیں چاہتا کہ آپ یہاں سے جا کر پاکستان میں تنہا رہیں لیکن وطن کی آزادی اور جہاد کا تقاضا ہے کہ آپ پاکستان چلی جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ جو لڑکی دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کر سکتی ہے' وہ جہاد کی اہمیت کو یقیناً مجھ سے بہتر سمجھتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان میں اگر آپ کو کسی مشکل یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تو ہمت و جرأت کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کریں گی۔ پاکستان جا کر میرے لیے' مجاہدین کے لیے اور وطن کی آزادی کے لیے دُعا کرنا نہ بھولنا۔

علی نے بات ختم کی تو طاہرہ نے کہا:''میرا دل تو یہ سرزمین چھوڑنے کو ہی نہیں چاہتا' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں پاکستان جا کر آپ کو اور اس وطن کو بھول جاؤں۔ میں چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ رہ کر وطن کی جنگ آزادی میں حصہ لوں۔ آپ کے کندھے سے کندھا ملا کر کافروں سے جنگ کروں' آپ کا حکم ہے' اس لیے جا رہی ہوں مگر وہاں پہنچ کر بھی میری روح یہیں رہے گی۔ میں ہر لمحے اپنے وطن کو یاد رکھوں گی اور ہر وقت مجاہدین کی کامیابی کی دُعا مانگوں گی۔ میں چاہوں گی کہ جب تم مجھ سے ملنے آؤ تو میرے لئے وطن کی آزادی کی خوشخبری لے کر آؤ۔''

''مجھے خوشی ہے کہ مجھے تم جیسی بہادر اور غیرت مند بیوی ملی۔ میں چاہوں گا کہ مجھ سے جدا ہوتے وقت تمہارے لبوں پر مسکراہٹ ہو اور زبان سے صرف وطن کی آزادی اور مجاہدین کی کامیابی کی دُعا نکلے۔ اگر آنکھوں میں آنسو آئیں تو وطن کی سرزمین سے جدائی کے آنسو ہوں۔'' علی نے کہا۔

''میرے دل میں تمہارے لئے بہت محبت ہے' اس قدر کہ جس کا تم اندازہ بھی نہ کر سکو' مگر اپنے دین اور وطن کے لیے ہر چیز کو قربان کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔ یہاں تک کہ تمہاری محبت کو بھی۔'' طاہرہ نے علی کو بتایا۔

علی نے طاہرہ کو خلیل کے بارے میں بتایا کہ وہ فلاں مدرسہ میں پڑھتا ہے۔ وہ میرا پھوپھی زاد

چھوٹا بھائی ہے۔ اُس کا اس دُنیا میں اب میرے سوا کوئی نہیں' تم پاکستان پہنچو تو سب سے پہلے اُس سے ملنا۔ اُسے بہن اور ماں دونوں کا پیار دینا۔ اگر مدرسے والے اجازت دیں تو اُسے اپنے پاس گھر لے آنا۔ ویسے بھی گھر میں مرد کا ہونا اچھا ہوتا ہے' خواہ وہ چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں جب بھی اُس سے ملنے پاکستان گیا ہوں' اُس نے ہمیشہ افغانستان آ کر جہاد میں شرکت کے لیے ضد کی ہے۔ وہ تم سے بھی یہی ضد کرے گا۔ اُسے سمجھانا کہ علم بھی جہاد جتنا ہی ضروری ہے اور افغانستان کی آزادی کے بعد وطن کی بحالی کے لیے اہل علم کی بہت ضرورت پڑے گی' اس لیے پہلے علم حاصل کرو۔ جب اپنی تعلیم مکمل کر لو تو پھر جہاد کے لیے چلے آنا۔

علی نے طاہرہ کو ایک خط ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر کے نام دیا اور دوسرا خط خلیل کے نام۔ اس کے علاوہ کچھ رقم دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں تمہیں پیسوں کی ضرورت پڑے گی' یہ رکھ لو۔ پاکستان میں رہائش کے تمام انتظامات کے لیے میں نے چیف کمانڈر کے نام خط میں لکھ دیا ہے۔ میں تمہیں خود ہیڈ کوارٹر تک چھوڑنے جاتا مگر سپٹسناز کے ممکنہ حملے کی وجہ سے مرکز سے باہر نہیں جا سکتا۔ پاکستان پہنچ کر خیریت کا خط ضرور لکھنا۔

وہ غار سے باہر آئے تو طاہرہ کی ماں اور عبدالرحمٰن سامان باندھے انتظار کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے بھی اپنی جیب سے کچھ رقم طاہرہ کو دی۔ رقم کے علاوہ اُس نے ایک سونے کی انگوٹھی طاہرہ کو دیتے ہوئے کہا: ''جنگ زدہ علاقے میں اس وقت میرے پاس اور کوئی تحفہ نہیں جو میں اپنی پیاری بہن کو دے سکوں۔ یہ انگوٹھی میں نے کابل سے زبیدہ کے لیے خریدی تھی۔ اسے میں تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کہ یہ انگوٹھی تمہیں اپنے بھائی کی یاد دلاتی رہے۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! یہ زبیدہ کون ہے؟''

عبدالرحمٰن: ''پہلے نہ بتانے پر معذرت چاہتا ہوں۔ یہ میری پھوپھی کی لڑکی ہے اور میری منگیتر بھی۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! پھر میں یہ نہیں لوں گی۔''

عبدالرحمٰن: ''طاہرہ! اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر یہ انگوٹھی تمہیں لینا ہوگی۔ اگر تم نہ لو گی تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی تم سوچو کہ اگر میں جنگ میں کہیں شہید ہو جاؤں تو یہ انگوٹھی میری نشانی کے طور پر تمہارے پاس رہے گی۔''

طاہرہ: ''ایک شرط پر لینے کو تیار ہوں۔''

عبدالرحمٰن: ''کس شرط پر؟''

طاہرہ: ''یہ انگوٹھی بطور امانت میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جب میں زبیدہ کو لوٹاؤں گی تو آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ دوسرے جب آپ روس جائیں تو مجھ سے مل کر جانا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو میری طرف سے ایک خوبصورت تحفہ خرید کر میری بھابی کو ضرور دے دینا اور (علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) پیسے ان سے لے لینا۔ زبیدہ سے کہنا کہ جونہی ملک آزاد ہوا اور حالات نے اجازت دی تو میں اُس سے ملنے روس ضرور آؤں گی۔''

عبدالرحمٰن: ''اور اگر وہ خود ہی یہاں آ جائے تو''

طاہرہ: ''اس سے بڑی خوشی کی بات میرے لئے اور کیا ہوگی؟''





علی نے اس صوبے میں آنے کے بعد محفوظ سڑکیں اور راستے بنانے پر خصوصی توجہ دی تھی۔ یہاں سے ہیڈکوارٹر تک گاڑی کا راستہ بھی مکمل کر دیا گیا تھا۔ علی نے چھ مجاہدین کو گاڑی دے کر کہا کہ طاہرہ اور اُس کی امی کو ہیڈکوارٹر تک چھوڑ آؤ اور کوشش کرنا کہ گاڑی ہوائی حملوں سے محفوظ رہے۔

دو دن بعد طاہرہ اور اُس کی امی کو گاڑی نے ہیڈکوارٹر تک بحفاظت پہنچا دیا۔ چیف کمانڈر کو جب علم ہوا کہ علی نے شادی کر لی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اُنہوں نے فوراً وائرلیس پر علی سے رابطہ قائم کیا اور مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ میں تو تمہیں اپنا بیٹا سمجھتا تھا اور تم نے مجھے بتائے بغیر شادی بھی کر لی۔

علی: ''بس یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔ اس وجہ سے اطلاع نہ کر سکا۔''

چیف کمانڈر: ''کوئی بات نہیں، شادی کی مبارکباد قبول کرو اور طاہرہ کے بارے میں بے فکر ہو جاؤ۔ وہ میری بیٹی اور بہو بن کر میرے گھر میں رہے گی۔ میں کل ہی اُنہیں پاکستان بھیج دوں گا۔''

طاہرہ بخیریت پاکستان پہنچ گئی۔ پاکستان پہنچ کر دوسرے ہی دن وہ خلیل سے ملنے گئی۔ خلیل طاہرہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے شکایت کرتے ہوئے کہا: ''بھابی جان! مجھے علی بھائی سے شکایت رہے گی کہ اُنہوں نے مجھے اپنی شادی پر نہیں بلایا۔''

طاہرہ کو گئے ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے جب ہیڈکوارٹر سے مجاہدین ڈاک لے کر آئے تو اس میں علی کے نام بھی خط تھا۔ یہ خط طاہرہ کی طرف سے تھا۔ طاہرہ نے علی کو لکھا تھا کہ ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ خلیل کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ مدرسے میں رہتا ہے مگر کھانا گھر آ کر ہی کھاتا ہے۔ عبدالرحمٰن کے نام علیحدہ خط تھا۔

صوبائی دارالحکومت اور کابل سے علی کو ایک ہی دن یہ پیغام موصول ہوا کہ تین دن بعد رات کو سپٹسناز آپ کے مرکز پر حملہ کرنے والے ہیں۔

علی نے عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ مجاہدین کو اس رات مرکز میں اہم جگہوں پر متعین کر دیا۔ موٹر سائیکل اور گھوڑے بھی تیار رکھنے کا حکم دیا۔ پہرے داروں کو مکمل طور پر چوکس رہنے کو کہا۔ تمام

پوسٹوں کو کہہ دیا گیا کہ رات کو اگر آپ کی پوسٹ کے قریب حملہ ہو تو فوراً مطلع کریں۔

علی، عبدالرحمٰن، محمد اسلام، درویش خان اور انجینئر عبداللہ نے رات کو جاگنے کا فیصلہ کیا تاکہ حملے کا جواب دینے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ ہو۔

رات کو ایک بجے مرکز سے کچھ دور تین جگہوں پر ہیلی کاپٹروں سے سپٹسناز اترنے شروع ہوئے۔ علی نے مجاہدین کو متعلقہ جگہوں پر پہنچنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی سپٹسناز کو پوری طرح گھیرے میں لئے بغیر کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ گھوڑوں کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل بھی تیار رکھے جائیں تاکہ بھاگنے والے سپٹسناز کا پیچھا کیا جا سکے اور کوئی سپٹسناز زندہ واپس نہ جا سکے۔

علی نے تمام پوسٹوں کے کمانڈروں کو چوکنا کر دیا کہ حملہ ہو چکا ہے، اس لیے ہر پوسٹ پر مجاہدین چوکنے رہیں اور ہر قسم کی صورتحال سے نپٹنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھیں۔

عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ مجاہدین نہ صرف لڑنے بلکہ گھوڑسواری اور موٹر سائیکل چلانے میں بھی انتہائی ماہر تھے۔ موٹر سائیکل چلانے کے اتنے ماہر تھے کہ اگر تین کلاشنکوفوں سے بیک وقت بھی اُن پر فائرنگ کی جاتی تو وہ بچ کر نکلنے کی مہارت رکھتے تھے اور چلتے ہوئے موٹر سائیکل سے بھی اُن کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا۔ اس کے باوجود علی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا نہ بھولا۔ دُعا کرتے ہوئے اُس نے کہا:

''یا اللہ! اگر تو مجاہدین کی مدد نہ کرے گا تو ہماری تیاریاں اور مہارت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اے اللہ! سپٹسناز کے مقابلے میں تو ہی مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرما اور مدد کے لیے اپنے فرشتے بھیج۔''

مجاہدین پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں اور پہاڑوں پر کھودے گئے چھوٹے گڑھوں میں چھپ گئے۔ سپٹسناز فائرنگ کرتے ہوئے تینوں جگہوں سے آگے بڑھنے لگے۔ جونہی وہ مجاہدین کے قریب پہنچتے مجاہدین جھپٹ کر اُن پر سوار ہو جاتے، انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیتے۔ خنجر یا پھر داستانوں میں بند گیس سے انہیں ہلاک کر دیتے۔

دو بجے لڑائی شروع ہوئی اور پانچ بجے تک سپٹسناز مقابلہ کرتے رہے، اس کے بعد سپٹسناز پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ سپٹسناز کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کبھی پسپا بھی ہو سکتے ہیں۔ پسپا ہونے کی تربیت انہیں دی ہی نہیں گئی تھی، اس لیے وہ بڑے غیر منظم طور پر پسپا ہو رہے تھے۔ جونہی وہ پسپا ہونا شروع ہوئے، موٹر سائیکل سوار اور گھوڑ سوار دستوں کو پیچھے سے انہیں گھیرے میں لینے کا اشارہ دے دیا گیا۔ صبح تک ایک بھی سپٹسناز زندہ نہ بچا تھا۔ مرکز کے گرد علی کے حفاظتی سرکل اس قدر مکمل تھے کہ ایک بھی سپٹسناز بچ کر نہ نکل سکتا تھا۔

صبح سپٹسناز کی لاشوں کو اکٹھا کیا جانے لگا۔ بارہ بجے تک اڑھائی سو سے زیادہ لاشیں اکٹھی

ہو چکی تھیں۔ علی نے سپٹسناز کی لاشوں کا معائنہ کیا۔ سپٹسناز واقعی انتہائی مضبوط جثے کے فوجی تھے۔ اُن کے ہاتھ لوہے کی طرح سخت تھے اور جنگلی درندوں کی طرح بڑے بڑے دانت تھے۔ شاید کچا گوشت کھانے سے اُن کے دانت بڑھ گئے تھے۔ گولی اُن پر کم ہی اثر کر سکتی تھی۔ اکثر کی گردنیں خنجروں سے کاٹی گئی تھیں یا پھر گیس سے ہلاک ہوئے تھے۔ بھاگنے والوں کی پنڈلیوں پر گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ اُن کے پاس سے جو ہتھیار برآمد ہوئے' وہ بھی جدید ترین تھے اور مجاہدین انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہے تھے۔

اس لڑائی میں پچاس مجاہدین زخمی ہوئے۔ بیس مجاہدین نے جامِ شہادت نوش فرما کر اس مرکز پر قبضہ کرنے کے لئے دُشمن کے سب سے بڑے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ زخمی مجاہدین کے زخموں کے بارے میں ڈاکٹروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ زخم نہ تو خنجروں کے تھے اور نہ گولیوں کے۔ بعض مجاہدین کو دانتوں سے بھی کاٹا گیا تھا۔ پہلے سے گرفتار ایک روسی ڈاکٹر کو بلایا گیا تو اُس نے بتایا کہ یہ زخم گولیوں ہی کے ہیں مگر یہ گولیاں عام گولیوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ پھر اُس نے زخموں کے علاج کے بارے میں مشورے دیئے۔

سپٹسناز کی اس بڑے پیمانے پر ہلاکت اور تباہی روسی فوج کے لئے عبرتناک شکست تھی۔ بیس مجاہدین کے بچھڑ جانے کا سب کو دُکھ تھا مگر اتنی بڑی فتح پر خوشی بھی کم نہ تھی۔ علی نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

''عظیم غازیانِ اسلام! سپٹسناز کے مقابلے میں مجاہدین کی فتح پر میں سب سے پہلے اللہ کا شکر گزار ہوں جس کی مدد کے بغیر یہ فتح ممکن نہ تھی۔ اس کے بعد عبدالرحمن اور آپ کو اس فتح پر مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ سپٹسناز کی شکست کے بعد روس اب زیادہ عرصہ افغانستان میں نہیں ٹھہر سکے گا اور اُس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ جلد سے جلد ہمارے ملک کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کر دے۔ اُن بیس مجاہدین کو میں سلام کرتا ہوں جنہوں نے جامِ شہادت نوش فرما کر سپٹسناز کے ناقابل تسخیر ہونے کے زعم کو پاش پاش کر ڈالا۔ آئیں' اس موقع پر دین کی سربلندی کے لیے ہم بھی ان شہداء کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کریں۔ اُنہی کے نقش قدم پر چلنے میں ہم سب کی کامیابی ہے۔''

علی کی تقریر کے بعد مجاہدین نے ''اللہ اکبر'' اور ''نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ'' کے پرجوش نعرے لگائے اور شہداء کو پورے اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک کیا گیا۔

ادھر مجاہدین جشن منا رہے تھے' اُدھر کمانڈر زیبونوف اور وزیروف اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کب سپٹسناز مرکز پر قبضہ کرنے اور علی کی گرفتاری کی اطلاع کرتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ سپٹسناز

کو مرکز پر قبضہ کرنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ دونوں روسی افسر دوسرے افسروں کے ساتھ بیٹھے شراب پینے میں مشغول تھے۔ دوپہر سے عصر کا وقت ہو گیا اور انہیں جب کوئی اطلاع نہ ملی تو انہیں تشویش ہوئی۔ اُنہوں نے ایک ہیلی کاپٹر میں دوسرے چار فوجیوں کو بھیجا کہ جا کر پتا کر کے آؤ کہ مرکز پر قبضہ کرنے کے بعد ہمیں ابھی تک اطلاع کیوں نہیں دی؟

وہ چاروں جب ہیلی کاپٹر سے اُترے تو مجاہدین نے انہیں اُترتے ہی گرفتار کر لیا۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو اُڑا کر لے جانا چاہا مگر ہیلی کاپٹر بھی راکٹ لانچروں کا نشانہ بن گیا۔

گرفتار فوجیوں میں سے علی نے ایک کو واپس بھیجتے ہوئے کمانڈر وزیروف کے نام خط دیا۔ خط میں لکھا:

''کمانڈر وزیروف! تمہیں فتح کی خبر سننے کا انتظار ہے اور اسی لئے تم نے اپنے چار مزید آدمیوں کو بھیجا تو سنو! تمہیں اپنے جن شیطانی خونخوار بھیڑیوں یعنی سپٹسناز پر بڑا ناز تھا' مجاہدین نے اللہ کی مدد سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جو تمہیں شکست کی خبر ہی سنا سکتا۔ تمہیں یقیناً دُکھ ہو گا کہ روسی نمرود کے پالے ہوئے بھیڑیئے' جنہیں اپنی طاقت' پھرتی اور خونخواری پر بڑا غرور تھا وہ مجاہدین کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور میرے اللہ نے مجاہدین کو فتح مبین دی۔ اب بھی وقت ہے کہ تم لوگ سمجھ جاؤ کہ خدا کو چیلنج کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ خدا جب چاہتا ہے ابرہہ کے ہاتھیوں کو ابابیلوں کے ذریعے بھوسہ بنا کے رکھ دیتا ہے' اس لئے تمہارے دیوہیکل طیاروں' ٹینکوں اور بموں کی خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ اپنے سربراہ کو سمجھاؤ کہ وہ افغانستان سے اپنی فوج واپس بلا لے ورنہ وہ وقت دور نہیں جب تم فوج کے لیے واپسی کا راستہ مانگو گے اور ہم راستہ دینے کے بجائے دریائے ماسکو تک تمہارا پیچھا کریں گے اور اب کی دفعہ کوئی امریکہ یا برطانیہ تمہیں بچانے کو نہیں آئے گا اور نہ کوئی موسم ماسکو کا دفاع کر پائے گا' اس لئے کہ موسموں پر خدا کا اختیار ہے اور خدا مجاہدین کے ساتھ ہے۔''

تمہارا دشمن' علی

جب یہ خط روسی کمانڈر کو ملا تو اس وقت ہال میں بیس سے زیادہ روسی افسر موجود تھے۔ کابل سے آئے ہوئے روسی افسر بھی فتح کی خوشخبری سننے کو بے قرار تھے لیکن جونہی انہیں سپٹسناز کی تباہی اور ہلاکت کا علم ہوا' ایک دوسرے کو کوسنے لگے۔

ایک افسر کہنے لگا: ''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ پولینڈ یا چیکوسلواکیہ نہیں جہاں کے لوگ سپٹسناز کا نام سن کر بھاگ جاتے ہیں۔ سپٹسناز کا ایک خوف تھا' وہ بھی جاتا رہا۔ یورپی ممالک میں جب یہ خبر پہنچے گی تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔''

ایک دوسرے روسی افسر نے کہا: ''میں نے بھی تجویز پیش کی تھی کہ علی کو حکومت میں عہدے کی

پیشکش کرو۔ اقتدار کے لالچ کے جال میں تو بڑے بڑے مذہبی پیشوا بھی پھنس جاتے ہیں‘ علی تو پھر بھی ایک عام انسان ہے۔‘‘

تیسرے افسر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: ’’میری بات مان لیتے تو سارے مسئلے حل ہو جاتے۔ میں نے کہا تھا کہ کسی خوبصورت لڑکی کو مظلوم بنا کر علی کے پاس بھیج دو۔ علی کو اُس پر رحم آئے گا۔ اسی رحم اور ہمدردی سے فائدہ اُٹھا کر وہ لڑکی علی کو اپنے جال میں پھنسا لے گی۔ میں تو اب بھی کہتا ہوں کہ عورت سے زیادہ کوئی خطرناک ہتھیار نہیں۔ یہ ایسا ہتھیار تھا جس سے نہ صرف علی ہمارے قابو میں آجاتا بلکہ دوسرے ہزاروں مجاہدین بھی یا تو ہماری طرف آجاتے یا پھر بدظن ہو کر مجاہدین کا ساتھ چھوڑ جاتے لیکن میری بات پر کسی نے توجہ ہی نہ دی۔‘‘

روسی کمانڈر کرنل زیبونوف نے کہا کہ ان سب تجاویز پر اب بھی عمل ہو سکتا ہے لیکن حاصل کچھ نہ ہوگا۔ میرے خیال میں علی نہ صرف خود انتہائی ذہین ہے بلکہ اس کے مشیر بھی بہت دور اندیش نظر آتے ہیں۔ سپٹناز کا مقابلہ دُنیا میں کہیں بھی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ تین سو سپٹناز اگر چاہیں تو پورے کابل کو چند منٹوں میں ملبے کا ڈھیر بنا دیں مگر وہ ایک مرکز پر قبضہ نہ کر سکے۔ یقیناً علی کے پاس سپٹناز سے زیادہ طاقتور مجاہدین کے دستے موجود ہیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کے پاس یہ غیر معمولی قوت آ کہاں سے گئی ہے۔ زہریلی گیس کو اُس نے ناکارہ بنا دیا اور ہم نے کئی سالوں میں کروڑوں روبل خرچ کر کے تین سو سپٹناز جو تیار کیے تھے‘ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں چھوڑا اور ہماری حالت یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ روسی جو دو گاؤں میں گئے تھے‘ ابھی تک ہم اُن کا بھی سراغ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔ میرے اپنے خیال میں حکومت کو فوج واپس بلانے کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اگر ہماری فوج مزید یہاں رہتی ہے تو آج ایک علی نے ایک صوبے میں ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے‘ کچھ عرصے بعد آپ کو ہر صوبے اور شہر میں ہر مجاہد ’’علی‘‘ کی شکل میں نظر آئے گا...... کیا کبھی تم نے سوچا ہے کہ ہمارے فوجیوں کے حوصلے ان آٹھ سالوں میں کتنے پست ہو گئے ہیں۔ ہمارے فوجی بظاہر خدا کو نہیں مانتے لیکن مجاہدین سے اس حد تک خوفزدہ ہیں کہ اُن کی گولی سے بچنے کے لیے مولویوں کو منہ مانگی قیمت دے کر قرآنی آیات کے لکھے ہوئے تعویذ حاصل کر کے گلے میں ڈال رہے ہیں۔ جب کسی فوج کی حالت یہ ہو جائے تو وہ فوج کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتی۔

ایک روسی افسر نے کرنل زیبونوف کی باتوں پر اعتراض کیا تو کرنل زیبونوف نے کہا: ’’پیارے افسر! ذرا اپنا بایاں بازو تو دکھاؤ۔ یہ دیکھو تمہارے بازو پر بھی تعویذ بندھا ہوا ہے اور تمہاری طرح کئی دوسرے افسروں نے بھی تعویذ باندھے ہوئے ہیں۔ خدا کو نہ مانتے ہوئے بھی کئی نے تو اپنے گھروں

میں قرآن مجید لا کر رکھ لئے ہیں تا کہ مجاہدین کی طرف سے فائر کیا ہوا کوئی گولہ اُن کے گھر پر نہ گرے۔ مجھے ڈر ہے کہ مجاہدین کے خوف سے کہیں ہماری فوج اسلام قبول کرنا شروع نہ کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر سمرقند و بخارا کی بھی خیر نہیں۔ یہ جنگ جتنی لمبی ہوگی روس اتنا ہی گھاٹے میں رہے گا۔ میں تو پچھلے سال سے روسی قیادت کو واپسی کے مشورے دے رہا ہوں مگر میری بات پر کوئی غور ہی نہیں کرتا۔‘‘

کسی روسی افسر کی طرف سے یہ پہلا اعتراف شکست تھا مگر کرنل زیبونوف کو یہ اعتراف شکست بہت مہنگا پڑا۔ دوسرے ہی دن اُسے گرفتار کر کے واپس روس بھیج دیا گیا۔

شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ کو بھی کرنل زیبونوف کی گرفتاری اور روسی افسروں کی گفتگو کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔ اُس نے علی کو ان معلومات سے آگاہ کیا تو علی روسی افسروں کی احمقانہ تجاویز پر بہت ہنسا۔

عبدالرحمٰن سے گفتگو کرتے ہوئے علی نے کہا: ’’کرنل زیبونوف سمجھدار افسر تھا۔ اُس نے روسیوں کا بھلا سوچا اور خود مصیبت میں پھنس گیا۔ اگر روسیوں نے اسے روس نہ بھیج دیا ہوتا تو میں اُسے چھڑا کر یہاں لے آتا۔ یہاں آ کر مجاہدین سے ملتا تو وہ یقیناً مسلمان ہو جاتا اور مسلمانوں کو ایک بہت بڑا کمانڈر مل جاتا مگر افسوس کہ ہمیں اُس کی گرفتاری کی اطلاع تاخیر سے ملی۔‘‘





موسم نہایت خوشگوار تھا۔ عبدالرحمٰن پہاڑی نالے پر بیٹھا پانی میں کنکریاں پھینک رہا تھا۔ علی بھی اُسے دیکھ کر اُس کے پاس چلا آیا۔ علی نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے۔ اُس نے پوچھا: ''عبدالرحمٰن! کیا بات ہے؟ آج کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔''

''پریشان تو نہیں، صرف سوچ رہا ہوں۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' علی نے پوچھا۔

عبدالرحمٰن نے بتایا: ''آج رات کو خواب میں ابو اور امی ملے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ اُن سے کسی طرح ایک دفعہ مل آؤں۔ پھر نجانے کیوں آج زبیدہ بھی بہت یاد آ رہی ہے۔ زبیدہ بالکل طاہرہ کی طرح ہے۔ رُوسی معاشرے کے لحاظ سے وہ پکی مسلمان ہے۔ مذہب پر ہم ایک دوسرے سے بہت بحث کرتے تھے۔ آتی دفعہ میں اُس سے مل بھی نہ سکا تھا کیونکہ وہ اُن دنوں گھر پر نہ تھی۔''

علی کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا: ''عبدالرحمٰن! اگر ہم تمہیں دریائے آمو پار کروا دیں تو کیا تم بحفاظت گھر تک جا سکتے ہو اور واپس آ سکتے ہو؟''

''میرے خیال میں یہ کوئی زیادہ مشکل کام بھی نہیں ہے لیکن میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو مشکل سفر بھی آسان ہو جائے گا۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

علی نے کہا کہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ رُوس کے لوگوں کو دیکھ کر آؤں۔ پھر تم نے اپنے امی ابو کی جو باتیں سنائی تھیں، اُنہیں سن کر تو اُن سے بھی ملنے کو دل چاہتا ہے مگر چیف کمانڈر سے چھٹی کا معاملہ ہے۔ اگر وہ مان گئے تو میں ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گا لیکن کمانڈر صاحب سے بات کرنے سے پہلے یہ تو حساب لگا لیں کہ آنے جانے میں وقت کتنا لگے گا۔

پھر دونوں دنوں کا حساب لگانے لگے۔ عبدالرحمٰن کے خیال میں ایک مہینہ کافی تھا جبکہ علی کا خیال تھا کہ ہمیں دو ماہ کا عرصہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔ کیا معلوم روس کے اندر جا کر کیسے حالات پیش آئیں اور سفر کیسے کرنا پڑے۔ دو ماہ پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔

علی نے اُسی دن چیف کمانڈر سے وائرلیس پر بات کی تو کمانڈر صاحب نے علی کو سمجھاتے ہوئے

کہا کہ یہ بڑا خطرناک سفر ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ تم جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالو۔

''مجھے بھی احساس ہے کہ یہ سفر بڑا خطرناک ہے مگر موت اور زندگی سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے دو ماہ کی چھٹی دے دیں۔'' علی نے کہا۔

کمانڈر صاحب نے پھر سمجھایا کہ چھٹی تو دو کے بجائے تین ماہ کی بھی مل سکتی ہے مگر روس کے لیے میرا دل نہیں مان رہا۔ پھر سوچو تمہاری ابھی ابھی شادی ہوئی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم یہ چھٹی طاہرہ کے پاس گھر میں گزارو۔

''میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ سفر میرے لئے بہت سودمند رہے گا ممکن ہے وہاں مجاہدین کے حامی افراد سے رابطہ کا موقع بھی ملے۔ اگر ایسا ہوا تو میں اُنہیں جہادِ افغانستان کی اہمیت سے آگاہ کروں گا۔ رہی طاہرہ کی بات تو آپ تین ماہ کی چھٹی دے رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو ماہ روس کے سفر کیلئے اور تیسرا مہینہ طاہرہ کے پاس ہی گزرے گا۔''

علی نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو کمانڈر صاحب بولے کہ تم زیادہ ہی ضد کر رہے ہو تو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی مگر میری درخواست ہے کہ محتاط ہو کر سفر کرنا۔ علی نے اس پر کمانڈر کا شکریہ ادا کیا۔

اس سفر کو مکمل طور پر خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ روس جانے کے لئے سفر کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ عبدالرحمٰن سے مشورے کے بعد علی نے شہر سے خاص کپڑا منگوایا اور روسی طرز کے لباس تیار کئے۔ روسی روبل (روسی کرنسی) بھی خاصی تعداد میں حاصل کئے۔ علی نے محمد اسلام سے بھی بات کی تو اُس نے کہا کہ میرا روس میں کون ہے، جس سے مجھے ملنے جانا ہے۔ ماں باپ مر چکے، بہن بھائی کوئی ہے نہیں۔ میں روس اس وقت جاؤں گا جب روس کے مسلمان بھی آزاد ہوں گے۔ میرا وطن اب افغانستان ہے، روس نہیں۔ روس کے مسلمانوں سے اگر ملاقات ہو تو اُنہیں میرا یہ پیغام ضرور دے دینا کہ جو لطف آزادی کے لیے لڑتے ہوئے مرنے میں آتا ہے، وہ غلامی کی پرتعیش زندگی میں نہیں۔ اگر روس کے مسلمان بھی اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو پھر وہ بھی آزادی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔

تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن نے اپنا کومسومول کا کارڈ بھی سامان میں رکھ لیا تاکہ روس میں بوقتِ ضرورت اس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

درویش خان کو علی نے قائم مقام کمانڈر مقرر کرتے ہوئے مجاہدین سے کہا کہ میں ایک اہم مشن پر مرکز سے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر موجودگی میں درویش خان کی ہر بات کی اطاعت اسی طرح کرنا جس طرح میری اطاعت کرتے تھے۔

درویش خان کو علی نے سمجھایا کہ دشمن مختلف قسم کی سازشوں کی سوچ رہا ہے۔ ان سازشوں

سے مکمل طور پر اپنے آپ کو آگاہ رکھنا اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش بھی کرنا۔ اگر وہ خوبصورت لڑکیوں کو مظلوم مہاجرین کے بھیس میں مرکز کی طرف بھیجے تو انہیں فوراً یہاں سے دور بھیج دینا اور مرکز میں ایک دن کے قیام کی بھی اجازت نہ دینا۔

درویش خان ایک ذہین اور جرأت مند مجاہد تھا۔ اُسے مجاہدین لوہے کے ہاتھوں والا انسان کہہ کر پکارتے تھے۔ اُس کا یہ واقعہ تو مجاہدین میں بہت مشہور تھا کہ ایک دفعہ روسی فوجیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ روسی فوجی اسے پکڑ کر اپنے افسروں کے پاس لے گئے۔ کمرے میں تین سپاہیوں سمیت سات روسی افسر تھے۔ افسروں کے کہنے پر سپاہیوں نے اُس کے ہاتھ کھول دیئے۔ روسی افسروں نے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ کہے تو درویش خان غصے سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر ایک روسی سپاہی سے بندوق چھین لی۔ دوسرے دو نے درویش کے ہاتھوں میں بندوق دیکھ کر اپنی بندوقیں خود ہی نیچے پھینک دیں۔ درویش نے گولیاں نکال کر بندوقیں ایک طرف رکھ دیں۔ دروازوں کو کنڈیاں لگا دیں اور دس کے دس روسیوں کو مکے مار مار کر موت کی نیند سلا دیا۔ اُس کے مکے کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ لوہے کے ہتھوڑے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

علی، عبدالرحمٰن اور چند دوسرے مجاہدین موٹر سائیکلوں پر مرکز سے روانہ ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ ہمارے پاس وقت تھوڑا ہے، اس لئے راستے میں اگر کسی جگہ روسی نظر بھی آ جائیں تو مقابلے کے بجائے آنکھ بچا کر گزر جانا۔

موٹر سائیکلوں پر سوار ہونے کے باوجود چار دن بعد مجاہدین کا یہ قافلہ روسی سرحد کے قریب واقع مجاہدین کے ایک مرکز میں پہنچا۔ یہ مرکز دریائے آمو سے چند میل دور واقع تھا اور اس مرکز کا کمانڈر زمان گل خان کئی دفعہ علی کے مرکز آ چکا تھا۔ علی نے اُس کے سامنے اُدھر آنے کا مقصد بیان کیا اور اُسے تاکید کی کہ دوسرے مجاہدین کو ہمارے ارادوں، مشن اور ناموں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پائے۔

کمانڈر زمان گل خان اُنہیں دوسرے ہی دن دریائے آمو کے قریب ایک باغ میں لے گیا۔ باغ کا مالک احمد خان باغ ہی میں مل گیا۔ احمد خان زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ علاقے کا بہت بڑا سمگلر بھی تھا۔ روسی اشیاء کی افغانستان کے راستے پاکستان سمگلنگ اُس کا پیشہ تھا۔ روس کے اندر بڑے بڑے سمگلروں سے اُس کے گہرے تعلقات تھے۔ وہ مجاہدین کی نہ صرف پیسے سے مدد کرتا بلکہ روس کے اندر چھاپہ مار کارروائیوں میں بھی مجاہدین کی رہنمائی کرتا تھا۔

زمان گل نے اُس کے سامنے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو احمد خان نے کہا کہ یہ کوئی مشکل کام ہیں لیکن ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ آج کل اسٹیمر خراب ہے۔ اُسے صحیح ہونے میں شاید ہفتہ لگ جائے۔ پ کو دریا یا تو تیر کر پار کرنا پڑے گا یا پھر انتظار کرنا پڑے گا۔ علی نے کہا کہ ہم دریا تیر کر پار کر لیں گے۔

رات اُن لوگوں نے احمد خان کے باغ ہی میں بسر کی۔ صبح کو ناشتے پر احمد خان نے علی اور بدالرحمٰن کو سمجھاتے ہوئے کہا: ”دریا پار کرنے کے بعد تمہیں چند میل پیدل چلنا پڑے گا۔ اس کے بد اسماعیل سمرقندی کا گاؤں آ جائے گا۔ اسماعیل سمرقندی علاقے کی معروف شخصیت ہے۔ دریا پار فرد اُس کے نام سے آگاہ ہے۔ سمگلر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا کے جی بی سے بھی تعلق ہے لیکن ہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے کسی دوست کو بھی وہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر اُس ک پہنچنے سے پہلے ہی کوئی سرحدی سپاہی یا فوجی تمہیں پکڑنے یا روکنے کی کوشش کرے تو اسے بھی یہ ہہ دینا کافی ہے کہ آپ اسماعیل سمرقندی کے مہمان ہیں۔ اس کے بعد کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی تمہاری رف نہیں دیکھے گا۔ اسماعیل ہی تمہارے آگے جانے کے انتظامات بھی کرے گا اور سفر کے کاغذات ی مکمل کروائے گا۔ ایک بات اور بتا دوں کہ روس کے اندر بیس پچیس روبل کی رشوت ہر کام کروا دیتی ہے۔ اگر کسی جگہ مشکل پڑ جائے تو سرکاری کارندوں کو رشوت دینا بالکل نہ بھولنا۔“

وہ کچھ دیر رُکا، پھر بولا: ”ایک چھوٹا سا کام میرا بھی کر دیجئے گا۔ قرآن مجید کے چند نسخے ہیں۔ اسماعیل سمرقندی کو دے دیجئے گا۔ اُس نے پچھے ماہ منگوائے تھے مگر میں ابھی تک اُسے نہ بھیج سکا۔“

قرآن مجید کا سن کر عبدالرحمٰن نے کہا کہ چند نسخے ہمیں بھی منگوا دیجئے تا کہ ہم بھی وہاں اپنے ستوں کو دے سکیں۔

احمد خان نے بتایا کہ قرآن مجید کے نسخے یہاں سے ملنے تو بہت مشکل ہیں۔ وہ تو جا کر شہر سے نے پڑیں گے۔ آپ کو دو دن مزید یہاں ٹھہرنا پڑ جائے گا۔

یہ سن کر زمان گل خان نے کہا کہ میں اپنے مرکز سے منگوا دیتا ہوں۔ موٹر سائیکل پر آدھ پون ھنٹے میں آ جائیں گے۔ ایک مجاہد قرآن مجید کے نسخے لینے مرکز چلا گیا۔

احمد خان نے مجاہدین کو بتایا کہ روس کے اندر کسی مسلمان کے لیے سب سے قیمتی تحفہ قرآن مجید ہے۔ مجھے تو اکثر روس جانا پڑتا ہے۔ کئی پکے کیمونسٹوں نے بھی قرآن مجید گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ سلمانوں کو یہ قرآن مجید کرائے پر پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ ایک دن کا کرایہ دس تا پندرہ روبل تے ہیں اور رمضان المبارک میں یہ کرایہ تین گنا بڑھ جاتا ہے۔ روس کے اندر یہ مشہور ہے کہ جس کے س قرآن مجید کا ایک نسخہ ہے، اُسے کوئی اور کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کیمونسٹ قرآنِ مجید

دکھانے کا بھی ایک روبل کرایہ وصول کر لیتے ہیں۔

''لیکن مسلمان اتنا کرایہ کیسے دے لیتے ہیں؟ علی نے پوچھا۔

احمد خان نے بتایا کہ چند گھر مل کر ایک دن کے لیے قرآن مجید لے آتے ہیں۔ ایک آدمی پڑھتا ہے اور باقی سنتے ہیں۔

''آپ لوگ قرآن مجید کے نسخے زیادہ تعداد میں سمگل کیوں نہیں کرتے؟ عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

احمد خان نے بتایا کہ اسماعیل سمرقندی سے میری اس سلسلے میں بات ہو چکی ہے۔ پاکستان میں بھی ایک ادارے سے بات چل رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآنِ مجید مل جائیں تو ہم یہ کام شروع کریں۔

''اس طرح آپ کو پیسہ بھی مل جائے گا اور ثواب بھی۔'' علی بولا۔

''یہی سوچ کر یہ کام کرنے کا ارادہ کیا ہے۔'' احمد خان نے کہا۔

علی نے احمد خان کو بتایا کہ ''ریڈیو صدائے افغانستان'' سے روسی زبان میں اسلامی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں تو احمد خان نے علی اور عبدالرحمٰن کو بتایا کہ روسی مسلمان ''ریڈیو صدائے افغانستان'' بڑی باقاعدگی سے سنتے ہیں اور روسی مسلمان خواتین تو مجاہدین سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ اسماعیل سمرقندی نے مجھے پچھلے دورے کے دوران میں بتایا تھا کہ افغان مجاہدین کے کارنامے سن سن کر تو اب ہمارے گھروں کی خواتین نے بھی ہمیں طعنے دینے شروع کر دیئے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر افغانستان کے مرد روسی کافروں سے لڑ سکتے ہیں تو تم جہاد کیوں شروع نہیں کرتے۔

علی نے کہا کہ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ کرے کہ روس کے مسلمان بھی افغان مسلمانوں کی طرح جہاد شروع کر دیں۔

ایک گھنٹے بعد مجاہد مرکز سے قرآنِ مجید کے نسخے لے کر آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ جلدی میں صرف تین نسخے مل سکے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ تین ہی کافی ہیں۔

احمد خان نے اپنے کچھ دوسرے دوستوں کے پتے بھی دیئے اور اسماعیل سمرقندی کے نام ایک رقعہ بھی دیا۔ اسماعیل سمرقندی کو احمد خان نے لکھا کہ یہ میرے بیٹے کے دوست ہیں۔ ایک ضروری کام کے سلسلے میں ''شیر آباد'' تک جانا چاہتے ہیں۔ روس کے اندر سفر کے تمام انتظامات آپ کو کرنے ہوں گے۔

تیار ہو کر وہ دریا پر ایک ایسی جگہ آ گئے جو روسیوں کی نظر سے بہت حد تک محفوظ تھی۔ احمد خان نے کہا کہ دریا کا پاٹ بہت زیادہ چوڑا ہے اور گہرا بھی' اس لئے احتیاطاً ربڑ کی ٹیوبیں اور مشکیزے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ مجاہدین زیادہ تر مشکیزوں میں ہوا بھر کے اس دریا کو پار کرتے ہیں۔ یہ ٹیوبیں اور

مشکیزے میں نے مجاہدین کو دریا پار کرانے کے لیے ہی رکھے ہوئے ہیں کیونکہ مسلح کارروائیوں کے لیے اسٹیمر پر دریا پار کرانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔

علی کے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین نے پیشکش کی کہ سامان دریا پار لے جانے میں ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔

زمان گل اور احمد خان نے علی اور عبدالرحمٰن کو خدا حافظ کہا۔

مجاہدین نے قرآن مجید کے نسخے اور دوسرا سامان جو علی اور عبدالرحمٰن ساتھ لائے تھے' دریا کے پار پہنچانے میں مدد کی۔

دریا کا پانی بہت ٹھنڈا تھا مگر مجاہدین کو تو سردی اور گرمی برداشت کرنے کی خاصی مہارت ہو گئی تھی۔ مشکیزوں اور ربڑ کی ٹیوبوں نے دریا پار کرنے میں بڑی مدد دی۔ جب مجاہدین دریا کے دوسرے کنارے پہنچے تو وہ بہت تھک چکے تھے۔ یہ مجاہدین کی ہمت تھی کہ اس دریا کو تیر کر پار کر لیا تھا ورنہ عام تیراک تو اس دریا کے اندر اُترنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ پانی نہ صرف بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے بلکہ تیز رفتار بھی۔ عام طور پر دریا پار کرنے کے لئے بڑی بڑی کشتیاں اس کے اندر چلتی ہیں۔ مجاہدین نے پچھلے سال ایک حملے میں دشمن کی اسلحے سے لدی ہوئی چار بڑی بڑی جہاز نما کشتیاں دریا میں ڈبو دی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دریائے آمو کتنا بڑا ہے جس میں جہاز بھی ڈوب جاتے ہیں۔

علی نے اپنے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین سے کہا کہ ہمارے آنے تک زمان گل خان کے مرکز میں رہیں۔ مجاہدین نے علی اور عبدالرحمٰن سے بغلگیر ہونے کے بعد اُنہیں خدا حافظ کہا اور دریا میں تیرتے ہوئے واپس افغانستان آ گئے۔





علی اور عبدالرحمٰن اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ یہ ایک ویران علاقہ تھا۔ جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں چلتے ہوئے خاصی مشکل پیش آ رہی تھی۔ راستے میں ایک نالہ بھی آیا جو دریا میں آ کر گرتا تھا۔ نالے کے دونوں طرف سرسبز درخت بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ نالہ پار کیا تو دور دور تک لہلہاتی فصلوں نے استقبال کیا۔ حدِ نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔

عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ راستے میں اگر کوئی آدمی ملے تو تم گونگے بہرے بن جانا کیونکہ ایک تو تمہیں روسی نہیں آتی اور جو فارسی اس علاقے میں بولی جاتی ہے' وہ بھی تمہاری فارسی سے بہت مختلف ہے۔ علی نے عبدالرحمٰن کی اس تجویز کو پسند کیا۔

علی نے اس خوبصورت علاقے کو دیکھ کر کہا کہ عبدالرحمٰن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ علاقے کب آزاد ہوں گے' کب یہاں مسجدیں بنیں گی اور کب اذان کی آواز سنائی دے گی۔

''یہ تو اللہ ہی جانتا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں' جب یہ علاقے ایک دفعہ پھر آزاد ہوں گے۔ جب یہ علاقے آزاد ہوں گے تو اُس وقت اس علاقے میں یہ ملک رقبے کے لحاظ سے اسلامی دُنیا کا سب سے بڑا ملک ہوگا۔ اور کیا ہی شان ہوگی جب روس کے مسلم علاقے (ترکمانستان' قازقستان' کرغیزستان' تاجکستان'   شمالی قفقاز) افغانستان' ترکی اور پاکستان مل کر اس علاقے کی عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھیں گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سلطنت کا نام ''عظیم سلطنت اسلامیہ'' ہو اور میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

علی بولا: ''عبدالرحمٰن! تمہارے خیالات بہت اچھے ہیں لیکن ان خیالات کی حیثیت ابھی ایک خواب کی ہے۔''

''لیکن یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ دُنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے' اُن کی بنیاد بھی خوابوں پر ہی رکھی گئی۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔

تین بجے کا وقت تھا' جب وہ اسماعیل سمرقندی کے گھر پہنچے۔ اسماعیل سمرقندی نے بڑا پرتپاک استقبال کیا۔ عبدالرحمٰن نے احمد خان کا خط اور قرآنِ مجید کے نسخے اُس کے حوالے کیے۔ خط پڑھنے

کے بعد اسماعیل سمرقندی نے کہا کہ ابھی آپ سفر کر کے آئے ہیں' کھانا کھائیں اور آرام کریں۔ کل آپ کے سفر کے کاغذات مکمل کرادوں گا' اس کے بعد آپ کو شیرآباد تک جانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

دوسرے دن اسماعیل سمرقندی سفر کے کاغذات بنوانے کیلئے جانے لگا تو عبدالرحمٰن نے کہا:

''جعلی کاغذات تیار کروانے پر کچھ پیسے تو لگیں گے' یہ دو سو روبل آپ لے لیں اور یہ میرا کوسومول کا کارڈ ہے۔ چھوٹی موٹی مشکلات تو یہ بھی کم کر دیگا۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ دونوں افغانی ہیں۔ کوسومول کے کارڈ سے تو کام بہت آسان ہو جائے گا۔ رہی پیسوں کی بات تو یہ میں نہیں لوں گا۔ احمد خان کے بیٹے کے دوستوں کو میں اپنے بیٹے سمجھتا ہوں۔'' اسماعیل سمرقندی نے کہا۔

یہ اسماعیل سمرقندی کا اثر ورسوخ تھا کہ سفری کاغذات اُسی دن اُنہیں مل گئے ورنہ دفتر والے تو کئی کئی دن لگا دیتے ہیں۔ (یاد رہے کہ روس کے اندر ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جانے کے لیے بھی اجازت نامہ' پرمٹ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔)

دوسری رات بھی اُنہوں نے اسماعیل سمرقندی کے پاس گزاری اور تیسرے دن شیرآباد کی طرف روانہ ہوئے۔ شیرآباد وہ رات کو نو بجے پہنچ گئے تھے۔ گھر تک پہنچنے کے لئے عبدالرحمٰن نے ویران اور سنسان راستوں کا انتخاب کیا تاکہ اُس کی آمد کے بارے میں کسی کو پتا نہ چل سکے۔ اکثر گلیاں سنسان تھیں اور شاذ و نادر ہی کوئی انسان راستے میں نظر آیا۔

رات کے کوئی ساڑھے دس بجے جب اُس نے گھر کا پچھلا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ ماں باپ کو دیکھنے کے لیے آنکھوں میں بے قراری صاف نظر آ رہی تھی۔ چند منٹوں تک دروازہ نہ کھلا تو اُس نے دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت کی آواز آئی۔ ''آ رہی ہوں۔'' یہ عبدالرحمٰن کی امی کی آواز تھی جو اُس نے کئی سالوں بعد سنی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اُس نے دوبارہ آواز دی۔ ''کون ہے؟''

عبدالرحمٰن نے آہستہ سے کہا: ''امی! میں عبدالرحمٰن ہوں۔''

یہ آواز سنتے ہی عبدالرحمٰن کی امی پر تو جیسے خوشی سے سکتہ ہوگیا۔ اُس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ عبدالرحمٰن کو اُس نے اپنی بانہوں میں لے لیا اور اُسے پیار کرنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

یہ منظر دیکھ کر علی کو بھی اپنی ماں یاد آ گئی۔ جب علی کبھی دیر سے گھر آتا تھا تو وہ اُسے پیار سے ملنے سے کس قدر ڈانٹ پلاتی تھی اور جب وہ چند دن کسی دوسری جگہ گزار کر آتا تو وہ بھی علی کو ایسے ہی

پیار کرتی تھی۔

ماں بیٹے کے جذبات کچھ کم ہوئے تو عبدالرحمٰن نے علی کا تعارف اپنی امی سے کرایا۔علی نے سلام کیا تو اُس نے محبت سے علی کو دعائیں دیں۔

وہ کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔عبدالرحمٰن نے اپنے والد کے بارے میں پوچھا تو اُس کی امی نے بتایا کہ تھوڑی دیر بعد آنے ہی والے ہیں۔اتنی دیر میں' میں آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کرلوں تو پھر اکٹھے ہی تمہاری باتیں سنیں گے۔

علی سے اُس نے پوچھا کہ بیٹا عبدالرحمٰن کا تو مجھے معلوم ہے کہ اُسے کون سا کھانا زیادہ پسند ہے' تم اپنی پسند بتادو تا کہ میں آج اپنے بیٹوں کو ان کی اپنی اپنی پسند کا کھانا پکا کر کھلاسکوں۔علی نے کہا:

''خالہ جان! آج میں عبدالرحمٰن کی پسند کا کھانا ہی کھاؤں گا اور کل عبدالرحمٰن میری پسند کا کھانا کھائے گا۔اس طرح آپ کا وقت بھی بچ جائے گا اور دونوں کی پسند بھی پوری ہو جائے گی۔''

عبدالرحمٰن کی امی کھانا تیار کرنے کیلئے جانے لگیں تو اُس نے اپنی امی سے کہا کہ ہمارے آنے کے بارے میں سوائے ابو کے کسی کو پتا نہ چلے کیونکہ ہم یہاں خفیہ طور پر پہنچے ہیں۔

علی اور عبدالرحمٰن نے نہا کر کپڑے بدلے اور آرام کیلئے لیٹ گئے۔ابھی لیٹے ہوئے اُنہیں آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ عبدالرحمٰن کے ابو بھی آ گئے۔جب اُن کو پتا چلا کہ عبدالرحمٰن آیا ہوا ہے تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔وہ عبدالرحمٰن اور علی' دونوں سے بغلگیر ہو کر ملے۔اُنہوں نے بتایا:

''بیٹا! جب تمہارے خط آنے بند ہو گئے تو ہم نے یہی سمجھا کہ تم لڑتے ہوئے مارے گئے ہو۔میں نے متعلقہ محکموں سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ تم لاپتا ہو۔گورنمنٹ کا خیال تھا کہ مجاہدین نے تمہیں گرفتار کرلیا ہے۔ہم تو تمہاری زندگی سے ناامید ہو چکے تھے۔تمہیں دیکھ کر تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے گھر دوبارہ عبدالرحمٰن کو پیدا کیا ہے۔جب سے تمہارے خط آنے بند ہو گئے تھے' تمہاری ماں اُس وقت سے بہت روتی رہی ہے۔ابھی پچھلے ماہ تمہاری سالگرہ کے موقع پر تمہاری ماں ساری رات اور دن روتی رہی۔بڑی مشکل سے چپ کرایا۔''

اتنی دیر میں عبدالرحمٰن کی امی کھانا لے کر آ گئیں۔

''ابو! اُسی رات آپ لوگ مجھے خواب میں ملے تھے اور اُسی خواب نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا۔آپ لوگوں کو تو میں بتا کر گیا تھا کہ موقع ملتے ہی مجاہدین سے جا کر مل جاؤں گا۔پھر امی اور آپ کیوں پریشان تھے؟ افغانستان میں تو جس کا بیٹا شہید ہوتا ہے' اُس کی ماں' اُس کا باپ' اس کی بہنیں اور بھائی اُس کی شہادت پر فخر کرتے ہیں۔اگر آپ میری شہادت پر روتے تو مجھے بہت دکھ

ہوتا۔'' عبدالرحمٰن نے کہا تو اُس کی امی نے بتایا:

''ہم تو اس وجہ سے روتے تھے کہ شاید تم کافروں کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے ہو۔پھر یہاں حکومت کا پراپیگنڈا ہے کہ مجاہدین جس کو بھی پکڑ لیتے ہیں اُسے زندہ نہیں چھوڑتے' خواہ وہ کمیونسٹ فوجی ہو یا مسلمان فوجی ہو یا خود ان کی طرف بھاگ کر گیا ہو۔یہی سوچ کر ہمیں بے حد دکھ ہوتا تھا کہ کہیں تم مجاہدین کی طرف جاؤ اور وہ تمہیں کافر سمجھ کر نہ مار دیں۔اللہ کی راہ میں ایک بیٹا تو کیا' دس بیٹے بھی ہوں تو میں قربان کر دوں اور میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ آئے۔''

عبدالرحمٰن کی امی کی باتیں سن کر علی نے بتایا: ''یہ روسی فوج کا پراپیگنڈا ہے کہ کہیں مسلمان روسی فوجی مجاہدین سے جا کر نہ مل جائیں۔مجاہدین تو پکے کمیونسٹوں کو بھی صفائی کا موقع دینے کے بعد سزا دیتے ہیں۔اب بھی ہماری جیلوں میں بے شمار روسی قیدی بند پڑے ہیں۔ہم تو قیدیوں کا تبادلہ کرنا چاہتے ہیں مگر روسی کمانڈر اس پر خود تیار نہیں ہوتے۔مجاہدین کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر کئی روسی قیدی اسلام قبول کر چکے ہیں۔تین روسیوں کو تو میں خود جانتا ہوں جو پکتیا میں خوست اور ژازی میدان کی لڑائیوں میں روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ہمارے لئے مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وسائل بہت کم ہیں جس کی وجہ سے ہم روس کے جھوٹے پراپیگنڈے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

''ہم تو بیٹا روس کے اندر رہتے ہیں' جہاں ہر وقت مجاہدین کے خلاف پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔اس پراپیگنڈے سے ہمارا تھوڑا بہت متاثر ہونا بھی قدرتی بات تھی۔'' عبدالرحمٰن کی امی نے کہا۔

کھانا کھا چکے تو عبدالرحمٰن کے ابو نے کہا: ''بیٹا! اب تم اپنی ساری روداد سناؤ۔''

''ابا! رات کے بارہ بج چکے ہیں' کل سن لینا۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

اُس کے ابو بولے'' بیٹا! اگر تمہیں نیند آئی ہوئی ہے تو اور بات ہے ورنہ ہم تو صبح کا انتظار نہیں کر سکتے۔اگر تم نے اپنی روداد نہ بھی سنائی تو ہم کو نیند پھر بھی نہیں آئے گی''۔

عبدالرحمٰن افغانستان میں اپنے قیام کے شروع سے لے کر اب تک کے وہ سارے حالات و واقعات سنانے لگا جن میں سے وہ گزرا تھا۔رُوسی مظالم کی داستانیں سن کر تو اس کی امی اور ابو رونے لگے مگر جب اُنہوں نے مجاہدین کی بہادری' جرأت اور استقامت کا سنا تو اُن کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوگئی۔

جب عبدالرحمٰن نے اپنی روداد ختم کی تو اُس کے والد نے بتایا: ''روس میں کمیونسٹ' مجاہدین کو ظالم' وحشی' ڈاکو اور سفاک لٹیرے کہتے ہیں جبکہ مجاہدین کے حامی مسلمان' مجاہدین کی بہادری اور جرأت سے بہت متاثر ہیں۔ان مسلمانوں کا کہنا ہے کہ چونکہ روسیوں کو شکست ہو رہی ہے' اس لئے مجاہدین کی

بہادری اور جرأت کا اعتراف کرنے کے بجائے کیمونسٹ مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کرتے ہیں۔
یہاں کے عام لوگ مجاہدین کو مافوق الفطرت قوت کے مالک سمجھتے ہیں' جنہیں شکست نہیں دی جا سکتی۔
بذاتِ خود میں افغانستان سے آئے ہوئے کئی روسی فوجی افسروں سے ملا ہوں۔ پچھلے سال ایک فوجی افسر سے ملاقات ہوئی تو اُس نے بتایا کہ ہمارے سپاہی ایک مجاہد کو پکڑ لائے۔ میں نے افغان مجاہدین کی کرامات اور مافوق الفطرت قوتوں کے بہت قصے سن رکھے تھے۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس افغان مجاہد کو آزمایا جائے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ ہمارے ٹینکوں پر پتھر اُٹھا کر مارو تو ٹینکوں کو اس سے بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اُس نے بڑے اعتماد سے کہا کہ آپ نے درست سنا ہے۔
میں نے کہا کہ اگر تم میرے سامنے پتھر مار کر ٹینک کو آگ لگا دو تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ اُس نے میرا چیلنج قبول کر لیا۔ اُس نے پانی منگوا کر ہاتھ' منہ اور پاؤں دھوئے (وضو کیا) عبادت کی (نفل ادا کئے) پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگا۔ دُعا کے بعد اُس نے زمین سے چند کنکر اُٹھائے' عربی زبان میں کچھ پڑھا اور کنکروں کو ٹینک پر مار دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹینک کو آگ لگ گئی۔

''دو ماہ پہلے میری ایک اور فوجی افسر سے ملاقات ہوئی۔ وہ جنگ میں معذور ہو چکا ہے۔......... جب میری اُس سے ملاقات ہوئی تو اُسے افغانستان سے آئے ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ اُس نے بھی بے شمار ناقابلِ یقین واقعات سنائے۔ اُس نے چند ماہ پہلے کے ایک واقعے کا ذکر کیا کہ کابل کے قریب ایک صوبے میں روسی فوج کا ایک کانوائے مجاہدین کے کسی مرکز پر حملہ کرنے گیا اور اُس میں شامل کسی ایک فوجی کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔ دوسرا کانوائے اُس کی تلاش میں بھیجا گیا۔ وہ بھی غائب ہو گیا۔ دونوں کانواؤں کا کچھ سراغ نہ مل سکا۔ پتا نہیں انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔''

''مجاہدین کے بارے میں اس سے بھی بڑی حیرت ناک بات مجھے اپنی ریاست کے کیمونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے بتائی۔ ایک ہفتہ قبل میں اُس سے ملنے گیا۔ وہ ماسکو میں کیمونسٹ پارٹی کی سپریم کونسل کے اجلاس میں شرکت کر کے واپس آیا تھا۔ جب میں اُس سے ملا تو وہ بہت پریشان تھا۔ میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا:
''میں ہی نہیں' پوری کیمونسٹ پارٹی افغان مجاہدین سے بہت پریشان ہے۔ جس واقعے کا سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں' جب میں تمہیں سناؤں گا تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گے۔ ابھی جس اجلاس میں شرکت کر کے واپس لوٹا ہوں۔ اسی اجلاس کا واقعہ ہے۔ روس کے وزیرِ دفاع نے افغانستان کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے دو واقعات کا خصوصی ذکر کیا۔ ایک واقعہ تو یہ تھا کہ دو کانوائے

حملہ کرنے گئے اور دونوں غائب ہو گئے اور کانواؤں میں شامل کسی ایک فرد کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔
دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک ہے۔ وہی مرکز' جہاں دو کانوائے حملہ کرنے گئے اور غائب ہو چکے تھے' ہمارے کمانڈر نے اس مرکز پر قبضہ کرنے کے لئے تین سو سپٹسناز اتارے اور ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آیا۔ سپٹسناز کے بارے میں وزارتِ دفاع کا کہنا ہے کہ سپٹسناز دُنیا کے کسی ملک کی بھی فوج کو شکست دے سکتے ہیں' خواہ اُس فوج کی نفری سپٹسناز سے بیس گنا زیادہ ہو۔ جب سپریم کونسل کے ممبران نے وزیرِ دفاع سے سپٹسناز کی تباہی کے بارے میں سنا تو سنتے ہی اکثر کے رنگ زرد پڑ گئے۔ ایک ممبر تو اپنے دل کی بات اپنی زبان پر لے آیا۔ اُس نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ مجاہدین کے ہاتھوں اب ہم بھی محفوظ نہیں۔ اگر وہ سپٹسناز کو ہلاک کر سکتے ہیں تو وہ روس کے اندر آ کر ہمیں بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا یہ پریشانی کی بات نہیں ہے؟''
عبدالرحمٰن کے باپ نے جونہی بات ختم کی تو علی نے مسکراتے ہوئے اُسے بتایا: ''انکل! دونوں کانواؤں کا غائب کر دینا اور سپٹسناز کی ہلاکت' دونوں کارنامے آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہیں۔''
''نہیں ابو! یہ سب کچھ علی کی کمانڈنگ اور ذہانت کی بدولت ہوا۔'' عبدالرحمٰن بولا۔
اُس کے ابو نے کہا: ''یہ تو میرے لئے فخر کی بات ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ کام علی نے کیا ہے یا عبدالرحمٰن نے' دونوں اللہ کے سپاہی اور میرے بیٹے ہیں۔''
عبدالرحمٰن کی امی نے اُٹھ کر علی اور عبدالرحمٰن کی پیشانیوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تم دونوں کو سلامت رکھے اور آئندہ بھی ایسی ہی فتوحات سے نوازے۔ یہ محفل صبح کی نماز تک جاری رہی۔ صبح کی نماز پڑھ کر سب لوگ سو گئے۔

دس بجے صبح سب نے اُٹھ کر ناشتہ کیا۔ علی اور عبدالرحمٰن دوبارہ سو گئے۔ دوپہر کے کھانے سے تھوڑی دیر پہلے اُٹھے۔ عبدالرحمٰن اپنی امی کے پاس باورچی خانے میں چلا آیا۔ وہاں آ کر اُس نے زبیدہ کے بارے میں پوچھا تو اُس کی امی نے بتایا کہ زبیدہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کئی دفعہ تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہے۔ ہماری طرح وہ بھی تمہارے لئے بہت پریشان تھی۔
''امی! کیا اُس سے ملاقات نہیں ہو سکتی؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔
''کیوں نہیں ہو سکتی۔ بیٹا! ایک بات یاد رکھو کہ وہ ماں ہی کیا جو اپنے بیٹے کے جذبات اور احساسات سے آگاہ نہ ہو۔ میں نے تمہارے کہنے سے پہلے ہی تمہارے ابو کو کہہ دیا تھا کہ دفتر سے واپس آتے وقت زبیدہ کو لیتے آنا۔ ویسے بھی میرا بیٹا اتنی دیر بعد آیا ہے' پھر اس کا دوست بھی اس کے ساتھ ہے۔ میں اکیلی کیسے تمہارے لئے مزے مزے کے کھانے پکا سکتی ہوں اور میری تو خواہش ہے کہ جب

تک تم یہاں رہو، جی بھر کر تمہاری پسند کے کھانے تمہیں کھلاؤں۔ پھر علی تو تم سے بھی کہیں پہلے کا اپنی ماں سے بچھڑا ہوا ہے' وہ بھی چند دن اپنی پسند کے کھانے گھر میں پکے ہوئے کھالے گا' اس لئے جب تک تم یہاں ہو' زبیدہ بھی اس گھر میں میرا ہاتھ بٹانے کیلئے موجود رہے گی بلکہ میں تو کہوں گی کہ شادی کر کے اُسے ساتھ ہی لے جاؤ۔ وہ بیچاری اکیلی تمہارے بغیر یہاں کیا کرے گی؟'' اُس کی امی نے کہا۔

''ویسے امی! آپ جیسی ماں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی لیکن شادی والی بات پر کچھ غور کرنا پڑے گا۔'' عبدالرحمٰن یہ کہہ کر علی کے پاس چلا آیا۔

دفتر سے فارغ ہونے کے بعد عبدالرحمٰن کا باپ سیدھا زبیدہ کے گھر پہنچا۔ زبیدہ اُس وقت اپنے کمرے میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔ عبدالرحمٰن کے باپ کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور سلام کرنے کے بعد پوچھا: ''ماموں جان! آج آپ کیسے بھول کر ادھر آ نکلے؟''

''بیٹی! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمہاری ممانی تمہیں فوراً بلا رہی ہے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا۔

زبیدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ''ماموں جان! ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے مجھے فوراً بلایا گیا ہے؟''

''بس تمہارے لئے ایک بہت خوشی کی بات ہے مگر تمہاری ممانی جان نے بتانے سے منع کر دیا تھا۔ ہاں تین چار دنوں کے لئے کپڑے بھی اپنے بیگ میں رکھ لینا۔ شاید زیادہ دن ٹھہرنا پڑ جائے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے بتایا۔

زبیدہ اُٹھ کر تیار ہونے لگی لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے ممانی صاحبہ نے مجھے فوراً بلایا ہے اور پھر تین چار دنوں کے لئے کپڑے رکھنے کا بھی کہا ہے۔

باہر عبدالرحمٰن کا باپ زبیدہ کی امی سے کہہ رہا تھا کہ زبیدہ چند دنوں کے لئے ہمارے ہی گھر میں رہے گی۔ چند دنوں بعد میں خود چھوڑ جاؤں گا۔

''تمہاری اپنی بیٹی ہے۔ ساری عمر رکھو' بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' زبیدہ کی امی نے کہا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے بارے میں بھی پوچھا کہ اُس کا کچھ پتا چلا تو عبدالرحمٰن کے باپ نے بتایا کہ ہاں کچھ پتا چلا ہے۔ چند دنوں بعد پوری طرح پتا چل جائے گا۔

عبدالرحمٰن کا باپ نہیں چاہتا تھا کہ عبدالرحمٰن کے بارے میں زبیدہ کے علاوہ باہر کے کسی فرد کو کچھ بھی معلوم ہو۔ پھر زبیدہ کا باپ تو دل و جان سے پکا کیمونسٹ تھا' اس لئے اُس نے اپنی بہن سے بھی عبدالرحمٰن کی آمد کو چھپائے رکھا۔

جب زبیدہ عبدالرحمٰن کے گھر پہنچی تو اُس کی امی صحن ہی میں کام کر رہی تھی۔ زبیدہ نے سلام

کرتے ہی پوچھا: ''ممانی جان! جلدی بتائیں کہ آپ نے کون سی خوشی کی بات سنانے کے لئے مجھے یہاں بلایا ہے۔''

عبدالرحمٰن کی امی: ''تم ہی بتاؤ۔ تمہارے لئے اس گھر میں بتانے کی کون سی خوشی کی بات ہو سکتی ہے؟''

زبیدہ: ''ممانی جان! یہ تو آپ بھی جانتی ہیں مگر.........''

زبیدہ پوری بات کئے بغیر ہی افسردہ ہو گئی تو عبدالرحمٰن کی امی ہنسی اور اُسے پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ وہاں بٹھا کر کہا کہ میں ابھی آتی ہوں۔

عبدالرحمٰن کی امی عبدالرحمٰن کے کمرے میں گئی اور اُسے کہا کہ زبیدہ آ گئی ہے' دوسرے کمرے میں بیٹھی ہے جا کر مل لو۔

عبدالرحمٰن' علی سے اجازت لے کر زبیدہ والے کمرے میں آیا۔ زبیدہ نے جونہی اُسے دیکھا' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا'' آپ! میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

''نہیں' آپ خواب نہیں دیکھ رہیں۔ میں کمرے میں موجود ہوں۔'' عبدالرحمٰن بولا

زبیدہ اس خوشی پر قابو نہ پا سکی اور بے اختیار رونے لگی۔ یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن کی آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔ کچھ سنبھلی تو بولی۔: آپ نے آنے سے پہلے اطلاع کیوں نہ دی اور یہاں بھی آ کر ایسے بلایا جیسے فوج سے بھاگ کر چوری آئے ہو۔''

''جی! آپ بالکل صحیح کہتی ہیں۔ میں خفیہ طور پر صرف آپ سے اور ابو امی سے ملنے آیا ہوں۔ میں اب فوج میں نہیں بلکہ مجاہدین میں شامل ہو چکا ہوں۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

زبیدہ نے کہا کہ یہ تو میرے لئے اور بھی زیادہ خوشی کی بات ہے۔ تم نہیں جانتے کہ یہاں مجاہدین کا کتنا احترام کیا جاتا ہے۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ افغانستان جا کر اپنے افغان مجاہد بھائیوں سے ملوں' اُن کا کھانا تیار کروں' اُن کے کپڑے دھوؤں اور جہاد میں اُن کا ساتھ دوں۔

''بہت اچھے خیالات ہیں آپ کے۔ اللہ آپ کو جہاد کرنے کی توفیق دے۔'' عبدالرحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

زبیدہ نے سمجھا کہ شاید عبدالرحمٰن نے اُس کا مذاق اُڑایا ہے۔ وہ بولی ''خود تو آپ اسلام کے بارے میں لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں۔ میں چھوٹی سی بات بھی کروں تو آپ ہمیشہ مذاق اڑاتے ہیں۔''

''زبیدہ! میں نے مذاق نہیں اُڑایا۔ تمہارے خیالات سن کر واقعی مجھے خوشی ہوئی ہے۔'' عبدالرحمٰن نے کہا تو زبیدہ فرمائش کرنے لگی کہ آپ مجھے افغان مجاہدین کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

عبدالرحمٰن نے زبیدہ کو افغان مجاہدین کے بارے میں مختصراً بتایا۔ جب زبیدہ کو پتا چلا کہ افغانستان سے ایک افغان مجاہد بھی آیا ہوا ہے تو اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں اُسے دیکھنا اور ملنا چاہتی ہوں۔ عبدالرحمٰن نے اسے بتایا کہ علی کا تعلق افغانستان سے ہے جہاں لڑکیاں غیر محرم مردوں سے نہیں ملتیں اور اسلامی احکامات کی مکمل پاسداری کرتی ہیں۔ افغانستان کی عورتیں مکمل پردہ کرتی ہیں۔ میں نے وہاں ایک لڑکی طاہرہ کو اپنی بہن بنایا ہوا ہے‘ اس کے باوجود وہ مجھ سے مکمل پردہ کرتی ہے‘ اس لئے کہ وہ میری سگی بہن نہیں۔

’’میں نے بھی تو مکمل لباس پہنا ہوا ہے اور روس میں میرے لباس سے زیادہ پردے والا لباس تو کوئی بھی نہیں پہنتا اور میری سہیلیاں تو میرے اس لباس کا مذاق اڑاتی ہیں۔‘‘ زبیدہ نے کہا۔

عبدالرحمٰن نے اُسے بتایا: ’’روس کے اندر لوگوں کا اسلام کے بارے میں مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے‘ اس لئے یہاں کی عورتیں پردے کے بارے میں اسلامی احکامات سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں جبکہ افغانستان میں عورتیں غیر محرم مردوں سے پورا پورا پردہ کرتی ہیں۔ کوئی چادر وغیرہ ہے تو اُسے اوڑھ لو اور چہرہ وغیرہ پوری طرح ڈھانپ لو۔ میں علی کو بلاتا ہوں۔‘‘

زبیدہ نے عبدالرحمٰن کی امی سے چادر لے کر پوری طرح اوڑھ لی۔

زبیدہ رُوس کے آزاد معاشرے میں رہنے والی لڑکی تھی جہاں عریانی فحاشی کو عریانی فحاشی نہیں بلکہ ترقی پسند تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔ روس کے معاشرے میں تو کسی لڑکی کا اسلام کے حق میں بات کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ زبیدہ کا یوں چادر لے کر اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپ لینا اس کے دل میں اسلام اور افغان مجاہدین کے لئے بے پناہ محبت کا مظہر تھا۔ زبیدہ روس کے اندر واحد ایسی لڑکی نہیں ہے بلکہ روس میں زبیدہ کی طرح ہزاروں دوسری لڑکیاں بھی اسلامی اقدار کو پوری طرح اپنانے کو تیار ہیں بشرطیکہ کوئی اُنہیں اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ تو کرے۔ جس ملک میں گھر سے لے کر سکول و کالج تک ہر جگہ کمیونزم کی تعلیم دی جاتی ہو‘ شراب نوشی اور گناہ کی کھلے عام حوصلہ افزائی کی جاتی ہو‘ مساجد بند کر دی گئی ہوں اور قرآن مجید چھاپنا ممنوع ہو‘ جس ملک میں سرخ فوج زبردستی گھروں میں گھس کر پردہ نشین عورتوں اور بہو بیٹیوں کے دوپٹے اور چادریں اُتار کر آگ لگا دے‘ جہاں پردہ کرنا جرم ہو‘ وہاں زبیدہ جیسی لڑکیوں کے اسلام کے بارے میں ایسے جذبات قابل قدر ہی نہیں‘ قابل حیرت بھی ہیں۔

(کمیونسٹ انقلاب کے بعد روس کے اندر خواتین کے برقعے زبردستی اتار کر نذر آتش کئے جاتے رہے ہیں۔ ایسا ہی افغانستان میں ہوا‘ مصر میں ہوا‘ شام میں ہو رہا ہے۔ پاکستان کی چند خواتین

نے 1987ء میں روس کی خوشنودی کی خاطر اپنے دوپٹے نذر آتش کئے تھے۔)

علی اور عبدالرحمٰن کمرے میں اکٹھے داخل ہوئے۔ اس سے قبل کہ علی سلام کرتا۔ زبیدہ نے پہل کرتے ہوئے کہا: ’’علی بھائی! السلام علیکم۔‘‘

عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ برادر علی! زبیدہ کو آپ سے ملنے اور افغانستان کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔ یہ آپ کی زبان۔ ۔ جہاد افغانستان کا حال سننا چاہتی ہے‘ اُسے کچھ بتاؤ۔

علی نے ابھی بات شروع نہیں کی تھی کہ عبدالرحمٰن کا باپ اور امی بھی آ گئے۔ علی نے زبیدہ کو جہاد افغانستان کے بارے میں مختصراً آگاہ کیا۔

زبیدہ نے علی کو بتایا کہ روس کی مسلمان خواتین میں مجاہدین بہت مقبول ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مسلمان لڑکیاں خواہ وہ اسلام کے بارے میں کچھ جانتی ہوں یا نہ جانتی ہوں‘ وہ مجاہدین کے حق میں بات کرتی ہیں۔ بعض تو مجاہدین کے بارے میں بڑے بڑے عجیب وغریب واقعات بھی بیان کرتی ہیں۔ میری ایک سہیلی نے تین ماہ پہلے بتایا کہ اس کا ایک رشتے دار فوجی افغانستان کے صوبہ ’’وردک‘‘ سے واپس آیا۔ اُس فوجی نے بتایا کہ ہمیں ہمارے افسروں نے حکم دیا کہ قبرستان کو ختم کر کے وہاں فوجیوں کیلئے جگہ بناؤ۔ وہاں چند شہداء کی قبریں بھی تھیں۔ ہم بلڈوزر لے کر گئے۔ ابھی قبرستان سے چند گز دور ہی تھے کہ اگلا بلڈوزر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر دھماکے سے ہوتا تو ہم سمجھتے کہ بارودی سرنگیں مجاہدین نے اس جگہ دبائی ہوں گی۔ ہمارے افسر کا خیال تھا کہ وہ بلڈوزر خراب تھا۔ میں نے اپنا بلڈوزر آگے کیا‘ وہ بھی اُس جگہ پہنچا تو دو ٹکڑے ہو گیا اور میں اُچھل کر دور جا گرا۔ میں ڈر کر وہاں سے بھاگ آیا۔ قبرستان تو روسی صاف نہ کرا سکے مگر روسی افسروں نے میری چھٹی کرا دی اور میں واپس آ گیا۔

ایک اور سہیلی جس کا بھائی بھی افغانستان سے واپس آیا تھا‘ اُس نے بتایا کہ میرا بھائی کہتا ہے کہ مجاہدین شہروں اور چھاؤنیوں میں کارروائیاں کر کے ایسے غائب ہو جاتے ہیں‘ جیسے چھلاوے۔ ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے میری سہیلی نے بتایا کہ اُس کے بھائی نے اُسے بتایا کہ ایک دفعہ ہم ایک گاؤں پر حملہ کرنے نکلے۔ کچھ دور ہمیں تین مجاہد نظر آئے۔ ہم نے اُن پر گولیاں چلائیں۔ اُنہوں نے جوابی فائر کیا جس سے ہمارے تین سپاہی مارے گئے۔ ہماری فائرنگ سے وہ بھی مر گئے۔ ہم اُن کی لاشوں کی تلاشی لینے لاشوں والی جگہ پہنچے تو وہاں نہ کوئی لاش تھی اور نہ کوئی بندوق۔ ہم نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی لاش نہ ملی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد پھر وہی مجاہد نظر آئے۔ ہم نے پھر گولیاں چلائیں۔ اُنہوں نے بھی جوابی فائر کئے اور ہمارے دو آدمی مزید مر گئے۔ ہماری گولیاں کھا کر وہ پھر

نیچے گرے مگر اُن کی لاشیں پھر نہ ملیں۔ تھوڑی دور جا کر وہ پھر نظر آئے۔ ہم نے پھر ایسا ہی کیا اور وہ گولیاں کھا کر ایک دفعہ پھر گرے۔ جب ہم اُن کی لاشیں لینے گئے تو ہم ایک نالے میں گر گئے۔ ہم چار فوجی تھے۔ دو نالے میں ڈوب کر مر گئے اور ہم دوسرے دو بڑی مشکل سے بچے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہم گاؤں پر حملہ کئے بغیر ہی واپس لوٹ آئے۔

ایسے ہی دوسرے بے شمار عجیب وغریب واقعات یہاں لڑکیاں افغانستان سے آئے ہوئے فوجیوں سے سن سن کر ایک دوسرے کو سناتی ہیں۔

علی نے کہا کہ جہاں تک قبرستان میں بلڈوزروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے واقعہ کا تعلق ہے یہ تو مجھے بھی صوبہ وردک کے مجاہدین نے سنایا تھا لیکن دوسرے واقعے کا علم نہیں۔ ویسے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جس طرح چاہے مجاہدین کی مدد کرے۔ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ روسی کسی مجاہد کا چھوٹا سا واقعہ سنتے ہیں اور پھر آگے بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ انہی کے ذریعے اُن کے دلوں پر مجاہدین کی دھاک بٹھا دیتا ہے۔ مجاہدین مافوق الفطرت صلاحیتوں کے مالک نہیں ہیں، وہ بھی عام انسان ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، موت سے نہیں ڈرتے اور اللہ بھی اپنے وعدوں کے مطابق ان کی مدد کو اپنے فرشتے بھیجتا ہے۔ اگر اللہ مجاہدین کی مدد نہ کرتا تو نہتے مجاہدین دُنیا کی سب سے بڑی فوجی قوت کو یوں شکست سے دوچار نہ کرتے۔

علی نے بات ختم کی تو عبدالرحمٰن کے والد نے بتایا کہ جو فوجی افغانستان سے واپس آرہے ہیں، اُن کی باتوں سے دوسرے فوجیوں اور رُوسی عوام میں مجاہدین کا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ بعض کمیونسٹ دانشور تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ افغان مجاہدین کہیں افغانستان کی آزادی کے بعد سمرقند و بخارا کی آزادی کے لئے روس سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔

''انکل! یہ تو ہوگا۔ ہم تو اعلانیہ کہتے ہیں کہ جس جہاد کا آغاز افغانستان میں ہوا ہے، یہ نہ صرف روس کے مسلمانوں کی آزادی بلکہ دُنیا کے دوسرے مسلمانوں کی آزادی تک جاری رہے گا۔'' علی نے کہا۔

''بیٹا! تم صحیح کہتے ہو۔ اسی لئے تو روس کے حکمران امریکہ اور یورپ والوں کو بھی ڈرا رہے ہیں کہ افغانستان کے مسلمان صرف روس کے دُشمن نہیں، بلکہ یہ تو فلسطین کی آزادی کے لئے تمہارے بھی خلاف ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے روس اور امریکہ کے سربراہ مجاہدین کے بجائے ظاہر شاہ یا کسی دوسرے اپنے ایجنٹ کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ دونوں نہیں چاہتے کہ افغانستان میں کسی صورت بھی مجاہدین کی حکومت قائم ہو۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے علی کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

باتیں چند منٹ کے لئے رکیں تو علی نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ بھائی وہ سامان تو لاؤ جو ہم افغانستان سے لائے ہیں۔ علی کچھ چیزیں عبدالرحمٰن کے باپ، امی اور زبیدہ کیلئے افغانستان سے لایا تھا۔ ان میں خوبصورت کپڑوں کے ایک ایک جوڑے کے علاوہ ایک ایک گرم اون کا سویٹر بھی تھا۔ کپڑا اور سویٹر باہر کے بنے ہوئے تھے۔ علی نے یہ ساری چیزیں پاکستان سے منگوائی تھیں۔

عبدالرحمٰن سامان لے آیا تو علی نے یہ تحفے سب کو دے دیئے۔ زبیدہ اور عبدالرحمٰن کی امی تو یہ تحفے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ زبیدہ نے کہا:

''علی بھائی! روس میں تو کوئی اچھا کپڑا ملتا ہی نہیں۔ مجھے شوق تھا کہ میں بھی باہر کے بنے ہوئے کپڑے پہنوں، اس لئے میں تو آپ کی بہت ہی شکر گزار ہوں۔''

عبدالرحمٰن نے کہا: ''میں بھی کچھ لایا ہوں، کچھ شکریہ میرے لئے بھی رکھ لیجئے۔'' اس نے قرآن مجید کے خوبصورت نسخے نکال کر دیئے تو سب پہلے تحفوں کو بھول گئے۔ زبیدہ، عبدالرحمٰن کا باپ اور امی تو قرآن مجید کو لے کر چومنے لگے۔

علی نے کہا: ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ روس کے اندر مسلمانوں کے لئے قرآن مجید سے بڑا قیمتی اور کوئی تحفہ نہیں۔''

''بیٹا! صرف روس کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں، ساری دُنیا کے مسلمانوں بلکہ ساری دُنیا کے لوگوں کے لئے قرآن مجید سے بہتر کوئی تحفہ نہیں۔ روس کے مسلمانوں کے لئے تو یہ ایک نایاب تحفہ ہے۔ روس میں حکومت کی سرپرستی میں سرکاری مولویوں کی تنظیم نے بھی قرآن مجید شائع کروائے ہیں مگر ان میں نہ صرف عربی متن بدل دیا ہے بلکہ ترجمہ بھی اپنی مرضی کا کیا ہے جس وجہ سے لوگ قرآن مجید کے یہ تحریف شدہ نسخے پڑھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے علی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

زبیدہ نے بتایا کہ روس میں مسلمان طالبات کا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن مجید کو ہاتھ لگا کر یا پڑھ کر امتحان دیا جائے تو پرچے اچھے ہوتے ہیں۔ جب میری سہیلیوں کو پتا چلے گا کہ میرے پاس قرآن مجید ہے تو وہ ساری میری طرف دوڑیں گی۔

''لیکن ان کو یہ مت بتانا کہ افغانستان سے عبدالرحمٰن نے لا کر دیا ہے، ورنہ ابو امی کے ساتھ ساتھ تم خود بھی مشکل میں پھنس جاؤ گی۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

علی نے عبدالرحمٰن کو یاد دلایا: ''طاہرہ نے آپ کو جو تاکید کی تھی، وہ آپ بھول گئے، زبیدہ کو اس کی طرف سے بھی کوئی خوبصورت سا تحفہ منگوا کر دو۔''

علی نے طاہرہ کا نام لیا تو عبدالرحمٰن کی امی نے پوچھا کہ یہ طاہرہ کون ہے؟

عبدالرحمٰن نے بتایا: ''امی جان! میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ افغانستان میں، میں نے ایک افغان لڑکی کو اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ ہمیں بچانے کیلئے اس نے اپنے کمیونسٹ بھائی کو قتل کر دیا۔'' پھر اس نے طاہرہ کے بارے میں تفصیل سے سب کو آگاہ کیا۔ طاہرہ کی کہانی سن کر سب نے طاہرہ کے جذبے کی تعریف کی۔

عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا: ''کاش! طاہرہ میری بیٹی ہوتی۔''

''تو کیا آپ میری بہن کو اپنی بیٹی نہیں سمجھتے؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں بیٹا! مجھے خیال ہی نہ رہا کہ عبدالرحمٰن کی بہن میری بیٹی ہی تو ہے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا۔

زبیدہ نے کہا کہ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ کوئی لڑکی دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل بھی کر سکتی ہے۔ طاہرہ واقعی بہت عظیم ہے۔ کاش آپ اُسے بھی اپنے ساتھ لے آتے تو ہم بھی اس سے مل سکتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے لئے خریدی ہوئی انگوٹھی ایک عظیم مجاہدہ کے پاس گئی ہے اور عظیم مجاہدہ نے بھی میرے لئے تحفہ بھیجا ہے۔

علی نے زبیدہ کو بتایا کہ طاہرہ نے عبدالرحمٰن سے وعدہ کیا تھا کہ افغانستان کی آزادی کے بعد وہ تم سے ملنے ضرور آئے گی۔

یہ سن کر زبیدہ نے کہا: ''میرے لئے اس سے بڑی فخر کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ طاہرہ مجھ سے ملنے آئے۔''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ افغانستان میں اسلام اور کفر کی صحیح جنگ ہو رہی ہے۔ اسلام کی خاطر باپ بیٹے کو معاف نہیں کرتا اور خواتین نے تو جہاد کے لئے کمال کر دکھایا ہے۔ میں جب روس سے افغانستان گیا تو وہاں پہلے سے موجود ایک روسی فوجی نے بتایا کہ کابل میں طالبات نے روس کے خلاف جلوس نکالا۔ طالبات کے پاس کوئی جھنڈا نہیں تھا۔ ایک لڑکی نے اپنا سبز دوپٹہ اُتار کر پرچم بنا لیا۔ وہ روس اور ببرک کارمل کے خلاف نعرے لگا رہی تھیں۔ ہم نے گولی چلائی۔ کئی طالبات زخمی ہو کر گر پڑیں اور کئی ہلاک (شہید) ہو گئیں۔ پرچم والی لڑکی کا دایاں ہاتھ شدید زخمی ہو گیا تو اُس نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بایاں ہاتھ بھی گولیوں سے چھلنی ہو گیا تو اُس نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر پرچم کو چھاتی سے لگا لیا۔ وہ نڈھال ہو کر گر پڑی تو دوسری طالبہ نے بڑھ کر پرچم کو تھام لیا۔ اسی جلوس میں ہم نے زخمی طالبات کو ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑیوں میں بٹھانا چاہا تو اُنہوں نے ہمارے

منہ پر تھوکا اور کہا ہم ناپاک کافروں سے علاج کرانا نہیں چاہتیں۔ ہمیں یہاں سڑک پر مرنا قبول ہے مگر یہ منظور نہیں کہ کوئی کافر ہمارے جسموں کو ہاتھ لگائے۔ ان کی اس گستاخی پر روسی افسر کے کہنے پر سب زخمی طالبات کو گولی مار دی گئی۔

یہ سن کر زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عبدالرحمٰن کی امی نے کہا:

''میں اپنی ان افغان بیٹیوں کو سلام کرتی ہوں، جنہوں نے اپنی جرأت و بہادری اور بے مثال قربانی دے کر مسلمان خواتین کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے اور اپنے خون سے ایک نئی تاریخ لکھی ہے۔''

علی نے عبدالرحمٰن کی امی کو ڈیڑھ سو روبل دیتے ہوئے کہا: ''خالہ جان! زبیدہ کی پسند کا کوئی خوبصورت سا تحفہ آپ خرید کر لا دیں تاکہ عبدالرحمٰن اور میں طاہرہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکیں۔''

باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی۔ عبدالرحمٰن کی امی نے اُٹھتے ہوئے زبیدہ سے کہا کہ اب اُٹھو اور باورچی خانے میں چل کر شام کا کھانا تیار کرنے میں میری مدد کرو۔ زبیدہ کا دل تو اس محفل سے اُٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اُٹھنا پڑا۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن کے باپ نے علی اور عبدالرحمٰن کو بتایا کہ روس میں بھی جہاد شروع کرنے کے لئے کام شروع ہو گیا ہے۔ پروفیسر ایوب بخاری تاریخ کے ایک ریٹائرڈ پروفیسر ہیں، اُنہوں نے خفیہ طور پر یہ کام شروع کیا ہے۔ اپنا مرکز اُنہوں نے دریائے آمو کے قریب پہاڑوں میں کسی جنگل میں بنایا ہوا ہے۔ شیر آباد میں محمود بخاری اُن کا ایک شاگرد ہے۔ وہ مجاہدین کا پکا حامی ہے اور ''تحریک مجاہدین ترکستان'' کا نمائندہ بھی۔ بظاہر وہ بھی کمیونسٹ ہے۔ جب مجاہدین کے حامی کسی فرد پر اُسے مکمل اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ فرد جہاد کے لئے تربیت لینا چاہتا ہے تو پھر اسے ان پہاڑوں میں چھ ماہ کیلئے بھیج دیا جاتا ہے۔ تحریک مجاہدین ترکستان کا پروگرام ہے کہ جب تربیت یافتہ مجاہدین کی تعداد معقول حد تک پہنچ جائے گی تو روس کے اندر جہاد شروع کر دیں گے۔

علی نے پوچھا کہ کیا محمود بخاری سے ملاقات ہو سکتی ہے تو عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا کہ ہو سکتی ہے۔ کسی دن میں اُسے یہاں چائے پر بلا لوں گا۔ پھر تفصیل سے بات کر لینا۔

عبدالرحمٰن کے باپ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ افغان مجاہدین کے ملت اسلامیہ پر بڑے احسانات ہیں۔ ان لوگوں نے بے مثال جرأت اور قربانی سے روس جیسی سپر پاور کے ناقابل تسخیر ہونے کے زعم کو پاش پاش کر ڈالا ہے اور دوسرے ملکوں پر جو روس کی دہشت تھی، اُسے بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ اب اگر پچھلے کئی ماہ سے ماسکو، آرمینیا اور آذربائیجان میں مظاہرے ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ بھی افغان مجاہدین ہی ہیں۔ افغان مجاہدین کی جرأت اور بہادری ہی نے روسی عوام کو بھی

مظاہرے کرنے کا حوصلہ دیا ہے۔

چوتھے دن علی کی محمود بخاری سے ملاقات ہوئی۔ یہ کسی افغان مجاہد کا کسی روسی حریت پسند سے پہلا رابطہ تھا۔ دونوں کے خیالات یکساں تھے۔ محمود بخاری علی سے مل کر بہت خوش ہوا۔ علی نے محمود بخاری سے پروفیسر ایوب بخاری کا پتا اور ان کے مرکز پہنچنے کا راستہ معلوم کیا۔ محمود بخاری نے علی کو پروفیسر ایوب بخاری کے نام خط بھی دیا اور دوسری ضروری باتیں بھی سمجھا دیں۔

علی اور عبدالرحمٰن کو آئے ہوئے دس دن ہو گئے تھے۔ علی کا خیال تھا کہ اب ہمیں واپسی کا رختِ سفر باندھنا چاہئے۔ عبدالرحمٰن کی امی نے کہا کہ تین چار دن اور رہ لیں۔ علی نے اُن کی بات مان لی۔

عبدالرحمٰن کی امی کا اصرار تھا کہ عبدالرحمٰن زبیدہ کو ساتھ لے جائے۔ زبیدہ بھی ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔ اُس نے تو عبدالرحمٰن کو یہ بھی یقین دلایا کہ میں بھی افغانستان کے بجائے طاہرہ کی طرح پاکستان چلی جاؤں گی' طاہرہ کے ساتھ رہ لوں گی اور جہاد میں ہر طرح آپ کا ساتھ دوں گی۔

عبدالرحمٰن نے زبیدہ اور اپنی امی کو سمجھاتے ہوئے کہا: ''امی! آپ کو بھی علم ہے کہ مجھے زبیدہ سے بہت محبت ہے اور زبیدہ کو بھی میری محبت پر شک نہیں کرنا چاہئے لیکن اس وقت زبیدہ کو یہاں سے لے جانا بہت مشکل ہے۔ طاہرہ افغانی خاتون ہے۔ وہ پاکستان میں مہاجر کی حیثیت سے رہ سکتی ہے مگر زبیدہ کا پاکستان میں رہنا بہت مشکل ہے۔ کے جی بی والے فوراً معلوم کر لیں گے۔ اس کے بعد روسی حکومت پاکستان پر اس کی واپسی کے لئے دباؤ ڈالے گی اور پھر جو مصیبتیں آپ پر آئیں گی' ان کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ مجھے یقین ہے کہ افغانستان ایک یا دو سال تک آزاد ہو جائے گا۔ جونہی افغانستان آزاد ہوا' میں زبیدہ کو فوراً وہاں بلوا لوں گا۔ بالفرض افغانستان کو آزاد ہونے میں دیر لگتی ہے تو پھر بھی میرا وعدہ ہے کہ دو سال بعد میں زبیدہ کو یہاں سے آ کر لے جاؤں گا۔ اس دوران میں' میں کوئی ایسا طریقہ سوچ لوں گا جس سے میں زبیدہ کو اپنے ساتھ بھی لے جاؤں اور بعد میں آپ اور زبیدہ کے والدین پر کوئی مصیبت بھی نہ آئے۔''

عبدالرحمٰن کے باپ نے بھی عبدالرحمٰن کی بات سے اتفاق کیا۔

زبیدہ کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ بھی افغانستان جائے اور جہاد میں جس حد تک ممکن ہو' شرکت کرے مگر جب سب عبدالرحمٰن کی بات پر راضی ہو گئے تو اُس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

دو ہفتے گزر گئے۔ علی اور عبدالرحمٰن کی روانگی کا وقت آ گیا۔ زبیدہ' عبدالرحمٰن کی امی اور ابو سب اداس تھے۔ زبیدہ تو رونے لگی۔ عبدالرحمٰن کے باپ اور امی نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''بیٹی! ہماری آنکھوں میں آنسو ضرور ہیں مگر ہم پھر بھی اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے

خوشی سے بھیج رہے ہیں' تم بھی عبدالرحمٰن کو خوشی کے ساتھ رُخصت کرو اور یہ دعا کرو کہ افغانستان جلد آزاد ہو جائے کیونکہ اب تمہیں بھی عبدالرحمٰن کے ساتھ افغانستان ہی میں رہنا ہوگا۔''

''ماموں جان! میں اس لئے نہیں رو رہی کہ عبدالرحمٰن جا رہا ہے' میں تو اس لئے رو رہی ہوں کہ میں عبدالرحمٰن کے کندھے سے کندھا ملا کر جہاد میں شریک ہونا چاہتی تھی مگر شاید میں بدقسمت ہوں جسے خواہش کے باوجود جہاد میں شرکت نصیب نہیں ہو رہی۔'' زبیدہ نے کہا۔

علی نے سمجھایا: ''زبیدہ بہن! جب تک مرد زندہ ہیں' عورتوں پر جہاد فرض نہیں۔ مجاہدین کی کامیابی کے لئے تمہاری دُعا ہی سب سے بڑا جہاد ہے اور جہاد کے لئے تمہاری آنکھوں سے نکلتے ہوئے یہ آنسو اللہ کے نزدیک شہیدوں کے خون سے کم قیمتی نہیں۔''

عبدالرحمٰن کی امی نے طاہرہ کیلئے بہت سے تحائف دیتے ہوئے عبدالرحمٰن سے کہا: ''میری بیٹی کو بہت بہت پیار دینا اور اُسے کہنا کہ تمہاری ایک ماں روس کے اندر بھی تمہاری خوشیوں کے لئے ہمیشہ دُعا گو رہے گی۔''

زبیدہ نے بھی طاہرہ کے لئے کافی تحائف دیئے۔





گاڑی ایک دوراہے پر آ کر رُک گئی۔ عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا کہ محمود بخاری کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ہمارے بائیں ہاتھ والی پگڈنڈی کو مجاہدین کے مرکز کی طرف جانا چاہئے۔ علی اور عبدالرحمٰن گاڑی سے نیچے اُترے۔ ضرورت کے مطابق سامان لینے کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے کہا:

''ابو! آپ ہمارا باقی سامان اسمٰعیل سمرقندی کی رہائش گاہ پر چھوڑ جائیں۔ اسے کہہ دینا کہ ہم دس بارہ روز تک اُس کے پاس پہنچیں گے۔''

عبدالرحمٰن کا باپ علی اور عبدالرحمٰن کو رخصت کرنے کے بعد اسمٰعیل سمرقندی کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

تین گھنٹے کے سفر کے بعد پگڈنڈی ایک جنگل میں داخل ہو گئی۔ جنگل آہستہ آہستہ گھنا اور پہاڑی سلسلہ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے تھے جنگل نہ صرف گھنا بلکہ خوفناک بھی ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی ایک بہت گہرے پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ آگے کو بڑھتی ہوئی تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ نالہ نہ صرف گہرا تھا بلکہ اس کے تیز رفتار پانی کے شور کی آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

رات جنگل ہی میں علی اور عبدالرحمٰن نے باری باری سو کر گزاری اور دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

سفر کا یہ تیسرا دن تھا مگر ابھی تک کسی مرکز کے نشان نظر نہ آئے تھے۔ علی نے اس شک کا اظہار کیا کہ کہیں ہم غلط راستے پر نہ آ گئے ہوں تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ محمود بخاری نے جو راستے کی نشانیاں بتائی تھیں اُن کے مطابق تو ہم صحیح جا رہے ہیں۔ وہ چلتے گئے۔ تھوڑی دور جا کر نالہ دائیں ہاتھ مڑ گیا تھا اور پگڈنڈی بائیں طرف کو چلی گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب ہم مرکز کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں۔ کچھ دور جا کر اُنہیں ایک آدمی نظر آیا جو ایک کلہاڑا لئے ایک درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اُس آدمی نے بھی علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھ لیا۔

جونہی وہ اُس آدمی کے پاس پہنچے، وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور دونوں کو روک کر اس نے پوچھا:

''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

عبدالرحمٰن: تم کیوں پوچھ رہے ہو؟

آدمی: تاکہ آپ کو بتا سکوں کہ آگے شیروں کا علاقہ ہے۔

عبدالرحمٰن: اس علاقے میں شیر کہاں سے آ گئے؟

یہ خفیہ فقرے تھے جو صرف ان افراد کو بتائے جاتے تھے جنہیں تحریک مجاہدین ترکستان کے نمائندے ادھر بھیجتے تھے۔

اس آدمی (مجاہد) کو جب یقین ہو گیا کہ یہ مجاہدین ہی ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ آپ سیدھے جانے کے بجائے دائیں ہاتھ والے راستے پر چلیں۔

تین میل کے فاصلے پر راستے کے بائیں طرف ایک درخت کے سائے میں چار افراد بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ جونہی علی اور عبدالرحمٰن اُن کے قریب پہنچے، ایک آدمی نے اُٹھ کر علی اور عبدالرحمٰن سے ہاتھ ملایا اور پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

عبدالرحمٰن: بخارا سے

آدمی: آیئے! آگے جانے سے پہلے چائے پی لیں۔

عبدالرحمٰن: جو آدمی دریائے آمو کا پانی پی کر آئے، وہ چائے نہیں پیتا۔

یہ بھی شناخت کے خفیہ فقرے تھے۔ جونہی چاروں افراد کو یقین ہو گیا کہ علی اور عبدالرحمٰن مجاہد ہیں، سب نے بیک زبان بڑی گرم جوشی سے ''خوش آمدید، خوش آمدید مجاہدین اسلام'' کہتے ہوئے استقبال کیا۔

ایک مجاہد علی اور عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو لیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اُنہیں ایک تنگ وادی نظر آئی۔ چھوٹا سا پہاڑی نالہ وادی کے درمیان بہہ رہا تھا۔ وادی میں لمبے لمبے درختوں کے علاوہ مختلف جگہوں پر خوبصورت پھول اور سبزیاں بھی اُگی ہوئی تھیں۔ وادی ختم ہوئی تو بائیں ہاتھ ایک گھاٹی میں راستہ مڑ گیا۔ وہ گھاٹی میں داخل ہوئے تو اُنہیں کچھ دور چند گھوڑے بندھے ہوئے نظر آئے۔ چند آدمی گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ پہاڑ کے اندر چند غاریں بنی ہوئی تھیں۔ علی نے یہ سب کچھ دیکھ کر عبدالرحمٰن سے کہا کہ ان لوگوں نے تو ہم سے بھی زیادہ مضبوط مورچے بنائے ہوئے ہیں۔

ایک غار کے منہ کے قریب جا کر مجاہد نے علی اور عبدالرحمٰن کو باہر رکنے کا کہا اور خود اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال کی عمر کا ایک آدمی باہر آیا۔ اُس کی داڑھی بالکل سفید تھی، رنگ سرخ، آنکھیں چمکدار اور چہرے پر ایک نور تھا۔ یہ آدمی پروفیسر ایوب بخاری تھا۔ اُس نے علی

اور عبدالرحمٰن کو بڑی گرم جوشی سے ''خوش آمدید'' کہا۔ اُس نے بتایا کہ آپ کے آنے کی اطلاع تو مجھے چند دن پہلے مل گئی تھی اور میں بڑی بے چینی سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔

پروفیسر ایوب بخاری نے علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''یقیناً تم ہی علی ہو۔''

علی نے کہا: ''جی ہاں۔''

پروفیسر ایوب بخاری نے بتایا کہ میری خواہش تھی کہ میں کسی افغان مجاہد سے ملوں۔ باتیں کروں، جہاد افغانستان کا پوچھوں، اللہ کا شکر ہے، اس نے میری خواہش کو پورا کر دیا۔

پروفیسر بخاری اُنہیں غار کے اندر لے گیا۔ غار بہت چوڑی اور لمبی بھی تھی۔ کم از کم سو آدمی غار کے اندر سما سکتے تھے۔ غار میں دریاں اور گدے بچھے ہوئے تھے۔ علی نے محمود بخاری کا رقعہ دیا۔

پروفیسر بخاری نے رقعہ پڑھنے کے بعد کہا کہ آپ لوگ ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں، آپ پہلے نہا کر کپڑے وغیرہ بدل لیں۔ سامنے ہی چشمہ ہے اور چشمے کا پانی نہ صرف میٹھا ہے بلکہ سردیوں میں گرم بھی۔ اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔ کھانے کے بعد آپ آرام کیجئے گا۔ انشاء اللہ رات کو تفصیل سے باتیں ہوں گی۔

رات کو نماز عشاء کے بعد علی نے پروفیسر بخاری کو افغانستان پر روسی فوج کے قبضے کے پس منظر اور جہاد افغانستان کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ علی نے پروفیسر بخاری کے مختلف سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

جہاد افغانستان کی تفصیلات سننے کے بعد پروفیسر بخاری نے کہا: ''تم لوگ خوش قسمت ہو کہ تم میں اتحاد بھی ہے اور افغان علماء کی اکثریت بھی تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ جب روسی اشتراکیت کے خلاف ہمارے آباؤ اجداد نے روس میں جہاد شروع کیا تو یہاں بڑے بڑے علماء کیمونزم کو احیائے اسلام کا نام دے کر مسلمانوں کو جہاد سے روک رہے تھے۔ کئی علماء نے تو لینن کو حضرت عمر فاروقؓ کا ہم پلہ بھی قرار دے دیا اور بعض مفتیان دین نے یہاں تک کہہ دیا کہ جس طرح آج سے صدیوں پہلے عرب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور اپنی قوم کی اصلاح کی، اب اس بگڑی ہوئی دُنیا میں لینن آیا ہے، لینن نے جو کچھ لکھا اور کہا وہی اسلام ہے اور مسلمانوں کے لئے قابل عمل بھی۔

''جب مسلمان روس میں اسلام کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے تو علماء کی اکثریت چھوٹے چھوٹے مسائل پر مناظرے کر رہی تھی۔ ان علماء میں معمولی باتوں پر جھگڑے ہو رہے تھے اور یہ علماء اپنے اپنے فتوؤں سے ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے تھے۔ آپ شاید سن کر حیران ہوں کہ یہ علماء ان باتوں پر جھگڑتے تھے مثلاً یہ کہ پاجامے کا پائنچہ ٹخنوں کے اوپر ہونا چاہئے تو کتنا اوپر ہونا چاہئے۔ بعض کہتے

کہ گھٹنوں کے بالکل نیچے ہونا چاہئے، دوسرے کہتے کہ ٹخنوں کے تھوڑا سا اوپر ہونا چاہئے۔ بعض کہتے کہ سر پر پگڑی باندھنی چاہئے، دوسرے کہتے کہ ٹوپی پہننی چاہئے۔ بعض کہتے کہ کھانا کھانے سے پہلے تین دفعہ ہاتھ دھونے چاہئیں، دوسرے کہتے کہ ایک دفعہ کافی ہیں۔ بعض کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا، دوسرے کہتے کہ نہیں تھا۔ بعض کہتے کہ آہستہ آمین کہنا چاہئے، دوسرے کہتے کہ بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے۔ بعض کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک چھ فٹ لمبی ہے، دوسرے کہتے کہ پونے چھ فٹ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ میت کو اس طرح اٹھانا چاہئے، دوسرے کہتے کہ نہیں اس طرح اٹھانا چاہئے۔ بعض کہتے کہ میت کی قبر ایک فٹ اونچی ہونی چاہئے، دوسرے کہتے کہ نہیں آدھ فٹ ہونی چاہئے۔ یہ فضول بحثیں تھیں جن سے یہ علماء مسلمانوں کو جہاد کے بجائے آپس میں لڑا رہے تھے اور ان علماء کے نزدیک یہی جہاد تھا۔ ہاں علماء کی ایک محدود تعداد ایسی بھی تھی جو ان کو سمجھاتی کہ ان بحثوں کو چھوڑ کر مجاہدین کا ساتھ دیں اور عوام کو جہاد کیلئے تیار کریں۔ ان علماء کو مناظری علماء غیر ملکی ایجنٹ کہتے اور دلیل یہ دیتے کہ جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو، جہاد کا کوئی فائدہ نہیں اور ان مناظری علماء کے نزدیک عقیدے سے مراد اسلام کا صحیح عقیدہ نہیں بلکہ اُن کا بنایا ہوا اپنا عقیدہ ہوتا تھا۔

''مجاہدین کا ساتھ دینے والے علماء نے ناقابل برداشت سختیاں برداشت کیں۔ اُن میں سے بعض کو زندہ جلا دیا گیا، بعض کو زندہ درگور اور بعض کو اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا گیا مگر ان لوگوں نے مجاہدین کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اگر مناظری علماء بھی علمائے حق کی طرح مجاہدین کا ساتھ دیتے تو کیمونسٹ کبھی بھی مجاہدین کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ روس کے مجاہدین نے سمرقند و بخارا سے لے کر دریائے آمو تک ایک ایک انچ پر اپنا خون بہایا ہے مگر افسوس کہ مناظری علماء کی وجہ سے یہ خون ضائع ہو گیا اور ہم کیمونسٹوں سے شکست کھا گئے۔ مجاہدین کے ساتھ ساتھ ان کی عورتیں، نوجوان لڑکیاں اور نوعمر بچے بھی روسیوں سے اس بے جگری سے لڑے کہ اس کی مثالیں اب صرف افغانستان میں مل سکتی ہیں اور کہیں نہیں۔ روس نے افغانستان میں جو ظلم کیا ہے ہمارے اوپر ہونے والا ظلم اس سے کہیں زیادہ تھا۔ روس میں مسلمانوں کا کون سا شہر بچا جس کے درودیوار خون سے نہ نہا گئے اور جس کی گلیوں میں خون ندیوں کی طرح نہ بہا ہو۔ ہزاروں نوجوان مسلمان لڑکیوں کو روسیوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر اذیت سے قتل کر دیا۔ جائیدادیں اور زمینیں ضبط کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جا بسایا اور لاکھوں مسلمانوں کو بھوک اور تشدد سے ہلاک کر دیا۔

''یہ پہاڑ جن پر آج ہم نے مورچے بنائے ہوئے ہیں، ان پہاڑوں پر مجاہدین نے اپنے بچوں اور عورتوں کیلئے رہائش گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ جب مجاہدین مقابلہ کرتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید

ہو گئے تو ان کی عورتیں اور بچے ہتھیار لے کر میدان میں آ گئے۔ ان کی عورتوں اور بچوں نے آخری سانس تک مقابلہ کیا اور روسی کسی ایک شیر خوار بچے کو بھی اس مرکز سے زندہ گرفتار نہ کر سکے۔ ایک عورت شدید زخمی ہو گئی۔ اس کی گود میں اس کا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ جب روسی اُسے گرفتار کرنے اس کے پاس پہنچے اور اُسے کہا کہ بچہ ہمارے حوالے کر دو تو اس نے کہا: ''میں نہیں چاہوں گی کہ میری موت کے بعد میرا بچہ تمہاری وجہ سے کافر بن جائے اور میں کافر کی ماں کہلاؤں۔'' یہ کہہ کر اس نے بچے سمیت نالے میں چھلانگ لگا دی۔''

پروفیسر بخاری رک کر اپنی پرنم آنکھوں کو رومال سے صاف کرنے لگا۔ علی اور عبدالرحمٰن کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ پروفیسر بخاری نے دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے کہا: ''جانتے ہو یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ پروفیسر بخاری کے روپ میں تمہارے سامنے ہے۔ اللہ نے نالے کے تند و تیز پانی میں بھی مجھے اور میری والدہ کو بچا لیا۔ میری ماں ہر سال یہاں آ کر مجھے میرے باپ کے یہ الفاظ یاد کرایا کرتی تھیں: ''جب تک میری نسل کے خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے' وہ کافر روسیوں کے خلاف جہاد جاری رکھے۔ ظالم روسیوں کے ظلم کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا۔ موت غلامی کی زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے اس بات پر خوشی ہوگی کہ آزادی اور اسلام کے لئے لڑتے لڑتے بے شک میری نسل ختم ہو جائے لیکن اگر میری نسل میں سے کسی ایک فرد نے بھی روسی ظلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو میری روح تڑپتی رہے گی۔ میں دس سال کا تھا جب میری ماں اِس دُنیا سے کوچ کر گئی لیکن اس نے میرے باپ کی وصیت جو مجھے یاد کرائی تھی' اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج بھی یاد ہے۔ میں اپنی ماں کی وفات کے بعد یہاں ہر سال آ کر ان الفاظ کو دہراتا رہا ہوں اور میں نے اپنے پوتوں اور پوتیوں کو بھی یہ الفاظ اچھی طرح یاد کرا دیئے ہیں۔''

پروفیسر بخاری ایک دفعہ پھر رکا۔ اپنی آنکھوں کو ایک دفعہ پھر رومال سے پونچھتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ماں کی یاد سے آنسو نکل ہی آتے ہیں اور پھر میری ماں تو بہت بڑی مجاہدہ تھی۔ پروفیسر ہی نہیں' علی اور عبدالرحمٰن بھی اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ پروفیسر نے اپنی بات پھر شروع کی:

''علی! افغان مجاہدین خوش قسمت ہیں کہ انہیں پاکستان جیسا حمایتی ملک مل گیا جو کمزور ہوتے ہوئے بھی روس کے مقابلے میں مجاہدین کی پشت پر کھڑا ہو گیا اور پھر پوری اسلامی دُنیا مجاہدین کی حمایت میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ روس کے غیر مسلم مخالفین بھی افغان مجاہدین کی حمایت میں نکل آئے' مگر روسی ترکستان کے مجاہدین کی کسی نے مدد نہ کی۔ روسی پھر بھی ان کا مقابلہ نہ کر پاتے اگر نام نہاد مناظری علماء مسلمانوں کو آپس میں نہ لڑا دیتے۔ ہماری پشت پر اگر افغانستان ہی کھڑا ہو جاتا تو ہم کبھی بھی

غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑے جاتے۔ ہمارا افغانستان کے امان اللہ اور نادر شاہ جیسے بزدل اور ایمان فروش حکمرانوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے روس کے آگے مجاہدین کو بیچ ڈالا اور تمہیں ضیاء الحق ملا جس نے مجاہدین کی خاطر کسی بات کی پروا نہ کی۔ جس نے اپنی تقریروں سے پاکستان کے بہادر عوام ہی کو نہیں' پوری دنیا کو تمہارا حمایتی بنا دیا اور ہمارے تو حمایتی بھی امریکہ' برطانیہ اور روس کی خوشنودی کی خاطر ہمارا ساتھ چھوڑ گئے اور دنیائے اسلام کے عام رہنماؤں نے بھی ہمارے حق میں کلمہ خیر نہ کہا۔

''ستر سال میں پہلی دفعہ جب ریڈیو پر سنا کہ پاکستان کے صدر ضیاء الحق نے کہیں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ روس نے سمرقند و بخارا پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے تو ہمیں یقین نہ آیا کہ کوئی ہمارے حق میں یوں بھی آواز بلند کر سکتا ہے۔ یہ بات سن کر خوشی سے آنسو نکل آئے کہ چلو ستر سال بعد ہی کسی نے تو ہمیں یاد کیا ہے' کسی کو تو ہماری غلامی کا احساس ہوا ہے لیکن پاکستان کس کس کی مدد کرے گا۔ اس وقت تو وہ خود مگرمچھ کے دو جبڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ ایک جبڑا بھارت کی صورت میں اور دوسرا افغانستان پر روس کی کٹھ پتلی کی صورت میں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ پاکستان کو نہ صرف مگرمچھ کے جبڑوں سے بچائے بلکہ روز بروز اسے مضبوط سے مضبوط کرے۔

''ضیاء الحق کی یہ آواز روسی مسلمانوں کے لیے کوئی معمولی آواز نہیں ہے۔ روس کے مسلمان تو ستر سال سے یہ آواز سننے کو ترس گئے تھے۔ اس آواز سے نہ صرف اسلامی دُنیا کو پتا چلا ہے کہ روس کے مسلمان غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں بلکہ روس کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بھی اپنی غلامی کا احساس ہوا ہے۔ بذات خود روس کے حکمران بھی اس پر تلملا اُٹھے ہیں کہ پاکستان جیسا چھوٹا سا ملک روس جیسی سپر پاور کو چیلنج کر رہا ہے۔ پہلے ہی روس کے ذرائع ابلاغ پاکستان بالخصوص ضیاء الحق کے خلاف بہت زیادہ پراپیگنڈہ کرتے تھے' اب تو ضیاء الحق کے خلاف پراپیگنڈے میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ ضیاء الحق تو ان کے گلے میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔

''ہم چاہتے ہیں کہ افغانستان کی آزادی کے بعد پاکستان اور افغانستان مل کر ہماری مدد کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم بھی افغان مجاہدین کی طرح روس کو مجبور کر دیں گے کہ وہ مسلمان علاقوں کو خالی کر دے۔''

پروفیسر نے بات ختم کی تو علی نے کہا: ''روس کے مجاہدین کے بارے میں آپ کی باتوں سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا ہے لیکن میں افغانستان اور روس کے مسلمانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہوں۔ ہم دونوں ایک ہیں اور ہمارا دُشمن بھی ایک ہے۔ آج جو افغانستان پر ظلم ہو رہا ہے' یہ وہی ظلم ہے جو روس کے مسلمانوں کی لاشوں پر سے گزر کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس طرح آپ اور ہم پر ہونے والا ظلم ایک ہی ہے اور ظلم کرنے والا ظالم بھی ایک ہی۔ اگر کل افغانستان کے حکمرانوں نے

آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا تو اس میں افغان عوام بالکل بے قصور تھے بلکہ حکمرانوں کی غلطیوں کی سزا آج عوام بھگت رہے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا! چونکہ روس کے مسلمان اپنی شکست کا ذمہ دار افغان حکمرانوں کو سمجھتے ہیں اس لئے میری زبان سے چند باتیں جذبات میں نکل گئیں لیکن یقین جانو افغان مجاہدین تو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ ہمیں تو انہی کی فتح ونصرت سے اپنی آزادی کی امید وابستہ ہے۔'' پروفیسر بخاری یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے رکا' پھر علی کو بتانے لگا:

''ہم نے اپنی موجودہ جدوجہد کا آغاز افغان مجاہدین کو دیکھ کر ہی کیا ہے۔ آزادی کے لئے لوگوں کو تیار کرنے کی کوشش تو میں شروع ہی سے کرتا رہا ہوں لیکن باقاعدہ مرکز بنانے' مجاہدین کو منظم کرنے اور تربیت دینے کا ارادہ افغان مجاہدین کو دیکھ کر ہی کیا ہے۔ اس وقت ہمارے مرکز میں ایک سو سے زیادہ مجاہدین ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں میں ایک ہزار سے زیادہ مجاہدین تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ روس کے اندر مجاہدین تیار کرنا بہت مشکل ہے۔ مجاہدین میں شامل ہونے والے ایک ایک فرد کو کئی کئی مرحلوں سے گزار کر یہاں پہنچایا جاتا ہے اور ابھی روس کے چند گنتی کے شہروں میں ہمارے نمائندے ہیں۔ یہاں آنے والے ہر مجاہد کو چھ ماہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ تربیت کے بعد ہر مجاہد کیلئے لازم ہے کہ وہ سال میں ایک ماہ لازماً یہاں پہاڑوں میں آ کر گزارے اور باقی گیارہ ماہ انتہائی محتاط ہو کر روسی مسلمانوں میں کام کرے اور اپنے کاروبار/ ملازمت پر توجہ دے۔ ہمارے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو افغان مجاہدین ہماری کچھ مدد کریں یعنی روسیوں سے چھینا ہوا کچھ اسلحہ وغیرہ ہمیں دے دیں' بے شک قیمتاً دے دیں۔ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآن مجید اور دوسرے اسلامی لٹریچر کا ہمارے لئے انتظام کر دیں۔ اگر ممکن ہو تو تربیت کے لئے چند مجاہدین یہاں آ جائیں۔''

علی نے بتایا کہ اسلامی لٹریچر کے سلسلے میں احمد خان جو ایک افغانی سمگلر ہے' کام کر رہا ہے اور میرے علم کے مطابق پاکستان میں بھی اس پر کام ہو رہا ہے۔ میرے اپنے خیال میں روسی مسلمانوں کے لئے اتنا اسلحہ ضروری نہیں جتنا اسلامی لٹریچر۔ میں اپنے چیف کمانڈر سے تمام باتوں کے سلسلے میں بات کروں گا۔ آپ نے جو تین کام کہے ہیں' ہم انشاء اللہ یہ تینوں کام کریں گے۔ اس کے علاوہ بھی ہم جو آپ کی مدد کر سکے' ضرور کریں گے۔

رات کا خاصا حصہ گزر چکا تھا۔ پروفیسر بخاری نے کہا کہ آپ لوگ سو جائیں' باقی باتیں کل ہوں گی۔

دوسرے دن پروفیسر بخاری نے علی اور عبدالرحمٰن کو پورا مرکز دکھایا۔ مرکز دیکھنے کے بعد علی نے پروفیسر بخاری کو کچھ مشورے دیئے جو پروفیسر بخاری نے نوٹ کر لئے۔

پروفیسر بخاری نے مرکز میں موجود تمام مجاہدین کو ہدایت کی کہ مغرب کی نماز میری غار میں پڑھنا۔ نماز مغرب کے بعد پروفیسر بخاری نے علی کا تعارف مجاہدین سے کرایا۔ مجاہدین علی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پروفیسر بخاری نے علی سے کہا کہ روسی مجاہدین کے سامنے جہاد افغانستان پر اظہار خیال کریں۔

علی نے روسی مجاہدین کے سامنے جہاد افغانستان پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد کہا کہ مجاہدین مقبوضہ کشمیر کے ہوں' فلسطین کے ہوں' روس کے ہوں' فلپائن کے ہوں یا کسی اور ملک کے' سب اسلام کے مجاہدین ہیں۔ ہمیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرنی چاہئے۔ جو ان کے درمیان تفریق کرتا ہے' وہ اپنی لیڈری اور خودغرضی کی خاطر اسلام سے دشمنی کرتا ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم نے سب مقبوضہ اسلامی علاقوں کو آزاد کرانا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم سب متحد ہوں۔

علی کی تقریر کے بعد مجاہدین نے اللہ اکبر کے پرجوش نعروں کے علاوہ لاروسیہ' لاافغانیہ...... اسلامیہ اسلامیہ'' کے پرجوش نعرے بھی لگائے۔

تقریر کے بعد سب مجاہدین نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کی دعوت پر علی کی مجاہدین سے مفید گفتگو ہوئی۔ کھانے کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ تمام مجاہدین علی کے جوابات سے بہت متاثر ہوئے۔

علی اور عبدالرحمٰن یہاں ایک ہفتہ رہے۔ اس دوران میں وہ پروفیسر بخاری کی مجاہدین کی تربیت کے سلسلے میں مدد کرتے رہے اور خصوصی مشورے دیتے رہے۔

رخصت کرتے وقت پروفیسر بخاری نے علی سے کہا کہ افغانستان جا کر ہمیں بھول نہ جانا۔ علی نے یقین دلایا کہ میں کمانڈر صاحب سے جاتے ہی بات کروں گا اور انشاء اللہ چند مہینوں کے اندر اندر اسلحہ اور اسلامی لٹریچر ادھر آنا شروع ہو جائے گا۔

سب مجاہدین نے مل کر افغانستان' فلسطین' مقبوضہ کشمیر اور روس کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے دعا کی اور پرجوش نعروں کی گونج میں علی اور عبدالرحمٰن کو رخصت کیا۔

جب علی اور عبدالرحمٰن روانہ ہوئے تو پروفیسر بخاری نے سڑک تک پہنچنے کے لئے انہیں گھوڑے دیئے اور دو مجاہد ان کے ساتھ بھیجے تاکہ وہ گھوڑے واپس لے آئیں۔ گھوڑوں کی وجہ سے چند ہی گھنٹوں میں علی اور عبدالرحمٰن سڑک تک پہنچ گئے۔

رات علی اور عبدالرحمٰن نے اسمٰعیل سمرقندی کے پاس گزاری۔ اسمٰعیل سمرقندی نے بتایا کہ سٹیمر آئی ہوئی ہے' اس لئے آپ کو واپسی میں آسانی رہے گی۔ دوسرے دن اُس نے اپنی گاڑی میں بٹھا

کر علی اور عبدالرحمٰن کو دریائے آمو کی طرف روانہ کیا۔ علی اور عبدالرحمٰن نے اسمٰعیل سمرقندی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

دریائے آمو پار کر کے وہ احمد خان کے باغ میں گئے۔ احمد خان کے اصرار پر رات اس کے پاس گزاری۔ احمد خان نے روس کے حالات پوچھے۔ علی نے احمد خان سے گزارش کی کہ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآنِ مجید اور اسلامی لٹریچر روس میں سمگلنگ کرنے کے منصوبے پر جلد از جلد عملدرآمد کرنے کی کوشش کی جائے۔ علی نے احمد خان کو اس بات پر بھی راضی کر لیا کہ وہ روس کے مجاہدین کے لئے اسلحہ پہنچانے کے انتظامات بھی کرے گا۔

دوسری رات انہوں نے زمان گل خان کے مرکز میں گزاری اور یہاں بھی زمان گل خان اور چیدہ چیدہ مجاہدین کو اپنے سفر کے بارے میں آگاہ کیا۔

اپنے مرکز پہنچ کر سب سے پہلے درویش خان سے ملاقات کی۔ ڈیڑھ ماہ کے دوران میں درویش خان نے کئی کامیاب کارروائیاں کی تھیں۔ علی ان کارروائیوں کی روداد سن کر بہت متاثر ہوا۔ علی مرکز میں ایک ہفتہ رہا۔ اس دوران میں علی نے صوبے میں موجود تمام اہم کمانڈروں اور مجاہدین سے ملاقات کی۔ صورتحال کو اطمینان بخش دیکھ کر علی اور عبدالرحمٰن ہیڈکوارٹر روانہ ہو گئے۔ ہیڈکوارٹر پہنچ کر چیف کمانڈر صاحب کو ساری رپورٹ دی۔ کمانڈر صاحب نے علی کی کارکردگی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں روس کے اندر پروفیسر ایوب بخاری جیسے فرد کی ضرورت تھی۔ ہم اُس کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔ اسلامی لٹریچر اور اسلحہ بھی پہنچائیں گے اور مجاہدین بھی ٹریننگ دینے کیلئے بھیجے جائیں گے۔ فی الحال ایک ماہ کے لئے تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ واپس آ کر روسی مجاہدین کے ساتھ رابطے کا کام بھی تم ہی کرو گے۔ عبدالرحمٰن بھی اگر تمہارے ساتھ جانا چاہیے تو چلا جائے۔ واپس آ کر اسلامی لٹریچر کا روسی زبان میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری اُسے سنبھالنا ہوگی' تا کہ اگر پاکستان سے اسلامی لٹریچر روسی زبان میں نہ مل سکے تو ہم خود یہ کام کر سکیں۔''

علی اور عبدالرحمٰن ایک ماہ کیلئے پاکستان آ گئے۔ طاہرہ' اُس کی ماں اور خلیل دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ طاہرہ نے عبدالرحمٰن کی امی اور زبیدہ کے بھیجے ہوئے تحفوں کو بہت پسند کیا اور عبدالرحمٰن سے پوچھا:

''بھائی جان! کیا میری طرف سے بھی کوئی تحفہ زبیدہ کو دے دیا تھا کہ نہیں؟''

''ایک نہیں کئی تحفے تمہاری طرف سے زبیدہ اور عبدالرحمٰن کی امی کو پہنچا دیئے گئے۔'' علی نے طاہرہ کو بتایا تو طاہرہ نے دونوں کا شکریہ ادا کیا۔





علی اور عبدالرحمٰن ایک صبح گھر میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا: ''علی! میدان جہاد سے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور ہم سارا سارا دن بالکل یہاں فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔ اماں اور طاہرہ سے ملنا تھا' مل لیا اور میرا تو یہاں مزید رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں۔ مجھے تو ہر صورت میں واپس چلے جانا چاہئے۔''

طاہرہ جو تھوڑی دور بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی' عبدالرحمٰن کی آواز سنتے ہی بولی: ''بھائی عبدالرحمٰن! کیا مجھ سے آپ کی خاطر مدارت میں کوئی سستی ہو گئی یا پھر بہن کا گھر ہی اچھا نہیں لگتا کہ ایک ہفتہ ہی میں دل بھر گیا۔ اب بہن کے گھر آئے ہی ہو تو پورا مہینہ گزار کے جاؤ گے ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ تمہیں اپنی بہن سے کوئی محبت نہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں طاہرہ! تم جیسی بہن کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے لیکن میدان جہاد سے اتنی دور دل نہیں لگتا۔''

''ہاں عبدالرحمٰن! میرے ہاتھوں میں بھی کھجلی ہو رہی ہے۔ کتنے دن ہو گئے ہیں گولی چلائے ہوئے' دل چاہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت واپس لوٹ جاؤں۔'' علی نے کہا۔

خلیل جو قریب بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا' اس نے کہا: ''عبدالرحمٰن بھائی! میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ اگر آپ اس پر عمل کرنے کے بارے میں سوچیں تو اس سے آپ کا دل بھی لگ جائے گا اور وقت بھی گزر جائے گا۔''

''کیا منصوبہ ہے؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا تو خلیل نے بتایا کہ پاکستان میں جو دھماکے ہوتے ہیں' ان میں کئی افغانی بھی ملوث پائے جاتے ہیں اور یہ افغانی یقیناً ہمارے ہی درمیان رہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ ان کا سراغ لگانے کی کوشش کریں تو ممکن ہے آپ کامیاب ہو جائیں اور دشمن کے کچھ جاسوس پکڑے جائیں۔

''بات تو تم نے بڑے کام کی کی ہے خلیل' عبدالرحمٰن نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں' عبدالرحمٰن! خلیل ٹھیک کہتا ہے۔ ہمارے اندر چھپے ہوئے یہ ایمان فروش ہمارے کئی

لیڈروں کو بھی تو شہید کرنے کی کوششیں کر چکے ہیں۔ مہاجرین کے اندر اختلافات کو بھی یہی لوگ اچھالتے اور ہوا دیتے ہیں۔'' علی نے کہا۔

''صرف اختلافات کو ہوا ہی نہیں دیتے' پیدا بھی یہی کرتے ہیں اور پاکستان میں دھماکوں کے علاوہ مجاہدین کے لیڈروں کی جاسوسی بھی یہی لوگ کرتے ہیں' اس لئے ہم آج ہی سے یہ کام شروع کر دیں گے اور اپنے اردگرد چھپے ہوئے جاسوسوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' عبدالرحمٰن نے اعلان کیا تو علی نے کہا'' عبدالرحمٰن! تم آج ہی خلیل کے ساتھ مل کر اس کام کی منصوبہ بندی کرو' میں یہاں مجاہدین کے مرکزی دفتر کے انچارج سے بھی بات کر لیتا ہوں۔'' ''دفتر کے انچارج سے کہنا کہ وہ اس کام کے بارے میں دفتر کے کسی دوسرے آدمی سے اس کا تذکرہ نہ کرے۔'' عبدالرحمٰن نے علی سے کہا۔

عبدالرحمٰن اور علی دونوں نے کام آپس میں بانٹ لیا۔ علی کی ذمہ داری خیمہ بستیوں اور دکانوں پر لگائی گئی اور عبدالرحمٰن نے مختلف دفتروں کو سنبھالا۔ خلیل بھی کچھ وقت نکال کر دونوں کی مدد کرتا رہا۔

انہیں کام کرتے ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے مگر ابھی تک انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

پاکستان آئے ہوئے یہ ان کا چوبیسواں دن تھا۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے مگر عبدالرحمٰن ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ گھر کے سب افراد بڑے پریشان تھے' کیونکہ یہ آزاد قبائلی علاقہ تھا اور یہاں بازار سرِ شام ہی بند ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے' اگر کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے تو مسلح ہو کر نکلتے ہیں مگر یہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ قبائلی ڈاکو اور چور مسلح آدمی پر بھی چھپ کر حملہ کرتے ہیں اور رقم کے ساتھ ساتھ ہتھیار چھین کر غائب ہو جاتے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں صدیوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔

علی نے اپنی جماعت کے دفتر فون کیا مگر عبدالرحمٰن وہاں بھی نہیں تھا۔ علی سخت پریشان تھا۔ وہ صحن میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اس نے طاہرہ سے بات کرتے ہوئے کہا: ''طاہرہ! مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے' کہیں کے جی بی کے ایجنٹوں کو یہ معلوم نہ ہو گیا ہو کہ عبدالرحمٰن روسی ہے اور اُنہوں نے اسے اغوا نہ کر لیا ہو۔''

طاہرہ اور اس کی ماں پہلے ہی بہت پریشان تھیں۔ یہ سنتے ہی طاہرہ نے علی سے کہا: ''آپ یہاں ٹہلتے ہی رہیں گے یا میرے بھائی کو ڈھونڈنے بھی جائیں گے۔ خدا کے لئے میرے بھائی کے لئے کچھ کرو۔'' علی نے دفتر ٹیلی فون کر کے گاڑی منگوائی۔ گاڑی میں دو مسلح مجاہد پہلے سے موجود تھے۔ اس نے خلیل کو بھی ساتھ لیا۔ وہ ہر اس جگہ گیا جہاں عبدالرحمٰن کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا مگر عبدالرحمٰن کہیں نہ ملا۔ دفتر کے گیٹ کیپر سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ حسب معمول دفتر بند ہوتے ہی

یہاں سے چلا گیا تھا۔ کہاں؟ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے جب وہ گھر ناکام لوٹا۔ طاہرہ کو جب پتا چلا کہ عبدالرحمٰن کہیں نہیں ملا تو پریشانی سے اس کا برا حال ہو گیا۔ وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔ علی نے اسے بڑی تسلیاں دیں مگر ایک انجانا خوف اسے رلائے جا رہا تھا۔ علی خود عبدالرحمٰن کی گمشدگی پر بہت پریشان تھا مگر طاہرہ کے اس طرح رونے پر اسے بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ وہ لڑکی جس نے اپنے سگے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور ایک آنسو تک نہ بہایا آج اپنے منہ بولے بھائی کی گمشدگی پر کس طرح آنسو بہا رہی ہے۔ علی نے طاہرہ سے کہا: ''عبدالرحمٰن کے لئے پریشان تو میں بھی بہت ہوں مگر تمہیں یوں آنسو بہاتے دیکھ کر حیرانی ہو رہی ہے۔ تم نے اپنے سگے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا لیکن آنسو نہ بہائے مگر عبدالرحمٰن کی گمشدگی پر اس قدر رو رہی ہو۔ وہ بچہ نہیں ہے۔ اگر کے جی بی کے ایجنٹوں نے بھی اسے پکڑ لیا ہے تو ہم انشاء اللہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''عبدالرحمٰن اگر میرا سگا بھائی ہوتا اور وہ شہید بھی ہو جاتا تو شاید میں کبھی نہ روتی مگر جس خلوص سے یہ میرا منہ بولا بھائی میرے وطن کے لئے لڑ رہا ہے اور جس طرح اس نے مجھے ایک بھائی کا پیار دیا ہے میں اس کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ پھر وہ ہمارے پاس مہمان ہے۔ خدا کے واسطے اس کے لئے کچھ جلدی کریں' غم سے میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے۔''

طاہرہ کی ماں نے دونوں کو تسلی دی۔ یہی پریشانی کی باتیں کر رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' علی نے ریسیور اُٹھایا' عبدالرحمٰن کا فون تھا۔ فون پر عبدالرحمٰن کی آواز سنتے ہی علی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

علی: یہ تم کہاں سے بول رہے ہو اور ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے' ہم تمہیں کئی گھنٹوں سے پورے شہر میں تلاش کر رہے ہیں۔ سب کا پریشانی سے برا حال ہے۔ کسی نے کھانا تک نہیں کھایا اور طاہرہ تو روئے جا رہی ہے۔

عبدالرحمٰن: میں بالکل ٹھیک ہوں۔ طاہرہ کو تسلی دو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ تم جلد از جلد دفتر پہنچو۔ میں نے دو گاڑیاں دفتر سے بھجوا دی ہیں۔ آتے ہوئے جتنے مجاہدین گھروں میں مل سکیں ساتھ لیتے آنا اور ہاں اپنے گھر پر بھی کم از کم دو مسلح مجاہد کھڑے کر کے آنا۔

علی: کیا کسی جاسوسی کے اڈے کا سراغ مل گیا ہے۔

عبدالرحمٰن: ہاں

علی: یہ طاہرہ کو تسلی دے دو کہ تم خیریت سے ہو۔

طاہرہ: بھائی جان آپ نے بہت پریشان کیا۔ آپ نے پہلے ٹیلی فون کیوں نہ کیا۔ یہاں ہم شام سے آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن! میری پیاری بہن! میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ دشمن مجھے آرام سے اچک لے‘ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی اس لئے جاتے وقت فون نہ کر سکا اور بعد میں فون کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ سب لوگ پریشان ہوئے مگر کل صبح جب آپ خبریں گی تو جتنی آپ پریشان ہوئی ہیں‘ اس سے زیادہ خوش ہوں گی‘ ہاں علی کو کھانا کھلا کر بھیجنا اور میرا کھانا بھی اس کے ہاتھ بھیج دینا کیونکہ رات کو گھر واپس آنے کا کوئی امکان نہیں۔

طاہرہ: کیا کوئی خطرے والی بات ہے؟

عبدالرحمٰن: مجاہد خطرے سے نہیں ڈرتے اور تمہاری زبان سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں آئندہ اگر کبھی کوئی ایسی بزدلانہ بات کی تو ناراض ہو جاؤں گا۔

علی نے خلیل اور ایک اور مجاہد کو گھر پر پہرہ دینے کے لیے چھوڑا اور خود گاڑی پر سوار ہو کر پاکستان آئے ہوئے مجاہدین کو مختلف خیموں سے جگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں پندرہ مجاہدین گاڑیوں پر سوار ہو کر دفتر پہنچ گئے۔

یہ دفتر شہر کے ایک طرف واقع عمارتوں میں سے ایک عمارت پر مشتمل تھا‘ سامنے ایک برساتی نالہ‘ نالے کے پار کچھ دور پہاڑ کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں اور گاؤں کے ایک طرف بہت بڑا قبرستان تھا۔ قبرستان میں شہداء کی قبروں پر رنگ برنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے جو شہداء کے لواحقین نے اظہار عقیدت کے طور پر لہرائے ہوئے تھے۔ دفتر کے ساتھ ہی ایک وسیع و عریض احاطہ تھا جس میں مجاہدین نے گاڑیاں کھڑی کی ہوئی تھیں اور کافی تعداد میں گھوڑے اور خچر بندھے ہوئے تھے۔

علی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ بھی بہت بڑا تھا۔ کمرے میں قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ دیوار پر ایک طرف افغانستان کا بہت بڑا نقشہ لگا ہوا تھا اور ساتھ پارٹی کا پرچم فریم کر کے لٹکایا ہوا تھا۔ ایک کونے میں ایک خوبصورت نوجوان عورت جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے‘ سر جھکائے بیٹھی تھی جب کہ اس کے ساتھ ہی اسی دفتر میں بیت المال کا انچارج آصف خان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ آصف خان کو یوں دیکھ کر علی کو بہت حیرانی ہوئی۔ علی نے عورت اور آصف خان کے چہرے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ دونوں کی خوب پٹائی کی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا: ”آصف کو تو تم جانتے ہی ہو۔ یہ عورت اس کی بیوی ہے۔ میں نے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے کے دوران میں ان سے تفتیش کر لی ہے اور ان سے کافی کام کی باتیں معلوم ہوئی ہیں‘ تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال اس گروہ کے سرغنہ کو گرفتار کرنے کے لئے چھاپہ مارنا ہے۔“

دو مجاہدین کو ان کی نگرانی پر بٹھایا۔ دفتر کے مین گیٹ کو تالا لگایا۔ باہر پہرہ دینے والے مجاہدین کو مکمل چوکس رہنے کیلئے کہا۔ ایک مسلح مجاہد کو چھت پر بٹھا دیا تا کہ کسی بھی ممکنہ خطرے سے بچا جا سکے۔

علی اور عبدالرحمٰن نے پہرے کا کام مکمل کر کے بارہ مجاہدین کو ساتھ لیا اور چھاپے کے لئے چل پڑے۔

یہ شہر آزاد علاقے کا سرحدی قصبہ تھا۔ قصبہ کی آبادی بیس ہزار سے زیادہ ہو گی۔ مجاہدین کی آمد سے تو اس شہر کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ قصبہ خرید و فروخت کا بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ رات کے وقت تمام سڑکیں اور بازار سنسان تھے‘ کہیں کہیں کتے گھومتے اور بھونکتے نظر آئے۔ عبدالرحمٰن نے ایک جگہ گاڑیاں روکنے کا اشارہ کیا۔ گاڑیاں رکیں تو مجاہدین عبدالرحمٰن کی ہدایت کے مطابق چلنے لگے۔ ایک جگہ عبدالرحمٰن نے دو مجاہدین سے کہا کہ دائیں طرف والی گلی میں آگے نکل جائیے۔ اس گلی میں بائیں ہاتھ پہلی گلی میں مڑ جانا اور مسجد کے سامنے کھڑے ہو جانا اور کسی بھی شخص کو گلی میں سے دائیں بائیں نہ گزرنے دینا۔ اگر کوئی آدمی چھت سے چھلانگ لگا کر گلی میں کودے تو اسے بھی پکڑ لینا۔

باقی مجاہدین کو لے کر عبدالرحمٰن بائیں ہاتھ مڑ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔ عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ یہ ہے وہ کوٹھی جو اس علاقہ میں خاد کے دفتر کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔

کوٹھی کے اندر جانا ایک مسئلہ تھا۔ دروازہ کھلوانے کی صورت میں خاد کے ایجنٹ کسی چور دروازے سے بھاگ سکتے تھے۔ کافی صلاح مشورہ کے بعد عبدالرحمٰن نے کوٹھی کے ساتھ والے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا تا کہ چھت پر سے کود کر اندر داخل ہو سکیں۔

دروازہ کے بجائے چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور ایک آدمی نے آواز دے کر پوچھا: ”کون ہے؟“

علی نے آواز فوراً پہچان لی۔ یہ تو عمر سید تھا۔ پاکستان سرحدی ملیشیا کا ایک افسر اور علی کا بہت اچھا دوست بھی۔ علی نے اپنا نام بتایا تو عمر سید نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

عبدالرحمٰن نے چار مجاہدین کو ہدایات دے کر باہر کھڑا کیا اور باقی عمر سید کی کوٹھی کے اندر چلے آئے۔

عمر سید نے رات گئے اتنے مجاہدین کو اس علاقہ میں دیکھ کر پوچھا: ”برادر علی! یہ کیا معاملہ ہے اور رات گئے ادھر کیا کام پڑ گیا؟“

علی نے ساری صورت حال بتائی تو عمر سید نے کہا: ”مجھے بھی پچھلے کچھ عرصہ سے شک تھا کہ یہاں مشکوک لوگ رہتے ہیں۔ میں نے حکام بالا کو تحریری طور پر لکھا بھی تھا مگر مجھے بتایا گیا کہ میرے شکوک بے بنیاد ہیں بلکہ دفتر میں افسر نے مجھے کہا کہ اپنے کام سے کام رکھو اور بے گناہ لوگوں کو گرفتار نہ

کراؤ' اس کوٹھی میں تو بے چارے مظلوم مجاہدین رہتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی افسر بھی ملک دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔'' علی نے کہا۔

''اپنے اندر اگر غدار نہ ہوں تو باہر کے لوگ تخریبی کارروائیاں کیسے کر سکتے ہیں۔ یہی لوگ تو دولت کے لالچ میں تخریب کاروں اور ملک دشمنوں کو چھتری فراہم کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایماندار لوگوں کی پوری کوششوں کے باوجود ابھی تک دھماکے نہیں رُک سکے۔'' عمر سید بولا۔

عمر سید نے مجاہدین کی مدد کیلئے اپنی خدمات بھی پیش کر دیں' اپنی بندوق بھی لے آیا اور چھت پر سے دوسری کوٹھی میں اترنے کے لئے مجاہدین کی رہنمائی کرنے لگا۔

کوٹھی کے اندر کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں کوئی چھاپہ پڑ سکتا ہے' اس لئے سارے ہی اپنے بستروں میں پکڑے گئے۔ گروہ کا سرغنہ افغان فوج کا ایک میجر گل خان بھی پکڑا گیا۔ پوری کوٹھی کی تلاشی لی گئی۔ بہت بڑی مقدار میں ملک دشمن لٹریچر' دستی اور ٹائم بم' بارودی سرنگیں' کھلونا بم' مجاہدین کے مراکز کے نقشے' مجاہدین کے لیڈروں کی سرگرمیوں کے رجسٹر' پاکستانی شہروں کے نقشے' کلاشنکوفیں' ریوالورز اور ہیروئن کی بہت بڑی مقدار ہاتھ آئی۔ ایک بہت طاقتور وائرلیس سیٹ بھی ملا جو بڑی آسانی سے کابل تک پیغام پہنچا سکتا تھا۔

علی نے تخریبی لٹریچر پر ایک نظر ڈالی' اس میں کچھ شیعوں اور کچھ سنیوں کے خلاف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں شیعہ سنی فساد کرانے کے ذمہ دار بھی یہی لوگ تھے۔

عبدالرحمٰن نے چار مجاہدین کو کوٹھی کی نگرانی پر چھوڑا تاکہ صبح مزید تلاشی لی جا سکے اور اگر کسی جگہ خفیہ آلات یا اسلحہ دبایا گیا ہو تو اسے نکالا جا سکے۔

عمر سید نے قیدیوں کو دفتر تک پہنچانے کے لئے اپنی گاڑی بھی دے دی۔ علی نے عمر سید سے کہا کہ پاکستان کے حکام بالا کو اس چھاپے کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اگر انہیں پتا چل گیا تو وہ مجرم ہم سے چھین لیں گے اور پھر پہلے گرفتار ہونے والے مجرموں کی طرح ملک دشمن سیاستدانوں کی سفارش پر انہیں بھی رہا کر دیں گے۔

عمر سید نے علی کی باتوں سے مکمل اتفاق کیا۔

دفتر لے جا کر سب قیدیوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

چائے پیتے ہوئے عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ آصف خان پر مجھے کئی دنوں سے شک تھا اور میں اس کی خفیہ نگرانی کر رہا تھا۔ جس خیمہ بستی میں یہ رہتا ہے' وہاں کے ایک بزرگ مہاجر نے بھی اس کی سرگرمیوں کو مشکوک بتایا۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کابل یونیورسٹی کی طالبہ رہ چکی ہے۔

دوران طالب علمی وہ ایک آزاد خیال روس کی حامی جماعت کے حق میں پرجوش نعرے لگانے والی لڑکی تھی۔ اس نے کابل سے فرار کا ڈرامہ رچایا اور یہاں آ کر آصف سے شادی کر لی۔ دراصل وہ خاد کی ایک بہت بڑی افسر ہے۔ آصف سے شادی کرنے کا مقصد بھی مجاہدین کے مرکز تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ آصف اس کے دام حسن میں گرفتار ہو گیا اور پھر اس کا آلہ کار بن گیا۔ ''خاد'' کے افسران اعلیٰ نے آصف کی بیوی کی سفارش پر آصف کو خاد میں باقاعدہ بھرتی کر لیا۔ اس وقت اس شہر میں خاد کے تین بڑے افسر ہیں۔ ایک میجر گل خان' اس کی نائب آصف کی بیوی اور آصف۔ ان کے باقاعدہ تنخواہ دار کارندوں کی تعداد اس علاقہ میں پچاس سے کچھ زیادہ ہے اور دوسرے ایجنٹوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اس شہر کا یہ مرکز پاکستان میں ''خاد'' کے چند بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔ یہ معلومات حاصل کرنے کیلئے مجھے آصف اور اس کی بیوی کی نہ صرف مسلسل نگرانی کرنا پڑی بلکہ گرفتاری کے بعد ان پر تشدد بھی کرنا پڑا اور میں نے ان پر وہی طریقے آزمائے جو خاد کے دفاتر میں آزمائے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو یہ مکار اور عیار ملک دشمن کبھی زبان نہ کھولتے۔

چائے پینے کے بعد میجر گل خان کو تفتیش کے کمرے میں بلایا گیا۔ وہ بہت ڈھیٹ اور عیار تھا۔ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس پر بھی تشدد کرنا پڑا۔ سحری تک تمام گرفتار ایجنٹوں سے تفتیش مکمل کر لی گئی۔ ان سے حاصل ہونے والی معلومات کو ایک رجسٹر میں لکھ لیا گیا۔ شہر اور اس کے گردونواح میں موجود جن ایجنٹوں کے نام سامنے آئے انہیں گرفتار کرنے کیلئے مجاہدین کے دستے فوراً روانہ کر دیئے گئے۔ آزاد قبائلی علاقہ سے باہر جو ایجنٹ تخریب کاریوں میں مصروف تھے' ان کے کوائف حکومت پاکستان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد علی نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ جونہی باقی ایجنٹ بھی گرفتار ہو کر آ جائیں تو تم انہیں لے کر فوراً افغانستان چلے جاؤ کیونکہ اگر حکومت پاکستان کو پتا چل گیا تو وہ ان کی واپسی کا مطالبہ کرے گی۔ میں بھی چند دنوں تک پہنچ جاؤں گا۔

عبدالرحمٰن دوپہر کو سو کر اٹھا تو مزید ایک درجن کے قریب ''خاد'' کے ایجنٹ گرفتار کر کے لائے جا چکے تھے۔ بعض جگہ چھاپے کامیاب نہ ہو سکے اور ایجنٹ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

طاہرہ اور خلیل عبدالرحمٰن کے اس کارنامے پر بہت خوش تھے۔ خلیل نے کہا: ''بھائی جان! میں نہ کہتا تھا کہ بڑا اچھا وقت گزرے گا۔ دیکھا میری بات مان کر آپ نے کتنا بڑا کام کیا۔'' ''ہاں بھئی! اس سارے کارنامے کا سہرا تو تمہارے سر ہے۔ نہ تمہارے ذہن میں یہ بات آتی اور نہ ہم اس پر کام شروع کرتے۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

عصر کے وقت عبدالرحمٰن نے طاہرہ اور اماں سے افغانستان جانے کی اجازت مانگی۔ عبدالرحمٰن کے جانے کا اچانک سن کر طاہرہ کو بہت صدمہ ہوا اور وہ اصرار کرنے لگی کہ ابھی چند دن مزید ٹھہرو۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ کو صورتحال سے آگاہ کیا تو طاہرہ نے کہا: ''ٹھیک ہے مگر بھائی جان پھر بھی ہمارے پاس آتے رہنا اور افغانستان جا کر بھول نہ جانا۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گی۔''

خاد کے گرفتار تمام ایجنٹوں کو مع آصف کی بیوی کے افغانستان کے اندر مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا۔

چیف کمانڈر نے عبدالرحمٰن سے ساری روداد سنی تو وہ علی، خلیل اور عبدالرحمٰن کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس کارنامے کو مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا۔

چند دنوں بعد علی بھی افغانستان پہنچ گیا۔

چیف کمانڈر نے علی اور عبدالرحمٰن کے مشورہ سے مجاہدین کے اندر گھس آنے والے جاسوسوں کی نگرانی کیلئے پاکستان کے اندر بھی انٹیلی جنس کا شعبہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

علی اور عبدالرحمٰن ایک ہفتہ چیف کمانڈر کے پاس رہے، اس کے بعد وہ اپنے مرکز کی طرف روانہ ہو گئے۔





مرکز میں مجاہدین نے علی اور عبدالرحمٰن کی واپسی کا ہوائی فائرنگ سے استقبال کیا اور اللہ اکبر کے پرجوش نعرے بلند کیے۔

درویش خان نے پچھلے ایک ماہ کی سرگرمیوں سے علی کو آگاہ کیا۔ علی درویش خان کی کارکردگی سے بہت خوش ہوا۔

درویش خان نے عبدالرحمٰن سے بات کرتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن بھائی! میں بھول گیا اور آپ کو فوراً نہ بتا سکا۔ دو ہفتے قبل روس سے ایک زبیدہ نام کی لڑکی یہاں پہنچی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ آپ کی منگیتر اور پھوپھی زاد ہے، ہم نے اسے مہمان خانہ میں ٹھہرایا ہوا ہے۔''

علی اور عبدالرحمٰن دونوں زبیدہ کی آمد کا سن کر بہت پریشان ہو گئے۔ دونوں فوراً مہمان خانے میں پہنچے۔ زبیدہ دونوں کو دیکھ کر پہلے خوش ہوئی اور پھر رونے لگی۔ عبدالرحمٰن یہ دیکھ کر مزید فکرمند ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ضرور کوئی سانحہ ہوا ہے جس وجہ سے زبیدہ کو یہاں آنا پڑا۔ اگر وہ صرف میری وجہ سے آتی تو مجھے دیکھ کر یوں رونے نہ لگتی۔ علی نے زبیدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''زبیدہ بہن! ہمت اور صبر سے کام لو اور ہمیں بتاؤ کہ کن حالات کی وجہ سے تمہیں یوں یہاں آنا پڑا۔''

زبیدہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کچھ دیر بعد بتانے لگی کہ آپ لوگوں کے آنے کے بعد دوسرے ہی ہفتے ممانی اور ماموں جان کو کے جی بی والوں نے گرفتار کر لیا۔ نہ جانے کے جی بی والوں کو آپ کی آمد اور روانگی کا پتا کیسے چل گیا۔ شروع میں تو ان سے کسی کو ملنے کی اجازت ہی نہ دی گئی بلکہ دو ہفتے تک تو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ رکھے کہاں گئے ہیں۔ ابو نے بڑی کوششوں اور سفارشوں کے بعد ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

میں جب جیل میں ان سے ملنے گئی تو ان کی حالت بہت خراب تھی، تشدد سے ان کے جسم زخم زخم ہو چکے تھے اور ماموں کی تو ایک بازو کی ہڈیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ دو ہفتوں کے دوران میں ان پر اس قدر تشدد کیا گیا تھا کہ میں انہیں پہلی نظر میں بالکل نہ پہچان سکی۔ وہاں زیادہ باتیں نہ ہو سکتی تھیں۔ ماموں جان نے میرے کان میں کہا کہ بیٹی تم عبدالرحمٰن کے پاس چلی جاؤ ورنہ کسی دن کے جی بی

والے تمہیں بھی پکڑ لیں گے۔ بیٹی! یہ کے جی بی والے خونخوار وحشی درندوں سے بھی زیادہ ظالم ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کے ناپاک ہاتھ تم تک پہنچیں۔ تم پرسوں کسی طرح ملنے آ جانا۔ میں تمہیں عبدالرحمٰن تک پہنچنے کے بارے میں گائیڈ کر دوں گا۔

تیسرے دن میں کئی سفارشیں کرانے کے بعد دوبارہ ملنے گئی۔ ماموں جان نے میرے کان میں صرف اتنا کہا: ''عبدالرحمٰن کو سلام دینا اور کہنا کہ حوصلہ وہمت سے کام لے اور ہماری قید' شہادت پر آنسو نہ بہائے۔ آزادی کے مشن کو جاری رکھے۔''

پھر انہوں نے کان میں مجھے ایک فون نمبر بتایا اور کہا کہ اس نمبر پر محمود بخاری سے رابطہ قائم کرنا اور اسے کہنا کہ وہ تمہیں پروفیسر ایوب بخاری یا اسمٰعیل سمرقندی تک پہنچا دے۔ اسمٰعیل سمرقندی سے کہنا کہ وہ تمہیں افغانستان میں احمد خان تک پہنچا دے۔

میں نے فون اور تمام نام ذہن میں محفوظ کر لئے۔

میں نے احتیاطاً اپنی ایک سہیلی کے گھر سے محمود بخاری کو فون کیا اور شہر کے پارک میں ان سے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔ ملاقات میں' میں نے محمود بخاری کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے مجھے کہا: ''میرے علم کے مطابق کے جی بی والے تمہارے گھر کی بھی نگرانی کر رہے ہیں اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمہیں بھی گرفتار کر لیں گے' اس لئے تم آئندہ مجھ سے بھی نہیں ملو گی۔ حالات سازگار ہوئے تو میں خود رابطہ قائم کروں گا۔''

ایک ہفتہ بعد ایک بچہ میرے نام ہمارے گھر ایک پیکٹ دے گیا۔ یہ پیکٹ ڈاک سے نہیں آیا تھا' اس لئے مجھے کچھ شک ہوا۔ میں نے کمرے کے اندر جا کر کھولا تو اس کے اندر ایک مردانہ لباس اور وگ تھی۔ کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر صرف اتنا لکھا تھا ''کل سات بجے صبح سٹی ہوٹل کے قریب۔''

رات کو میں' ابو اور امی سے کافی دیر باتیں کرتی رہی۔ باتوں ہی باتوں میں' میں نے ابو سے پوچھا: ''سنا ہے کے جی بی والے ہمارے گھر کی بھی نگرانی کر رہے ہیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا'' ابو نے حیرانی سے پوچھا۔

''مجھے کیسے بھی پتا چلا ہو۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟''

''بیٹی! یہ بات صحیح ہے' کے جی بی والوں کو تم پر بھی شک ہے کہ تمہیں عبدالرحمٰن کے یہاں آنے کے مقاصد کا علم ہے۔'' ابو نے بتایا تو میں نے پوچھا: ''پھر وہ مجھے گرفتار کیوں نہیں کر رہے؟''

''تمہارے باپ کے تعلقات کی وجہ سے ذرا محتاط ہیں۔''

''ابو! آپ نے ماموں اور ممانی کو چھڑانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' میں نے پوچھا تو انہوں

نے بتایا: ''بیٹی! میں پورا زور لگا چکا ہوں۔ یہ روسی کمیونسٹ بڑے خودغرض ہیں۔ میری انہی کوششوں کی وجہ سے مجھ پر بھی شک کرنے لگے ہیں۔ روس کے اندر رہنا زہریلے سانپوں کی کوٹھری میں رہنے کے مترادف ہے۔ سانپوں کی طرح کمیونسٹوں کی بھی جتنی مرضی خدمت کرو' موقع ملتے ہی ڈنگ ضرور مار دیں گے۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ بس تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے۔ نہ جانے کب کے جی بی والے تمہیں گرفتار کر لیں۔ جب عبدالرحمٰن آیا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے بتا دیتیں' میں تجھے اس کے ساتھ بھیج دیتا لیکن مجھ پر تو کسی نے اعتبار ہی نہیں کیا۔ ٹھیک ہے میں کمیونسٹ ہوں لیکن تمہارا اور عبدالرحمٰن کا دشمن تو نہیں تھا۔ اگر مجھ پر اعتماد کیا ہوتا تو تمہارے ماموں اور ممانی آج موت کی کوٹھری میں بند نہ ہوتے۔ ان پر مجاہدین کا جاسوس ہونے کا الزام نہ لگتا۔''

''ٹھیک ہے میرے بھائی سے غلطی ہوئی ہے مگر اب تو کچھ کرو' کم از کم اپنی بیٹی ہی کو کسی طرح بچا لو۔'' امی نے کہا تو ابو نے حسرت سے کہا: ''بہت مشکل ہے' تمام کوششیں کر چکا ہوں۔ روس کے اندر نام کا مسلمان ہونا بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ روسی کمیونسٹ ہم ترکستانیوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہماری چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی ملک سے غداری کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ روسی یہ بھول رہے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے اندر ان کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں کے مسلمان کسی وقت بھی افغان مجاہدین کی طرح جنگ آزادی کا آغاز کر سکتے ہیں۔''

''ابو اگر یہاں جنگ آزادی شروع ہو جائے تو آپ کس کا ساتھ دیں گے' روسی کمیونسٹوں کا یا مسلمانوں کا؟'' میں نے پوچھا تو ابو نے کہا: ''بیٹی! اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم آج آزاد ہوتے تو تمہارے ماموں' ممانی کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ ہم نے روسیوں کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں اور زندگی میں' میں نے پہلی دفعہ ان سے کچھ مانگا تو مجھ سے کہنے لگے: ''ایسا لگتا ہے کہ تم بھی افغان مجاہدین کے جاسوس ہو۔'' اگر جنگ آزادی شروع ہوئی جو یقیناً شروع ہو گی تو میں بھی حریت پسندوں کا ساتھ دوں گا۔''

''تم باتیں ہی کرتے رہو گے یا مجھے بھی کچھ بتاؤ گے کہ بیٹی کو بچانے کے لئے تم نے کیا کیا ہے؟'' امی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''میرے جو اختیار میں تھا کر چکا۔ اب ایک ہی راستہ ہے کہ یہ کسی طرح روس سے باہر چلی جائے۔ اس کی بھی کوشش کر چکا ہوں۔ اسے کسی ملک کا ویزا حاصل نہیں کرنے دیا جائے گا۔'' ابو نے حسرت سے کہا تو امی پھر بول پڑیں: ''تم اسے عبدالرحمٰن کے پاس افغانستان کیوں نہیں بھیج دیتے؟''

''مجاہدین سے میرا رابطہ ہوتا تو اپنی بیٹی کو ظالم روسیوں سے بچانے کے لئے یہ بھی کر دیتا۔'' یہ

کہتے ہوئے ابو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے گلے لگا کر رونے لگے' آنسوؤں میں انہوں نے بتایا ''بیٹی! تم نہیں جانتیں کہ تم کس قدر مصیبت میں پھنس چکی ہو۔''

''ابو اگر میں خود یہاں سے افغانستان چلی جاؤں تو آپ لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' میں نے پوچھا تو ابو بولے: ''بیٹی! اگر عبدالرحمٰن تمہیں افغانستان پہنچنے کے بارے میں کچھ بتا گیا ہے تو جتنی جلدی ہو سکے چلی جاؤ۔ مجھے بتاؤ اس سلسلہ میں' میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی بیٹی کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔''

''ابو اور امی مجھے صرف آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ باقی میں خود کر لوں گی۔'' اس کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ میں کل صبح جا رہی ہوں۔ یہ سن کر ابو تو اتنے خوش ہوئے کہ ان کی زبان سے بے اختیار نکلا' یا اللہ' تیرا شکر ہے۔''

میں نے پوچھا کہ ابو آپ کمیونسٹ ہو کر اللہ کا نام لے رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا: ''بیٹی! تم نہیں جانتیں کہ میں نے پچھلے تین ہفتے کس اذیت میں گزارے ہیں۔ مجھے تم اپنی جان سے زیادہ پیاری ہو۔ کے جی بی والوں سے میں نے تمہیں اب تک بڑی مشکل سے بچایا ہے۔ اب وہ تمہاری گرفتاری کے لئے اوپر سے آرڈر لانیوالے تھے۔ جب میں سوچتا کہ تم گرفتار ہو جاؤ گی تو میری جان نکل جاتی تھی۔ تمہیں بچانے کے سلسلہ میں' میں مایوس ہو گیا تھا۔ ایک رات میں نے ڈراؤنا خواب دیکھا کہ خونخوار کتے تمہارا جسم نوچ رہے ہیں۔ اس رات میں نے پہلی بار خدا کے سامنے سجدہ کیا اور دعا کی کہ یا اللہ اگر تیرا وجود ہے تو میری بچی کو کسی طرح بچا لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بچی کسی طرح یہاں سے بچ کر چلی گئی تو میں مسلمان ہو کر ساری زندگی تیری عبادت میں گزار دوں گا۔ میں اس رات بہت رویا۔ دعا کے بعد سو گیا۔ پھر خواب دیکھا کہ ایک شیر آ رہا ہے' کتے شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں اور تم خوبصورت باغوں میں غائب ہو جاتی ہو۔ اس سے میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ بیٹی! تم یقیناً عبدالرحمٰن تک پہنچ جاؤ گی۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ یہی ہماری خوشی ہے۔''

امی میری روانگی کا سن کر رونے لگیں۔ ابو نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''رونے کے بجائے اپنے رب کا شکر ادا کرو جس نے تمہاری بیٹی کی عزت و جان بچانے کا انتظام کیا ہے۔ یہ شاید عبدالرحمٰن کے جہاد اور اس کے ماں باپ کی قربانی کی برکت ہے' ورنہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ خدا ہم پر رحم کھاتا' اپنی بیٹی کو دعا دو اور صبح رخصت کرنے سے پہلے اللہ سے اس کی سلامتی کی دعا ضرور کرنا۔''

رات کسی کو نیند نہ آئی' میں نے بھی سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند کوسوں دور تھی۔ ایک افغانستان پہنچنے کی خوشی تھی' دوسرے والدین سے بچھڑنے کا غم۔ یہی صورتحال میرے ابو اور امی کی

تھی۔ سحری کے وقت میں نے ابو کے کمرے میں جھانک کر دیکھا' وہ چادر بچھائے سجدہ میں تھے۔ امی بھی ہاتھ اُٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔ پہلی دفعہ مجھے پتا چلا کہ میرے ابو اور امی مجھے کتنا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ میں اتنے پیارے ماں باپ سے بچھڑ جاؤں گی' میں بے اختیار رونے لگی' آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

میں صبح پانچ بجے ہی تیار ہو چکی تھی۔ ابو امی بھی میرے کمرے میں آ گئے تو وہ مجھے مردانہ بہروپ میں دیکھ کر بالکل نہ پہچان سکے۔ میں نے بتایا تو بڑے حیران ہوئے۔ میں نے آپ کا دیا ہوا قرآن مجید ابو کو بطور تحفہ دیا۔ قرآن مجید کو لے کر انہوں نے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ پھر کہنے لگے: ''کاش ہم لوگ کمیونزم کے لئے زندگی برباد کرنے کے بجائے اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔''

میں نے انہیں علی بھائی کے بارے میں بھی بتایا اور افغان جہاد کی جتنی باتیں آپ لوگوں نے بتائی تھیں وہ بھی انہیں بتائیں۔ اس سے انہیں بہت حوصلہ ہوا۔

مجھے ساڑھے چھ بجے گھر سے نکلنا تھا لیکن ساڑھے چھ بجے بالکل میری شکل اور میری طرح کا لباس پہنے ایک لڑکا ہمارے گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا کہ تمہارا ٹائم ہو چکا' یہاں سے روانہ ہو جایئے۔ تمہارے بہروپ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ کوئی شک نہ کر سکے کہ تم یہاں سے باہر نکلی ہو۔ گاڑی تمہارے ساتھ دریائے آمو تک جائے گی۔ گاڑی پچھلی گلی میں نیلے رنگ کے مکان کے سامنے کھڑی ہے۔

دریائے آمو کا سن کر ابو نے کہا: ''مجھے یاد آیا۔ دریائے آمو کے قریب میرا ایک دوست اسمٰعیل سمرقندی رہتا ہے۔ میں نے اس کے بہت کام کروائے ہیں۔ کوئی مشکل آئے تو اس سے بھی مل لینا'' پھر خود ہی کہنے لگے مصیبت کے وقت کون کام آتا ہے۔ تم اپنے ذرائع سے ہی جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں پکڑوا دے۔

جب میں نے بتایا کہ اسمٰعیل سمرقندی ہی مجھے دریائے آمو پار کرائے گا تو ابو نے مجھے ایک بہت قیمتی ہار دیتے ہوئے کہا کہ اسمٰعیل بہت لالچی ہے' یہ ہار اسے دے دینا اور کہنا کہ یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔ ایک چھوٹا سا رقعہ دیا۔ اس میں انہوں نے لکھا: ''پیارے دوست! آج پہلی دفعہ تم سے کچھ مانگ رہا ہوں' امید ہے مایوس نہیں کرو گے۔ میری بیٹی کو باحفاظت اس کی منزل تک پہنچا دو۔ یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔''

اس کے بعد انہوں نے مجھے پیار اور محبت بھرے آنسوؤں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ امی نے رخصت کرتے ہوئے کہا: ''بیٹی! آج کے جانے کو اپنی شادی کی رخصتی سمجھ لو' یہ کہتے ہی وہ دھاڑیں

مار مار کر رونے لگیں۔ ابو نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا۔ میرا دل بھی خون کے آنسو رو رہا تھا۔

گاڑی جیسے ہی سٹی ہوٹل کے سامنے رکی تو وہاں سے دو اور افراد گاڑی کی طرف آئے۔ مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملانے کے دوران ایک چٹ میرے ہاتھ میں دے دی۔

چٹ پر لکھا تھا کہ دونوں افراد تمہیں منزل پر پہنچا کر ایوب بخاری کے پاس چلے جائیں گے۔ بے فکر ہو کر ان کے ساتھ جاؤ۔ نیچے محمود بخاری کا نام لکھا تھا۔

میں نے دروازے کھول دیئے۔ کچھ فاصلے تک تو میں خود ڈرائیونگ کرتی رہی۔ اس کے بعد ایک بھائی نے کہا: ''بہن زبیدہ! تم پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ۔ اب ہم باری باری ڈرائیونگ کریں گے۔ راستے میں کوئی کچھ پوچھے تو گونگا اور بہرہ بن جانا۔ اگر بولیں تو آواز سے پہچان لی جاؤ گی کہ تم عورت ہو جبکہ تمہارے جعلی کاغذات ایک مرد کے نام سے ہیں۔''

ایک دو جگہ گاڑی راستے میں چیک بھی کی گئی لیکن کاغذات اس قدر مکمل تھے اور دونوں افراد اس قدر ہوشیار تھے کہ کسی کو کوئی شک نہ پڑا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے ہم اسمٰعیل سمرقندی کے گھر پہنچے۔ اپنا تعارف کرایا۔ آپ دونوں کا حوالہ دیا اور احمد خان کے پاس پہنچانے کا کہا۔ یہ سن کر کہ میرا آپ لوگوں سے تعلق ہے' وہ بڑے اچھے طریقے سے پیش آیا۔ میں نے ابو کی طرف سے دیا ہوا رقعہ اور ہار پیش کیا۔ رقعہ پڑھنے کے بعد ہار مجھے واپس کرتے ہوئے کہا: ''تمہارے باپ کا خیال ہے کہ میں ابھی تک لالچی ہوں' ہاں کبھی لالچی ضرور تھا لیکن مجاہدین سے مجھے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کو۔ تمہارے باپ نے یہ ہار تحفہ میں نہیں رشوت میں بھیجا ہے لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سمگلروں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ہم اپنے محسنوں کے کام اپنی جان پر کھیل کر بھی کرتے ہیں۔ پھر جیسی تم اپنے باپ کی بیٹی ہو' ویسی ہی میری بھی بیٹی ہو۔ پھر تم جہنم سے بھاگ کر مجاہدوں کے دیس جا رہی ہو۔ میں نے زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی نیکی کی ہو گی۔ اگر اللہ نے مجھے کسی نیکی کا موقع دیا ہے' تم وہ بھی مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو۔ نہیں بیٹی! یہ ہار تمہیں ہی اچھا لگتا ہے جب سے افغان روسیوں کے خلاف اٹھے ہیں اور جب سے پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان کیا ہے کہ روس نے سمرقند و بخارا پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے' ہمارے دل میں بھی آزادی کی تڑپ پیدا ہونے لگی ہے' ہم بھی چاہتے ہیں کہ کچھ کریں' کم از کم افغان مجاہدوں کی مدد ہی سہی۔ شاید اسی طرح ہمیں بھی آزادی مل جائے۔''

دوسرے دن دونوں مجاہد رخصت لے کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے کہا: ''بہن زبیدہ! تم عظیم مجاہدوں کے دیس جا رہی ہو۔ ان مجاہدوں کے دیس جنہوں نے روس کو شکست دی' ہمارا ان کو

سلام کہنا اور کہنا کہ وہ بھی ہمارے لئے دعا کریں اور یہ بھی کہنا کہ ہم سرزمین ترکستان پر ان کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔''

میں دو دن اور اسمٰعیل سمرقندی کے پاس رہی۔ ان کی ایک بیٹی بھی میری ہم عمر ہے' وہ بھی مجاہدین کی بہت عقیدت مند ہے۔ جب میں نے بتایا کہ تم لوگ ان کے گھر آئے تھے تو کہنے لگی: ''کاش ابو بتاتے کہ مجاہدین آئے ہیں' میں اپنے مجاہد بھائیوں کا دیدار ہی کر لیتی۔ ان کی دعا ہی لے لیتی۔'' مجھے کہنے لگی: ''میرے مجاہد بھائیوں سے کہنا کہ روس کے اندر تمہاری بہنیں تمہارے کارنامے سن سن کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ تمہاری فتح کا سن کر ان کے چہرے کھل اُٹھتے ہیں' گردن فخر سے تن جاتی ہے اور پیشانی خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے جھک جاتی ہے۔ تمہارے ذرہ سے بھی نقصان کا سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح برسنے لگتے ہیں اور وہ غم سے نڈھال ہو جاتی ہیں۔ انہیں یہ بھی کہنا کہ تمہاری ترکستانی بہنیں اس وقت کا بے قراری سے انتظار کر رہی ہیں جب تم آؤ گے اور انہیں روس کی غلامی سے نجات دلاؤ گے۔''

رخصت کرتے وقت اسمٰعیل سمرقندی اور اس کی بیٹی نے مجھے بیش قیمت تحائف بھی دیئے۔ اسمٰعیل سمرقندی نے کہا: ''بیٹی! تم میرے محسن کی بیٹی ہو اور ایک مجاہد کی امانت۔ میرے گھر پہلی اور شاید آخری بار آئی ہو۔ میرے بس میں ہو تو میں گھر کی ہر چیز تمہارے ساتھ بھیج دوں۔ تم ان لوگوں کے پاس جا رہی ہو جو ملت اسلامیہ کی سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ چند حقیر سے تحفے دے رہا ہوں' انہیں قبول کرو' یہ کچھ رقم بھی ہے' یہ مجاہدین کو دے دینا اور ان سے درخواست کرنا کہ میرے لئے ہدایت اور مغفرت کی دعا کریں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بہت جلد شیر آباد جاؤں گا' اگر تمہارے ماں باپ اس وقت تک جیل سے باہر ہوئے تو انہیں بھی یہاں لا کر دریائے آمو پار کرا دوں گا۔''

دریائے آمو پار کرنے کے بعد میں احمد خان کے گھر ایک ہفتہ تک رہی۔ انہوں نے بھی مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا۔ اس کے بعد میں کمانڈر زمان گل کے مرکز پہنچی اور وہاں سے دو ہفتے قبل یہاں آ گئی۔ افغانستان میں جس مرکز پر بھی گئی جس جگہ سے بھی گزری' بزرگوں نے مجھے میرے ماں باپ سے بھی زیادہ پیار دیا۔ بھائیوں نے محبت و عقیدت میں نظریں نیچی کر لیں۔

علی اور عبدالرحمٰن کو یہ سب کچھ سن کر بہت دُکھ ہوا۔ اپنے ماں باپ کے بارے میں سن کر عبدالرحمٰن کے آنسو نکل آئے۔

علی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ راہ حق میں یہ صدمات ہمیشہ آتے ہیں' اس لئے صبر اور

همت سے کام لو اور اپنے ابو امی پھوپھی اور پھوپھا کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی مشکلات سے نجات دے اور آزمائش میں کامیاب کرے۔

چند دنوں بعد علی نے عبدالرحمٰن اور زبیدہ کی سادگی سے شادی کرا دی۔

شادی کے بعد ان کی رہائش کا مسئلہ تھا' فوری طور پر زبیدہ کو پاکستان نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ علی نے سوچا کہ کسی قریبی گاؤں میں بھیج دیا جائے۔ ہیڈکوارٹر چیف کمانڈر سے بات کی تو کمانڈر صاحب نے کہا کہ ابھی ان کی شادی ہوئی ہے اس لئے مرکز کے قریب ہی چھوٹا سا گھر بنا دیں۔ تین چار ماہ بعد انہیں پاکستان بھیج دینا۔

''پاکستان میں اگر کے جی بی والوں کو پتا چل گیا تو روسی حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال کر روس واپس بلوا سکتی ہے۔'' علی نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

''آپ اس کی فکر نہ کریں' بوقت ضرورت میں حکومت پاکستان سے بات کر لوں گا۔ اگر خطرہ محسوس ہوا تو ہم زبیدہ کو فوراً افغانستان واپس لے آئیں گے۔ ویسے میرے ذہن میں ایک اور تجویز بھی آئی ہے۔'' کمانڈر نے کہا تو علی نے پوچھا کہ وہ تجویز کیا ہے۔

''اگر عبدالرحمٰن اور زبیدہ یہاں ہیڈکوارٹر میں آ جائیں تو ہم ان کے لئے قریبی گاؤں میں رہائش کا انتظام کر سکتے ہیں۔ یہاں زبیدہ اور عبدالرحمٰن مل کر نہ صرف روسی زبان میں اسلامی کتابوں کا ترجمہ کر سکتے ہیں بلکہ ''ریڈیو صدائے افغانستان'' سے روسی خواتین کے لئے پروگرام بھی پیش کر سکتے ہیں۔'' کمانڈر نے بتایا تو علی نے کہا:

''تجویز بہت اچھی ہے۔''

''فی الحال اس پر غور کرو۔ ہم بھی یہاں مزید غور کر لیتے ہیں۔ تین چار ماہ کے لئے آپ اپنے مرکز کے قریب ان کی رہائش گاہ کا انتظام کر دیں۔'' کمانڈر نے کہا۔

علی نے مرکز کے ایک طرف پہاڑ کے دامن میں فوری طور پر ایک غار کھدوا دی۔ آگے ایک کمرہ اور اونچی چار دیواری کر کے صحن بھی بنا دیا۔





جنیوا معاہدہ پر دستخط کئے جا چکے تھے۔ روسی فوجوں کی واپسی بھی شروع ہو چکی تھی۔ جاتی ہوئی روسی فوج پر مجاہدین نے کئی کامیاب حملے کئے لیکن روسی کمانڈروں کی درخواست پر مجاہدین نے جاتے ہوئے قافلوں پر مزید حملے روک دیئے تھے۔

یہ جون کا مہینہ تھا۔ رات کے 9 بجے تھے جب کابل سے وائرلیس پر پیغام موصول ہونا شروع ہوا۔ انٹیلی جنس بیورو کابل کے چیف نے بتایا: ''مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ روس سے کے جی بی کے دس سینئر ترین افسر کابل پہنچے ہیں' بھارت سے بھی بیس کے قریب ''را'' کے تجربہ کار افسروں کی کھیپ کابل پہنچ گئی ہے' یہ بھی اطلاع ہے کہ اسرائیل اور کئی کمیونسٹ ممالک کے جاسوس بھی آ رہے ہیں۔ مزید معلومات آتے ہی آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ ہیڈکوارٹر بھی یہ اطلاع کر دی گئی ہے۔''

علی اور عبدالرحمٰن نے اس اطلاع پر بہت غور کیا کہ جب روسی فوج شکست کھا کے واپس جا رہی ہے تو پھر کابل میں اتنے بڑے پیمانے پر جاسوسوں کو کیوں جمع کیا جا رہا ہے۔

عبدالرحمٰن کا خیال تھا کہ روس اپنی فوج کو دوبارہ واپس افغانستان لے آئے گا۔ واپسی کی راہ تلاش کرنے کیلئے ہی شاید یہ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں جبکہ علی کا خیال تھا کہ روس مجاہدین کے مراکز اور پاکستان میں تخریبی کارروائیاں بڑھانا چاہتا ہے یا پھر مجاہدین کے لیڈروں کو آپس میں لڑانا چاہتا ہے یا پھر بھارتی فوج افغانستان میں اتارنے کے کسی منصوبہ پر غور کر رہا ہے۔

''کچھ بھی ہو ہم جیتی ہوئی بازی کو شکست میں بدلنے کی کسی کو اجازت نہیں دیں گے۔ اگر بھارتی فوج بھی آ گئی تو اس کا وہ حشر کریں گے کہ قیامت تک ان کی آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔'' عبدالرحمٰن نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔

تیسرے دن پھر کابل سے وائرلیس پیغام آیا کہ جاسوسوں کے اجلاس میں ڈاکٹر نجیب اللہ سمیت بھارتی خفیہ تنظیم ''را'' کا سربراہ' کے جی بی کے سربراہ کا ڈپٹی اور کئی کمیونسٹ ممالک کے انتہائی اہم جاسوس شریک ہوئے ہیں۔ بڑی کوششوں کے بعد صرف اتنا پتا چل سکا ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا آپریشن کرنا چاہتے ہیں۔

علی نے چیف کمانڈر سے اس اطلاع پر تبادلہ خیال کیا۔ چیف کمانڈر کا خیال تھا کہ یا تو بھارتی فوج افغانستان میں اتارنے کا کوئی منصوبہ ہو سکتا ہے یا پھر مجاہدین کے رہنماؤں کے قتل کا کوئی منصوبہ بن رہا ہے۔ انہوں نے علی کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں جہاں اللہ نے دس سال تک ہماری مدد کی ہے، وہ آئندہ بھی دشمن کے عزائم ناکام بنا دے گا۔

علی صوبائی دارالحکومت پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتا تھا مگر چیف کمانڈر نے اسے روکتے ہوئے کہا: ''فی الحال حملہ کا ارادہ ترک کر دیجئے اور روسی فوج کو مکمل طور پر افغانستان سے نکل جانے دیجئے۔ اس دوران میں مجاہدین کو جو صرف گوریلا جنگ لڑنے کے ماہر ہیں، انہیں باقاعدہ جنگ کے لئے تربیت دو۔ چھاؤنیوں میں افغان فوجی افسروں کو مجاہدین کا ساتھ دینے کی ترغیب دو تاکہ خون ریزی کے بغیر ہی شہر فتح ہو سکیں اور مجاہدین کے رہنماؤں کے فیصلہ کا بھی انتظار کرو۔''

علی کو یہ باتیں پسند آئیں، اس نے فوراً ان پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجاہدین کو باقاعدہ فوج کی صورت میں منظم کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مرکز میں علی نے افغان فوج کے تین سابق افسروں جن میں ایک کرنل افضل خان، کیپٹن جمال محمد اور میجر عمر خان شامل تھے، کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مجاہدین کو شہروں پر حملہ کر کے باقاعدہ فوج سے جنگ لڑنے کے لیے تیار کریں۔

چھاؤنیوں کے اندر اپنے حامی افسروں سے بھی رابطہ قائم کیا اور انہیں کہا کہ وہ فوجی افسروں کو ترغیب دیں کہ اگر وہ مجاہدین کا ساتھ دیں تو انہیں نہ صرف ان کے عہدوں پر بحال رکھا جائے گا بلکہ مزید مراعات بھی دی جائیں گی۔

15 اگست کو کابل سے پیغام ملا کہ روسی، بھارتی، اسرائیلی اور خاد کے جاسوسوں کی جو میٹنگ جون میں ہوئی تھی، ان میں سے چند منتخب جاسوسوں کی میٹنگ 12 اگست کو پھر ہوئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جون کی میٹنگ میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کو ''زیڈ'' مشن کا نام دیا گیا تھا۔ اب کی میٹنگ میں بتایا گیا ہے کہ زیڈ مشن کے بارے میں تمام کام مکمل ہو چکا ہے۔

علی یہ سن کر سوچنے لگا کہ زیڈ مشن سے کیا مراد ہے۔ اس نے پاس بیٹھے ہوئے محمد اسلام اور عبدالرحمٰن سے بھی پوچھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ''زیڈ'' الذوالفقار کا مشن بھی ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے اندر ''الذوالفقار'' نامی دہشت گرد تنظیم تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہے۔ اسرائیل، روس، بھارت اور کابل کی حکومتیں اس کی پوری پوری مدد کر رہی ہیں۔ ممکن ہے پاکستان کے اندر کسی بہت بڑی تخریبی کارروائی کا یہ کام ''الذوالفقار'' کے سپرد کیا گیا ہو۔

محمد اسلام: زیڈ۔ انگریزی حروف تہجی کا آخری حرف ہے، اس سے یہ بھی مراد لی جا سکتی ہے کہ

آخری مشن یعنی انتہائی خطرناک مشن یا پھر زیڈ مجاہدین کے کسی رہنما کا کوڈ نام بھی ہو سکتا ہے۔

علی: ضیاء الحق بھی ہو سکتا ہے۔

عبدالرحمٰن: یہ زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ روس اور بھارت کئی ہفتوں سے ضیاء الحق کو سبق سکھانے کی مسلسل دھمکیاں دے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ ''الذوالفقار'' کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ الذوالفقار پہلے بھی ضیاء الحق کو متعدد دفعہ قتل کرنے کی کوششیں کر چکی ہے۔

علی: ہمیں یہ اطلاع فوراً چیف کمانڈر صاحب کے ذریعہ پاکستانی حکومت کو پہنچا دینی چاہئے۔

عبدالرحمٰن: ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

17 اگست کو رات ساڑھے سات بجے کا وقت تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، موسم کافی خوشگوار تھا۔ علی، درویش خان، محمد اسلام اور کئی دوسرے مجاہدین پہاڑ کے اوپر بنی ہوئی حفاظتی چوکی کے قریب بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ اچانک قریبی چھاؤنی سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ چند لمحوں بعد روشنی کے گولے بھی پھینکے جانے لگے۔ علی کا خیال تھا کہ دشمن ہم پر بڑا حملہ کرنے والا ہے، لیکن حیرت ہے کہ حملہ سے پہلے وہ شور کیوں کر رہا ہے۔

درویش خان کا خیال تھا کہ یہ کوئی چال ہے کیونکہ افغان فوج کے لئے یہ کوئی خوشی کا موقع بھی نہیں ہے کہ وہ اس طرح فائرنگ کرتی اور روشنی کے گولے چھوڑتی۔ ہمیں محتاط ہو جانا چاہئے۔

ہر مجاہد اپنا اپنا خیال ظاہر کر رہا تھا۔ یہ باتیں جاری تھیں کہ عبدالرحمٰن آتا دکھائی دیا، اس کے ساتھ چند عرب مجاہدین بھی تھے۔ افغان جہاد میں عرب اور کئی دوسرے ممالک سے بھی بڑی تعداد میں مجاہدین شریک تھے۔ علی کے کارناموں کا سن سن کر عرب مجاہدین جن میں فلسطینی بھی شامل تھے، علی کے پاس آ گئے تھے۔ علی کے مشورہ سے انہوں نے علی کے مرکز کے قریب ہی اپنا مرکز بھی تعمیر کر لیا تھا۔ ان کا امیر مصر کا ایک نوجوان ابو حامد تھا۔ ترکی، ایران، برما، سری لنکا، بھارت، مقبوضہ کشمیر، فلپائن اور دوسرے علاقوں سے آنے والے مجاہدین کے لئے بھی علی نے عربوں کے مرکز میں ہی انتظام کیا تھا۔ اس مرکز کا نام ''امام شامل مرکز'' تھا۔

عبدالرحمٰن سرِ شام ہی گھر چلا جاتا تھا، اسے اس طرف آتا دیکھ کر علی کو بڑی حیرانی ہوئی۔

عبدالرحمٰن، ابو حامد اور دوسرے عرب مجاہدین علی کے قریب آ کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ کسی نے سلام تک نہ کیا۔ علی نے دیکھا کہ سب کے چہرے افسردہ تھے۔ یہ دیکھ کر علی اور دوسرے مجاہدین فکر مند ہو گئے۔ علی نے پوچھا۔ ''عبدالرحمٰن کیا بات ہے۔؟''

عبدالرحمٰن کی زبان خاموش رہی، وہ بولنا چاہتا تھا مگر نہ بول سکا۔

''ابو حامد! تم ہی کچھ بتاؤ آخر آپ سب لوگ پریشان کیوں ہیں؟'' علی نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا۔ اس بار بھی کسی کی زبان نہ کھلی۔ وہ کچھ بتانا چاہتے تھے لیکن شدت غم سے ان میں سے کسی سے بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔

علی چیخا: ''آپ بتاتے کیوں نہیں کہ کیا معاملہ ہے؟''

کسی کی زبان اب بھی نہ کھلی مگر سب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ عبدالرحمٰن علی کے گلے مل کر زار زار رونے لگا۔ عرب مجاہدین بھی ایک دوسرے کے گلے لگ کر روئے جا رہے تھے۔

علی اور دوسرے مجاہدین کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ علی نے عبدالرحمٰن کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! تمہارا روتا جائے گا یا ہمیں بھی کچھ بتاؤ گے' کیا زبیدہ کو کچھ ہو گیا ہے؟''

عبدالرحمٰن نے نہیں میں گردن ہلا دی۔

علی: پھر معاملہ کیا ہے؟

عبدالرحمٰن: ظالموں نے ہمارے محسن اور قائد کو قتل کر دیا ہے۔

علی سمجھا کہ روسیوں نے شاید ہمارے کسی رہنما کو شہید کر دیا ہے۔ اس نے پوچھا: ''مجاہدین کے کس رہنما کو شہید کر دیا گیا ہے؟''

عبدالرحمٰن: مجاہدین کے سب سے بڑے قائد کو۔

علی: کھل کر بتاؤ

عبدالرحمٰن: ضیاء الحق کے طیارے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ ضیاء الحق کے ساتھ ہی پاکستان کے کئی دوسرے نامور جرنیل بھی شہید ہو گئے ہیں اور یہ چھاؤنی میں فائرنگ اور روشنی کے گولے اسی خوشی میں چلائے جا رہے ہیں۔

یہ خبر مجاہدین پر بجلی بن کر گری اور وہ بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور پہاڑ دل مجاہدین کے سینے پھٹے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آنسوؤں کا طوفان تھما تو علی نیچے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

ضیاء الحق کی شہادت کی خبر آناً فاناً پورے مرکز میں پھیل گئی۔ مجاہدین روتے ہوئے' چیختے چلاتے ہوئے' دھاڑیں مارتے ہوئے علی کے کمرے کی طرف آ رہے تھے۔

کمرے کے اندر علی' عبدالرحمٰن' محمد اسلام درویش' ابو حامد سب رو رہے تھے اور باہر سینکڑوں مجاہدین تڑپ رہے تھے۔

آسمان نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجاہدین جن کے پورے پورے خاندان شہید

ہو گئے' جن کے لخت جگر مارے گئے' جن کے ماں باپ' بہن بھائی قتل کر دیئے گئے مگر ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے' آج ان کی آنکھوں سے آنسو بند نہ ہو رہے تھے۔ یہ منظر صرف علی کے مرکز ہی کا نہیں تھا' پورے افغانستان کا یہی حال تھا۔ ہر طرف آہ و بکا تھی' ہر طرف آنسو تھے۔

ایک بوڑھا مجاہد فیض خان کمرے کے اندر آیا اور اس نے علی سے کہا: ''کمانڈر صاحب! یہ غم ہم سب کے لئے بہت بڑا ہے۔ باہر مجاہدین کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ پتھروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر زخمی ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے انہیں جلد تسلی نہ دی تو وہ اس غم سے پاگل ہو جائیں گے' اس لئے آپ اُٹھیں اور انہیں تسلی دیں۔''

''فیض بابا! مجھ سے نہیں اٹھا جاتا' میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے' میں انہیں تسلی کیسے دوں' انہیں رونے دو۔''

یہ کہہ کر علی پھر اپنا سر ہاتھوں میں لے کر رونے لگا۔ ''اف اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا۔ میں پچھلے دس سال سے جہاد میں شریک ہوں۔ میں نے گاؤں کے گاؤں جلتے اور لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرتے دیکھا ہے۔ میں نے خون کی ندیاں بہتے دیکھی ہیں لیکن پہاڑوں کی طرح مضبوط مجاہدین کو کبھی آنسو بہاتے نہ دیکھا تھا۔'' فیض نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

چیف کمانڈر نے وائرلیس پر علی سے رابطہ قائم کیا۔ وائرلیس سیٹ کے قریب بیٹھے ہوئے مجاہد نے علی کو بتایا کہ چیف کمانڈر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ علی پیغام سننے کے لئے اُٹھا۔ کمانڈر صاحب نے کہا: ''تمہاری آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ ضیاء الحق کی شہادت کی خبر یہاں بھی پہنچ گئی ہے۔ میں نے اس لئے رابطہ قائم کیا ہے تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ پوری زندگی میں' میں بھی اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا جتنا اس خبر کو سن کر ہوا ہوں۔ یہ خبر سن کر ایک لمحے کو تو ایسا محسوس ہوا جیسے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو' جیسے بہت بڑا پہاڑ مجھ پر آ گرا ہو لیکن مجاہدین کو روتے اور بلکتے ہوئے جب دیکھا تو میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ ان کو تسلی دیتے دیتے پورا گھنٹہ لگ گیا۔ اب بھی اکثر رو رہے ہیں لیکن صورتحال بہتر ہے۔ پاکستان میں مہاجرین کے کیمپوں سے جو خبریں آ رہی ہیں' وہ بھی ایسی ہی ہیں۔ کیمپوں میں خواتین' بچے' مرد سب رو رہے ہیں۔ وہ عورتیں نوحہ کناں ہیں جو اپنے عزیزوں کی موت پر بھی آنسو بہانا بزدلی سمجھتی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے غم پر قابو پاؤ' ہمت اور حوصلہ سے کام لو اور مجاہدین کو تسلی دو۔ اگر تم نے صبر سے کام نہ لیا تو دشمن کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور مجاہدین حوصلہ ہار بیٹھیں گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب جنگ اُحد میں نبی کریمؐ کی شہادت کی خبر پھیلی تھی اور صحابہ کرامؓ

بددل ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو سخت ناپسند کیا تھا۔ ضیاء ہمارا محسن ضرور تھا لیکن جہاد ہم نے اللہ کی خاطر شروع کیا تھا اور وہ حیی و قیوم ہے۔ جس اللہ نے ضیاء کو ہمارا دوست اور حامی و مددگار بنایا تھا' وہی اللہ کسی اور کو ہماری مدد کے لئے بھیج دے گا۔ اُٹھو اور مجاہدین کو تسلی دو اور ان کے جذبات کو آنسوؤں میں نہ بہنے دو۔ مراکز میں قرآن خوانی شروع کرا دو۔ میں نے ابھی دوسرے مراکز پر بھی دوسرے کمانڈروں سے بات کرنی ہے۔ کل میں ضیاء شہید کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے اسلام آباد روانہ ہو جاؤں گا۔ خدا حافظ۔''

چیف کمانڈر کی باتیں سننے کے بعد علی نے اپنے دل کو تسلی دی اور غار سے باہر نکلا۔ باہر مجاہدین بہت بڑی تعداد میں کھڑے اور بیٹھے رو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مرکز میں موجود سارے مجاہدین یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں اور مورچوں میں کوئی نہیں رہا۔ ہر طرف سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

علی نے کھڑے ہو کر مجاہدین کو آواز دی۔ علی کی آواز کا سننا تھا کہ وہ مجاہدین جو پہلے آہستہ آہستہ رو رہے تھے' وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان حالات میں علی مجاہدین سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا' ایک ایک کو تسلی دینا بھی بہت مشکل تھا۔ محمد اسلام نے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے تلاوت کلام پاک شروع کر دی۔ جوں جوں تلاوت کی آواز بلند ہوتی گئی' مجاہدین پر سکون طاری ہوتا گیا۔ تلاوت کے بعد علی خطاب کرنے لگا:

''میرے شیر دل مجاہدو! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔ ضیاء الحق وہ عظیم مجاہد تھا جو صدیوں بعد مسلمانوں میں پیدا ہوا' جس نے اپنے ایمان' تدبر' فراست اور جرأت و بہادری سے ہم جیسے کمزور لوگوں کے ذریعہ روس جیسی سپر اور مکار طاقت کو صدیوں بعد پہلی دفعہ شکست سے دوچار کیا۔ اس نے روسی بھارتی دھمکیوں کی پروا نہ کی اور ہماری ہر طرح کی مدد جاری رکھی۔ اس نے نہ صرف میدان جنگ میں ہماری لڑائی اپنی لڑائی سمجھ کر لڑی بلکہ سفارتی میدان میں بھی اس نے چالاک اور مکار روسی قیادت کو ناکوں چنے چبوائے اور عالم اسلام کو ہماری حمایت میں کھڑا کر دیا۔ دوستو! روس' بھارت' اسرائیل اور نجیب اللہ نے ضیاء کے خلاف جو سازش تیار کی تھی ہمیں ادھوری معلومات چند دن پہلے مل گئی تھیں لیکن یہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنا وار کر جائیں گے۔ دوستو! اس قدر نڈر مجاہد اور ایسے درویش صفت منکسر المزاج حکمران ملت اسلامیہ کی تاریخ میں کم ہی گزرے ہیں۔ وہ برصغیر کا اورنگزیب عالمگیر تھا' وہ افغانستان کا شہاب الدین غوری تھا' وہ عرب کا صلاح الدین ایوبی تھا۔ آج پہلی دفعہ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ وہ افغانستان کے اندر مختلف محاذوں پر ایک فوجی جرنل کی طرح دورے کرتا تھا اور کمانڈروں کو گوریلا جنگ کی ہدایات دیتا تھا اور کسی خطرے

کی کوئی پروا نہ کرتا تھا۔ دو سال پہلے جب میں خوست کے محاذ پر تھا کہ ایک دن مجھے چیف کمانڈر صاحب کا پیغام ملا کہ ایک انتہائی اہم شخصیت تمہارے محاذ پر آ رہی ہے۔ مجاہدین کو راستے کی حفاظت پر مختلف جگہوں پر لگا دیا جائے اور پہاڑ کے اوپر تمہارے مورچے میں تمہارے علاوہ کوئی اور مجاہد نہیں ہونا چاہئے اور نہ کسی کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی اہم شخصیت آ رہی ہے۔ میں سمجھا کہ شاید مجاہدین کا کوئی رہنما آ رہا ہے۔ میں انتظامات مکمل کرنے کے بعد پہاڑ کے اوپر بیٹھا ہوا دوربین سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ گھوڑوں پر سوار چند افراد پر مشتمل ایک قافلہ انتہائی خطرناک راستوں پر سے گزرتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ لوگ گھوڑوں سے اُترے اور پیدل پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب وہ لوگ قریب پہنچے تو میں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ قافلے میں آنے والے مہمان نے جب میرے ساتھ ہاتھ ملایا اور میں نے غور سے دیکھا تو وہ ضیاء الحق صاحب تھے۔ وہ بالکل افغانی معلوم ہو رہے تھے اور میں دور سے بالکل نہ پہچان سکا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پاکستان کا سربراہ اتنے خطرناک اور دشمن کے اتنے قریب محاذ پر بھی آ سکتا ہے۔ انہوں نے میرا حال ایسے پوچھا جیسے وہ میرے باپ ہوں۔ جہاد کرنے پر میری تعریف کی۔ جب میں نے محاذ کی صورتحال اور آئندہ کا پروگرام ان کے سامنے رکھا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ مجھے گلے لگا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں مختلف مشورے دیئے اور یہ کہہ کر چل پڑے۔ ''اگر مجھے دوسرے محاذ پر نہ جانا ہوتا تو میں مزید تمہاری باتیں سنتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب و کامران کرے۔ کبھی زندگی میں حوصلہ نہ ہارنا۔ فتح یقیناً اُن کا مقدر بنتی ہے جو اللہ کی راہ میں ڈٹ جاتے ہیں اور کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔'' ان کے جانے کے بعد میں سوچنے لگا کہ کتنا عظیم جرنیل ہے' کتنا بے خوف مجاہد ہے' کس قدر بہادر سپہ سالار اور فرشتہ صفت حکمران ہے۔ اس کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ملت اسلامیہ کے چند بڑے اور اچھے حکمرانوں میں پائی جاتی تھیں۔''

یہ کہنے کے بعد علی کی آواز رندگئی' وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار رونے لگا۔

مجاہدین بھی ایک دفعہ پھر پہلے کی طرح تڑپنے اور رونے لگے۔ ان کے سامنے یہ حقیقت پہلی بار آئی تھی کہ ضیاء الحق بھی ایک مجاہد کی طرح افغانستان میں آ کر لڑتا رہا ہے۔ یہ حقیقت جان کر اس عظیم محسن کی جدائی کا غم مزید بڑھ گیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر عبدالرحمٰن اُٹھا اور مجاہدین سے مخاطب ہوا: ''میرے عظیم مجاہد ساتھیو! میری بات غور سے سنو۔ دشمن نے ضیاء الحق کو ایک سازش کے تحت قتل کرایا ہے تا کہ وہ ہمارے حوصلے پست کر سکے اور اگر آپ لوگ یونہی روتے رہے تو اس کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور ہم جیتی ہوئی

بازی ہار جائیں گے۔ دیکھ نہیں رہے کہ دشمن خوشیاں منا رہا ہے اور ہم ابھی تک رو رہے ہیں۔ ضیاء الحق کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس کے مشن کو زندہ رکھیں یعنی کابل کی آزادی کے مشن کو' مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے مشن کو' فلسطین کی آزادی کے مشن کو' روسی ترکستان کی آزادی کے مشن کو اور عالم اسلام کے اتحاد کے مشن کو۔ دوستو ہمارا دشمن نہ صرف بزدل ہے بلکہ کمینہ بھی ہے۔ افغانستان کے کوہساروں میں جب اس نے عبرتناک شکست کھائی تو کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شکست کا بدلہ جنگ کے فاتح ضیاء الحق کو سازش کے تحت شہید کرا کے لیا۔ آؤ اس موقع پر ہم سب مل کر عہد کریں کہ عظیم مجاہد اور شہید اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہیں گے۔''

اس کے بعد درویش خان آیا اور کہنے لگا: ''دوستو! ہم خداوند کے حضور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ضیاء الحق کے خون کا بدلہ ہم پر قرض ہے' اگر ہم اپنی زندگیوں میں اسے نہ اتار سکے تو ہماری اگلی نسلیں اس خون ناحق کا انتقام ضرور لیں گی۔''

مجمع سے ایک مجاہد اُٹھ کر بولنے لگا: ''کمانڈر صاحب! دشمن خوشیاں منا رہا ہے اور اس کی طرف سے کئے جانے والے ہر ہوائی فائر کی آواز ہمارے دل پر گولی کی طرح لگ رہی ہے' ہمیں اجازت دیں کہ ہم دشمن کو آج ہی رات سبق سکھا دیں۔ شاید اس طرح ہمارا غم بھی ہلکا ہو جائے۔''

اس مجاہد کی بات کی سب مجاہدین نے زور زور سے نعرے لگا کر تائید کی۔ علی نے اُٹھ کر کہا: ''دوستو! میں بھی آپ کے اس فیصلہ کی تائید کرتا ہوں لیکن ہمیں سوچنے کیلئے کچھ وقت دیں' اپنے اپنے مورچوں میں چلے جائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آج رات کسی وجہ سے حملہ نہ ہو سکا تو کل دشمن کو ضرور خون میں نہلایا جائے گا۔''

مرکز میں موجود تمام اہم مجاہدین اور کمانڈروں کی میٹنگ بلائی گئی اور تبادلہ خیال کے بعد فیصلہ ہوا کہ حملہ کیا جائے گا۔ دوسرے مراکز کو بھی حملہ میں حصہ لینے کے لئے کہا گیا۔

دوسرے دن سورج غروب ہوتے ہی دو ہزار سے زیادہ مجاہدین نے چھاؤنی پر تین اطراف سے حملہ کر دیا اور ایک طرف دشمن کے بھاگنے کے لئے خالی چھوڑ دی گئی۔

مجاہدین کا چھاؤنی پر حملہ اس قدر اچانک اور تباہ کن تھا کہ دشمن ایک لمحہ کو بھی سنبھل کر مقابلہ نہ کر سکا اور رات بارہ بجے بھاگ کھڑا ہوا۔ چھاؤنی کی طرف سے گولہ باری بند ہو گئی۔ مجاہدین نے کچھ دیر گولہ باری جاری رکھی۔ اس کے بعد مجاہدین بڑے محتاط ہو کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ چھاؤنی کے قریب جا کر علی نے مجاہدین سے کہا کہ صبح سے پہلے کوئی مجاہد چھاؤنی میں داخل نہ ہو' کہیں ایسا نہ ہو

کہ دشمن نے کوئی جنگی چال چلی ہو اور ہم اس میں پھنس جائیں۔

صبح کے وقت جب مجاہدین چھاؤنی میں داخل ہوئے تو ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ اکثر بیرکیں تباہ ہو چکی تھیں۔ دو سو سے زیادہ فوجی جو زمین دوز کنکریٹ کے بنے ہوئے مورچوں میں چھپے ہوئے تھے' انہوں نے بھی فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔

بارودی سرنگوں سے کئی مجاہدین شہید جبکہ سینکڑوں زخمی ہوئے۔ دشمن کی گولہ باری سے بھی چالیس مجاہدین شہید ہوئے۔

کیپٹن عبدالستار مجاہدین کے ہم خیال کئی فوجی افسروں کے ساتھ علی کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ آپ کی طرف سے حملہ کی اطلاع کے بعد مجاہدین کے حامی افسروں نے بہت کام کیا۔ حملہ کے بعد کمیونسٹ فوجیوں کے حوصلے پست کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ رات کو بارہ بجے کے بعد ہم نے کمیونسٹ افسروں سے کہا کہ وہ اب یہاں سے چلے جائیں ہم مجاہدین کا مقابلہ کریں گے۔ اس طرح ہم نے انہیں یہاں سے بھگا دیا۔ اس کے بعد دوسرے کمیونسٹ فوجی بھی بھاگ اُٹھے۔

کیپٹن عبدالستار نے بتایا کہ ضیاء کی شہادت کا سن کر یہاں کمیونسٹ فوجیوں نے جشن منایا۔ پوری رات شراب چلتی رہی اور ناچ گانا ہوتا رہا۔ کمیونسٹوں کو میں نے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا جتنا ضیاء کی شہادت پر دیکھا جبکہ مجاہدین کے حامی فوجی پوری رات روتے رہے یا پھر اللہ سے دعائیں مانگتے رہے۔

اتنی بڑی' اس قدر جلد اور غیر متوقع فتح پر مجاہدین بہت خوش تھے۔ مجاہدین نے چھاؤنی کو فتح کرنے کے لئے حملہ نہیں کیا تھا' وہ تو صرف کمیونسٹوں کو ضیاء کی شہادت پر جشن منانے پر سبق سکھانا چاہتے تھے۔

چھاؤنی سے بہت بڑی مقدار میں اسلحہ ہاتھ آیا' اسلحہ میں بڑی توپیں' ٹینک' بکتر بند گاڑیاں' ٹرک اور گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ بھی شامل تھا۔ اسلحہ کے علاوہ کپڑے اور سامان خورد و نوش جو ہاتھ آیا اس کی مقدار بھی بہت زیادہ تھی۔ تیس سے زیادہ تو پٹرول سے بھرے ہوئے آئل ٹینکر بھی ہاتھ آئے۔

مجاہدین رات بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ علی نے چند مجاہدین کو پہرے کی ڈیوٹی سونپی اور باقی کو آرام کرنے کا کہا۔

دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا جب دشمن کے بیس سے زیادہ طیارے نمودار ہوئے اور بارش کی طرح بم برسانے لگے۔ اس سے پہلے کہ مجاہدین محفوظ جگہوں پر چھپ سکتے' سو سے زیادہ مجاہد شہید ہو گئے اور اڑھائی سو سے زیادہ زخمی۔ علی بھی شدید زخمی ہو چکا تھا۔ باقی مجاہدین نے کنکریٹ کے بنے ہوئے زمین دوز مورچوں میں پناہ لی۔

بمباری صبح گیارہ بجے شروع ہوئی اور رات تک بغیر وقفہ کے جاری رہی' اس دوران میں مجاہدین کی طیارہ شکن توپیں بھی مسلسل آگ اگلتی رہیں مگر طیارے بہت اونچائی سے بمباری کر رہے تھے' اس کے باوجود پانچ طیارے مار گرائے گئے۔

بمباری صرف چھاؤنی پر نہیں ہو رہی تھی بلکہ چھاؤنی سے ملحق قصبہ پر بھی ہو رہی تھی۔ شہریوں کا نقصان مجاہدین سے کہیں زیادہ تھا۔ شام تک قصبہ مکمل کھنڈر بن چکا تھا اور محتاط اندازے کے مطابق پانچ سو سے زیادہ عورتیں' بچے اور مرد شہید اور اس سے زیادہ زخمی ہو چکے تھے۔

بہت زیادہ خون بہنے سے علی کی حالت لحہ بہ لحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ علی کو پہلی دفعہ چھاؤنی پر قبضہ کرنے کا افسوس ہوا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود زخمی ہو گیا تھا بلکہ اس لئے کہ اس قبضہ کی وجہ سے انسانی جانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ مزید انسانی جانوں کی قتل و غارت گری روکنے کے لئے علی نے چھاؤنی خالی کرنے کا فیصلہ کیا اور مجاہدین سے کہا کہ اندھیرا پھیلتے ہی واپس مرکز چلیں۔ جانے سے پہلے چھاؤنی کو مکمل طور پر تباہ کر دیں تاکہ دشمن اسے دوبارہ استعمال کے قابل نہ بنا سکے۔

مرکز پہنچتے پہنچتے علی بے ہوش ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر اسے بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ دو دن گزر گئے مگر علی اب بھی بے ہوش تھا۔ مرکز میں مجاہدین بہت پریشان تھے۔ ضیاء کی شہادت کے بعد علی کا اس قدر زخمی ہو جانا مجاہدین کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا۔ ہر مجاہد علی کی جلد صحت یابی کے لئے دعا کر رہا تھا۔ وہ مجاہد جو خود زخمی تھے' وہ بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ ہماری زندگی بھی ہمارے کمانڈر کو لگا دے۔ زبیدہ بھی بہت پریشان تھی اور وہ بھی دن رات دعائیں مانگ رہی تھی۔

عبدالرحمٰن جو اب علی کی جگہ قائم مقام کمانڈر کے فرائض انجام دے رہا تھا' علی کے بستر کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی محمد اسلام درویش' ابوحامد اور کیپٹن عبدالستار بھی بیٹھے تھے۔ سب کے لبوں پر ایک ہی دعا تھی' "یا اللہ علی کو صحت یاب کر دے۔"

علی کو بے ہوش ہوئے یہ چوتھا دن تھا جب چیف کمانڈر اور خلیل یکے بعد دیگرے کمرے میں داخل ہوئے۔

چیف کمانڈر کو جونہی علی کے زخمی ہونے کا پتا چلا وہ فوراً چلا آیا۔ خلیل بھی علی کے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا تھا لیکن علی کو یوں زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔

چیف کمانڈر کو چھاؤنی پر اتنا بڑا حملہ اس کی بغیر اجازت اور مشورہ کے کرنے پر بہت غصہ تھا مگر اس نے اپنے غصہ کا اظہار کرنے کے بجائے مجاہدین کو حوصلہ اور تسلی دیتے ہوئے کہا: "گھبرانے کی کوئی بات نہیں' جنگ میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ دشمن کے نقصان کی طرف دیکھو جو تم سے کئی گنا زیادہ ہے اور جس

چھاؤنی کو قبضہ کے بعد تم نے خالی کیا ہے' اب دشمن وہاں کبھی نہیں آئے گا۔ آپ نے اس چھاؤنی کو فتح کر کے دشمن کی کمر توڑ کے رکھ دی ہے اور صوبائی دارالحکومت کی فتح کو آسان کر دیا ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں جب ہم کابل کا محاصرہ کر کے دشمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں گے۔"

پانچویں دن علی نے آنکھیں کھولیں۔ قریب بیٹھے مجاہدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ علی نے چیف کمانڈر کو دیکھا اور آہستہ آہستہ کہا: "کمانڈر صاحب!.................. میں............ بہت............ شرمندہ............ ہوں............ میری............ وجہ سے............ مجاہدین کا بہت............ نقصان ہوا۔"

"علی بیٹے! میں تو تمہیں اتنی بڑی فتح پر مبارکباد دینے آیا ہوں۔ تمہاری اس فتح نے تو کابل فوج کے حوصلے پست کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اتنی بڑی فتح کے لئے مجاہدین کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔" کمانڈر نے علی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

خلیل جو کچھ دور کھڑا تھا آگے بڑھ کر علی کے پاس چلا آیا اور حال پوچھنے لگا: "علی بھائی جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"خلیل تم کب آئے' اچھا ہوا تم آ گئے۔ میرا دل تمہیں ملنے کو بہت چاہ رہا تھا۔" اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ علی پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

ایک گھنٹے بعد علی نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ مجاہدین کو اشارہ کیا کہ وہ باہر چلے جائیں۔ کمرے میں اب صرف خلیل' عبدالرحمٰن اور چیف کمانڈر صاحب تھے۔

علی نے خلیل سے پوچھا: طاہرہ کیسی ہے اور تم کیسے آئے ہو؟

خلیل: میں تو آپ کے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا تھا۔

علی: کیا؟

خلیل: میں چچا بن گیا ہوں۔

علی: مبارک ہو............ کب چچا بنے............ کیا نام رکھا ہے............ اپنے بھتیجے یا بھتیجی کا۔

خلیل: حسن

علی: بہت اچھا نام ہے۔ واپس جا کر طاہرہ کو میری طرف سے مبارکباد دینا۔

چیف کمانڈر اور عبدالرحمٰن نے بھی علی کو مبارکباد پیش کی۔ علی نے کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کھولیں اور کمانڈر صاحب کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علی: کمانڈر صاحب!............ آپ نے............ مجھے............ بیٹوں کی............ طرح چاہا............ میں زندگی کے

آخری لمحات میں ...... آپ کا ...... شکریہ ...... کس زبان ...... سے ...... ادا کروں۔

کمانڈر: نہیں علی بیٹا، آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ سارے مجاہدین تمہارے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔

علی: کمانڈر صاحب! مجھے وہ منزل ...... اب بہت ...... قریب ...... نظر آ رہی ہے، جس کا مجھے ...... مدتوں سے ...... انتظار تھا ...... میں آپ کی دُنیا ...... میں صرف چند لمحات ...... کا مہمان ہوں ...... میری آپ سے ...... گزارش ہے ...... میرے بعد میرے بھائی عبدالرحمٰن ...... خلیل ...... بہن زبیدہ ...... اور طاہرہ کا ...... خیال رکھنا انہیں تنہا ہونے کا ...... احساس نہ ہونے دینا۔

کچھ دیر کے لئے رکا جیسے باتیں کرتے کرتے تھک گیا ہو، پھر عبدالرحمٰن سے کہا: ''میرے دوست! جب اپنی بہن ...... کے پاس ...... جاؤ تو میری طرف سے ...... اسے سلام کہنا ...... اور اس کا خاص خیال رکھنا ...... اسے تاکید کرنا ...... کہ حسن کی اس طرح تربیت کرے ...... کہ وہ ایک ...... اچھا مجاہد بنے ...... مجھے طاہرہ سے ...... آخری لمحات میں ...... نہ ملنے کا دُکھ ہے ...... مگر مجھے خوشی بھی ہے ...... کہ اللہ نے اسے حسن کی صورت میں ...... ایک بچہ دے ...... دیا ہے ...... جس سے یقیناً ...... اسے اپنے دکھ ...... پر قابو پانے ...... میں مدد ...... ملے گی۔

پھر رکا اور خلیل کی طرف اشارہ کیا۔ خلیل بھی قریب آ گیا۔ علی پہلے ہی رک رک کر بول رہا تھا، اب اس کی آواز بھی بہت مدہم ہو چکی تھی۔ خلیل کو آواز سننے کے لئے اپنے کان اس کے چہرے کے قریب کرنے پڑے۔ اس نے خلیل سے کہا: ''میرے پیارے بھائی! ...... تم جہاد میں ...... شریک ...... ہونا چاہتے تھے نا ...... اب میری طرف سے ...... اجازت ہے ...... میں چاہتا ہوں ...... میرے بعد بھی ...... میرے خاندان کا ...... کوئی نہ کوئی فرد جہاد میں شریک رہے ...... دیکھو خلیل ...... جہاد میں ...... بڑی بڑی ...... مشکلات ...... آئیں گی ...... کبھی ہمت نہ ہارنا ...... ہمیشہ اللہ پر ...... بھروسہ رکھنا ...... کامیابی تمہارے ...... قدم چومے گی۔ ...... اپنی بھابی ...... طاہرہ ...... کا ...... خیال رکھنا ...... عبدالرحمٰن ...... کو ہمیشہ اپنا بڑا ...... بھائی سمجھنا۔''

علی کچھ دیر کو خاموش ہوا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سب سمجھے کہ شاید پھر بے ہوش ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد لب ہلے۔ بہت ہی مدہم آواز سنائی دی۔ یا اللہ مجاہدین کو فتح و نصرت دے ......

اللہ اکبر ...... لا الہ الا اللہ ...... محمد رسول اللہ ...... لب پھر خاموش ہو گئے۔ پورے کمرے میں ایک عجیب و غریب خوشبو پھیل گئی۔ ایسی خوشبو جو آج تک نہ کسی نے دیکھی تھی نہ سونگھی تھی۔ کمرے میں ہر کوئی ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ یہ خوشبو کہاں سے آ گئی ہے۔ خوشبو کمرے کے باہر بھی پھیل چکی تھی اور کمرے کے باہر مجاہدین بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ یہ ان پھولوں کی خوشبو نظر نہیں آتی، یہ تو بہت ہی مسحور کن ہے جو ہم نے ان پہاڑوں میں کہیں نہیں دیکھی۔ ایک مجاہد نے کہا: ''میں خوشبوؤں کا کاروبار کرتا رہا ہوں اور میرے سٹور میں ہر قسم کی خوشبوئیں ہوتی تھیں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خوشبو بالکل نرالی ہے۔''

کمرے میں ڈاکٹر جو علی کا معائنہ کر رہا تھا، اس کے ہاتھ رک گئے اور سب نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لئے۔ عبدالرحمٰن اور خلیل کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ کمانڈر نے دونوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''کیا تم نے یہ خوشبو نہیں سونگھی، شہداء کی روحیں اور فرشتے یہ خوشبو جنت سے لے کر علی کے استقبال کو آئے تھے اور وہ یہ خوشبو اس کی راہوں میں چھڑکتے ہوئے اسے جنت میں لے جا رہے ہیں، تم لوگ آنسوؤں کے بجائے علی کو خوشی سے رخصت کرو اور اس کی راہ پر چلنے کا عہد کرو۔''

علی کی شہادت کی خبر جونہی کمرے کے باہر پہنچی وہاں پھر وہی آہ و بکا شروع ہو گئی جس کو کم کرنے کے لیے علی نے چھاؤنی پر حملے کا فیصلہ کیا تھا۔

علی کی شہادت سے تاریخ جہادِ افغانستان کا ایک باب ختم ہو گیا۔ طاہرہ کو علی کی جدائی کا شدید صدمہ پہنچا مگر اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ حسن کو بھی علی ہی کی طرح کا مجاہد بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ زبیدہ کو طاہرہ کے پاس پاکستان بھیج دیا گیا۔ محمد اسلام کی روسی مسلمان مجاہدین سے رابطہ کی ذمہ داری لگائی گئی۔ اس نے اپنی صلاحیتوں سے روس کے مسلم علاقوں میں بیداری کی لہر پیدا کر دی۔ عبدالرحمٰن نے علی کی جگہ سنبھال لی۔ خلیل کم عمر ہونے کی وجہ سے علی کی طرح کمانڈر تو نہ بن سکا مگر جاسوس بن کر کے جی بی اور خاد کے دفاتر میں وہ تباہی مچائی کہ خاد کے ایجنٹ اس کا نام سن کر کانپنے لگ جاتے۔



طٰہٰ پبلی کیشنز قارئین کی خدمت میں اسلامی' ادبی وسیاسی حوالے سے معتبر کتب پیش کر کے داد وتحسین پا چکا ہے۔ اب ہم جہاد کے موضوع پر نوجوانوں کیلئے ایک اچھوتا ناول لائے ہیں۔ قارئین کا اعتماد ہی ہمارا منافع ہے۔ (ادارہ)

انتساب

اپنے بڑے بھائی محمد سائیں مرحوم کے نام
جو عالمِ جوانی میں عالمِ فانی سے
عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے
اور
اپنی محبتوں کی یادیں آنسوؤں کی صورت میں
ہماری آنکھوں میں چھوڑ گئے

طٰہٰ

اشاعت : اگست 2001ء
اہتمام : محمد کفیل احمد
کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل
قیمت : 90روپے
بیرون ملک : 5 امریکی ڈالر
اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

اسٹاکسٹ: البدر پبلی کیشنز 23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

میں برادر ملک احمد سرور کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اپنے ناول ''پہاڑوں کا بیٹا'' شائع کرنے کا موقع دیا ہے۔ میں نے اس ناول کی شہرت کا تو بہت سنا تھا مگر اس کے پرتجسس، نہایت دلچسپ، ایمان افروز اور ولولہ انگیز ہونے کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ اس ناول کے انتہائی دلچسپ ہونے کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ غلطیاں لگانے کے لئے پڑھتے ہوئے میں اس میں اس طرح کھو گیا کہ بے شمار غلطیاں لگانا ہی بھول گیا۔ میں نے اپنے حساب سے غلطیاں لگا کر دوسرا پروف ملک احمد سرور صاحب کو پڑھنے کے لئے دیا تو ان کا کہنا تھا کہ آپ نے پانچواں حصہ بھی غلطیاں نہیں لگائیں اور یہ سب کچھ ناول کے دلچسپ ہونے کے باعث ہوا۔

مجھے امید ہے کہ نئے قارئین اسے پسند کریں گے اور اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

محمد عفیف طہٰ

(ناشر)



پیغام مجاہد

روسی مداخلت کے بعد افغان عوام جن لا متناہی مصائب کا شکار ہوئے' اس حوالے سے میں پاکستانی دانشوروں' علماء' راہنماؤں اور قوم کے خیر خواہوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ افغانستان میں ہم لوگوں نے بچوں کی تربیت پر توجہ نہ دی' ان کو دین اور جہاد کے بارے میں کچھ بتایا نہ پڑھایا جبکہ روس نواز اور دین دشمن اساتذہ اور سیاسی راہنماؤں نے طلبہ میں لادینیت پھیلانے کے لیے دن رات کام کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانستان میں روسی فوج در آئی' جس کے نتیجہ میں پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد شہید' پانچ لاکھ سے زیادہ اپاہج اور پچاس لاکھ سے زیادہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ افغانستان کے باغات' چراگاہیں' دیہات اور شہر برباد ہو گئے۔ پاکستانی قوم کو ہم سے سبق سیکھنا چاہئے اور اپنے بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے بصورت دیگر ان کا حشر ہم سے مختلف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ملک احمد سرور کا ناول ''پہاڑوں کا بیٹا'' نوجوان طلبہ میں جذبہ جہاد بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ملک احمد سرور پچھلے 9 سال سے جہاد افغانستان پر لکھ رہے ہیں اور وہ متعدد مرتبہ افغانستان میں مجاہدین کے درجنوں محاذ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ سینکڑوں مجاہدین اور کمانڈروں سے مل چکے ہیں۔ میرے علم کے مطابق ''پہاڑوں کا بیٹا'' جہاد افغانستان پر نوجوانوں کے لیے اپنی نوعیت کا واحد ناول ہے' جس میں جہاد کی صحیح عکاسی کی گئی ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پڑھایا جائے۔



الحاج مولوی جلال الدین حقانی

حرفِ تشکر

1990ء میں جب پہلی بار ''پہاڑوں کا بیٹا'' شائع ہوا تو مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ یہ اس قدر مقبولیت حاصل کرے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہر عمر کے افراد نے اسے پسند کیا' مقبوضہ کشمیر اور بھارت میں یہ زیادہ ہی مقبول ہوا' بنگلہ دیش میں یہ ناول بنگالی زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ گزشتہ دس سالوں میں کئی ممالک بالخصوص بھارت اور مقبوضہ کشمیر سے ان گنت خطوط موصول ہوئے ہیں' اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کروں' کم ہے۔ میں خطوط لکھنے والے احباب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے خط لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔ بوجوہ گزشتہ تین چار سال سے یہ ناول بازار میں دستیاب نہ تھا جبکہ طلب موجود تھی۔ میں برادر محمد عفیف طہٰ کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے خصوصی دلچسپی لے کر اس ناول کا تازہ ایڈیشن کمپیوٹر کتابت پر شائع کیا ہے۔ پروف ریڈنگ میں کافی احتیاط برتی گئی ہے' پھر بھی غلطیوں کا امکان موجود ہے' امید ہے کہ قارئین اگر کوئی غلطی پائیں گے تو اس کی نشاندہی کریں گے تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے دور کیا جا سکے۔ آخر میں گزارش ہے کہ قارئین اپنی دعاؤں میں مجھے اور پبلشر کو ضرور یاد رکھیں۔ شکریہ

ملک احمد سرور
18 جولائی 2001ء
فون: 7730166

حرفِ آغاز

27 دسمبر 1979ء کو روس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کے بارے میں اخبارات میں آنے لگا تو میں بھی دوسرے لاکھوں پاکستانیوں کی طرح اسے محض پراپیگنڈہ سمجھتا تھا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ روسیوں کے خلاف جنگ آزادی لڑ کر وطن کو آزاد کرانا ناممکن ہے کیونکہ اس وقت تک فلسطینیوں کی ناکام جدوجہدِ آزادی کی مثال میرے سامنے تھی۔

1982ء میں ڈاکٹر عابد شریف صاحب مجھے اپنے ساتھ افغانستان لے گئے۔ میں محاذِ جنگ پر مجاہدین کے ساتھ تقریباً دو ہفتے رہا۔ اس دوران میں مجاہدین کو قریب سے دیکھنے اور ان کی جدوجہد کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا تو یہ لوگ مجھے عام لوگوں سے منفرد نظر آئے بلکہ یہ کہوں گا کہ مجھے ان کے چہروں میں طارق بن زیاد' خالد بن ولید' محمد بن قاسم' محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی صورتیں نظر آئیں۔ وہ نہتے جس طرح روس کی جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج کا مقابلہ کر رہے تھے' وہ ایک ناقابل یقین حقیقت تھی۔ اگر میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا تو شاید کبھی یقین نہ کرتا۔

1982ء کے بعد میں متعدد مرتبہ افغانستان گیا اور افغان مجاہدین کے ناقابل یقین کارنامے دیکھے اور سنے۔ کئی نوعمر مجاہدوں سے بھی ملا اور ان کے کارنامے سنے۔ 1986ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طالب علم اور میرے دوست زبیر خان بابر شہید نے مجھے اسلامی جمعیت طلبہ کے رسالے ''پیغام ڈائجسٹ'' کے لیے جہادِ افغانستان پر کہانی لکھنے کے لیے کہا۔ وہ ان دنوں ''پیغام ڈائجسٹ'' کے مدیر تھے۔ یہ کہانی انہی کے اصرار پر شروع کی۔ شروع میں یہ بہت مختصر کہانی تھی اور ''پراسرار دھاکے'' کے نام سے ''پیغام ڈائجسٹ'' میں شائع ہوئی۔ افغان مجاہدین کی بیمثال قربانیوں اور جرأت وہمت پر مبنی واقعات بہت بڑی تعداد میں میرے پاس جمع تھے۔ دوستوں کے اصرار پر ان تمام واقعات کو نوجوان طلبہ کے لیے ایک ناول کی صورت میں مرتب کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں

''پہاڑوں کا بیٹا'' کے نام سے جو ناول مرتب ہوا اور اردو زبان کے مختلف جرائد میں قسط وار شائع ہوا' وہ کتابی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اس ناول کے کچھ حصے ایک عربی مجلہ بھی ترجمہ کر کے شائع کر چکا ہے۔

میں کوئی ادیب نہیں ہوں' اس لیے غلطیوں کا امکان ہے' اگر کسی جگہ آپ کوئی غلطی پائیں تو آگاہ کیجئے تاکہ اسے دُور کیا جا سکے۔ ناول پسند آئے تو میرے لیے ہدایت اور مجاہدین اسلام کے لیے کامیابی کی دعا کیجئے گا۔

آخر میں' میں ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ کہانی لکھنے پر مجھے اُکسایا' ان میں مرحوم زبیر خان بابر شہید' ڈاکٹر احسان اللہ خان ترین' ظہور الدین بٹ' ڈاکٹر ابوالحسن (جھنگ)' ڈاکٹر احمد سعید (فیصل آباد) اور دوسرے دوست شامل ہیں۔ میں کمانڈر اور مجاہد خان ولی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے جہادِ افغانستان کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات فراہم کیں۔

ملک احمد سرور

مکان نمبر 5' گلی نمبر 20 راشد روڈ

چودھری پارک بلال گنج لاہور' 54000

12 اپریل 1990ء

ضروری نوٹ

ناول میں جہاں جہاں بھی لفظ ''روس'' آیا ہے اس سے مراد سابق ''سویت یونین'' ہے اور روسی مسلمانوں سے مراد وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں اور شمالی قفقاز کے مسلمان ہیں۔ ترکستان سے مراد وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر مشتمل علاقہ ہے۔



یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جو سرسبز درختوں سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کی پشت پر فلک بوس پہاڑ تھے۔ ان پہاڑوں کو بھی درختوں کے سبز رنگ نے پوری طرح سبز بنایا ہوا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک بستی کے کھنڈرات تھے اور بستی کے شمال کی طرف ایک پہاڑی نالہ بہتا تھا۔ پہاڑی کے سامنے دور دور تک لمبے لمبے درختوں کا جنگل تھا اور اس کے پار وسیع و عریض میدان تھا۔ دور سے دیکھنے پر پہاڑی پہاڑوں سے الگ معلوم نہیں ہوتی تھی۔ پہاڑوں پر جگہ جگہ زرخیز زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات تھے جن میں کبھی یہاں کے رہنے والے جوار اور مکئی بویا کرتے تھے۔ پہاڑی کی پشت پر مجاہدین کے کوہ دوز غار نما مورچوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑی کے ایک طرف درختوں کے ایک جھنڈ میں طیارہ شکن توپ نصب تھی۔ اس توپ کو مجاہدین دوشکا کا نام دیتے تھے۔ اس توپ پر ایک نوعمر مجاہد مورچہ۔ اس کا نام علی خان تھا۔ اس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ ایک ماہ قبل ہی اس نے اس طیارہ شکن توپ سے دشمن کا ایک طیارہ مار گرایا تھا۔ علی دوشکا کے علاوہ راکٹ لانچر چلانے کا بھی ماہر تھا۔

آج سے چند سال پہلے جب اس کا ملک افغانستان آزاد تھا تو علی خان اپنے والدین اور ایک چھوٹی بہن صائمہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا گھر بہت خوبصورت تھا۔ مکان کے سامنے کافی بڑا صحن تھا۔ صحن میں انگور اور انار کے پودے لگے ہوئے تھے اور صحن کی چار دیواری کو سپیدار کے ہرے ہرے' لمبے لمبے درخت گھیرے ہوئے تھے۔ گاؤں سے تھوڑی دور ان کی زمین تھی۔ زمین پہاڑ کے دامن میں واقع تھی اور قریب ہی سے پہاڑی نالہ گزرتا تھا۔ زمین کے ایک حصہ پر اناروں اور شہتوت کا باغ تھا۔ باقی حصہ پر علی کا والد گندم اور مکئی اُگایا کرتا تھا۔ زمین کے ایک طرف پہاڑ کے دامن میں پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے کھیتی باڑی کے لیے پانی استعمال کیا جاتا تھا۔

علی سکول میں پڑھتا تھا۔ جب سکول سے واپس آتا تو کھیتوں میں اپنے والد کے ساتھ کام کرتا اور گرمیوں میں وہ شہتوت کے درختوں کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر سکول کا کام کرتا۔ گاؤں سے جب اُس کا کوئی دوست آ جاتا تو اسے وہ شہتوت یا پھر انار ضرور کھلاتا لیکن سب سے زیادہ خوش وہ کس وقت ہوتا جب گرمیوں میں بارش ہوتی اور پہاڑی نالے میں پانی بھر جاتا تو پھر وہ نالے میں اپنے

دوستوں کے ساتھ گھنٹوں نہاتا رہتا۔

صائمہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس لئے سب اس سے بہت پیار کرتے۔ جب وہ طرح طرح کی شرارتیں کرتی تو سب اس کی شرارتوں سے خوش ہوتے۔ علی کی ایک پھوپھی بھی تھی جو اُن کے گاؤں سے بہت دور رہتی تھی۔ ایک دن صبح ہی صبح اس کی پھوپھی ان کے گھر آ پہنچی تو اسے دیکھ کر سب ہی حیران اور پریشان ہو گئے۔ اس کے ساتھ اس کا سات سالہ بیٹا خلیل تھا اور ایک بکری اور بکری کا چھوٹا سا خوبصورت بچہ۔

علی کی پھوپھی نے علی کے ابو کو دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ علی کے ابو نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور پوچھا کہ بہن تیرے ساتھ کیا ظلم ہوا کہ تو روئے جا رہی ہے' کیا خلیل کے باپ نے تجھے مارا ہے یا تجھے گھر سے نکال دیا ہے؟ علی کی پھوپھی نے بتایا کہ نہیں بھائی! نہ تو مجھے خلیل کے ابا نے مارا ہے نہ گھر سے نکالا ہے۔ میرے ساتھ جو ظلم ہوا وہ ظالم روسیوں نے کیا ہے۔ یہ کہتے ہی ایک دفعہ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

علی کا باپ جانتا تھا کہ جب سے روسیوں نے اس کے ملک پر قبضہ کیا ہے' افغانستان کا ہر فرد وحشی روسیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہے اور ہر فرد کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ جس گاؤں میں بھی روسی فوجی داخل ہوتے ہیں اس گاؤں کے مردوں' عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے ہیں' مسجدوں کو شہ اور گاؤں کے مکانوں کو آگ لگا دیتے ہیں۔

علی کی پھوپھی نے روتے ہوئے بتایا کہ پچھلے ہفتے روسیوں نے ہمارے گاؤں پر حملہ کیا۔ ٹینکو اور بکتر بند گاڑیوں سے گاؤں کا محاصرہ کر لیا اور روسی فوجی گھر گھر تلاشی لینے لگے۔ کلاشنکوف رائفلو سے مسلح کئی روسی فوجی ہمارے گھر بھی گھس آئے۔ تلاشی کے دوران میں گھر کی کئی قیمتی چیزیں انہو نے اپنی جیبوں میں رکھ لیں اور پھر ایک روسی درندہ میری طرف بڑھا۔ میرے گلے میں پہنا ہ چاندی کا ہار اُتارنے لگا۔ میں نے اسے دھکا دے کر پرے پھینک دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرایا اور پ کلاشنکوف سے مجھ پر گولی چلانے لگا تو خلیل کے باپ نے جھپٹ کر اُس سے رائفل چھین لی اور اُ قتل کر دیا۔ اتنے میں دوسرے روسی فوجیوں نے اپنی گولیوں سے خلیل کے ابو کو چھلنی کر دیا اور خلیل کا بھائی بھی ان کی گولیوں سے شہید ہو گیا۔ میں خلیل کو لے کر بڑی مشکل سے بچ نکلنے میں کامیا ہوئی۔ روسیوں کی کئی گولیاں میرے کانوں کے پاس سے گزریں لیکن ہماری زندگی باقی تھی' اس۔ بچ گئے۔ بڑی مصیبتوں کے بعد یہاں پہنچی ہوں۔ اگر یہ بکری نہ ہوتی تو شاید سفر کے دوران میں بھوک سے مر جاتے۔ اتفاق سے گولیوں کے شور سے ڈر کر یہ بکری بھی گاؤں سے ہمارے پیچھے بھاگ

آئی اور سفر کے دوران میں جب بھوک لگتی تو بکری کا دودھ دوہ کر پی لیتے۔

خلیل کی امی پر ہونے والے ظلم کو سن کر سب کو بہت دُکھ ہوا۔ علی کے ابو نے خلیل کی امی کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''میری بہادر بہن! صبر کر' اس ملک کی کتنی عورتیں ہیں جن کے خاوندوں اور بچوں کو روسیوں نے شہید نہیں کیا۔ سارا افغانستان رو رہا ہے مگر روسی بہت ظالم ہیں۔ انہوں نے روس کے اندر بھی لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور مسجدوں کو شراب خانوں اور ناچ گھروں میں بدل ڈالا۔ قرآن مجید اور اسلامی کتابیں جلا دیں اور اب روسی فوج یہی کچھ ہمارے وطن میں کر رہی ہے۔''

روسی فوج کے ظلم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر علی کے گاؤں میں ابھی روسی فوج داخل نہیں ہوئی تھی لیکن دوسرے صوبوں میں جو ظلم ہو رہا تھا اس کی بازگشت علی کے گاؤں میں بھی سنی جا رہی تھی۔ علی کا باپ اپنی بہن کے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ صائمہ جو بہت چھوٹی تھی ان پریشانیوں سے آزاد بکری کے بچے کے ساتھ سارا سارا دن کھیلتی رہتی۔ خلیل بھی صائمہ کے ساتھ ہوتا۔

وہ دونوں بکری اور اس کے بچے کو چرانے پہاڑوں پر لے جاتے۔ خلیل اور صائمہ جلد ہی آپس میں گھل مل گئے۔ وہ کبھی باغ میں چلے جاتے اور کبھی پہاڑی نالے پر پتھروں سے گھروندے بناتے رہتے۔ کبھی آپس میں لڑ بھی پڑتے مگر جلد ہی صلح کر لیتے۔ دونوں کی پیاری پیاری شرارتوں کو دیکھ کر سب گھر والے خوش ہوتے اور خلیل کی امی آہستہ آہستہ اپنا غم بھولنے لگی' مگر ہر نماز کے بعد اپنے وطن کی آزادی کے لیے دعا ضرور کرتی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ خلیل اور صائمہ دونوں گھر روتے ہوئے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بکری کا بچہ تھا جس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ صائمہ اور خلیل کے کپڑے خون سے سرخ ہو چکے تھے اور بکری کا بچہ مر چکا تھا۔ اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور بکری ان دونوں کے پیچھے چیختی چلاتی آ رہی تھی۔ وہ کبھی اِدھر بھاگتی کبھی اُدھر اور کبھی اپنے بچے کو دیکھتی۔ اس بے زبان کی آنکھوں میں آنسو آئے ہوئے تھے۔ اگر وہ بول سکتی تو ضرور پوچھتی کہ میرے بچے کو کس نے قتل کیا ہے' اس کا کیا قصور تھا؟ وہ اپنی آنکھوں سے کبھی صائمہ اور کبھی خلیل کی طرف دیکھتی جیسے پوچھ رہی ہو کہ صائمہ اور خلیل تو میرے بچے سے بہت پیار کرتے تھے' پھر انہوں نے میرے بچے کو کیوں قتل ہونے دیا۔ صائمہ اور خلیل روئے جا رہے تھے۔ انہیں بکری کے بچے سے بہت پیار تھا۔

خلیل کی امی نے خلیل کو چپ کراتے ہوئے پوچھا کہ بیٹا اسے کس نے مارا ہے تو صائمہ بول پڑی: ''پھوپھی جان! یہ پہاڑ پر ہم سے دور جا کر چر رہا تھا۔ میں اور خلیل بھائی کھیل رہے تھے کہ ایک

دھماکہ ہوا۔ ہم دونوں ڈر گئے۔ بکری بھاگ کر ہمارے پاس آ گئی۔ جس جگہ دھماکہ ہوا وہاں بہت زیادہ گرد اڑی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں اور خلیل وہاں پہنچے تو بکری کا بچہ خون میں تڑپ رہا تھا۔ ہمیں یہ پتا نہیں کس نے قتل کیا۔ ہمیں تو وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔''

سب گھر والے پریشان تھے کہ آخر بکری کا بچہ کس طرح قتل ہوا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بکری کے بچے کو دفنا دیا گیا۔ جب بچہ دفنایا جا رہا تھا تو صائمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی امی نے اسے چپ کرانا چاہا تو صائمہ نے کہا:

''امی! اب میں کس کے ساتھ کھیلوں گی؟''

اُس کی امی نے کہا: ''بیٹی! میں تجھے اور بکری کا بچہ خرید کر لا دوں گی۔''

خلیل جو ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اُس نے کہا: ''مگر ممانی جان! یہ بکری اپنے بچے کے بغیر کیسے رہے گی۔'' یہ سن کر صائمہ کی امی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

علی پاس ہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ وہ اس وقت پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ بڑا ذہین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دھماکہ کس چیز سے ہوا۔ ابھی تو روسی بھی اس گاؤں تک نہیں آئے تھے اور کوئی جنگی جہاز بھی اُڑتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی بہت سوال پوچھے مگر اس کا باپ بھی کوئی جواب نہ دے سکا۔

گھر میں سب پریشان بیٹھے ہوئے تھے کہ گلی میں شور اُٹھا' علی اور اُس کا باپ اُٹھ کر باہر آئے۔ دیکھا کہ کچھ لوگ گاؤں کے ایک نوجوان آدمی کو اُٹھائے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ اُس آدمی کے ماتھے اور ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ علی اور اُس کا باپ بھی اُس آدمی کے گھر پہنچے۔

تھوڑی دیر بعد اس آدمی کو ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ وہ کھیتوں سے گاؤں کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ایک خوبصورت گھڑی دیکھی۔ اس نے اسے جونہی جھک کر اٹھایا' ایک دھماکہ ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

علی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی تین انگلیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھڑی اُٹھانے سے دھماکہ کیسے ہو گیا۔ وہاں پر موجود افراد اُس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے مگر وہ ایک ہی جواب دے رہا تھا کہ بھائی! میں نے تو گھڑی ہی اٹھائی تھی۔ اُس کی بات پر کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

ایک بوڑھے نے کہا کہ میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ گھڑی اٹھانے سے دھماکہ ہو جاتا۔ ضرور کسی سے لڑ کر آیا ہے۔

دوسرے نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر گھڑی اٹھانے سے دھماکے ہوتے تو بھلا لوگ گھڑیاں کیوں پہنتے۔

یہی باتیں کرتے لوگ وہاں سے اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ علی اور اس کا باپ بھی گھر واپس آ گئے۔ علی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو! کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے' اس آدمی کا ہاتھ بھی دھماکے سے زخمی ہوا اور ہماری بکری کا بچہ بھی دھماکے سے ہلاک ہوا' ہمیں اس پر سوچنا چاہئے کہ یہ دھماکے کیسے ہوتے ہیں۔

علی کے باپ نے اُسے سمجھایا کہ بیٹا جو بات بڑوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی' وہ تمہارے سوچنے سے تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گی' اس لیے آرام سے جا کر سو جاؤ۔

سونے سے پہلے بڑی دیر تک علی ان دھماکوں پر غور کرتا رہا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ صائمہ اور خلیل بکری کے بچے کے ہلاک ہونے سے کافی اداس تھے اور صائمہ نے رات کو کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ رات گئے تک اپنی امی سے بکری کے بچے کا ذکر کرتی رہی اور ذکر کرتے کرتے ہی سو گئی۔ صبح اٹھ کر صائمہ کی امی نے دیکھا کہ بکری نے بھی رات کو کچھ نہیں کھایا تھا اور چارہ اس کے سامنے ویسے ہی پڑا تھا۔

دوسرے دن صبح کے وقت علی اپنے کھیتوں سے ہو کر ویسے ہی پہاڑ پر چڑھا تو اُس نے دیکھا کہ کچھ دور ایک آدمی زمین پر لیٹا ہوا ہے۔ جب قریب جا کر دیکھا تو وہ اس کا دوست احمد گل تھا۔ وہ بے ہوش تھا اور اس کے ایک بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پورا ہاتھ بازو سے الگ ہو چکا تھا۔ اُس نے اس کے بازو پر پٹی باندھی اور اُسے اُٹھا کر اپنے باغ میں لے آیا۔

اتنے میں اس کا باپ بھی وہاں پہنچ گیا۔ علی نے اسے ساری بات بتائی۔ تھوڑی دیر بعد علی اور اس کے باپ کی کوششوں سے احمد گل ہوش میں آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ پہاڑ پر سیر کرنے آیا تھا کہ اُس نے ایک قلم دیکھا' جونہی اُس نے قلم اُٹھایا' دھماکہ ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

اسی دن دوپہر کے وقت صائمہ اور خلیل گھر سے نکلے اور دونوں پہاڑ پر اُسی جگہ کھیلنے کے لیے آ گئے جہاں بکری کا بچہ ہلاک ہوا تھا۔

وہ بڑی دیر تک اس جگہ کو دیکھتے رہے کہ صائمہ کی نظر چند گز دور ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ وہ ایک بہت ہی خوبصورت گڑیا تھی۔ اس نے خلیل کو بھی بتایا اور پکڑنے کے لئے گڑیا کی طرف دوڑی۔ جونہی اُس نے گڑیا کو اُٹھایا ایک زبردست دھماکہ ہوا اور صائمہ شدید زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئی۔

خلیل گھبرا گیا اور چیختا ہوا گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ جب صائمہ کا ابو پہاڑ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ صائمہ کا ایک بازو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرا پڑا تھا۔ چہرے اور گردن پر بھی گہرے زخم آئے تھے اور

بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر گھر لایا تو گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔

کئی دنوں بعد علی اور اس کا باپ زخمی صائمہ کو لئے برف پوش پہاڑوں اور خطرناک جنگلات سے گزرتے اور روسی فوجیوں سے چھپتے ہوئے مجاہدین کے ایک اڈے پر پہنچے۔ مجاہدین نے صائمہ کو ایک گاڑی میں سوار کیا اور فوراً ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر نے صائمہ کے زخموں کو دیکھنے کے بعد مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ بچی کو فوراً ہسپتال لے آتے تو بچانا آسان تھا' پھر بھی ہم پوری کوشش کرتے ہیں' شاید بچ جائے۔

تین دن بعد صائمہ کو ہوش آیا۔ اپنے بھائی اور باپ کو دیکھا۔ علی نے جب صائمہ کو آنکھیں کھولتے دیکھا تو بہت خوش ہوا اور بازار سے صائمہ کے لئے جو کھلونے خرید کر لایا تھا وہ صائمہ کے سامنے رکھے' ان میں ایک پلاسٹک کی گڑیا بھی تھی۔ گڑیا صائمہ کا پسندیدہ کھلونا تھا لیکن اب یونہی اس نے گڑیا کو دیکھا وہ چیخ مار کر دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ ڈاکٹر چیخ سن کر دوڑا آیا۔ اس نے آکر بہت کوشش کی کہ صائمہ ہوش میں آجائے مگر تمام کوششیں بیکار گئیں اور چند گھنٹوں بعد جب ڈاکٹر نے بتایا کہ صائمہ کی روح جنت شہدا کی طرف پرواز کر گئی ہے تو علی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ جب علی اور اس کا باپ کچھ سنبھلے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ بکری کا بچہ اور صائمہ دونوں بارودی کھلونوں جنہیں کھلونا بم بھی کہتے ہیں' سے شہید ہوئے ہیں۔ یہ بہت ہی خطرناک ہتھیار ہے جو روس' افغان قوم کی نئی نسل کو قتل کرنے یا پھر اپاہج بنانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی ہمارے پاس بہت سے بچے ان کھلونوں سے زخمی ہو کر آئے ہیں۔ زخمیوں میں سے کچھ بچے تو شہید ہو جاتے ہیں اور جو بچتے ہیں ان میں سے اکثر کے ہاتھ یا پاؤں ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ بارودی کھلونے روسی مختلف طریقوں سے عام گزرگاہوں اور پہاڑوں پر رات کو پھینک دیتے ہیں۔ ان میں اتنا بارود بھرا ہوتا ہے کہ اس کے پھٹنے سے ہاتھ یا پاؤں یا جسم کا کوئی دوسرا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ان کھلونوں سے بچے موقع پر ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ ان خوبصورت بارودی کھلونوں کو بچے جب اٹھاتے ہیں تو وہ دھماکے سے پھٹ پڑتے ہیں۔ روس کا یہ منصوبہ انتہائی سفاکانہ ہے۔ روس اس طرح سے جہاں افغان قوم کی نئی نسل کو اپاہج بنانا چاہتا ہے' وہ وہاں نئی نسل کو اس ظلم سے دہشت زدہ بھی کرنا چاہتا ہے تاکہ بڑی ہو کر یہ نسل روس کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے اور روس افغان قوم کو آسانی سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لے اور پھر دوسری مسلمان ریاستوں کو غلام بنانے کے لیے قدم آگے بڑھا سکے۔

علی یہ سب کچھ سن رہا تھا اور اس کا ذہن انتقامی جذبے سے بھرتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن و قلب میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ روسیوں سے اپنی پیاری بہن صائمہ کے خون کا بدلہ خون سے لے گا۔

جب وہ صائمہ کی لاش لے کر واپس جا رہے تھے تو راستے میں اس نے اپنے باپ سے پوچھا: "ابو! یہ روسی افغانوں کو قتل کیوں کر رہے ہیں؟" "ہم افغان اللہ اور اس کے رسول کا نام لیتے ہیں اور یہی ہمارا جرم ہے۔" علی کے باپ نے جواب دیا۔

علی نے پھر پوچھا کہ ابو! یہ روسی اللہ اور اس کے رسولؐ کے کیوں دشمن ہیں' اللہ نے تو ہم سب کو پیدا کیا' ہمارے لیے طرح طرح کے پھل اُگائے اور اللہ کے رسولؐ تو بہت ہی اچھے انسان تھے۔ وہ تو کافروں کے بچوں سے بھی پیار کرتے تھے۔ ان کے مخالف بیمار ہوتے تو ان کی تیمارداری کو جاتے۔ ان کی صحت کی دعا کرتے اور جب اللہ کے رسول نے مکہ فتح کر لیا تو اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا انہوں نے آپ پر بہت ظلم کیے تھے۔

علی کی یہ باتیں سن کر علی کے باپ نے کہا: "بیٹا! روسی شیطان کو مانتے ہیں اور شیطان اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے۔ روسیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کوئی وجود نہیں اور انسان' حیوان اور نباتات سب کچھ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اس لیے ظلم کرتے ہوئے بالکل نہیں ڈرتے کہ اس ظلم کا جواب انہیں آخرت میں دینا پڑے گا۔ اور بیٹا جو قوم بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتی وہ انتہائی ظالم قوم بن جاتی ہے۔"

جب وہ گاؤں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ گاؤں کے کئی اور بچے بھی ان بارودی کھلونوں سے شہید ہو گئے ہیں اور بیشمار زخمی۔ صائمہ کی امی اور پھوپھی صائمہ کی لاش دیکھ کر بہت روئیں۔ جب وہ رو رہی تھیں تو علی نے کہا: "امی! آنسو پونچھ لیں۔ میں اپنی بہن کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے ایک ایک روسی کو قتل کروں گا اور خدا کے ان دشمنوں کو بتا دوں گا کہ جو قوم خدا کو نہیں مانتی جتنی بھی طاقتور کیوں نہ ہو بالآخر تباہی اس کا مقدر بنتی ہے۔"

اس قدر بچوں کے شہید اور زخمی ہونے کی وجہ سے پورے گاؤں پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ والدین نے اپنے بچوں کو گھروں سے باہر جانے سے روک دیا تھا اور کئی گھرانے تو پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ علی بظاہر خاموش اور اداس نظر آ رہا تھا مگر انتقام کے شعلے اس کے دل میں تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ رات کو خوابوں میں اکثر اسے اپنی بہن صائمہ زخمی حالت میں تڑپتی نظر آتی۔ اس نے کئی دفعہ اپنے باپ سے اجازت مانگی تھی کہ اسے مجاہدین کے پاس جانے دے مگر اس کا باپ ہمیشہ کہتا کہ بیٹا تم ابھی چھوٹے ہو ابھی تم بندوق نہیں اٹھا سکتے۔ وہ جب اپنی ماں کو روتے دیکھتا تو خود بھی رونے لگتا۔ خلیل بھی اب پہاڑ پر کبھی کھیلنے نہیں گیا تھا اور وہ سارا دن اپنی امی کے پاس اداس بیٹھا رہتا۔ بکری نے صائمہ اور اپنے بچے کا غم زیادہ ہی محسوس کیا اور ایک دن صبح کو وہ مردہ پائی گئی۔ ❁❁❁



ایک دن صبح کے وقت وہ سب گھر کے صحن میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ انہیں جہاز کی آواز سنائی دی اور پھر انہوں نے بم گرنے اور دھماکوں کی آوازیں سنیں۔ ابھی وہ محفوظ جگہ جا کر چھ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک بم ان کے گھر پر گرا اور بم کے پھٹتے ہی علی کی امی اور پھوپھی فوراً ش ہو گئیں۔ علی اور اس کا باپ بھی زخمی ہو گئے۔ مکان کا بہت زیادہ حصہ گر چکا تھا۔ علی کے زخم تو معم تھے مگر اس کے باپ کو گہرے زخم آئے تھے۔

علی کے باپ نے علی سے کہا: ''بیٹا تم نے کئی دفعہ مجھ سے مجاہدین کے پاس جانے کی اجاز مانگی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں اجازت دے دوں۔ خلیل کو ساتھ لے کر فوراً یہاں روانہ ہو جاؤ۔''

علی نے باپ کے جسم سے بہتا ہوا خون دیکھا تو اس نے کہا: ''ابو! آپ بہت زخمی ہیں، م آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

علی کے باپ نے کہا: ''علی! تم میری فکر نہ کرو، میں زندہ بچ گیا تو میں بھی تمہارے پاس چلا آؤ گا۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ دشمن کے ٹینک اور توپیں بہت جلد گاؤں کو محاصرے میں لے لیں گی کیونکہ دشمن کا طریقۂ واردات یہی ہے کہ پہلے ہوائی حملہ کر کے تباہی مچاتا ہے اور پھر ٹینکوں سے محاصرہ کر لی ہے۔ بیٹا! ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے ہوئے مریں گے، مگر تم ابھی بچے ہو۔ نے بڑے ہو کر وطن کی آزادی کی جنگ لڑنا ہے اور اگر دشمن نے تمہیں پکڑ لیا تو پھر وہ تمہیں زن نہیں چھوڑے گا، اس لیے تم میرا حکم مانو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ اور ہاں! عام راستے سے نہ جانا، اد دشمن کی فوج آ رہی ہو گی۔ پہاڑ کی پچھلی طرف سے جانا۔ بارودی کھلونوں اور بارودی سرنگوں سے اپ آپ کو بچا کر چلنا۔ اپنے چھوٹے بھائی خلیل کا خیال رکھنا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔''

پھر اس نے علی کو ایک تھیلی دی اور کہا: اس میں کچھ پیسے ہیں، تمہارے کام آئیں گے۔ اس کے بعد اس کے باپ نے علی کی پیشانی کو چوما اور کہا: ''بیٹا! اسلام کے پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھنا اور اللہ کے حضور مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ خدا کرے سب افغان بچے افغانستان کا پرچم بلند کریں۔ ہماری فکر نہ کرنا۔

ہم دشمن کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔''

علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے اپنے رومال کو پھاڑا اور اپنے باپ کے زخموں پر پٹی باندھنے لگا۔ پٹی باندھنے کے بعد اٹھا۔ اپنی شہید ماں اور پھوپھی کو دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو اور دل میں انتقام کے شعلوں کیساتھ پچھلی طرف سے گھر سے باہر نکل گیا۔ چھپتا ہوا وہ خلیل کو ساتھ لیے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں اسے ہوائی حملے کے علاوہ کسی چیز کا خطرہ نہ تھا۔

وہ دونوں ایک جھاڑی میں چھپ گئے اور اپنے گاؤں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ کچھ گھروں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ گاؤں کا زیادہ تر حصہ ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ انہوں نے کئی عورتوں اور بچوں کو گاؤں سے نکلتے دیکھا جو محفوظ پناہ گاہوں کی تلاش میں گاؤں سے ہجرت کر کے جا رہے تھے۔

ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ انہوں نے دشمن کی گاڑیاں گاؤں کی طرف آتے دیکھیں، دیکھتے ہی دیکھتے دشمن نے گاؤں کو محاصرہ میں لے لیا۔ پھر توپوں سے گاؤں پر گولے برسائے جانے لگے۔ جب دشمن کو یقین ہو گیا کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے گاؤں میں کوئی زندہ نہیں بچا تو دشمن کے فوجی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ کلاشنکوفوں سے مسلح وہ گاؤں کی طرف بڑھنے لگے کہ یکلخت سامنے سے گولیاں برسنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے بیسیوں فوجیوں کی لاشیں زمین پر تڑپنے لگیں۔ دشمن ہوشیار ہو گیا اور ایک بار پھر توپوں سے گولہ باری شروع کر دی اور دشمن کے فوجی چھپ چھپ کر آگے بڑھنے لگے۔ علی کو بہت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ورنہ وہ یہاں سے کئی فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ جب دشمن کی لاش زمین پر گرتی تو اسے بہت خوشی ہوتی۔

پھر اچانک گاؤں کی طرف سے گولیاں چلنا بند ہو گئیں اور اس نے دیکھا کہ دشمن کے فوجی گاؤں میں داخل ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ کئی عورتوں، مردوں اور بچوں کو دشمن کے فوجی گاؤں سے باہر کھلے میدان میں لے آئے۔ پھر سب کو انہوں نے گولیوں سے شہید کر ڈالا۔ گاؤں کو آگ لگا دی۔

علی کا دل تڑپ اٹھا اور خلیل یہ سب کچھ دیکھ کر بہت ہی زیادہ سہم گیا۔ علی کو اب یقین ہو گیا کہ اس کا باپ بھی شہید ہو گیا ہے۔

وہ روتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھا اور خلیل کو ساتھ لیے پہاڑ کی دوسری طرف نیچے اتر گیا۔

وہ دونوں مسلسل شام تک چلتے رہے اور رات کو ایک محفوظ جگہ ڈھونڈ کر آرام کے لیے لیٹ گئے۔ دونوں بہت خوفزدہ تھے۔ اتنی کم عمری میں اتنا خوفناک سفر کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ نہ دشمن کے ٹھکانوں کا علم اور نہ اپنے دوستوں کا پتا کہ کہاں ملیں گے۔ سارا دن سفر کر کے تھکے ہوئے تھے، اس لیے

جلد ہی نیند آ گئی مگر رات بھر علی ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا۔ دونوں صبح اُٹھے اور پھر چل پڑے۔ وہ ایک ایک قدم محتاط ہو کر اٹھا رہے تھے۔ اگر کہیں دور سے بھی کوئی انسان نظر آ جاتا تو وہ راستہ بدل لیتے کہ کہیں یہ دشمن کے سپاہی نہ ہوں۔

ایک جگہ انہیں پانی کا چشمہ نظر آیا تو وہاں بیٹھ کر انہوں نے گھر سے نانوں کے جو خشک ٹکڑے لیے تھے وہ پانی میں بھگو کر کھائے پانی پیا اور پھر چل پڑے۔

خلیل جہاں تھک جاتا علی اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا اور اگر دشمن کا جہاز نظر آ جاتا تو فوراً کسی جھاڑی کے نیچے یا پھر پتھروں کی اوٹ میں چھپ جاتے۔ اسی طرح مسلسل وہ تین دن تک سفر کرتے رہے۔ دونوں کے پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ ان سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو چکا تھا۔ خلیل کی بھوک سے بہت بری حالت تھی اور بار بار علی سے کہہ رہا تھا کہ بھائی جان مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ اور علی اسے تسلی دے دیتا کہ تھوڑی دور آگے جا کر کھانے کو کچھ مل جائے گا۔ خود اس کا اپنا حال بھی بھوک سے بہت برا تھا۔ دونوں سے چلا نہیں جا رہا تھا مگر چل رہے تھے۔

موسم کافی گرم تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مغرب سے سیاہ گھٹائیں اٹھیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ بجلی چمک رہی تھی اور اس کی کڑک سے پہاڑ لرز رہے تھے۔ بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ خلیل اس طوفان سے زیادہ ہی ڈر گیا تھا۔ اس لیے وہ رونے لگا۔ علی نے اسے اٹھا لیا مگر ہوا اس قدر تیز تھی کہ ان سے ایک قدم بھی نہیں چلا جا رہا تھا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ژالہ باری شروع ہو گئی۔ پہاڑ پر چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اولے ان کے سروں پر پڑ رہے تھے۔ خلیل کو اولوں سے بچانے کے لیے علی نے اپنی چادر خلیل کے سر پر لپیٹ دی تھی۔ اولے بہت بڑے بڑے تھے۔ جب علی کے سر پر پڑتے تو علی کو بہت درد ہوتا۔

اولوں سے بچنے کے لیے وہ ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھ گئے۔ ژالہ باری تو تھوڑی دیر بعد رک گئی مگر بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پہلے گرمی سے برا حال تھا اور اب خلیل سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ شام کو جب بارش تھمی تو پہاڑی نالہ پانی سے بھر چکا تھا اور اس میں سے گزرنے والے پانی کا شور دور دور تک سنائی دے رہا تھا۔ اتنے تیز اور زیادہ پانی میں وہ نالہ عبور نہیں کر سکتے تھے۔ خلیل کو بخار ہو گیا تھا اور بخار آہستہ آہستہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ ایک طرف بھوک اور دوسری طرف بخار سے خلیل تڑپ رہا تھا۔

علی سے خلیل کی یہ حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔ اس نے خلیل سے کہا کہ اگر تم یہاں اکیلے رہ سکو تو میں نالہ تیر کر پار کر کے دوسری طرف جاتا ہوں تاکہ اگر کھانے کو کچھ مل سکے تو تمہارے لیے لے آؤں مگر خلیل نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔ علی بہت پریشان تھا۔ وہ خدا سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ!

ہماری مدد کر اور پہاڑی نالے کا پانی جلد اتار دے تاکہ ہم اسے عبور کر سکیں۔

اللہ ہمیشہ معصوم بچوں کی دعا سنتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں علی نے محسوس کیا کہ جیسے قریب سے کچھ آدمی گزر رہے ہوں۔ پہلے تو وہ ڈر گیا لیکن خلیل کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ خواہ یہ آدمی دشمن کے ہی کیوں نہ ہوں میں ان سے مدد ضرور لوں گا۔

وہ آوازیں دیتا ہوا اس طرف دوڑ پڑا جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ علی کی آوازیں سن کر وہ آدمی رک گئے۔ علی جب ان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ سات آدمی تھے اور سب کے سب مسلح تھے۔ اس نے بغیر ڈرے ساری بات بتا دی۔

بعد میں اسے پتا چلا کہ وہ مجاہدین تھے اور دشمن کی ایک چوکی پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ بچوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مجاہدین کے کمانڈر نے یہ فیصلہ کیا کہ چھ آدمی حملہ کرنے جائیں گے اور ایک ان بچوں کو واپس لے کر جائے گا۔ اس نے علی کو خلیل کے لیے تھوڑا سا گڑ دیا جو اس کے پاس تھا۔ اس گڑ کے علاوہ ان میں سے کسی کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک مجاہد علی اور خلیل کے پاس رہ گیا۔ دوسرے حملہ کرنے چلے گئے۔ خلیل نے جب گڑ کھایا تو اسے بھوک میں کمی محسوس ہوئی۔ مجاہد نے اپنی چادر خلیل کے جسم پر لپیٹ دی اور تھوڑی دیر بعد جب نالے کا پانی اتر گیا تو وہ انہیں لے کر دوسری طرف چلا آیا۔

خلیل کو اٹھائے وہ کئی گھنٹوں چلتے رہے اور آخر کار وہ مجاہدین کے ایک چھوٹے سے مرکز میں پہنچے۔ یہ مرکز ایک پہاڑی کے اندر واقع تھا اور غار نما تھا۔ شاید مجاہدین سے پہلے یہاں جنگلی جانور رہتے ہوں گے۔ مجاہدین نے اسے صاف کر کے رہنے کے قابل بنا دیا تھا۔

مجاہدین نے انہیں رات کا بچا ہوا کھانا دیا اور گرم گرم چائے پلائی۔ ایک مجاہد کے پاس بخار کی چند گولیاں تھیں اس نے خلیل کو کھانے کے لیے وہ گولیاں دیں۔ تھوڑی دیر بعد خلیل سو گیا تو علی بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

صبح جب اٹھے تو خلیل کا بخار اتر چکا تھا۔ مجاہدین ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ رات کو مجاہدوں کا جو گروپ چھاپہ مار کارروائی کے لیے گیا تھا واپس آ گیا۔ مجاہدین کے کمانڈر نے آتے ہی سب سے پہلے علی اور خلیل کا حال پوچھا اور پھر بتایا کہ شب خون کامیاب رہا۔ دشمن کے بیس سے زیادہ فوجی مارے گئے اور کئی گاڑیاں تباہ کر دیں۔ بہت زیادہ اسلحہ ہمیں مالِ غنیمت میں ملا۔ پھر کمانڈر نے وہ اسلحہ دکھایا جو مالِ غنیمت میں ملا تھا۔

علی اور خلیل وہاں تین دن تک رہے۔ پھر کمانڈر نے انہیں ایک مجاہد کے ساتھ پچھلے مرکز پر بھیج

دیا جو مجاہدین کا اس صوبے میں ہیڈ کوارٹر تھا۔ کمانڈر اس وقت مجاہدین کو عملی تربیت کا سبق دے رہا تھا۔
مجاہدین کے چیف کمانڈر نے جب علی اور خلیل کی کہانی سنی تو اسے بہت دُکھ ہوا۔ اس نے علی سے کہا کہ بیٹا افغانستان میں ہر جگہ یہی ظلم ہو رہا ہے۔ کہیں بارودی کھلونوں اور کہیں زہریلی گیس سے روس مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں۔ اللہ مجاہدین کو فتح یاب کرے گا۔

علی نے کہا کہ دشمن کے پاس تو بمبار طیارے، ہیلی کاپٹر، ٹینک اور دوسرا جدید اسلحہ ہے، نہتے مجاہدین اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟

علی کے سوال پر کمانڈر نے کہا: ''بیٹا! دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اللہ سے تو زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس کتنا اسلحہ تھا؟ لیکن تین گنا زیادہ طاقتور دشمن پر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی اور انشاء اللہ بہت جلد ہم بھی اپنے وطن کو روس سے آزاد کرا لیں گے اور پھر افغانستان میں اسلام کا پرچم سربلند کریں گے''۔

چند ہی دنوں میں علی مجاہدین میں گھل مل گیا اور پھر ایک دن اس نے کمانڈر سے کہا کہ مجھے بھی بندوق دی جائے، میں دشمن کے خلاف لڑنا چاہتا ہوں۔ کمانڈر نے علی کو سمجھایا کہ ابھی تم چھوٹے ہو۔ میں تمہیں اور خلیل کو پاکستان بھیج رہا ہوں۔ وہاں تم سکول میں اپنی تعلیم مکمل کرنا اور پھر واپس آ کر جہاد میں شریک ہو جانا۔ مگر علی نے کہا کہ میں اتنا چھوٹا نہیں ہوں کہ بندوق بھی نہ اٹھا سکوں اور اب مجھے جو تعلیم چاہیے وہ بندوق چلانے کی ہے اور وہ تعلیم مجھے پاکستان میں نہیں مجاہدین کے اس مرکز سے مل سکتی ہے۔

کمانڈر نے بہت سمجھایا مگر علی اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر کمانڈر کو علی کی بات ماننا پڑی۔

کمانڈر نے علی سے کہا کہ تم چھ ماہ تک اس مرکز میں مجاہدین کے ساتھ رہو گے۔ کسی چھاپہ مار کارروائی میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہو گی اور تم اس دوران میں مرکز میں مجاہدین کے دوسرے کام کرو گے مثلاً چشمے سے پانی لاؤ گے، ایندھن اکٹھا کرو گے، اس کے بعد تمہیں بندوق دے دی جائے گی۔

علی نے یہ شرائط خوشی سے مان لیں اور خلیل کو پاکستان بھیج دیا گیا۔ جاتی دفعہ خلیل بہت رویا مگر علی نے اسے تسلی دی کہ وہ اسے ملنے پاکستان ضرور آیا کرے گا۔

چھ ماہ بعد جب علی کو چیف کمانڈر نے بندوق دی تو علی بہت خوش ہوا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

جب علی کو بندوق اور دوسرے ہتھیار چلانے آ گئے تو چیف کمانڈر نے علی کو چھوٹی چھوٹی چھاپہ مار کارروائیوں میں حصہ لینے کی اجازت بھی دے دی۔ ان چھوٹی چھوٹی کارروائیوں میں علی نے ثابت کر دیا کہ وہ کسی بھی دوسرے مجاہد سے کم نہیں۔ علی نے جلد ہی طیارہ شکن توپ اور راکٹ لانچر چلانا بھی سیکھ لیے اور پھر اسے ہر قسم کی لڑائی میں شرکت کی اجازت مل گئی۔





علی 16 سال کی عمر کا ہو گیا تھا۔ مجاہدین میں وہ چھاپہ مار کارروائیوں کا ماہر مانا جاتا تھا۔ کمانڈر نے اسے اگلے مرکز پر بھیج دیا۔ یہ مرکز ایسا تھا کہ دو اطراف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ ان پر درخت اس قدر زیادہ تھے کہ دور سے یہ پہاڑ گھنے جنگل کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ وہ پہاڑ کچھ دور جا کر آپس میں جہاں مل جاتے تھے، وہاں سے پانی کا چشمہ چھوٹتا دکھائی دیتا تھا، جو نیچے آ کر پہاڑی نالے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اسی نالے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے مورچے تھے۔

ان پہاڑوں سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر بہت اونچا پہاڑ تھا، جس کی چوٹی پر دشمن نے اپنے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ مجاہدین نے دشمن کے اس اڈے کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

رات مکمل تاریک تھی اور آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بیس مجاہدین جن میں علی بھی شامل تھا، اس پہاڑ کی طرف دشمن کے مورچوں پر شب خون مارنے نکل کھڑے ہوئے، آہستہ آہستہ وہ مورچوں کے قریب پہنچ گئے۔

روسیوں نے اپنے مورچوں کے گرد دور دور تک بارودی سرنگیں بچھائی ہوئی تھیں۔ یہ بارودی سرنگیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ ٹینکوں اور بڑی گاڑیوں کے لیے بارودی سرنگیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ جب ٹینک ان پر سے گزرتے ہیں تو یہ دھماکے سے پھٹ جاتی ہیں اور ٹینک کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ دوسری سرنگیں انسانوں کا پیدل حملہ روکنے کے لیے بچھائی جاتی ہیں۔ یہ چھوٹی ہوتی ہیں۔ جب کسی انسان کا پاؤں ان سرنگوں پر پڑتا ہے تو دباؤ سے یہ سرنگیں بھی زبردست دھماکے سے پھٹتی ہیں۔ ن سرنگوں سے انسان یا تو موقع پر ہی ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اس کی ٹانگیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ روسیوں نے پتھروں کی شکل اور رنگ کی چھوٹی چھوٹی سرنگیں بنائی ہوئی تھیں۔ ان کو زمین کے اندر دبانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ مختلف طریقوں سے پہاڑوں اور مجاہدین کے راستوں پر پھینک دی جاتی ہیں۔ چونکہ مجاہدین کے راستے زیادہ تر پہاڑی نالوں کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور یہ سرنگیں نالے کے ساتھ گزرتے ہوئے راستے میں پڑے ہوئے پتھروں میں مل جاتی ہیں۔ پہلی نظر میں بالکل پتھر محسوس ہوتی ہیں اور جب ان پر مجاہدین میں سے کسی کا پاؤں پڑتا ہے تو بہت نقصان

پہنچاتی ہیں۔

مجاہدین کا یہ گروپ شب خون مارنے کے لیے دشمن کے مورچوں کے قریب پہنچ چکا تھا کہ اچانک ایک مجاہد کا پاؤں زمین کے اندر دبائی ہوئی بارودی سرنگ پر آ گیا اور وہ دھماکے سے پھٹ گئی۔ دھماکے کی آواز سن کر دشمن چوکنا ہو گیا۔ اس نے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی۔ مجاہدین پیچھے کی طرف بھاگے اور کئی زخمی ہو گئے۔ محفوظ جگہ پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ دو مجاہد ان میں موجود نہیں ہیں۔

کمانڈر نے ان دو مجاہدوں کے بارے میں پوچھا تو ایک مجاہد عبداللہ نے بتایا کہ وہ دونوں بارودی سرنگوں کی پٹی پار کر گئے تھے‘ اس لیے خدشہ ہے کہ شہید ہو چکے ہوں گے۔

مجاہدین شہید کی لاش کبھی دشمن کے علاقے میں نہیں چھوڑتے‘ اس لیے مجاہدین نے شہدا کی لاشیں واپس لانے کے لیے دوبارہ حملہ کیا۔ دشمن کی گولہ باری سے دو مجاہد اور شہید ہو گئے مگر پھر بھی لاشیں واپس لانے میں ناکام رہے۔

لاشیں اس وقت تک نہیں لائی جا سکتی تھیں جب تک دشمن کے یہ مورچے فتح نہ کر لیے جائیں۔ کمانڈر نے علی اور دوسرے پانچ مجاہدین کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ دشمن پر نظر رکھیں۔ جونہی دشمن لاشیں اٹھانے نیچے آئے تو دشمن کو شہدا کی لاشوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت بھی نہ دیں۔ باقی مجاہدین واپس آ گئے۔

دوسرے دن مجاہدین نے رات کو روسی مورچوں کے قریب توپیں نصب کر کے گولہ باری شروع کر دی تا کہ دشمن کو اس حد تک تنگ کیا جائے کہ وہ مورچے خالی کر دے مگر دشمن اونچی جگہ پر تھا اور مجاہدین نیچے اس لیے مجاہدین کی گولہ باری دشمن کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی بلکہ گولہ باری سے دشمن کو مجاہدین کے مورچوں کا فوراً پتا چل گیا اور دشمن کی تباہ کن گولہ باری سے ایک مجاہد شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔

مجاہدین بڑے پریشان تھے کہ دن کے وقت حملہ کریں تو صاف نظر آتے تھے اور اگر رات کی تاریکی میں گولہ باری کریں تو روشنی اور آواز سے فوراً ٹھکانوں کا پتا چل جاتا تھا۔ آخر اس مرکز کو ختم کیا جائے تو کس طرح اور لاشیں واپس لائی جائیں تو کیسے؟ شہدا کی لاشیں دشمن کے علاقے میں پڑے رہنے دینا بھی مجاہدین کی غیرت گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے۔ حملہ کرتے تو دشمن کے بجائے اپنا نقصان زیادہ ہوتا۔

ایک دن علی نے کمانڈر سے کہا کہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے اگر آپ مجھے اس پر کام کرنے کی اجازت دے دیں تو پہلے مرحلے میں ہم لاشیں لانے میں ان شاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے

اور دوسرے مرحلے میں دشمن کے مورچے کو بھی فتح کیا جا سکتا ہے۔

کمانڈر نے علی سے اس منصوبہ کی تفصیلات پوچھیں تو علی نے منصوبہ کی موٹی موٹی باتیں کمانڈر کو بتانے کے بعد کہا کہ بقیہ باتیں تجربہ کامیاب ہونے کے بعد بتائی جائیں گی اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے فرد کو اس منصوبہ کی تفصیل کا علم بھی نہیں ہونا چاہیے‘ کیا معلوم ہم میں کوئی دشمن کا جاسوس بھی ہو۔ کمانڈر نے علی کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے علی کو یہ تجربہ کرنے کی اجازت دے دی۔ علی نے اپنے اس آپریشن کا نام روس کے عظیم مجاہد اور دنیائے اسلام کے پہلے گوریلے کمانڈر امام شاملؒ کے نام پر ”شامل آپریشن“ رکھا اور آپریشن کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو علی نے کمانڈر سے پانچ مجاہد اپنی مدد کے لیے مانگے جو اسے دے دیے گئے۔

غروبِ آفتاب کے بعد تاریکی چھاتے ہی وہ پانچ مجاہدوں کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے پاس اسلحہ کے طور پر 12 عدد چھوٹے چھوٹے زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائل تھے۔ مجاہدین ان کو راکٹ میزائل کہتے تھے۔ انہیں راکٹ بم بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چھ عدد ٹین کے خالی ڈبے تھے اور کچھ دوسرا چھوٹا چھوٹا سامان تھا۔ کسی مجاہد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان ٹین کے خالی ڈبوں سے علی کس طرح لاشیں واپس لانے میں کامیاب ہو گا لیکن علی اپنے منصوبے کے بارے میں پرامید تھا۔

جب وہ دشمن کے اڈوں سے تقریباً ایک میل دور تھے تو علی نے لاشوں کی طرف جانے کے بجائے ان سے دوسری سمت جانا شروع کر دیا لیکن دشمن کے مورچوں کا فاصلہ اب بھی اتنا ہی تھا‘ ایک جگہ اس نے مجاہدین سے کہا کہ وہ ٹین کے خالی ڈبوں میں پانی بھر لیں۔

علی کے ساتھ آیا ہوا ایک مجاہد جمیل خان پہلے ہی ڈبوں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا اور اس نے راستے میں علی سے کہا بھی تھا کہ کیا تم نے دشمن کو کوئی کوا یا الّو سمجھ رکھا ہے جو ان ٹین کے ڈبوں کو بجا بجا کر اڑا دو گے لیکن علی نے ہنس کر کہا تھا کہ کوا نہ سہی گیدڑ ہی سمجھ لیں اور اب بھی جب ٹین کے ڈبوں میں پانی بھرنے کا حکم ملا تو اس نے پھر مذاق کرتے ہوئے کہا کہ کیا دشمن کو پانی میں ڈبو کر مارنے کا ارادہ ہے تو علی

امام شامل روس کے ظالم زار بادشاہوں کے خلاف شمالی قفقاز کے علاقے داغستان میں جنگ آزادی لڑنے والا مشہور سپہ سالار تھا۔ وہ 1834ء میں تحریک جہاد کا امیر منتخب ہوا۔ امام شامل کا دور داغستان کی تاریخ میں شریعت کا دور کہلاتا ہے۔ روس کے توسیع پسند زار بادشاہوں کے سامنے وہ تنہا ڈٹا رہا اور مجاہدین نے اس کی کمان میں زیادہ روسی فوج کو بار بار شکستیں دیتا رہا لیکن افسوس کہ کسی نے اس کی مدد نہ کی اور وہ بالآخر 25 اگست 1859ء کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ امام شاملؒ 1797ء میں پیدا ہوا۔ 15 فروری 1871ء کو مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

نے کہا کہ دشمن اتنا غیرت مند نہیں کہ وہ ان ٹین کے ڈبوں میں ڈوب کر مر جائے' یہ تو ویسے ہی دشمن کو دفنانے سے پہلے غسل دینے کے لیے پانی لیا جا رہا ہے تاکہ باعزت طریقہ سے دشمن کو دفنا سکیں۔

مجاہدین نے پانی تلاش کر کے ڈبے بھر لیے۔ تھوڑی دور جا کر علی ایک جگہ بیٹھ گیا اور مجاہدین کو بھی اس نے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اس نے اپنے تھیلے سے کچھ تاریں' چھوٹی چھوٹی بیٹریاں اور دھات کے چند ٹکڑے نکالے۔ پھر اس نے دو تاروں کو راکٹ اور بیٹری کے ساتھ جوڑ دیا۔ دوسری طرف ایک تار ٹین کے ڈبہ کے ساتھ جوڑ دی۔ دوسری تار دھات کے ایک باریک ٹکڑے کے ساتھ جوڑی دی جس کے اوپر لکڑی بھی لگی ہوئی تھی تاکہ دھات کا وہ ٹکڑا پانی پر تیرتا رہے۔ ایسا ہی اس نے دوسرے ڈبوں کے ساتھ کیا اور انہیں سو سو گز کے فاصلے پر رکھ دیا۔ پھر اس نے ڈبوں کے پیندوں میں مختلف سائز کے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیئے اور مجاہدین سے کہا کہ اب وہ تیزی کے ساتھ پیچھے چلیں اور جہاں لاشیں پڑی ہیں' ادھر کسی محفوظ جگہ جا کر اگلے مرحلے کا انتظار کریں۔

مجاہدین لاشوں سے دو فرلانگ دور درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گئے۔ علی کی نظریں ادھر لگی ہوئی تھیں جدھر وہ راکٹ اور ٹین کے ڈبے چھوڑ کر آیا تھا۔ یوں بیٹھے ہوئے انہیں آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا اور علی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تجربہ ناکام رہا تو کمانڈر کو کیا جواب دوں گا۔ اس کے حساب سے اب تک کام کا آغاز ہو جانا چاہئے تھا۔ مزید دس منٹ گزر گئے تو اس پر مایوسی چھانے لگی۔ دوسرے مجاہدین بھی اس کا مذاق اڑانے لگے لیکن ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ راکٹ میزائل چلنے کی آواز آئی پھر دوسرا راکٹ میزائل چلا اور ساتھ ہی اس طرف دشمن کی گولہ باری شروع ہو گئی۔

علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب دشمن کی توجہ ادھر رہے گی اور راکٹ میزائل وقفہ وقفہ سے چلتے رہیں گے۔ ہمیں اس وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محتاط ہو کر لاشوں کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے۔

بارودی سرنگوں سے بچتے بچاتے مجاہدین لاشوں تک پہنچ گئے۔ ابھی تک صرف آٹھ راکٹ چلے تھے۔ اس لیے مجاہدین نے لاشیں اٹھا کر جلدی جلدی واپسی کا راستہ اختیار کیا اور کامیاب واپس لوٹے۔ سارے راکٹ اور میزائل چل چکے تھے اور دشمن کی گولہ باری ابھی جاری تھی۔ دشمن مکمل طور پر دھوکے میں آ گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ مجاہدین نے اس طرف سے حملہ کر دیا ہے اور یوں اپنا اسلحہ ضائع کر رہا تھا۔

علی کے اس آپریشن کی کامیابی پر کمانڈر بہت خوش ہوا اور اس سے تفصیلات پوچھیں تو علی نے

بتایا کہ ٹریننگ کے دوران میں' میں نے ایک ایسا ہی تجربہ کیا تھا مگر وہ ناکام ہو گیا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب یہ کامیاب رہا۔ یہ تجربہ ٹائم بم کے اصول پر کیا گیا تھا اور ٹین کے ڈبے دراصل گھڑیوں کی جگہ استعمال کیے گئے تھے۔ یہ بہت سستے پڑتے ہیں۔ ٹین کے ڈبوں میں پانی بھر کے ان کے پیندوں میں مختلف سائز کے سوراخ کر دیئے گئے تھے۔ جونہی کسی ڈبہ کا پانی ختم ہوتا تیرتا ہوا دھات کا ٹکڑا ٹین کی سطح سے ٹکراتا' کرنٹ کا سرکٹ مکمل ہو جاتا اور راکٹ میزائل چل جاتا۔ دشمن یہ سمجھتا رہا کہ مجاہدین اس طرف سے حملہ آور ہو رہے ہیں اور ہم بحفاظت دوسری طرف سے لاشوں تک پہنچ گئے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے راستے میں کوئی بارودی سرنگ بھی نہ پھٹی۔ علی نے بتایا کہ میرا خیال ہے کہ جس راستے سے ہم گئے وہ بارودی سرنگوں سے خالی تھا اور بالفرض کوئی سرنگ پھٹ بھی جاتی تو زبردست گولہ باری میں دشمن ادھر پھر بھی توجہ نہ دیتا' وہ یہی سمجھتا کہ ادھر بھی کوئی گولہ گرا ہوگا۔

کمانڈر نے علی کے اس طریقے کو بہت پسند کیا اور اسی رات علی سے مشورہ کے بعد دشمن کے اس مورچے پر حملے کا فیصلہ کیا۔ کمانڈر کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے دیر کی تو کہیں دشمن کا کوئی جاسوس اس منصوبے کے بارے میں دشمن کو آگاہ نہ کر دے۔

راکٹ میزائلوں کا خودکار نظام مکمل کرنے کے بعد تمام مجاہدین نے حملہ کرنے کا پچھلی رات والا راستہ ہی اختیار کیا۔ علی سب سے آگے آگے تھا۔ دشمن کی توجہ راکٹ میزائلوں کی طرف لگی ہوئی تھی اور وہ ادھر اندھا دھند گولہ باری کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دشمن کے طیارے بھی اس جگہ بمباری کرنے پہنچ گئے تھے۔ دشمن کا آج بھی یہی خیال تھا کہ مجاہدین اس طرف سے حملہ کر رہے ہیں اور مجاہدین نے جب دوسری طرف سے دشمن کو اس کے مورچوں میں جا لیا تو وہ بوکھلا اٹھا۔ بھاگنے کا راستہ بھی کوئی نہیں تھا۔ کچھ مجاہدین کے دستی بموں اور فائرنگ سے مارے گئے۔ کچھ بھاگتے ہوئے اپنی ہی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں کا شکار ہو گئے۔ بیس کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور بے شمار اسلحہ ہاتھ آیا۔ دشمن نے یہاں کنکریٹ کے پکے مورچے بنائے ہوئے تھے جنہیں ڈائنامائٹ لگا کر مجاہدین نے تباہ کر دیا۔

اس مورچے کی فتح پر مجاہدین نے خوشیاں منائیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ اگرچہ اس لڑائی میں تین مجاہد شہید اور پندرہ زخمی ہوئے لیکن دشمن کا نقصان بیسیوں گنا تھا۔ کمانڈر نے اس کامیابی پر علی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ہو تو تم ابھی بہت چھوٹے مگر اللہ نے تمہیں جرأت کے ساتھ ساتھ ذہانت بھی دی ہے ہم تو تمہیں بچہ سمجھ کر کسی بڑے معرکے میں شریک ہی نہیں کرتے تھے۔ اب میں چیف کمانڈر صاحب سے کہوں گا کہ آپ کو مجاہدین کی شوریٰ کا رکن نامزد کیا جائے تاکہ تمہاری صلاحیتوں

سے مجاہدین کو فائدہ پہنچے۔ آئندہ سے اس مرکز پر تم میرے نائب کے طور پر کام کرو گے۔

علی کا یہ کارنامہ جب مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر تک پہنچا تو اس نے علی کو بلا بھیجا۔ علی اپنے بلاوے پر بہت خوش تھا۔ جب علی کمانڈر کے پاس پہنچا تو اس نے علی کا اٹھ کر استقبال کیا اور پیشانی کو چومتے ہوئے علی کو مبارکباد دی۔ پھر سارے معرکے کی تفصیلات پوچھیں اور علی کی ذہانت کو سراہا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے مجاہدین کو باہر بھیج دیا اور تنہائی میں علی سے کہا کہ بیٹا! مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ اللہ نے تم کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ تم ذہین بھی ہو۔ تمہاری اسی ذہانت کو دیکھتے ہوئے میں ایک اہم کام تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم ضرور اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔

اس پر علی نے کہا کہ میں اس قابل تو نہیں ہوں جتنی میری آپ نے تعریف کی ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ نے کوئی بڑا کام میرے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل کر بھی یہ کام کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ مجھے بتائیں وہ کام کیا ہے۔

کمانڈر نے کہا کہ گردیز چھاؤنی میں میجر فیاض خان ہمارا ایک آدمی ہے۔ اس کو میرا ایک پیغام پہنچانا ہے اور جواب حاصل کر کے واپس لانا ہے لیکن ایک بات یاد رکھو! پچھلے دو ماہ سے اس کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔ گردیز کے قریبی مراکز کے دو کمانڈروں کی اس کام پر ذمہ داری لگائی گئی تھی مگر دونوں میجر فیاض کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسی سے تم کام کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ معلوم نہیں میجر فیاض زندہ ہے یا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس لیے چھاؤنی میں اس کے پاس جانے سے پہلے تمام معلومات حاصل کر لینا۔ گردیز شہر میں ہمارے چند دوست ہیں۔ اس سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنا۔ گردیز شہر کے باہر مجاہدین کا ایک مرکز ہے جس کا نام ''حیدر مرکز'' ہے۔ تمہارے ساتھ اس مرکز تک پانچ مجاہدین جائیں گے۔ اس کے بعد تم اپنا اسلحہ وہاں چھوڑ دو گے اور ہاں اپنے مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے تاکہ یہ مشن دشمن کے جاسوسوں سے چھپا رہے۔ اگر دشمن کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں شہر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر سکتا ہے اور تمہارے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ شہر میں تم تنہا جاؤ گے کیونکہ زیادہ آدمیوں کے ساتھ جانے کی صورت میں دشمن کی نظر میں جلدی آ سکتے ہو۔

گردیز اس مرکز سے چھ دن کی مسافت پر تھا۔ گردیز شہر کی آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے۔ یہ افغانستان کے صوبہ پکتیا کا دارالحکومت ہے اور جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم شہر ہے۔ اس مرکز سے لے کر گردیز تک کا راستہ انتہائی خطرناک تھا۔ راستے میں جنگلات' اونچے اونچے پہاڑ اور گہرے پہاڑی

نالے تھے۔ سب سے زیادہ خطرہ دشمن کا تھا۔ دن کے وقت سفر اور زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ دشمن کی نظر میں آنے کا خطرہ تھا اور دشمن کے اڑتے ہوئے بمبار طیارے بمباری کر کے نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن علی جس کے پچھلے پانچ سال انہی خطرناک راستوں' جنگلات اور پہاڑوں اور دشمن کے طیاروں کی بمباری میں گزرے تھے وہ ان خطرات سے بے پروا ہو کر گردیز جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

علی اور اس کے ساتھیوں نے اسلحہ کے علاوہ چند روز کا سامان خورد و نوش لیا اور چل پڑے۔ انہیں مرکز سے چلے ہوئے یہ دوسرا دن تھا' جب وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے کے لیے لیٹے تو انہیں پہاڑ کی دوسری طرف سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں آئیں۔ دوسری طرف دیکھا تو پورا گاؤں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے محاصرے میں تھا۔ اکثر مکانات ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے اور بعض مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن نے اس جگہ آج ہی کارروائی کی ہے اور نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو شہید کیا ہے۔ علی کو یاد آیا کہ ایک دن ایسے ہی اس کے گاؤں کا بھی محاصرہ کیا گیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم ہو گیا۔ وہ ان روسیوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں ان روسیوں کو تہس نہس کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم کسی اور مشن پر جا رہے ہیں اس لیے ہمیں ان سے بھڑنے کے بجائے خاموشی کے ساتھ راستہ بدل کر نکل جانا چاہیے۔

لیکن علی کے ذہن میں روسیوں کو دیکھتے ہی انتقام کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ اسے اپنی تڑپتی ہوئی بہن صائمہ یاد آنے لگتی اور خون میں نہائی ہوئی اپنی ماں اور پھوپھی کی لاشیں اس کے سامنے آ جاتیں۔ آج بھی اس کے جذبات کی ایسی ہی کیفیت تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے مشورہ کو قبول نہ کرتے ہوئے کہا:

''دوستو! آج میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان روسیوں سے بدلہ لے کر آگے جائیں گے۔'' ایک مجاہد نے کہا:

''ہمارے پاس تو صرف کلاشنکوفیں ہیں' ان سے بھلا ہم مقابلہ کیسے کریں گے؟''

علی مسکرایا: ''دوستو! سورج غروب ہونے کو ہے اور میں نے دشمن کو بغیر ہتھیاروں کے تباہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔''

دوسرے مجاہد نے پوچھا: ''مگر کیسے؟''

علی نے کہا کہ ہم نے راستے میں ایک جگہ جو زیادہ دور نہیں' وہاں دشمن کی دو گاڑیاں الٹی ہوئی دیکھی تھیں۔ تین ساتھی جائیں اور جتنی جلدی ممکن ہو ان کے ٹائر اتار کر لے آئیں اور یہیں آ کر ہمارا انتظار کریں۔ ہم دو ساتھی ایک اور کام کرنے جا رہے ہیں۔

مجاہدین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ان ٹائروں سے بھلا دشمن کیسے تباہ ہوسکتا ہے جس کے پاس ٹینک بھی ہیں اور بکتر بند گاڑیاں بھی لیکن علی کی بات مانتے ہوئے وہ ٹائر لینے چلے گئے۔ علی نے دوسرے مجاہد کو ساتھ لیا اور ایک قریبی بستی میں چلا گیا۔ یہ چند گھروں پر مشتمل بستی تھی جس میں رہنے والے لوگوں نے ابھی پاکستان ہجرت نہیں کی تھی۔

علی نے بستی میں پہنچ کر ایک گلی میں بیٹھے ہوئے بوڑھے سے دکان کا پتا پوچھا۔ بوڑھے نے کہا کہ ہماری بستی میں کوئی دکان نہیں بلکہ اب تو لوگ بھی نہیں۔

علی نے پوچھا کہ لوگ کہاں گئے تو بوڑھے نے کہا کہ تم اگر اس ملک کے رہنے والے ہوتو تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ لوگ کدھر گئے ہیں۔ ہم چند بوڑھے رہ گئے ہیں ہم بھی چلے جائیں گے۔

علی نے کہا کہ بابا کچھ تفصیل بتاؤ آخر لوگ بستی کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے ہیں؟

بوڑھے نے بتایا کہ پہاڑ کے پار جو بستی ہے وہاں آج کوئی تھوڑا ظلم ہوا ہے۔ وہاں پہلے جہازوں سے بمباری کی گئی پھر ٹینکوں سے بستی کا گھیراؤ کر کے گولہ باری سے بچے ہوئے مکانوں اور زندہ انسانوں کو ختم کر دیا گیا۔ کچھ لوگ اس بستی سے بھاگ کر ہمارے گاؤں میں آئے اور انہوں نے بتایا کہ محض اس شک پر کہ مجاہدین سامان خورد ونوش خریدنے اس گاؤں میں آتے ہیں، پورے گاؤں کو تباہ کر دیا۔ نہ جانے کتنے بچے، بوڑھے اور عورتیں شہید ہوگئی ہیں۔ اسی ظلم سے ڈرتے ہوئے ہماری بستی کے لوگ بھی پاکستان ہجرت کر گئے ہیں۔

علی نے بوڑھے کو بتایا کہ ہم مجاہدین ہیں اور ایک کام کے سلسلے میں ادھر آئے ہیں۔ ہمیں کچھ پرانے ناکارہ کپڑے اور مٹی کا تیل درکار ہے۔

بوڑھا اٹھا، مختلف گھروں میں گیا اور پرانے کپڑے اور مٹی کا تیل اکٹھا کر کے لے آیا۔ مٹی کے تیل سے بہت بڑا ڈول بھرا ہوا تھا۔ علی نے دیکھا تو کہا کہ کافی ہے۔ انہوں نے بوڑھے سے تیل کا ڈول اور کپڑے لیے، شکریہ ادا کیا اور واپس آگئے۔

پہاڑ پر پہنچے تو سورج غروب ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوگیا تھا اور ابھی تک ان کے ساتھی نہیں آئے تھے۔

اس نے چوٹی پر چڑھ کر پہاڑ کی دوسری سمت دیکھا تو ٹینک اور فوجی گاڑیاں اسی طرح کھڑی تھیں اور خیمے لگا دیئے گئے تھے جن کے اندر یقیناً روسی فوجی آرام کر رہے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد ان کے ساتھی ٹائر لے کر واپس آگئے۔

علی کے ساتھیوں کی سمجھ میں اب بھی کوئی بات نہیں آ رہی تھی کہ ان ٹائروں سے کیا کیا جائے

گا۔ علی نے پرانے کپڑے ٹائروں کے گرد لپیٹنا شروع کر دیئے اور پھر ان پر اچھی طرح مٹی کا تیل چھڑک دیا۔ کپڑے پوری طرح تیل میں بھیگ گئے تو اس نے دوسرے مجاہدین کو سمجھایا کہ جونہی کام مکمل ہو یہاں سے مغرب کی سمت بھاگ جانا۔ کارروائی کا بقیہ حصہ وہیں جا کر دیکھنا کیونکہ ممکن ہے کہ دشمن اس جگہ گولہ باری شروع کر دے۔

اپنے ساتھی مجاہدین کو ہدایات دینے کے بعد علی نے کہا کہ اب ٹائر اٹھاؤ اور چوٹی پر پہنچ جاؤ۔ چوٹی پر پہنچ کر علی نے ماچس نکالی اور ٹائروں کو جلدی جلدی آگ لگا کر نیچے لڑھکانا شروع کر دیا۔ جونہی کام مکمل ہوا سب مجاہدین دوڑ کر پہاڑ کی دوسری طرف پہنچ گئے اور پتھروں کی اوٹ میں چوٹی ہی پر لیٹ گئے۔

اب ساری بات مجاہدین کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ جلتے ہوئے ٹائروں نے نیچے پہنچ کر روسیوں کے خیموں کو آگ لگا دی تھی۔ چونکہ ہوا کافی تیز تھی، اس لیے یہ آگ بڑی تیزی سے پھیلتی ہوئی فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ روسی فوجی دہشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے، اب وہ کدھر جائیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین یہ نظارہ دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے۔ چند منٹوں بعد نیچے زبردست دھماکے شروع ہوگئے۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے نیچے قیامت آ گئی ہو۔ آگ نے روسیوں کی ان گاڑیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جن میں اسلحہ بھرا ہوا تھا اور اب انہی گاڑیوں میں رکھا ہوا گولہ بارود پھٹ رہا تھا۔ آگ کی روشنی میں نیچے ایک ایک چیز دکھائی دے رہی تھی۔ روسیوں کے جسم ان کے اپنے ہی اسلحہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اڑتے نظر آ رہے تھے۔

چند روسی افسر اس تباہی سے بچنے کے لیے اوپر پہاڑ کی طرف بھاگے جدھر علی اور اس کے ساتھی چھپے بیٹھے تھے۔ جونہی وہ قریب آئے علی نے فائرنگ شروع کر دی۔ وہ سب کے سب لڑھکتے ہوئے نیچے خیموں میں لگی ہوئی آگ میں جا گرے۔ پھر دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز آنے لگی۔ شاید مجاہدین کے کسی گروپ نے ادھر سے حملہ کر دیا تھا۔

فائرنگ کی آواز سن کر علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"فوراً چوکنے ہو جاؤ۔ اگر کوئی روسی ہماری طرف آئے تو اسے زندہ واپس نہ جانے دینا۔"

سب نے پہاڑ پر اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اب اس طرف سے کسی روسی کے بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کئی روسی اس طرف آئے مگر جب علی اور اس کے ساتھیوں نے فائرنگ شروع کی تو واپس دوسری طرف بھاگ اٹھے۔ بھاگتے ہوئے کئی گولیوں کا نشانہ بنے۔

جب کافی دیر تک دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز نہ آئی اور نیچے بھی کسی قسم کی سرگرمی دکھائی نہ دی

تو علی اور اس کے ساتھی بڑے محتاط طریقے سے آہستہ آہستہ چلتے پہاڑ کی دوسری یعنی مشرقی سمت میں آنے لگے۔ احتیاطاً تھوڑی دور رک گئے۔ پھر علی نے ایک خفیہ آواز نکالی جو صرف مجاہدین ہی سمجھ سکتے تھے۔

مجاہدین کے مختلف گروپوں نے ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے لیے یہ آواز منتخب کی ہوئی تھی اور اس آواز کا علم بھی صرف اہم مجاہدین اور کمانڈروں کو تھا۔

علی کی خفیہ آواز کے جواب میں دوسری طرف سے بھی آواز آئی کہ ہم مجاہدین ہی ہیں۔ آپ بے خوف نیچے آسکتے ہیں۔

علی اور اس کے ساتھی جب نیچے پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سو سے زیادہ روسی فوجی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ اتنے ہی تقریباً مرے پڑے ہیں اور جو آگ میں جل گئے ہیں وہ ان کے علاوہ ہوں گے۔

علی کو دوسرے گروپ نے بتایا کہ ہم نے یہاں رات کو شب خون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اور یہاں چھپے بیٹھے تھے کہ اچانک ایک ساتھی نے پہاڑ کے اوپر سے نیچے کی طرف آگ کے گولے چلتے دیکھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان گولوں نے دشمن کے پورے کیمپ کو آگ لگادی اور پھر دھماکوں سے پہاڑ کانپنے لگا۔ دشمن دہشت زدہ ہوکر ہماری طرف بھاگا تو اسے گولیوں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ علی نے جب انہیں آگ کے گولوں کے بارے میں بتایا تو مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر نے علی کو اپنے سینے سے لگالیا اور کہنے لگا کہ جس قوم میں آپ جیسے ذہین اور نوعمر مجاہدین ہوں گے اس قوم کو کبھی غلامی کی زنجیریں نہیں پہنائی جاسکتیں۔

بعد میں جب مجاہدین نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تو اس میں دو سو سے زیادہ کلاشنکوفیں اور تین عدد ٹینک ہاتھ آئے۔ سترہ ٹینک اور پچاس سے زیادہ بکتر بند گاڑیاں اور ٹرک تباہ ہو چکے تھے۔ مجاہدین کے کمانڈر نے علی سے کہا کہ اس وقت ہماری جیبوں میں نقد رقم تو بہت تھوڑی ہے۔ بھاری اسلحہ تم اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتے۔ اگر پورا حصہ لینا ہے تو پھر ہمارے ساتھ ہمارے مرکز تک چلیں۔ علی نے کہا کہ ہمیں مال غنیمت کا لالچ نہیں اور نہ ہم نے یہ سب کچھ کسی لالچ کے لیے کیا تھا لیکن علی کے انکار پر بھی مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر نے وہ ساری رقم علی کو دے دی جو اس کے پاس تھی۔

رات تو علی نے وہیں گزاری‘ صبح ہوتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے روانہ ہوگیا۔

تقریباً تین میل کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ علی کو تین مسافر نظر آئے جو بڑے سہمے ہوئے تھے۔ انہوں نے علی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر راستہ بدل لیا۔ ان میں ایک بوڑھا‘ ایک عورت اور ایک زخمی بچہ تھا جسے بوڑھا اٹھائے ہوئے تھا۔

علی نے آواز دے کر بوڑھے کو بلایا۔ جب بوڑھا قریب آیا تو علی نے دیکھا کہ وہ بہت خوفزدہ

ہے اور بچہ شدید زخمی ہے۔ علی نے پوچھا:

’’بابا! یہ بچہ کیسے زخمی ہوا ہے اور تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟‘‘

بوڑھے کی زبان بند رہی۔

علی نے اسے تسلی دی کہ ہم مجاہدین ہیں۔ ہم سے خوف نہ کھاؤ۔ اگر ہم تمہاری مدد کرسکے تو ضرور کریں گے۔

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے بتایا:

’’یہاں سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہمارا گاؤں تھا جو اب ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔ کل صبح جب ہم ابھی مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ اچانک روس کے پانچ طیارے نمودار ہوئے۔ لوگ طیاروں کو دیکھتے ہی چھپنے کے لیے پہاڑوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بمباری بہت جلد شروع ہوگئی اور یہ اس قدر زیادہ تھی کہ چند ہی افراد محفوظ جگہوں پر پہنچنے میں کامیاب ہوسکے۔ تباہ کن بمباری سے گاؤں ملبے کا ڈھیر بن گیا اور نیپام بموں سے جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ سینکڑوں افراد بمباری سے اور ملبے کے نیچے دب کر شہید ہوگئے۔ طیارے ابھی فضا ہی میں تھے کہ ٹینکوں نے گولہ باری شروع کردی۔ جب انہیں یقین ہوگیا کہ گاؤں کا اب کوئی فرد زندہ نہیں بچا ہوگا تو مسلح سپاہیوں نے ملبے کے ڈھیر کی تلاشی لینی شروع کردی۔ زخمیوں اور لاشوں کو نکال نکال کر ایک طرف جمع کرنے لگے۔ زخمیوں کو انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈالا اور پھر سب پر پٹرول چھڑک کر............ زندہ جلا دیا۔ جب روسی چلے گئے تو ہم چند افراد جو پہاڑوں میں چھپے بیٹھے تھے‘ نیچے آئے تاکہ شہدا کو دفن کرسکیں لیکن افسوس کہ ہم وہ بھی نہ کرسکے۔ ہم مردوں نے مل کر بہت سی قبریں کھودیں۔ جب لاشیں اٹھانے لگے تو لاشیں دھماکے سے پھٹ گئیں‘ لاشیں اٹھانے والوں کے پرخچے اڑ گئے۔ ہم ایک دفعہ پھر خوفزدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرا بیٹا بھی شہید ہوگیا اور یہ میرا پوتا یتیم ہوگیا۔ ہم نے رات پہاڑ پر گزاری اور سب نے فیصلہ کیا کہ ایک ایک دو دو کی ٹولیوں میں یہاں سے جائیں تاکہ راستے میں روسی طیارے سب کو اکٹھا دیکھ کر بمباری شروع نہ کردیں۔‘‘

بوڑھے نے بات ختم کرتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا کہ ہم کتنے بدقسمت ہیں کہ اپنے عزیزوں کی لاشوں کو بھی نہ دفنا سکے۔

علی نے پوچھا کہ بابا! آخر تمہارے گاؤں پر اس قدر ظلم کس وجہ سے کیا گیا؟

بوڑھے نے بتایا کہ اس کے علاوہ ہمارے گاؤں کا کیا جرم تھا کہ یہاں کے کچھ نوجوان جہاد میں حصہ لیتے تھے اور عورتیں مجاہدین کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں۔

علی نے سب سے پہلے اس کے زخمی پوتے کی مرہم پٹی کی اور پھر کہا:

''بابا! اپنے گاؤں تک ہمیں لے چلو تاکہ ہم اس گاؤں کے شہداء کو دفنا سکیں۔''

بوڑھے نے کہا: ''نہیں بیٹا! یہ ظلم میں نہیں کرسکتا کیونکہ جس نے بھی لاشوں کو ہاتھ لگایا وہ خود شہید ہوگیا۔''

علی نے بوڑھے کو بتایا: ''میں تربیت یافتہ مجاہد ہوں اس لیے تم فکر نہ کرو۔''

لیکن بوڑھے کا جواب نفی میں تھا۔

علی کے ساتھیوں نے بھی علی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالو لیکن علی نے کسی کی بات نہ مانی اور بوڑھے کے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ مجبوراً بوڑھے کو بھی ساتھ دینا پڑا۔

جب وہ گاؤں پہنچے تو ابھی کچھ لوگ گاؤں میں موجود تھے۔ علی کو دیکھ کر وہ اکٹھے ہونا شروع ہوگئے۔ علی نے سب سے کہا کہ آپ لوگ پیچھے چلے جائیں اور مجھے لاشوں کی طرف اکیلا جانے دیں۔ علی نے گاؤں میں داخل ہونے کے بعد انسانی جسموں کے ٹکڑے دُور دُور تک بکھرے ہوئے دیکھے۔ کسی کا جسم بغیر بازوؤں کے تھا تو کسی کا بغیر سر کے اور کسی کا بغیر ٹانگوں کے۔ گڑھے میں پڑی ہوئی لاشیں جل چکی تھیں اور وہاں صرف ہڈیاں یا پھر جلا ہوا گوشت رہ گیا تھا۔ گاؤں میں اب بھی اکثر مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور ایک دل ہلا دینے والا منظر تھا۔

علی کو یاد آیا کہ اس کا گاؤں بھی اسی طرح تباہ ہوا تھا۔ اس کا رونے کو جی چاہا لیکن اس نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرلیا۔ وہ لاشوں کے قریب گیا۔ گاؤں کے کئی بوڑھے اب بھی اسے آوازیں دے رہے تھے کہ بیٹا ان کو ہاتھ نہ لگانا، ہماری بات مان لو اور واپس آجاؤ لیکن علی نے کسی کی آواز پر کان نہ دھرا۔

علی نے ایک لاش سے اس کی قمیص اوپر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ اس کا پیٹ چاقو سے چیرا ہوا تھا۔ علی نے بڑی احتیاط سے پیٹ سے گوشت اور کھال ایک طرف کی تو اس نے دیکھا کہ اندر ایک چھوٹا سا بم رکھا ہوا ہے۔ علی نے اس بم کے بارے میں ٹریننگ کے دوران سنا تھا کہ اس بم کا نام ''پریشر بم'' ہے۔ لاش اٹھاتے وقت یا پھر لاش پر مٹی ڈالتے وقت جونہی اس پر دباؤ پڑتا ہے، یہ پھٹ جاتا ہے اور یہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ لاش اٹھانے والوں کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ علی نے آواز دے کر ایک تھیلا منگوایا۔

ایک مجاہد تھیلا لے کر آیا تو علی نے اس بم کو احتیاط سے لاش کے پیٹ سے نکالا۔ پریشر پن جو اس کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی، دوبارہ اُس کو اس کی جگہ رکھا اور بم کو تھیلے میں رکھ لیا۔ باری باری اس نے تمام لاشوں کے پیٹ اور سینے دیکھ دیکھ کر بم نکال لیے اور تھیلے میں سنبھال کر رکھ لیے۔ پھر لوگوں کے

ساتھ مل کر لاشوں کو دفنانے لگا۔ لوگ اب بھی لاشوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں پھٹ نہ جائیں۔ علی نے انہیں بتایا کہ اب تمام بم نکال لیے گئے ہیں، اس لیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

جب سب لاشوں کو دفنا چکے تو علی نے گاؤں والوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''بزرگو اور دوستو! اس وطن میں یہ تمہارا پہلا گاؤں نہیں ہے جس پر یہ ظلم ہوا، یہ ظلم میرے گاؤں پر بھی ہوچکا ہے اور افغانستان میں شاید ہی کوئی گاؤں اس ظلم سے بچا ہو۔ یاد رکھیں کہ آزادی کی خاطر ہر چیز کی قربانی دینا پڑتی ہے اور اس گاؤں کے لوگوں نے بھی جو عظیم قربانی دی ہے، میں اسے سلام کرتا ہوں۔ ہمارا واسطہ انتہائی ظالم، سفاک اور کمینے دشمن سے ہے۔ جب مجاہدین کے ہاتھوں اس کی پٹائی ہوتی ہے تو اس کا بدلہ وہ نہتے دیہاتی عوام سے لیتا ہے۔ وہ ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن پہاڑوں کے بیٹے انشاء اللہ پہاڑوں سے مضبوط بن کر دکھائیں گے۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ بموں سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوسکتے ہیں، ہمارے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ اس سرزمین پر بکھر کر مٹی میں مل سکتا ہے لیکن انشاء اللہ ہماری ہمت اور حوصلہ اور پائے استقلال میں لغزش نہیں آئے گی۔

میرے دوستو! اس گاؤں کے مکینوں کی قربانی ہمارے لیے ایک پیغام ہے کہ آزادی کی زندگی یا پھر شہادت کی موت، اس لیے ان شہداء پر مت روؤ۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کرو۔ ان کی راہ ہی کامیابی اور عظمت کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں (کافروں) سے لڑو۔ اللہ تمہارے ہی ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور ان پر تمہیں غلبہ دے گا۔''

علی اپنی بات ابھی ختم کر ہی پایا تھا کہ دشمن کے طیارے پھر نمودار ہوئے۔ سب نے پہاڑوں پر بنی ہوئی پناہ گاہوں میں جا کر پناہ لی۔ علی نے وہ رات ان مظلوموں کے ساتھ گزاری۔ سب کو حوصلہ دیا۔ کئی نوجوان علی کے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگے لیکن علی نے انہیں ہیڈ کوارٹر جانے کا مشورہ دیا کہ پہلے وہاں سے تربیت حاصل کریں۔ خود صبح وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ اس نے پریشر بموں کا تھیلا بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ایک مجاہد نے اعتراض کیا کہ یہ بوجھ اٹھانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ علی نے کہا کہ ممکن ہے راستے میں کسی جگہ یہ ہمارے کام آئیں اور میں چاہتا ہوں کہ اگر موقع ملے تو انہیں دشمن کے خلاف استعمال کروں۔

دوسرے مجاہد نے کہا: ''اگر راستے میں پھٹ گئے تو ہم سب کا قیمہ ہوجائے گا۔''

علی اس مجاہد کی بات پر ہنسا اور اسے سمجھایا کہ یہ بم اب اس وقت تک نہیں پھٹیں گے جب تک انہیں دوبارہ لاشوں کے اندر نہ رکھ دیں گے۔ اس لیے بے فکر ہو کر چلتے رہو۔





سورج غروب ہونے میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی جب وہ ایک پہاڑ سے اتر رہے تھے۔ انہیں ایک طرف چند افراد نظر آئے۔ علی نے اپنے ساتھیوں سے پتھروں کی اوٹ میں فوراً لیٹ جانے کو کہا اور پھر غور سے سب ساتھی ان افراد کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔

وہ افراد بیٹھے گپ بازی میں مصروف تھے اور ابھی تک انہوں نے علی اور اس کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا تھا۔ علی نے اپنے ساتھی مجاہدین سے مشورہ کے بعد مجاہدین کی مخصوص آواز میں نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو پکارا تو نیچے سے آواز آئی کہ وہ بھی مجاہدین ہیں۔ جب سب کو یقین ہو گیا کہ نیچے مجاہدین کا ہی کوئی گروپ ہے تو وہ سب اٹھ کر نیچے آ گئے۔

تعارف کے بعد مجاہدین کے اس گروپ کے کمانڈر جس کا نام ابراہیم تھا‘ نے علی کو بتایا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ دشمن کا ایک کانوائے کل صبح آ رہا ہے اور اس پہاڑ کے مشرقی جانب جو گاؤں ہے‘ اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم یہاں اندھیرا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ دشمن کے راستے میں بارودی سرنگیں بچھا سکیں۔

علی نے پوچھا کہ کانوائے کتنا بڑا ہوگا تو کماندار نے بتایا کہ ہماری اطلاع کے مطابق کانوائے کوئی زیادہ بڑا نہیں ہوگا کیونکہ وہ صرف اس گاؤں کو سبق سکھانا چاہتے ہیں تاکہ اس گاؤں کے لوگ ہماری مدد نہ کریں۔ خیال ہے کہ اس میں چند ٹینک‘ بکتر بند گاڑیاں اور دو سو سے زیادہ فوجی ہوں گے۔ علی نے کہا کہ ہم اگرچہ آگے جا رہے ہیں لیکن آج رات تمہارے ساتھ گزاریں گے اور تمہارا ساتھ دیں گے۔

علی کو جب پتا چلا کہ مجاہدین کے پاس بارودی سرنگیں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں تو اس نے کمانڈر ابراہیم سے کہا کہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ اس منصوبے پر عمل کر کے ہم تھوڑی بارودی سرنگوں کے ساتھ بھی دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

علی نے منصوبہ کی تفصیلات سے کمانڈر کو آگاہ کیا تو کمانڈر ابراہیم خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ میں حیران ہوں کہ تم اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے اچھے منصوبے سوچ لیتے ہو۔ یہ منصوبہ تو بارودی

سرنگوں کے بغیر بھی بہت کامیاب ہو سکتا ہے۔

علی کے کہنے پر کمانڈر ابراہیم نے ایک کلہاڑا‘ آری اور چند کسیاں منگوا لیں۔ اندھیرا ہوتے ہی سب سے پہلے مجاہدین نے بارودی سرنگیں دشمن کے راستے میں دبائیں اور پھر وہاں سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پر کسیوں سے گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ رات دس بجے تک وہ کئی فٹ گہرا اور چوڑا گڑھا کھود چکے تھے۔ دوسرے مجاہدین لکڑی کاٹ کر لے آئے تھے۔ گڑھے پر چھت ڈال کر راستے کو بالکل پہلے کی طرح ہموار کر دیا گیا اور تازہ کھدی ہوئی مٹی دور ہٹا دی گئی۔ کوئی بھی نیا آنے والا نہیں جان سکتا تھا کہ یہاں کوئی گڑھا کھودا گیا ہے۔ یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر نیچے اترائی تھی۔

علی نے کمانڈر ابراہیم سے کہا کہ اگر ہم یہاں اترائی میں بھی ایک گڑھا کھود دیں تو دشمن کے کم از کم دو ٹینک تو اس گڑھے میں ضرور گریں گے کیونکہ اترائی کے سبب پچھلا ٹینک اگلے ٹینک کو گرتا ہوا نہ دیکھ سکے گا۔ دوسرے جب وہ دیکھے گا تو بریک لگانے کے باوجود ٹینک کو گرنے سے نہ بچا سکے گا۔

کمانڈر ابراہیم نے علی کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے یہاں بھی ایک بڑا گڑھا کھودنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ مجاہدین تھک چکے تھے اور نیند بھی آ رہی تھی لیکن پھر بھی مجاہدین نے مل کر چند گھنٹوں کے اندر اندر بہت بڑا گڑھا کھود کر اور اس پر چھت ڈال کر راستہ بالکل صاف کر دیا۔

اللہ نے بھی مجاہدین کی مدد کی۔ جونہی وہ کام سے فارغ ہوئے ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ اب بالکل پتا ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کس جگہ گڑھے کھودے گئے ہیں۔

ابھی مجاہدین کو سوئے ہوئے بمشکل ایک ہی گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کمانڈر ابراہیم نے مجاہدین کو صبح کی نماز کے لیے جگایا۔ کمانڈر ابراہیم نے رات ہی کو گاؤں والوں سے کہہ دیا تھا کہ صبح سحری کے وقت ہی گاؤں خالی کر کے پہاڑوں پر بنائے گئے مورچوں میں چھپ جائیں اس لیے صبح ہوتے ہی سارا گاؤں خالی ہو چکا تھا۔

جب صبح دشمن کے طیارے بمباری کرنے آئے تو وہاں ایک بھی انسان یا حیوان نہیں تھا۔ بمباری سے مکانات ملبے کا ڈھیر بنتے جا رہے تھے اور کئی جگہ آگ بھی لگ گئی تھی لیکن اس بمباری سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

علی اور دوسرے مجاہدین نماز سے فارغ ہونے کے بعد راستے کے دونوں اطراف پوزیشنیں لیے دشمن کے کانوائے کا انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے حملے کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ جس گاؤں پر حملہ کرنا مقصود ہوتا ہے‘ وہاں سب سے پہلے طیاروں سے بمباری کی جاتی ہے اور پھر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے گاؤں کو محاصرے میں لے کر بچے ہوئے انسانوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دشمن کا کانوائے نظر آنا شروع ہوگیا۔ ٹینکوں سے اردگرد کے پہاڑوں پر گولہ باری کی جارہی تھی تاکہ اگر ان پہاڑوں پر مجاہدین چھپے ہوئے ہوں تو وہ بھاگ جائیں اور کانوائے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں لیکن یہاں تو مجاہدین پتھروں کی اوٹ میں بنائے گئے مورچوں میں چھپے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی جھاڑیاں بھی ان مورچوں کو دشمن کی نظر سے چھپائے ہوئے تھیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین دشمن کے کانوائے کی تباہی کا منظر دیکھنے کو بے تاب تھے۔ جب اگلا ٹینک بارودی سرنگوں کے قریب آ گیا تو سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اگلے ٹینک کے دباؤ سے بارودی سرنگیں پھٹیں اور زبردست دھماکے سے ٹینک قلابازیاں کھاتا ہوا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

کانوائے کا پچھلا حصہ رک گیا اور اردگرد کے پہاڑوں پر گولوں کی بارش ہونے لگی۔ جب دشمن کو یقین ہوگیا کہ اب کوئی چیز سلامت نہ بچی ہوگی تو وہ بکتر بند گاڑیوں سے نکلا اور ٹینک میں ہلاک ہونے والوں کو نکالنے لگا۔ دشمن کے فوجی اگلے راستے کو مائنز ڈیٹیکٹر سے چیک کرنے لگے کہ کہیں آگے مزید بارودی سرنگیں نہ بچھی ہوں۔

علی نے سب مجاہدین سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجاہدین کی طرف سے کارروائی آخری مرحلے میں ہوگی' اس لیے پہلے کوئی مجاہد گولی نہ چلائے۔ اگر پہلے گولی چل گئی تو ممکن ہے کہ دشمن بھاگ اٹھے اور ہم اسے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔

دشمن کو جب یقین ہوگیا کہ آگے راستہ صاف ہے اور اردگرد کے پہاڑوں پر کوئی مجاہد نہیں کیونکہ اگر مجاہدین ہوتے تو لازماً کچھ نہ کچھ ضرور کرتے۔ یہ سوچ کر دشمن نے آگے کی طرف پیش قدمی کی لیکن ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ دشمن کا اگلا ٹینک جونہی کھودے گئے گڑھے کی چھت پر سے گزرنے لگا' ٹینک کے بوجھ سے چھت کی لکڑیاں ٹوٹ گئیں اور ٹینک گڑھے میں گر کر پھنس گیا۔ دشمن کے فوجیوں نے ایک دفعہ پھر اردگرد کا جائزہ لیا اور کانوائے کو گاؤں کی طرف چلا دیا۔ ٹینک اور کانوائے کی دوسری گاڑیاں گڑھوں سے ڈرتے ہوئے راستے سے ہٹ کر چل رہی تھیں لیکن جہاں اترائی میں گڑھا کھودا گیا تھا' وہاں سے وہ راستے سے ہٹ کر نہیں چل سکتے تھے۔ چند فوجیوں نے اتر کر اترائی والے راستے کا جائزہ لیا۔ علی نے اس گڑھے کو ڈھانپنے پر خصوصی توجہ دی ہوئی تھی' اس لیے کسی کو گڑھے کا شک نہ ہوا۔ ٹینک نے اترائی اتر کر جونہی اس پر اگلا حصہ رکھا' وہ گڑھے میں قلابازی کھا کر گر پڑا اور اس کے پیچھے حسب توقع دوسرا ٹینک بھی گرا۔ اب علی اور کمانڈر ابراہیم نے دوسرے مجاہدین کو چوکنا کر دیا کہ جونہی دشمن بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلے' فائرنگ شروع کر دیں۔ ایسا ہی ہوا۔ دشمن کے فوجی بے فکر ہو کر راستہ

بنانے کے لیے باہر نکلے اور کچھ ویسے ہی ہوا خوری کے لیے نکل آئے۔

مجاہدین نے دونوں طرف سے فائرنگ شروع کر دی۔ اس سے قبل کہ دشمن سنبھلتا' دشمن کے بیسیوں فوجی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ باقیوں نے بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں میں پناہ لی۔ مجاہدین کے پاس ایسا اسلحہ نہیں تھا کہ وہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو نقصان پہنچا سکتے۔ دشمن کے تین ٹینک گڑھوں میں پھنس چکے تھے اور ایک ٹینک تباہ ہو چکا تھا' بیسیوں فوجی ہلاک ہو چکے تھے۔ اس لیے مجاہدین کی طرف سے جونہی فائرنگ بند ہوئی' دشمن نے لاشوں کو اٹھایا اور واپسی کا راستہ لیا۔

کمانڈر ابراہیم علی سے بہت خوش تھا کہ اس کی منصوبہ بندی سے دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا ہے اور وہ اپنے تین ٹینک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ دشمن کے جانے کے بعد پہاڑ نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھے۔ مگر علی زیادہ خوش نہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت مجاہدین کے پاس جدید ہتھیار ہوتے تو جس طرح دشمن ہمارے جال میں پھنسا تھا ان میں سے ایک بھی بچ کر واپس نہ جا سکتا مگر اسلحہ کی کمی کی وجہ سے دشمن اپنا بہت سا سامان بچا کر واپس لے گیا۔



نماز ظہر کا وقت تھا جب علی اپنے گروپ کے مجاہدین کے مرکز میں داخل ہوا۔ پہرے پر موجود مجاہد نے پہلے اس کی شناخت کی اور پھر آگے جانے دیا۔ اس مرکز کا انچارج کمانڈر عمر تھا' جو پہلے افغان فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔ جب روسی فوج افغانستان میں داخل ہوئی تو یہ فوج سے بھاگ آیا اور مجاہدین میں شامل ہوگیا۔ اور جب سے یہ مرکز بنایا گیا تھا' اسی وقت سے اس کا انچارج تھا۔ اس کے ماتحت مجاہدین کے کئی چھوٹے مراکز تھے۔

کمانڈر عمر نے فوراً علی کو اپنے پاس اندر بلایا اور خیریت پوچھنے کے بعد بتایا کہ مجھے تمہاری روانگی کی اطلاع وائرلیس پر مل چکی تھی مگر تم دو دن تاخیر سے یہاں پہنچے ہو۔ علی نے راستے میں پیش آنے والے واقعات سے کمانڈر عمر کو آگاہ کیا جن کی وجہ سے وہ دو دن لیٹ ہوگیا تھا۔ کمانڈر عمر نے تمام واقعات سننے کے بعد کہا کہ تم نے بے شک اچھے کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن چیف کمانڈر کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے تمہیں سیدھے یہاں پہنچنا چاہئے تھا۔ ہم پچھلے دو دن سے تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ ہم تمہیں کل حیدر مرکز پر بھیج دیں گے۔ اس کے بعد تم نے اپنا کام کس طرح کرنا ہے اور کون سا بھیس بدل کر شہر میں داخل ہونا ہے' وہاں تمہیں پتا چل جائے گا۔ اب تم لوگ آرام کرو۔

رات کے چار بجے تھے جب باہر شور وغل سے علی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ تمام مجاہدین اپنے بوٹوں کے تسمے باندھ رہے ہیں اور ایسے معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے کسی چھاپہ مار کارروائی کے لیے جا رہے ہوں۔

وہ جلدی سے اُٹھا' اپنے بوٹ پہنے' کلاشنکوف اٹھائی' گولیوں کو چیک کیا اور کمانڈر عمر کے پاس آیا اور اس تیاری کے بارے میں پوچھنے لگا۔ کمانڈر عمر نے بتایا کہ ابھی چند منٹ پہلے وائرلیس پر ایک دوسرے گروپ کے مجاہدین کے ایک مرکز سے پیغام ملا ہے کہ وہ مکمل طور پر گھیرے میں آ چکے ہیں۔ انہوں نے ہم سے مدد مانگی ہے اور اگر ہم ان کی مدد کو جلدی نہ پہنچے تو دشمن مرکز پر قبضہ کر کے سب کو شہید کر دے گا کیونکہ فرار کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ علی نے بھی ساتھ جانے کی اجازت مانگی۔ پہلے تو کمانڈر نے اسے کہا کہ ایک تو تم تھکے ہوئے ہو' دوسرے ہمارے مہمان ہو اس لیے تم آرام کرو

لیکن جب علی نے زیادہ ہی اصرار کیا تو اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ایک پہاڑ کے دامن میں رکے اور وائرلیس پر کمانڈر عمر اس مرکز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ فکر مند تھا کیونکہ روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے وہ محاصرہ توڑ کر مجاہدین کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا۔ اگر دیر ہوگئی تو محاصرہ توڑنا مشکل ہو جائے گا۔ اس نے علی کو وائرلیس دیتے ہوئے کہا: ''تم اس پر کوشش کرو۔'' خود مجاہدین کو ہدایات دینے لگا کہ پہلی دفعہ دوسرے گروپ نے مدد مانگی ہے اگر ہم انہیں نہ بچا سکے تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اتنی دیر میں علی کا وائرلیس پر رابطہ قائم ہوگیا اور اس نے وائرلیس کمانڈر عمر کو دے دی۔ کمانڈر عمر نے سب سے پہلے خیریت دریافت کی' پھر دشمن کی پوزیشنوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔ وہ معلومات کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔

بات ختم ہوئی تو اس نے چند تجربہ کار مجاہدین کو بلایا اور پھر کاغذ پر نقشہ بنا کر ٹارچ کی روشنی میں انہیں سمجھانے لگا۔ ان میں علی بھی شامل تھا۔

کمانڈر عمر بتا رہا تھا کہ مجاہدین جو اس مرکز میں ہیں' ان میں سے دس مجاہد شہید ہو چکے ہیں' پندرہ زخمی ہیں اور اٹھارہ مجاہد اس وقت بھی دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اسلحہ اتنا تھوڑا ہے کہ وہ مزید ایک گھنٹہ بمشکل مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مرکز کے جنوب کی طرف دشمن کی فوج سب سے زیادہ ہے اور اسے ٹینکوں کی مدد بھی حاصل ہے۔ دشمن کا خیال ہے کہ اگر مجاہدین کو کوئی مدد مل سکتی ہے تو اسی جانب سے مل سکتی ہے اور یہ خیال اس کا درست بھی ہے۔ مشرق کی طرف سے بھی کوئی مدد نہیں آ سکتی کیونکہ ادھر بھی دشمن مورچہ بند ہے اگرچہ اس کی تعداد جنوب کی نسبت کم ہے مگر اس طرف مجاہدین کا کوئی مرکز نہیں ہے جدھر سے مدد آ سکے اور دشمن اس کمزوری سے باخبر ہے۔ شمال کی جانب دشمن کی تعداد کافی کم ہے لیکن ادھر سے حملہ خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ ادھر چار میل کے فاصلے پر دشمن کی چھاؤنی ہے جہاں سے چند منٹوں میں اسے مدد مل سکتی ہے اور دشمن کی چال بھی یہی ہے کہ جنوب کی طرف سے نہ صرف مجاہدین کی مدد روکی جائے بلکہ حملہ کر کے انہیں شمال کی جانب بھاگنے پر مجبور کیا جائے...... شمال میں موجود روسی فوجی بھاگتے ہوئے مجاہدین کو گرفتار کر لیں۔ رہی مغرب کی سمت۔ اوّل تو یہ جنوب اور شمال کی مکمل زد میں ہے' دوسرے اس طرف کا پہاڑ بالکل ننگا ہے اور مجاہدین اس طرف سے بھاگیں تو ان پر بمباری کے ساتھ ساتھ گولہ باری بھی کی جائے گی۔ ویسے بھی یہ انتہائی مشکل راستہ ہے بلکہ راستہ ہے ہی نہیں کیونکہ پہاڑ تقریباً سیدھا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس کل ساٹھ مجاہدین ہیں

اور جنوب میں دشمن کی تعداد پانچ سو سے سات سو کے لگ بھگ ہے۔ اب آپ لوگ رائے دیں کہ ہم کدھر سے حملہ کریں۔

مختلف مجاہدین نے مختلف رائیں دیں۔ آخر میں علی نے کہا کہ میں آپ جتنا تجربہ کار تو نہیں ہوں لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ دشمن کو چونکہ یہی توقع ہے کہ محصور مجاہدین کو امداد صرف جنوب سے مل سکتی ہے اس لیے ساٹھ میں سے چالیس مجاہدین جنوب ہی سے حملہ آور ہوں جبکہ باقی بیس مجاہدین شمال کی طرف سے دشمن کے کیمپ پر حملہ کر کے فرار کا راستہ بنائیں۔

''لیکن شمال کی طرف سے اور وہ بھی بیس مجاہدین کی کارروائی تو خودکشی ہے کیونکہ دشمن کے کم از کم بھی وہاں ایک سو فوجی تو لازماً ہوں گے۔'' کمانڈر عمر نے کہا۔

علی نے کہا کہ یہی بات دشمن بھی سوچ رہا ہے کہ شمال کی جانب سے مجاہدین کسی صورت بھی حملہ آور نہیں ہوں گے' اس لیے یہ حملہ غیر متوقع ہوگا اور اس صورت میں جب آپ جنوب کی طرف سے دشمن پر حملہ کر چکے ہوں گے' اس غیر متوقع حملے میں دشمن کو ہماری قوت کا اندازہ لگانے کا موقع ہی نہیں ملے گا اور افراتفری میں جب تک وہ سنبھل پائے گا' اتنی دیر میں محصور مجاہدین ہم تک آ ملیں گے۔

کمانڈر عمر اس بات پر سوچنے لگا اور پھر کہا کہ منصوبہ تو کافی خطرناک ہے مگر اس کے علاوہ کوئی قابل عمل صورت بھی نہیں مگر ایک بات تو بتاؤ کہ اگر بھاگتے ہوئے مجاہدین پر مشرق کی طرف والے دشمن نے حملہ کر دیا تو اس صورت میں کیا ہوگا۔

علی نے کہا کہ مشرق کی طرف والے روسی فوجی حملہ نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جب ہم حملہ کریں گے تو دشمن مشرق کی طرف ہی بھاگے گا۔ اگر مشرق کی طرف والے روسی فائرنگ کرتے ہیں تو ان کے اپنے آدمی زیادہ تعداد میں مارے جائیں گے۔

کمانڈر نے علی کی بات سن کر کہا کہ تم ہو تو ابھی بہت چھوٹے لیکن قدرت نے تمہیں دماغ بہت بڑا دیا ہے۔ فوجی افسر ہوتے ہوئے بھی یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ چونکہ یہ منصوبہ تمہارا ہے اس لئے تم ہی اس پر بہتر طور پر عمل کر سکتے ہو' بیس مجاہدین کے بجائے تیس مجاہدین لے جاؤ۔ دوسری طرف تیس مجاہدین سے میں دشمن کی توجہ اپنی طرف لگائے رکھوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا' اپنے آپ کو زیادہ خطرے میں نہ ڈالنا۔

علی نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ آپ یہ ذمہ داری میرے سپرد کر رہے ہیں' میرے لیے دعا بھی کرنا۔ انشاء اللہ میں بھی سارے مجاہدین کو زندہ سلامت واپس لانے کی کوشش کروں گا اور یہ وائرلیس سیٹ آپ مجھے دے دیں کیونکہ اب محصور مجاہدین سے مجھے ہی رابطہ قائم کرنا ہے۔ کمانڈر عمر نے

وائرلیس سیٹ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔

علی نے رخصت ہوتے ہوئے کمانڈر عمر سے کہا کہ آپ جاتے ہی فوراً حملہ کر دیں تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی ہم بھی کارروائی شروع کر سکیں۔

علی خدا کا نام لے کر چل پڑا۔ بڑا پرخطر راستہ تھا۔ قدم قدم پر خطرہ تھا۔ دو مجاہد آگے تھے۔ وہ مخصوص جنگلی جانور کی آواز میں راستہ صاف ہونے کا اشارہ کرتے تو باقی مجاہدین اس جگہ پہنچ جاتے۔ آہستہ آہستہ چلتے' بیٹھتے' رینگتے وہ ایک نالے میں پہنچ گئے۔ یہاں کافی جھاڑیاں تھیں۔ سب مجاہدین کو علی نے یہاں بیٹھنے کا کہا اور تین مجاہدین کو ساتھ لے کر آگے دشمن کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر انہیں دشمن کے خیمے نظر آئے۔ ایک خیمے کے اندر سے مدھم سی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اب تینوں مجاہدوں کو علی نے کہا کہ تم رینگتے ہوئے آگے جاؤ اور دشمن کی پوزیشنوں کا پتا کر کے آؤ۔ وہ خود بھی رینگتا ہوا خیمے کی طرف روانہ ہو گیا۔ مزید آگے جا کر اُس نے دیکھا کہ جس خیمے سے روشنی آ رہی ہے' اُس سے پرے کافی تعداد میں اور بھی خیمے ہیں۔ روشنی والے خیمے کے باہر ایک مسلح فوجی پہرہ دے رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کسی افسر کا خیمہ ہے۔

علی نے سوچا کہ اگر کسی طریقے سے فوجی کو اغوا کر لوں تو دشمن کی ساری پوزیشنوں کا پتا چل سکتا ہے لیکن اسکے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر اغوا کرنے میں ناکام ہو گیا تو سارا پلان فیل بھی ہو سکتا ہے۔ پھر خود ہی اُس کے ذہن میں جواب اُبھرا کہ فوجی پوری رات جاگ کر تھکا ہوا ہے' مزاحمت نہیں کر پائے گا اور افسر اندر شراب پی کر گہری نیند سو رہا ہوگا اور قریب کوئی دوسرا فوجی بھی نظر نہیں آ رہا۔ دشمن شاید اس طرف سے بالکل بے فکر ہے۔ اگر بے فکر نہ ہوتا تو پہرے کا ٹھیک ٹھاک انتظام ہوتا مگر علی کو ابھی تک کوئی دوسرا پہرے دار نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے علی نے اس فوجی کو اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ رینگتا ہوا اس کی پشت پر پہنچ گیا۔ پھر اچھل کر اُس نے ایک ہاتھ اُس کے منہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے زور سے اُس کے سر پر پستول کا بٹ مارا تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ اس کا منصوبہ کامیاب رہا۔ وہ اُسے گھسیٹتا ہوا نالے میں لے آیا۔

اتنی دیر میں دوسرے مجاہدین بھی آ چکے تھے۔ بے ہوش فوجی کو ہوش میں لانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ جلد ہی وہ ہوش میں آ گیا۔ اپنے آپ کو مجاہدین میں دیکھ کر وہ سخت گھبرایا۔ علی نے اُسے تسلی دی کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور اگر ذرہ بھی تم نے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو چیخ کی آواز تمہارے منہ سے باہر آنے سے پہلے ہی تمہاری جان نکال دی جائے گی۔

فوجی نے کہا کہ اگر آپ مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے تو میں ہر طرح سے آپ کی مدد کو تیار ہوں۔ مجھے خود روسی فوج سے نفرت ہے۔

پھر اُس نے علی کو رُوسی افغان فوج کی ساری پوزیشنوں کے بارے میں بتایا۔ علی نے اپنے بھیجے ہوئے تین مجاہدین سے بھی رپورٹ لی تو معلومات کافی حد تک ایک جیسی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ فوجی ٹھیک بتا رہا تھا۔

علی نے مزید سوالات پوچھے تو پتا چلا کہ دشمن کو واقعی اس طرف سے کسی کارروائی کی توقع نہیں تھی۔ دشمن کے اس طرف سو سے کم فوجی تھے............ایک افغان فوجی افسران کی قیادت کر رہا تھا۔ وہی افسر اس وقت خیمے میں سو رہا تھا۔ دشمن کا منصوبہ تھا کہ محصور مجاہدین کو صبح گرفتار کریں گے۔ اس لیے فوجی تو پہاڑ کی چوٹی پر پوزیشنیں لیے بیٹھے تھے مگر افغان فوجی افسر نیچے خیمے میں سو رہا تھا۔

علی نے اتنی دیر میں زبردست گولہ باری کی آواز سنی۔ اسی آواز کا اُسے انتظار تھا۔ اس گولہ باری کا مطلب تھا کہ کمانڈر عمر نے اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔ اس طرف کا دشمن بھی یقیناً چوکس ہو گیا ہو گا کہ محصور مجاہدین باہر آئیں تو انہیں گرفتار کرے۔

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے۔ ایک گروپ جو پانچ مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ دشمن کی گاڑیوں پر قبضہ کر کے فوراً اس نالے میں آ جائے۔ کام کا اسلحہ بھی ان میں لاد لے۔ دوسرے دس مجاہدین کے گروپ کو دشمن کے تمام خیموں کو آگ لگانے کا کام سونپا گیا اور انہیں کہا گیا کہ خیموں کو آگ لگانے کے بعد اسلحہ کے ذخیرہ کو بھی آگ لگا دیں مگر اپنے آپ کو بچاتے ہوئے۔ آگ لگانے کے بعد اس گروپ کا کام تھا کہ مشرق کی طرف سے آنے والے دُشمن کا راستہ روکے تا کہ مجاہدین کسی بھی صورت میں گھیرے میں نہ آ جائیں۔

وہ دونوں گروپ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد علی نے وائرلیس پر محصور مجاہدین کے کمانڈر سے رابطہ قائم کیا اور اُسے کہا کہ وہ شمال کی طرف سے محاصرہ سے نکلنے کی کوشش کریں۔

محصور کمانڈر نے کہا کہ اس طرف تو دشمن ہمیں زندہ گرفتار کرنے کے لیے تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔

علی نے اُسے کہا کہ آپ مجاہدین کو لے کر اس طرف آنے کی تیاری کریں۔ دس منٹ بعد آپ کو راستہ صاف ملے گا اور آپ دشمن کو مشرق کی طرف بھاگتا ہوا دیکھیں گے۔ دشمن اس وقت ہمارے محاصرہ میں ہے۔ اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ وقت ضائع نہ کرنا۔

محصور کمانڈر سے بات ختم کرنے کے بعد علی نے باقی پندرہ مجاہدین کو ساتھ لیا اور دشمن کے

ورچوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ رینگ رینگ کر چل رہے تھے تا کہ دشمن انہیں قبل از وقت نہ یکھ لے۔

اندھیرا چھٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اگر چند منٹ کے اندر اندر کارروائی مکمل نہ ہوئی تو نہ محصور مجاہدین ؛ سکتے تھے اور نہ ہی علی کے ساتھی' اس لیے ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا جا رہا تھا۔ گرفتار فوجی کو اُن ں مجاہدوں کے ساتھ بھیج دیا تھا جو خیموں کو آگ لگانے گئے تھے تا کہ وہ اُن کی مدد کر سکے اور اُن دس اہدین کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر کسی فوجی کو کسی خیمے میں پائیں تو اُسے زندہ نہ چھوڑیں کیونکہ ارے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں جو ان کو گرفتار کرنے کے بعد پہرہ دے سکیں۔

علی اور اُس کے ساتھی پہاڑ پر آدھے سے زیادہ چڑھ چکے تھے اور وہاں سے اُنہیں دشمن کے ورچے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر جھاڑیوں اور پتھروں کی اوٹ میں ہپ گئے۔ مورچوں پر راکٹوں سے حملہ کرنے کا پروگرام تھا لیکن یہ حملہ خیموں کو آگ لگانے کے بعد ناتھا۔ علی کی نظر خیموں پر تھی۔ اُس نے دیکھا کہ چند لمحوں بعد سارے خیمے آگ کی لپیٹ میں تھے۔ ں نے دشمن کی گاڑیاں بھی نالے کی طرف جاتی دیکھیں اور جب اسلحہ کے ذخیرہ کو آگ لگی تو بردست دھماکے ہونے لگے۔

علی کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اور دوسرے مجاہدین نے راکٹوں سے پہاڑ پر بنائے گئے ورچوں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ دشمن کے فوجیوں کو اتنی زبردست کارروائی کی توقع ہی نہیں تھی' اور اسے اہدین کی تعداد کا بھی کوئی اندازہ نہ تھا اس لیے مقابلہ کرنے کے بجائے وہ بوکھلا کر بھاگ اٹھے اور علی ا توقع کے مطابق وہ مشرق کی طرف بھاگے۔ علی نے فوراً وائرلیس پر رابطہ قائم کر کے محصور مجاہدین کو ستہ صاف ہونے کا سگنل دیا اور آگے بڑھ کر دشمن کے بنائے گئے مورچوں پر قبضہ کر لیا۔

چند منٹوں بعد محصور مجاہدین زخمیوں اور شہداء کو اُٹھائے ہوئے مورچوں میں تھے۔ علی نے کہا کہ پ لوگ فوراً نالے کی طرف نیچے جائیں' وہاں ہمارے پانچ مجاہد موجود ہیں۔ ہم مزید دس منٹ تک ہاں دشمن کا مقابلہ کریں گے کیونکہ اگر دشمن کو پتا چل گیا کہ ہم بھاگ رہے ہیں تو وہ ہم پر پشت سے ملہ کر سکتا ہے۔

روسی افغان فوجیوں میں سے کئی بھاگتے ہوئے اور کئی راکٹوں سے مر گئے تھے اور ان کی لاشیں درچوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ محصور مجاہدین نالے تک پہنچ گئے ہیں اور دشمن ری طور پر جوابی حملہ بھی نہیں کر سکتا تو اس نے مخصوص فائر کی آواز سے دس مجاہدین کو نالے میں واپس پہنچنے کی ہدایت کی اور خود مورچوں میں دشمن کا اسلحہ ناکارہ کرنے لگا۔

علی پریشر بم ساتھ لانا نہیں بھولا تھا۔ اس نے پہاڑ پر دشمن کے کئی فوجیوں کے پیٹ چاک ک
اور ان کے اندر پریشر بم رکھ دیے۔ پھر پانچ مجاہدین کے علاوہ باقی سب کو واپس جانے کے
کہا۔.......... پانچ مجاہدین کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ دشمن پر زبردست گولہ باری جاری رکھیں
اتفاق سے یہ گولہ باری دشمن کی اپنی توپوں سے ہو رہی تھی جو ابھی تک مجاہدین نے تباہ نہیں کی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد علی نے اپنے پانچ ساتھیوں سمیت واپسی کا راستہ لیا اور نالے میں پہنچ کر علی
تمام مجاہدین سے کہا کہ چھوٹے چھوٹے گروپوں میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ نالے کے ا
سے کوئی نہ جائے کیونکہ ممکن ہے دشمن نے نالے میں بارودی سرنگیں بچھائی ہوں۔ واپسی کا راستہ و
ہوگا جس راستے سے آئے تھے۔

علی اور دوسرے مجاہدین گروپوں کی صورت میں گاڑیوں سے اُتر کر پہاڑ کے وسط ہی میں
تھے۔ کہ دشمن کے بمبار طیاروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ سب مجاہدین پتھروں اور جھاڑیوں کی اوٹ
چھپ گئے۔ دشمن کی نظر شاید مجاہدین پر نہیں پڑی تھی اس لیے وہ کھڑی گاڑیوں کو اپنے بموں کا نشا
رہا تھا لیکن چند بم مجاہدین کے درمیان بھی گرے۔ جس سے دو مجاہد شہید ہو گئے۔ جونہی بمباری ختم ہ
علی نے کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو پہاڑ کے دوسری طرف پہنچنے کی کوشش کرو کیونکہ اس طرف جھاڑ
بہت کم ہیں' اگر دشمن کے ہیلی کاپٹر آ گئے تو پھر ہم سے کسی کا بچنا مشکل ہے جبکہ پہاڑ کی دوسری طر
گھنی جھاڑیاں ہیں اور چھپنے کے لیے بہت جگہیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین جب زخمیوں اور شہدا کو لے کر مرکز میں پہنچے تو کمانڈر عمر ابھی تک ن
آیا تھا۔ محصور مجاہدین کے کمانڈر نے علی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ایسے محاصرہ میں ہم میں
کسی ایک کا بھی بچنا ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن آپ لوگوں نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جس پر مجھے ا
بھی یقین نہیں آ رہا۔ اب بھی مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ کوئی خواب ہو۔ اس نے مزید کہا کہ ج
میں نے مورچے میں تمہیں پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا تو میرا خیال تھا کہ کمانڈر کوئی اور ہے کیونکہ تم تو ا
کل کے بچے نظر آتے ہو۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میری قوم میں جرأت کے ساتھ ساتھ تم جیسے ذ
نوجوان بھی ہیں۔ تمہاری ہی عمر کا میرا بیٹا بھی تھا جو پچھلے سال شہید ہو گیا تھا۔

سارے مجاہدین تھکے ہوئے تھے اور نیند اُن کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ شہداء اور زخمیوں کا ذ
تھا مگر یہ تو یہاں کا روز کا معمول تھا' اس لیے زخمیوں کی مرہم پٹی کے بعد سب نے ناشتہ کیا اور پھر سو
کے لیے لیٹ گئے۔

جب مجاہدین سو کر اُٹھے تو نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا مگر کمانڈر عمر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ علی ا

سوچ ہی رہا تھا کہ کچھ مجاہدین کو کمانڈر عمر کو اطلاع دینے بھیجے کہ ہم واپس آ چکے ہیں' اس لیے آپ بھی واپس آ جائیں کہ ایک مجاہد نے آواز دی کہ کمانڈر عمر اور دوسرے مجاہدین آ رہے ہیں۔

کمانڈر عمر کا استقبال کرنے مجاہدین باہر نکل آئے اور پورا مرکز تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ کئی مجاہدوں نے کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر کے خوشی کا اظہار کیا۔

کمانڈر عمر نے علی کو دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا اور شاباش دی۔ پھر وہ محصور مجاہدین کے کمانڈر سے بغل گیر ہوا۔

کمانڈر عمر نے علی سے ساری تفصیل پوچھی اور پھر علی کو بتایا کہ تمہیں اس طرف بھیج کر میں بہت پچھتایا اور اللہ سے دعائیں کرتا رہا کہ وہ تمہیں بخیر و عافیت واپس لائے۔ پھر علی کو بتایا کہ ہم نے جاتے ہی دشمن پر جو حملہ کیا تو دشمن کو چونکہ اس طرف سے حملہ متوقع تھا اس لئے دشمن کے جوابی گولے سیدھے ہم پر آ گرنے لگے جس سے پانچ مجاہد پہلے پانچ منٹوں ہی میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ہم نے پوزیشنیں تبدیل کیں تو پھر ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ جب سورج طلوع ہونے والا تھا اور صبح کی روشنی پھیل چکی تھی' ایک مجاہد کو پہاڑ کی چوٹی پر اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ دشمن کی پوزیشنوں کا اندازہ لگائے کہ ہمارے گولے ٹھیک جگہ پر گر بھی رہے ہیں کہ نہیں۔ جب وہ نیچے آیا تو اس نے بتایا کہ اس نے دیکھا ہے کہ دشمن ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ پسپا ہو رہا ہے۔ مجھے یقین نہ آیا۔ میں دوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور دوربین لگا کر دیکھا تو بات سچ تھی۔ میں نے پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا مگر دشمن کے بمبار طیارے آ گئے اور ہمیں مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ دشمن مسلسل پہاڑوں پر بمباری کرتا رہا۔ ہمارے پاس کوئی طیارہ شکن توپ نہ تھی۔ اگر ہوتی بھی تو ہم دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکتے کیونکہ اس کے طیارے بہت اونچائی سے بمباری کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں واپس آنے میں دیر ہوئی مگر تم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے' وہ مدتوں یاد رہے گا۔

علی حیدر مرکز کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑا تھا کہ افغان فوج سے بھاگے ہوئے دو فوجی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ کل صبح جب آپ لوگوں نے حملہ کیا تو ہمارے سبھی افسروں کا خیال تھا کہ مجاہدین کی بہت بڑی تعداد حملہ کر کے ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجاہدین شمال کی جانب سے حملہ آور ہوں گے۔ جب خیموں کو آگ لگی اور مورچوں پر اچانک حملہ ہوا تو مقابلہ کرنے کا کسی نے سوچا ہی نہیں۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا اور مرکز کے جنوب میں جو فوجی دستے تھے انہیں بھی پسپائی کے لیے کہہ دیا گیا۔ جب سب دوپہر کے بعد چھاؤنی میں اکٹھے ہوئے اور سوچنے لگے کہ اگر مجاہدین زیادہ تعداد میں ہوتے اور جس طرح

انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا تھا' وہ ہمارا پیچھا ضرور کرتے اور ہم اپنی چھاؤنی کا تحفظ بھی نہ کر پاتے۔ جب عصر کے وقت معلوم ہوا کہ آپ مورچے چھوڑ کر واپس جا چکے ہیں تو سب سوچ میں پڑ گئے۔ سب کا خیال تھا کہ کم از کم ایک ہزار مجاہدین نے شمال کی جانب سے حملہ کیا ہے۔ جب مشرقی مورچوں میں موجود فوجیوں کو پتا چلا کہ مجاہدین نے شمال سے حملہ کر دیا ہے تو وہ بھی سارا اسلحہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شام کے وقت بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں کے ساتھ بہت بڑا فوجی کانوائے لاشیں اُٹھانے آیا تو وہ محفوظ اسلحہ اور گولہ بارود دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب روسی افغان فوجی شمالی پہاڑ پر لاشیں اُٹھانے لگے تو وہ دھماکے سے پھٹنے لگیں جن سے کئی روسی اور افغان فوجی ہلاک ہو گئے جس کے بعد وہ کئی لاشیں اُٹھائے بغیر ہی واپس چلے گئے۔ ہم دونوں ساتھی مجاہدین سے ملنے کا فیصلہ کر چکے تھے' اس لیے وہیں جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ رات ہم نے جھاڑیوں میں گزاری اور صبح کو ہم ادھر چل پڑے کہ کوئی مجاہد مل جائے تو اس سے کسی مرکز کا پتا پوچھیں۔ اسی تلاش میں ہمیں دو مجاہدوں نے گرفتار کر لیا اور یہاں لے آئے۔

عسکریوں کی باتیں سن کر علی کو خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتنی بڑی مدد کی ہے کہ دشمن کی آنکھوں کو تین مجاہد ہزار بن کر نظر آئے۔ یقیناً اللہ نے اپنے فرشتے مدد کے لیے بھیجے ہوں گے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تین مجاہدوں کو دشمن ہزار سمجھنے لگے لیکن اُسے افسوس بھی ہوا کہ اللہ نے تو اس قدر مدد کی لیکن ہم بزدل نکلے کہ دشمن کا اسلحہ بارود بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے۔ اس نے کمانڈر عمر سے ان باتوں کا اظہار کیا تو کمانڈر عمر نے کہا کہ علی جتنا بڑا تم نے کام کیا ہے اس میں یقیناً اللہ کی مدد شامل ہے اور اللہ تعالیٰ بزدلوں کی مدد نہیں کرتا۔

"لیکن مجھے لاشوں کے پھٹنے کی سمجھ نہیں آئی یہ کیا چکر ہے؟"

علی نے کمانڈر عمر کو پریشر بموں کے بارے میں بتایا کہ میں انہیں ساتھ لے گیا تھا۔





علی جب حیدر مرکز پہنچا تو عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ اس مرکز کا انچارج محمد حنیف خان تھا۔ وہ اپنے قبیلے کا سردار بھی تھا۔ اس کے قبیلے کے سو سے زیادہ مجاہد جہاد کرتے ہوئے شہید ہو چکے تھے۔ یہ مرکز کوئی زیادہ بڑا نہیں تھا اور اس مرکز پر مجاہدین کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ یہاں چار غاریں تھیں جن میں مجاہدین رہتے تھے۔ ان میں دو مجاہدین نے خود پہاڑ کے اندر بنائی تھیں جبکہ دو قدرتی طور پر بنی ہوئی تھیں۔ غاروں کے سامنے بہت گہرا نالہ تھا جو اکثر پانی سے بھرا رہتا تھا اور نالے کے دوسری طرف بڑے بڑے اونچے درخت تھے۔ اس وجہ سے مرکز دشمن کے حملے سے بہت محفوظ تھا۔

حنیف خان کا خیال تھا کہ گردیز میں کسی اہم مشن پر جو آدمی آ رہا ہے وہ کوئی منجھا ہوا تجربہ کار مجاہد ہو گا کیونکہ ہیڈ کوارٹر سے آدمی بھیجنے کا مقصد ہی یہی سمجھ آتا تھا کہ یہ کوئی ایسا کام ہے جو ہم نہیں کر سکتے مگر علی کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی کہ یہ سولہ سترہ سال کا لڑکا گردیز جا کر کیا کرے گا لیکن جب اُس نے علی کے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین سے علی کے کارناموں کے بارے میں سنا تو اس کی حیرانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسے خوشی بھی ہوئی کہ افغانستان میں اب بھی اچھے مجاہد موجود ہیں۔

علی اس مرکز پر تین دن رہا۔ اس دوران میں اس نے گردیز شہر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں' راستوں کا جائزہ لیا اور چوتھے دن وہ گردیز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے وقت حنیف خان نے اُسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم ابھی بچے ہو' وہاں جا کر کوئی جذباتی حرکت نہ کرنا اور ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھانا۔

علی شہر پہنچنے کے بعد ایک ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اسے ہوٹل میں ایک شناسا چہرہ داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔ وہ اس کے گاؤں کے رہنے والے نور محمد کا چہرہ تھا۔ اس نے بھی علی کو جلد ہی پہچان لیا۔ نور محمد علی کا ہم سکول تھا اور علی سے چھ سال بڑا تھا۔

دونوں اُٹھ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ہوٹل کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ نور محمد علی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور کہا کہ بھئی ہم تو سمجھے تھے کہ تم بھی گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح شہید ہو چکے ہو' تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ویسے بھی ہمارے گاؤں کے چند ہی لوگوں کو تو

زندہ چھوڑ اگیا تھا۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ جب رُوسی فوج افغانستان نہیں آئی تھی' کیسا اچھا ماحول تھا' گاؤں کے لوگ کتنے خوش تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے دُکھ میں شریک ہوتا تھا۔ عیدیں آتیں۔ روزے آتے۔ کیسی دھوم دھام سے ہم چھوٹی عید مناتے۔ برسات میں جب پہاڑوں پر بارشیں ہوتیں تو نہاتے ہوئے کتنا لطف آیا کرتا تھا اور بہار میں جب پہاڑوں پر پھول کھلتے تو کیسا خوبصورت نظارہ ہوتا تھا لیکن نہ جانے ہمارے ملک کو کس کی نظر لگ گئی۔ باغات اُجڑ گئے اور پہاڑوں پر اب پھول بھی تو نہیں کھلتے ...... نور محمد باتیں کرتے کرتے اچانک چونکا اور کہنے لگا:

''یار علی! میں غلطی سے جو کچھ کہہ گیا ہوں' اُسے اپنے تک ہی رکھنا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ افغانستان اب آزاد نہیں اور مجھے ایسی باتیں کسی اور سے نہیں کرنی چاہئیں لیکن کیا کروں چھ سال بعد تم اپنے گاؤں کے پہلے فرد ہو جو مجھے نظر آئے ہو۔ اس لیے دل کی باتیں زبان پر آ گئیں۔''

علی نے کہا کہ تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔ میں حکومت کی کسی ملازمت میں نہیں ہوں۔ میں تو گاؤں کا محاصرہ ہونے سے پہلے ہی گاؤں سے نکل گیا تھا۔ بھائی نور محمد! یہ تو بتاؤ کہ میرے پیارے گاؤں پر میرے بعد کیا بیتی؟ میں نے روسیوں کو اپنے گاؤں کے آدمیوں کو اکٹھا کر کے گولیاں مارتے تو دیکھا تھا لیکن بعد میں کیا ہوا مجھے کچھ پتا نہیں۔

نور محمد نے کہا کہ یہ ہوٹل محفوظ نہیں ہے۔ اس کا مالک حکومت کا مخبر ہے۔ اس لیے کسی دوسری جگہ چل کے باتیں کرتے ہیں۔

وہ علی کو لیے ہوئے ایک دوسرے ہوٹل میں آ گیا اور الگ تھلگ کونے میں بیٹھ کر وہ علی کو بتانے لگا کہ روسی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے گاؤں کو محاصرہ میں لے لیا اور بہت کم لوگ تمہاری طرح محاصرے سے پہلے نکل سکے۔ طیاروں کی بمباری ہی سے پورا گاؤں ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ اس کے بعد ٹینکوں سے گولہ باری ہونے لگی۔ گاؤں کے مردوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دشمن جب بھی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلتا ہم اس کے بہت سے آدمی مار دیتے اور باقی پھر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں پناہ لیتے۔ آہستہ آہستہ ہمارے پاس کارتوس ختم ہو گئے اور روسیوں نے گاؤں کے سب مردوں' عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔ زخمیوں کو علیحدہ کر کے ان کو زمین پر لٹا دیا اور پھر ان پر ٹینک چڑھا دیئے اور دوسروں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ گاؤں کو آگ لگا کر ساری لاشوں کو آگ میں پھینک دیا۔

روسی افغان فوجی افسروں میں ایک میرے والد کا دوست تھا۔ اس کے کہنے پر ہمارے گھر کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ فوجی افسر مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور یہاں انٹیلی جنس میں بھرتی کروا دیا۔

علی اس بات پر چونکا کہ نور محمد کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے۔ نور محمد نے بات آگے بڑھاتے ہوئے علی سے کہا کہ تم کسی قسم کی فکر نہ کرو میں نے آج تک کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں جانتا ہوں افغان حکومت کی انٹیلی جنس افغان عوام پر کتنا ظلم کر رہی ہے لیکن تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کچھ تم بھی تو بتاؤ کہ آج کل کیا کر رہے ہو اور یہاں گردیز میں کس کام کی غرض سے آئے ہو؟''

علی پہلے تو شاید بتا دیتا کہ وہ کس کام سے آیا ہے لیکن اب جبکہ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ نور محمد کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے تو اس نے اپنے بارے میں بتانا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ میں گردیز دیکھنے آیا ہوں۔

نور محمد نے کہا: ''تم اتنا عرصہ رہے کہاں اور کرتے کیا رہے؟''

علی سوچنے لگا کہ میں اُسے کیا بتاؤں مگر بتائے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ جھوٹ سے بھی بچنا تھا اور سچ بھی نہیں بولا جا سکتا تھا۔ اس لیے اس نے کہا کہ بھائی نور محمد! تم مجھ سے بڑے ہو۔ اس لیے جانتے ہی ہو کہ جب ایک آدمی کا گھر نہ رہے تو وہ کہاں جاتا ہے۔ افغانستان میں پہاڑ ہیں یا پھر شہر۔ پہلے پہاڑوں پر گھومتا رہا اور اب اس شہر میں ہوں۔

نور محمد علی کی بات سن کر مسکرایا اور کہا: ''تم صحیح بات نہیں بتانا چاہتے تمہاری مرضی لیکن میری ایک بات یاد رکھنا' اس شہر میں اجنبی لوگوں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے محتاط ہو کر رہنا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا مگر اوّل تو مجھے وہاں تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ملے گی' دوسرے جس کام کے لیے تم آئے ہو ممکن ہے وہاں رہ کر نہ کر سکو۔''

علی کو شک ہوا کہ نور محمد کو شاید پتا چل گیا ہے کہ میں کس سلسلے میں آیا ہوں یا پھر مجھے اپنی باتوں سے گھیر کر اصل بات اگلوانا چاہتا ہے لیکن علی نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔ نور محمد علی کو ایک دفعہ پھر محتاط رہنے کی تلقین کر کے چلا گیا۔

علی نے اپنے قیام کا فیصلہ اسی ہوٹل میں کیا جس کے بارے میں نور محمد نے بتایا تھا کہ حکومت کے مخبر کا ہے اور وہاں انٹیلی جنس کے بہت زیادہ آدمی آتے ہیں۔ علی کا خیال تھا کہ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے اس لیے میں وہاں زیادہ محفوظ رہوں گا۔

اُسے گردیز آئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ کمانڈر نے جتنے بھی افراد کے نام بتائے تھے کہ یہ لوگ وہاں تمہارے کام آئیں گے' ان میں سے کسی ایک سے بھی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ سب کے گھر بند تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ کہاں گئے ہوئے ہیں۔ آخر علی نے چھاؤنی جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اگر میجر فیاض خان وہاں ہے تو اس سے براہِ راست مل سکے۔

جب علی چھاؤنی پہنچا اور اُس نے میجر فیاض خان کے بارے میں پوچھا تو اُسے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ اُس کی ٹرانسفر ہوگئی ہے۔ کہاں؟ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتاتا تھا۔ علی پوچھتا پوچھتا کرنل موسیٰ تک پہنچ گیا۔

کرنل موسیٰ نے علی کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا اور علی سے درجن سے زیادہ سوال کر دیئے۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میجر فیاض سے کیا رشتہ ہے؟ کیوں ملنا چاہتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔

علی ذہنی طور پر ان سوالوں کے جواب سوچ کر آیا تھا' اس لیے اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ ہوا لیکن یہاں بھی اُسے یہی جواب ملا کہ اُس کی ٹرانسفر ہوگئی ہے۔

جب علی نے پوچھا کہ کہاں ٹرانسفر ہوئی ہے تو جواب ملا کہ چونکہ جنگ لگی ہوئی ہے اس لیے معلوم نہیں وہ اس وقت کس محاذ پر ہے۔

وہ چھاؤنی سے بھی ناکام واپس لوٹا۔ اب صرف ایک ہی فرد رہ گیا تھا جس سے پتا چل سکتا تھا کہ میجر فیاض کہاں ہے' وہ تھا عبدالکریم۔ آخر کار علی نے عبدالکریم کا گھر ڈھونڈ ہی نکالا۔

علی نے عبدالکریم کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آئی۔

''کون ہے؟''

علی نے سلام عرض کرنے کے بعد بتایا کہ اماں! میں عبدالکریم صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔

''بیٹا! اندر آ جاؤ۔ اس گھر میں مجھ بڑھیا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔'' علی اندر چلا گیا۔ دوبارہ سلام کیا۔ عبدالکریم کی والدہ ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ہی عمر کی ہوں گی۔

علی نے عبدالکریم کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے وہ گھر نہیں آیا۔ میں نے اس کے سارے دوستوں سے پوچھا مگر کسی کو کچھ پتا ہی نہیں۔ وہ اتنا عرصہ گھر سے باہر کبھی نہیں رہا۔ معلوم نہیں میرا بیٹا کس حال میں ہے۔ اس کے تو کئی دوست بھی گھروں میں نہیں ہیں' مگر بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو؟

''میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں اُن سے ملنا چاہتا تھا۔''

ابھی وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا کہ عبدالکریم کی والدہ نے کہا ''بیٹا! میں نے تم سے کھانے پینے کا پوچھا ہی نہیں۔ تم بیٹھو! میں ابھی تمہارے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ علی کو اس کی آواز ہمسائے کے گھر سے آئی جہاں وہ اپنی ہمسائی سے کہہ رہی تھی:

''میرے بیٹے کا مہمان دوسرے شہر سے آیا ہے۔ مجھے کچھ روپے ادھار دے دو۔ عبدالکریم

جونہی آیا میں لوٹا دوں گی۔''

ہمسائی کچھ زیادہ ہی بدمزاج قسم کی لگتی تھی' اس نے لحاظ کرنے کے بجائے کہا:

''تمہارا بیٹا اب کبھی واپس نہیں آئے گا چاچی! اور ہم اب مزید تمہیں کچھ ادھار نہیں دے سکتے۔ تمہارا بیٹا ڈاکوؤں کا ساتھی تھا' حکومت نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہوگا۔''

عبدالکریم کی والدہ کو غصہ تو بڑا آیا مگر صبر و تحمل سے کہا: ''بیٹی! میرا بیٹا بہت شریف اور پانچ وقت کا نمازی ہے۔ وہ کبھی ڈاکو نہیں بن سکتا۔ دیکھو میرا مہمان گھر آیا ہوا ہے' تم میرا چاندی کا ہار رکھ لو اور اس کے بدلے ہی کچھ دے دو۔ بیٹا آئے گا تو پیسے تمہیں لوٹا کر ہار واپس لے لوں گی۔ اس وقت میرے بیٹے کی عزت کا سوال ہے۔ اس کا مہمان کیا سوچے گا کہ عبدالکریم کے گھر گیا اور اس کی والدہ نے کھانے کے لیے بھی نہ پوچھا۔ پھر پورے دو ماہ بعد تو ہمارے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔ جب سے عبدالکریم گیا ہے اس کا کوئی دوست بھی تو نہیں آیا۔ پتا نہیں لوگوں کو کیا ہوگیا ہے۔ کوئی بتاتا ہی نہیں' میرا بیٹا کہاں ہے۔ لو بیٹی! یہ ہار لے لو اور مجھے کچھ پیسے دے دو۔''

''نہیں چاچی! میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ نہیں۔ جاؤ کسی اور گھر کا دروازہ کھٹکھٹاؤ'' ہمسائی نے بے رُخی سے کہا۔

علی نے دیوار پار سے یہ ساری گفتگو سنی جس سے علی کا شک یقین میں بدل گیا کہ عبدالکریم کو حکومت نے پکڑ لیا ہے۔ افغانستان میں ڈاکو صرف مجاہدین ہی کو بدنام کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ اس کے پاس کافی رقم تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کچھ رقم عبدالکریم کی والدہ کو دے دوں گا۔ مگر کس طرح؟ وہ خیرات تو لے گی نہیں۔ اللہ نے اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ڈال دی۔ جب عبدالکریم کی والدہ واپس آئی تو وہ بہت افسردہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ علی کو اپنی پریشانی سے آگاہ کرتی' علی نے کہا:

''اماں! مجھے جلدی ہے' دراصل میرے ابو نے عبدالکریم صاحب سے پچھلے سال کچھ رقم ادھار لی تھی۔ مجھے وہ واپس کرنے بھیجا ہے۔'' پھر اس نے جیب سے پانچ ہزار افغانی روپے نکالے اور عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

''عبدالکریم آئے تو اسے دے دینا اور کہنا کہ امان گل نے رقم بھیجی ہے۔ باقی رقم بھی ہم جلد واپس کر دیں گے۔'' عبدالکریم کی والدہ نے رقم لے لی اور کہا کہ بیٹا! میں تمہیں کچھ کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔

پھر وہ جلدی جلدی بازار گئی اور سودا لا کر علی کے لیے کھانا تیار کرنے لگی۔ جب علی کھانا کھا کر گھر سے باہر نکلا تو چار آدمیوں نے اُسے پکڑ کر گاڑی میں بٹھا لیا اور خاد کے دفتر لے گئے۔

خادٗ افغانستان کی ایک خفیہ سرکاری تنظیم کا نام ہے جسے بھارت اور رُوس کے ذریعے سے منظم کیا گیا ہے۔اس کا مقصد مجاہدین اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی کرنا ہے اور انہیں گرفتار کرنے کے علاوہ پاکستان میں تخریب کاری کرنا ہے۔ ڈاکٹر نجیب اللہ پہلے خاد کا سربراہ تھا جو اب ببرک کارمل کی جگہ افغانستان کا حکمران بن گیا ہے۔ خاد کے دفاتر دراصل اذیت کدے ہیں۔ ان دفاتر میں گرفتار لوگوں پر اس قدر تشدد کیا جاتا ہے کہ اکثر قیدی تشدد سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک خاد کے تشدد سے پچھلے آٹھ سالوں میں کم از کم ایک لاکھ افراد شہید ہو چکے ہیں۔ اس کا طریق کار بالکل روس کی ''کے جی بی'' کی طرح ہے۔



نوٹ: یاد رہے کہ یہ ناول 1989ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے جب افغانستان پر نجیب اللہ برسرِ اقتدار تھا۔ 1996ء میں طالبان نے نجیب اللہ کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا ......ملک احمد سرور



علی کو گرفتار کر کے ایک مکان کے بہت بڑے تہہ خانے میں لے جایا گیا اور کرسی سے جکڑ کر باندھ دیا گیا اور ایک ہی سوال بار بار پوچھا جانے لگا کہ تمہارا مجاہدین سے کیا تعلق ہے۔ مجاہدین کے کس گروپ سے تعلق ہے۔ مجاہدین کے مراکز کن کن پہاڑوں میں ہیں۔ تم گردیز کس مشن پر آئے ہو۔ میجر فیاض سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

جب علی نے ہر سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کیے رکھی تو ایک جلاد صفت آدمی آگے بڑھا اور کرسی پر جکڑے ہوئے علی پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ پھر بھی علی نے کچھ نہ بتایا تو اس کا جسم جلتی سگریٹوں سے داغا جانے لگا۔ یہ بڑی اذیت ناک سزا تھی۔ علی نے یہ سب کچھ بھی برداشت کر لیا۔ پھر جسم میں سوئیاں چبھونے لگے۔

علی کا درد سے برا حال تھا لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہا۔ اس کے بعد اُسے زمین پر لٹا دیا گیا۔ ڈنڈوں اور نوک دار جوتوں سے تشدد کیا جانے لگا۔ اس پر بھی علی نے خاموشی جاری رکھی تو اُسے چھت سے اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ اس کی شلوار کے پائنچے بند کر کے اس میں چوہے چھوڑ دیئے اور زمین پر اس کے چہرے کے نیچے مرچیں جلائی گئیں۔ یہ تشدد ناقابل برداشت تھا۔ علی نے اس موقع پر حضرت بلالؓ پر ہونے والے تشدد کو یاد کیا کہ کلمہ پڑھنے کے جرم میں ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا تھا لیکن اُن کی زبان سے پھر بھی احد............احد کے الفاظ ہی نکلتے تھے۔ علی کو یہ واقعہ یاد کر کے کچھ حوصلہ ہوا۔

جب اُسے چھت سے اُتارا گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس کی آنکھوں میں سخت جلن تھی اور جسم کا زواں زواں دُکھ رہا تھا۔ جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ کر اس کے کپڑوں میں جم چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی آئے اور علی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے گئے۔ اب اُسے جس کمرے میں پھینکا گیا' اس کے اندر روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جلاد صفت انسان دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ کمرے کے ایک طرف سے ایک آدمی علی کے پاس آیا اور سہارا دے کر علی کو اُٹھایا۔ اپنے پاس لے جا کر اس نے علی کو لٹایا۔ علی پر ایک دفعہ پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

اس کمرے میں اس آدمی کے علاوہ تین آدمی اور تھے۔ وہ علی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے

رہے مگر علی کو صبح تک ہوش نہ آیا۔

جب صبح اسے ہوش آیا تو اس کی آنکھیں اب بھی دُکھ رہی تھیں اور پورے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر اُس سے اٹھا نہ گیا۔ کمرے میں اب بھی نیم تاریکی تھی۔ چاروں آدمی علی کے پاس آئے اور سہارا دے کر اسے بٹھایا۔ ایک آدمی نے ایک گلاس پانی کے ساتھ علی کو چند سوکھے ہوئے روٹی کے ٹکڑے دیئے کہ یہ کھالو۔

روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے دانتوں سے چبائے نہیں جا رہے تھے کیونکہ چہرے پر بھی اتنا تشدد کیا گیا تھا کہ اب وہ منہ ہلاتا تو درد شروع ہو جاتا۔ اُس نے سوکھے ٹکڑے پانی میں ڈال دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم ہو گئے تو اُس نے آہستہ آہستہ انہیں کھایا۔ پھر اُس آدمی نے اپنی جیب سے ایک ٹکیہ نکالی اور کہا کہ کھالو' درد کچھ کم ہو جائے گا۔

آدھ گھنٹہ بعد علی کو درد میں کچھ کمی محسوس ہوئی تو اُس نے کمرے میں موجود آدمیوں سے پوچھا:

''آپ کون ہیں اور میں کہاں ہوں؟''

اُسی آدمی نے جس نے علی کو سہارا دیا تھا' بتایا کہ ہم قیدی ہیں اور جیل میں ہیں۔ تم بھی جیل میں ہو مگر یہ تو بتاؤ تمہارا جرم کیا ہے؟

''میرا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ میں خدا کا نام لیتا ہوں اور اب افغانستان میں یہی سب سے بڑا جرم ہے۔ یہاں چوری' ڈکیتی' قتل وغیرہ تو معاف کیے جا سکتے ہیں لیکن خدا کا نام لینا ناقابل معافی جرم بن گیا ہے کیونکہ جب ہم خدا کا نام لیتے ہیں تو حکومت سمجھتی ہے کہ اسکا خونی انقلاب ناکام ہو جائے گا اور ہمیں انقلاب دشمن کہہ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ پھر تشدد کیا جاتا ہے کہ ہم خدا کا نام لینا چھوڑ کر وقت کے نمرود کو سجدہ کریں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت کے نمرود کو سجدہ نہیں کیا تھا اور نہ ابراہیمؑ کے ماننے والے اس وقت کے نمرود کو سجدہ کریں گے۔''

علی کی باتیں سن کر ایک آدمی بولا:

''میجر فیاض! اس کا جرم بھی ہمارے ہی والا ہے۔ اس لیے اسے بھی ہمارے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔''

علی، میجر فیاض کا نام سن کر چونکا اور پوچھنے لگا: ''کیا آپ میجر فیاض ہیں؟''

''ہاں! مگر کیا تم مجھے جانتے ہو؟''

''ہاں! میں جانتا ہوں۔'' علی نے جواب دیا۔

''مگر مجھے پتا بھی تو چلے کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو۔''

پہلے تو علی بتانے لگا پھر سوچا کہ کہیں دشمن کی یہ کوئی چال نہ ہو' اس لیے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ میجر فیاض ہے میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اُس نے یہ بات میجر فیاض سے بھی کہہ دی۔

میجر فیاض نے کہا کہ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں ہی میجر فیاض ہوں۔ یہ میرے ساتھ مسعود' زرتاج اور سیف اللہ ہیں' انہیں سے پوچھ لو۔

علی نے یہ نام سنے تو اُسے یاد آیا کہ انہی افراد کو تو وہ شہر میں ڈھونڈتا رہا تھا لیکن اپنی تسلی کے لیے اُس نے مزید پوچھا:

''آپ کا ایک اور بھی تو بڑا اہم ساتھی ہے' وہ کہاں ہے؟''

میجر فیاض نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: ''شاید تم عبدالکریم کی بات کرتے ہو۔''

''ہاں! اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم ہی میجر فیاض ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ عبدالکریم کا کیا ہوا اور وہ اب کہاں ہے؟''

میجر فیاض نے علی کو بتایا: ''وہ اب ہم میں نہیں ہے۔ اس پر روسی درندوں نے تشدد کا ہر طریقہ آزمایا لیکن وہ پہاڑ تھا۔ ایسا پہاڑ کہ ریزہ ریزہ ہو کر بھی اس کی زبان نہ کھلی۔ اس کی ایک ایک ہڈی توڑ دی گئی۔ اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے لوہے کی سلاخوں سے داغ دی گئیں۔ وہ مزید چند لمحوں کا مہمان تھا کہ وحشی درندوں نے ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لیے ہمارے سامنے اسے آگ میں جلا دیا۔ وہ آگ میں جل گیا مگر پھر بھی اُس نے آہ نہ کی۔ وہ بہت عظیم تھا۔ میرے خیالوں سے بھی زیادہ عظیم۔''

یہ کہہ کر اُس نے اپنے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور رونا شروع کر دیا۔ علی بھی رونے لگا۔ جب آنسو آنکھوں سے بہہ گئے تو علی نے بتایا کہ عبدالکریم کی والدہ کو اب بھی عبدالکریم کا انتظار ہے اور پھر اُس نے اپنی گرفتاری تک کا تمام واقعہ سنایا تو میجر فیاض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں بھی اس کے ہمسائے یٰسین نے گرفتار کروایا ہے۔ بڑا ذلیل اور کمینہ آدمی ہے۔ کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی [illegible] بھی ہے۔

علی نے میجر فیاض کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ کمانڈر صاحب کو آپ کے بارے میں بڑی تشویش تھی۔ آپ ہی کا پتا کرنے مجھے گردیز بھیجا ہے۔ جب میں چھاؤنی گیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ کی ٹرانسفر ہو گئی ہے اور جب پوچھا جاتا کہ کہاں تو کوئی جواب نہ ملتا۔ پھر علی نے کمانڈر کا تحریری پیغام اپنے جوتے کے چمڑے کے اندر سے نکالا اور میجر فیاض کو دیا۔ علی کا جوتا موٹے چمڑے کا تھا۔ اس نے چمڑے کو چیر کر اس کے اندر پیغام بند کر کے سلوشن سے جوڑ دیا تھا۔ اب کوئی دوسرا تلاشی لینے کے باوجود اس پیغام کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ علی کی تلاشی لینے والوں نے بھی علی کے جوتوں کی

ایڑی تک کو چیر پھاڑ دیا تھا مگر وہ کچھ نہ نکال سکے تھے۔ میجر فیاض علی کی مہارت پر بڑا حیران ہوا۔

پیغام پڑھنے کے بعد میجر فیاض نے علی کو بتایا کہ تین ماہ قبل روسیوں کو مجھ پر شک ہو گیا تھا۔ اس لیے ڈھائی ماہ پہلے مجھے مجاہدین کا ساتھی ہونے اور مجاہدین کو اسلحہ سپلائی کرنے کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا لیکن ان کے پاس میرے خلاف کوئی بھی ثبوت نہ تھا۔ مجھ پر بھی ایسے ہی تشدد کیا گیا جیسے تم پر ہوا لیکن مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکے۔ پھر عبدالکریم کے ہمسائے کی وجہ سے، میرے ساتھی بھی گرفتار ہو گئے لیکن میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے ہمیں ابھی تک زندہ کیوں چھوڑا ہوا ہے۔

علی کو آئے ہوئے یہاں ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس کے زخم بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ اس میں میجر فیاض کی تیمارداری اور ایثار بھی شامل تھا۔ وہ اپنے حصے کا آدھا کھانا بھی علی کو دے دیتا تھا۔ یہ آٹھواں دن تھا جب ایک روسی افسر اندر آیا۔ میجر فیاض اور علی سے کہنے لگا کہ اب بھی وقت ہے تم ہمارے سوالوں کے جواب دے دو ورنہ تمہیں دوسری جیل میں بھجوادوں گا جہاں تمہارے گوشت کا قیمہ بنا کر کتوں کے آگے پھینک دیا جائے گا۔

میجر فیاض نے روسی کو جواب دیتے ہوئے کہا: ''اے روسی درندے! تم نے ہمارے ساتھی عبدالکریم شہید کے صبر و استقامت کو دیکھ لیا۔ ہم پر بھی جو چاہو تشدد کر لو۔ ہم بھی انشاء اللہ عبدالکریم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی کی خاطر خدا کی راہ میں اپنی جان پیش کر دیں گے اور تم جیسے وحشی درندوں کی بات مان کر اپنی آخرت خراب نہیں کریں گے۔''

روسی افسر کو خدا، اسلام اور آخرت کا ذکر سن کر طیش آ گیا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو گالیاں دیتے ہوئے میجر فیاض کو تھپڑ مارنے لگا۔ علی نے جب روسی افسر کی زبان سے خدا اور رسولؐ کے خلاف گالیاں سنیں تو اسے غصہ آ گیا۔ اس نے روسی کو گریبان سے پکڑ لیا اور مکے مار مار کر اس کے دانت توڑ دیئے۔ اگر باہر سے مزید سپاہی آ کر روسی کو نہ بچاتے تو آج علی یقیناً چند منٹوں میں روسی کو جہنم رسید کر دیتا۔

رُوسی گالیاں بکتا ہوا چلا گیا۔ جاتے جاتے اپنے ماتحت سپاہیوں کو حکم دے گیا کہ ان کو یہاں سے لے جا کر دوسری جیل میں کتوں کے سامنے پھینک دو۔

روسی افسر کے جانے کے بعد میجر فیاض نے کہا: ''دوستو! میرا خیال ہے کہ ہم سب کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ ذہنی طور پر ہر طرح کی اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جس جیل کی یہ روسی بات کر کے گیا ہے میں نے اُسے دیکھا ہوا ہے۔ یہ چھاؤنی کے قریب ایک پرائیویٹ بلڈنگ میں بنائی گئی ہے اور یہاں پر قیدیوں پر تشدد کرنے کی جدید ترین مشینیں روس سے منگوا کر رکھی گئی ہیں۔ یہاں وہ مشین بھی ہے جس میں ایک طرف آدمی کو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا جائے

تو دوسری طرف اس کا قیمہ بن کر نکل آتا ہے۔ وہاں ایک کمرے میں خونخوار کتے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتے ایک منٹ کے اندر اندر آدمی کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں۔ زہریلے سانپ بھی ہیں اور گرم گرم تیل کے کڑاہے بھی۔ اُبلتے ہوئے تیل میں قیدیوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ اس جیل میں بعض اوقات قیدیوں کو مزید اذیت دینے کے لیے طرح طرح کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ جن کے لگانے کے بعد آدمی پاگلوں کی طرح اپنے جسم کو نوچتا ہے۔ وہاں زنبوروں سے زندہ آدمی کے ناخن اکھاڑے جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہر وہ تشدد جو روسی کر سکتے ہیں، وہاں کیا جاتا ہے۔ لیکن دوستو! یاد رکھو ہم سے پہلے سینکڑوں مجاہدین پر تشدد کر کے یہ سارے طریقے آزمائے گئے۔ وہ ابلتے تیل میں پھینکے گئے۔ ان کے جسم سے گوشت کاٹ کر ان پر مرچیں اور نمک چھڑکا گیا۔ ان کے جسم کے ایک ایک کر کے سارے اعضاء کاٹ دیئے گئے لیکن انہوں نے روسی کمیونزم کے سامنے پھر بھی سر نہ جھکایا۔ انہوں نے زندگی کے آخری سانس تک ایک ہی گواہی دی کہ اسلام کے علاوہ تمام نظام باطل ہیں۔ جب تک ایک افغان بھی زندہ ہے وہ کسی روسی کو افغانستان میں برداشت نہیں کرے گا۔ اس لیے دوستو! آؤ عہد کریں کہ ہم بھی اُنہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور آؤ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے اندر صبر و برداشت پیدا کرے۔'' اس پر سب نے آمین کہا۔

رات کے نو بج چکے تھے جب پانچوں قیدیوں کو لیے گاڑی گردیز کی سڑکوں سے گزر رہی تھی اور انہیں موت کی جیل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ جب سے روسی فوجیں افغانستان میں آئی تھیں، گردیز شہر کی سڑکیں سورج غروب ہوتے ہی ویران ہونا شروع ہو جاتیں اور لوگ روسیوں کے ڈر کی وجہ سے اپنے اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ خود کمیونسٹ بھی اپنے گھروں کی عزت بچانے کی خاطر سرِ شام ہی کنڈیاں لگا لیتے ہیں اور جب یہ گاڑی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی تو شہر پر مکمل ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

زخمی روسی افسر اذیت ناک موت کا تماشہ دیکھنے کے لیے جیل میں بے قراری کے عالم میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ جلادوں کو ہدایات دے رہا تھا کہ ایک قیدی کو زہریلے سانپوں کے کمرے میں پھینکنا ہے، دو کو قیمہ بنانے والی مشین میں ڈالنا ہے اور جس نے مجھے گھونسے مارے ہیں، اُسے تیل کے اُبلتے ہوئے کڑاہے میں۔ میجر فیاض کو بھوکے خونخوار کتوں کے آگے ڈالنا ہے تا کہ انہیں پتا چلے کہ روسی افسر پر ہاتھ اُٹھانا کتنا بڑا جرم ہے اور آج میں دیکھوں گا کہ اُن کا خدا ان کو مجھ سے کیسے بچاتا ہے۔''

ادھر رُوسی افسر انتظار میں بے قرار ہو رہا تھا اور قادرِ مطلق کو چیلنج کر رہا تھا، اُدھر گاڑی کا ڈرائیور اپنا راستہ بدل چکا تھا اور گاڑی شہر چھوڑ کر دور بڑی سڑک پر آ چکی تھی۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک محفوظ جگہ آ کر اس نے گاڑی سڑک سے اتار دی اور سڑک سے کوئی دو فرلانگ دور لے

جا کر اس نے گاڑی روکی، پیچھے آ کر اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مسلح سپاہیوں کو نیچے بلایا۔ گا
چونکہ مکمل طور پر بند تھی۔ اس لیے سپاہیوں کو یہ پتا ہی نہ چلا کہ وہ جیل کے بجائے ویرانے میں پہنچ
ہیں۔ سپاہی خوشی خوشی نیچے اترنے لگے کہ ڈرائیور نے جھپٹ کر دونوں سے کلاشنکوفیں چھین لیں
انہیں حکم دیا کہ قیدیوں کو فوراً باہر نکالو۔ اُن کے ہاتھ کھول دو اور آنکھوں سے پٹی ہٹا دو۔

جب قیدی باہر نکلے تو وہاں چاند کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس روشنی میں علی نے ڈرائیور کو پہچان لیا
تو نور محمد تھا۔ دونوں سپاہی جو اب قیدی بن چکے تھے، تھر تھر کانپ رہے تھے۔ علی نے نور محمد کا تعارف م
فیاض سے کرایا۔ سب ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور نئی زندگی کی ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

نور محمد بڑی بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، پھر خود کلامی میں کہنے لگا کہ اب تک انہیں آ
جانا چاہیے تھا۔ اسی جگہ آنے کا طے ہوا تھا۔ علی نے پوچھا کہ کن لوگوں نے یہاں آنا ہے تو نور محمد نے
کہ مجاہدین کے ایک گروپ نے آپ کی مدد کو آنا تھا۔ ابھی وہ یہ بات کر ہی پایا تھا کہ تھوڑی دور
ایک پرندے کی مخصوص آواز آئی .... نور محمد نے بھی جوابی طور پر آواز نکالی اور پھر دس مجاہد
وہاں پہنچ گئے۔ ان میں حیدر مرکز کا انچارج حنیف خان بھی تھا۔

نور محمد نے کہا کہ ہمیں یہاں سے جلد نکل جانا چاہیے مگر علی نے کہا کہ عبدالکریم کی والدہ اور اُ
کے قاتل کو لیے بغیر نہیں جائیں گے۔ میجر فیاض کو بھی عبدالکریم کی موت کا بہت دُکھ تھا۔ اس نے بھ
علی کی بات کی تائید کی۔ آخر طے ہوا کہ نور محمد، علی اور دوسرے چار مجاہدین گاڑی میں بیٹھ جائیں۔
مجاہد قیدی سپاہیوں کی وردیاں پہن لیں تاکہ اگر کسی جگہ گاڑی روکی جائے تو کسی کو شک نہ پڑے۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے جب گاڑی عبدالکریم کے گھر کے سامنے رکی۔ علی نے عبدالکر
کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو عبدالکریم کی والدہ نے گھر کا دروازہ کھولا۔ علی اندر چلا گیا۔ دوسری طرف
نور محمد اور دو مجاہدین یٰسین کے گھر میں داخل ہو گئے۔

علی نے جلدی جلدی عبدالکریم کی والدہ کو صورت حال بتائی اور کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو تیار ہ
جاؤ اور گھر کی کوئی قیمتی چیز اپنے ساتھ لے لینا چاہتی ہو تو لے لو کیونکہ رُوسی اس گھر کو بہت جلد گھیرے
میں لے لیں گے۔

''مگر میرا عبدالکریم کہاں ہے؟'' عبدالکریم کی والدہ نے پوچھا۔

علی نے کہا کہ اماں عبدالکریم کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا۔ آپ جلدی کریں۔

عبدالکریم کی والدہ حیران و پریشان کھڑی تھی۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کہ
''! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، تم جو کہتے ہو مان لیتی ہوں۔ عبدالکریم بھی یہی کہتا تھا کہ رُوسی

ے ظالم ہیں۔ میرے گھر میں قیمتی چیز تو کوئی بھی نہیں۔ ایک عبدالکریم ہی تھا وہ اس وقت گھر میں
ں لیکن مجھے یاد آیا بیٹا! قرآن مجید لے لوں کیا پتا عبدالکریم مجھے واپس آنے دے یا نہیں اور اگر
ی اس گھر میں آ گئے تو کہیں وہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ کریں۔ عبدالکریم نے مجھے بتایا تھا کہ
سیوں نے کئی جگہ مسجدوں کو شہید کر دیا ہے اور کئی جگہ قرآن مجید بھی جلا دیئے ہیں۔ اس لیے قرآن
ساتھ لے کر جاؤں گی۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نور محمد بھی آ گیا۔ اُس نے آتے ہی کہا:

''بھئی، جلدی کرو ورنہ ہم سب پکڑے جائیں گے۔''

گاڑی بخیر و عافیت اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ ایک دو جگہ گاڑی کو روکا بھی گیا مگر نور محمد نے اپنا کارڈ
ایا اور گاڑی کو کلیئرنس مل گئی۔

مجاہدین بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جب گاڑی اُن کے سامنے آ کر رکی تو سب کو
ن آیا۔ دونوں قیدیوں کی جان بخشی کر دی گئی کیونکہ اُنہوں نے مجاہدین میں شامل ہو کر جہاد کرنے کا
کیا تھا۔ ان کو بھی ساتھ لیا۔ گاڑی کو آگ لگا دی کیونکہ آگے راستہ پیدل تھا۔

وہ سب پیدل ہی حیدر مرکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ یٰسین کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے
۔ اس کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی۔

عبدالکریم کی والدہ کو علی نے سہارا دیا ہوا تھا۔ اُس نے کئی دفعہ پوچھا بھی کہ عبدالکریم کہاں ہے
یٰسین کے ہاتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں تو علی نے کہا: ''اماں! مرکز پہنچ کر سب کچھ بتا دیں گے۔''

راستے میں نور محمد نے علی اور میجر فیاض کو بتایا کہ جب میری علی سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو مجھے
وقت پتا چل گیا تھا کہ علی کسی خاص مشن پر آیا ہے۔ خاص طور پر جب اس نے کہا تھا کہ پہلے
وں پر گھومتا رہا، اب اس شہر میں ہوں۔ اس جواب سے واضح تھا کہ پہاڑوں پر مجاہدین ہی گھومتے
اور شہر میں کسی خاص کارروائی کے لیے آتے ہیں۔ لیکن علی نے صاف صاف اس لیے نہ بتایا کہ
تعلق انٹیلی جنس سے تھا۔ میں نے اس پر نظر رکھی لیکن اس نے بڑی غلطی کی۔ چھاؤنی سے سیدھا
الکریم کے گھر چلا گیا۔ عبدالکریم کا گھر انٹیلی جنس کی نظر میں تھا۔ پھر کرنل موسیٰ نے بھی اپنا آدمی
لگا دیا۔ اتفاق سے یٰسین بھی اس وقت گھر میں تھا، اس لیے پکڑا گیا اور میں اس کی کچھ مدد نہ کر سکا۔
دونوں ڈرائیور چھٹی پر تھے اس لیے میری ڈیوٹی لگائی گئی کہ رات 9 بجے قیدیوں کو موت جیل، لانا
۔ مجھے اس بات کا دو بجے پتا چلا۔ مجھے یقین تھا کہ موت جیل لائے جانے والے قیدیوں میں علی
شامل ہوگا۔ حبیب اللہ میرا واقف تھا جس کا رابطہ مجاہدین سے تھا۔ میں دوڑا دوڑا اُس کے پاس گیا

اور اُسے سب کچھ سمجھایا اور اس کے ساتھ یہ طے ہوا کہ میں گاڑی کو یہاں تک لانے کی کوشش کرو گا۔ اگر ناکام رہا تو مجاہدین موت جیل پر چھاپہ ماریں۔ موت جیل کا سارا نقشہ میں نے اُسے سمجھا لیکن اللہ نے ہماری مدد کی اور ہم کامیاب ہو گئے۔

ادھر یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے مرکز کی طرف جا رہے تھے' اُدھر روسی افسر کا برا حال تھا۔ وہ غ سے پاگل ہو گیا تھا۔ قیدی رات کے بارہ بجے تک نہیں آئے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا قیدی کدھر چلے گئے ہیں۔

وہ کبھی خونخوار کتوں کے پنجروں کی طرف جاتا' کبھی سانپوں کو دیکھتا اور کبھی اُبلتے ہوئے ت کے کڑاہے پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا۔ غصہ میں وہ اپنا ذہنی توازن بالکل کھو بیٹھا تھا۔ اسی غصے میں ایک افغان سپاہی کو تھپڑ مارنے لگا۔ افغان سپاہی پیچھے ہٹ گیا اور وہ دھڑام سے اُبلتے ہوئے تیل میں گر پڑا۔ باہر نکالنے سے پہلے ہی وہ چند منٹوں میں روسٹ ہو گیا۔

قدرت نے دکھا دیا کہ خدا کو چیلنج کرنے والا نمرود ہو یا فرعون اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

راستے میں ایک جگہ نور محمد نے اپنے گاؤں جانے کی اجازت مانگی۔ اُس نے بتایا کہ اگر میں نے ا گھر والوں کو فوراً پاکستان نہ پہنچایا تو میرے فرار کے جرم میں ان سب کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

حنیف خان' میجر فیاض اور علی نے نور محمد کا شکریہ ادا کیا۔

رات کے چار بج چکے تھے جب وہ حیدہ مرکز پہنچے۔ یٰسین کو پہرے داروں کے حوالے کر باقی لوگ سو گئے۔ صبح اُٹھے۔ سب نے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد عبدالکریم کی والدہ کو عبدالکریم شہادت کے بارے میں بتایا۔

یہ سن کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ نہ روئی اور نہ اپنے بیٹے کی شہادت کوئی تبصرہ کیا۔ اس کے بعد یٰسین کو لایا گیا۔ علی اور میجر فیاض کا اصرار تھا کہ اسے زندہ جلایا جائے جن مجاہدین کو اس نے گرفتار کروایا تھا' ان میں سے کئی کو زندہ جلایا گیا تھا۔

میجر فیاض نے عبدالکریم کی شہادت کا واقعہ پوری تفصیل سے مجاہدین کے سامنے رکھا تو مجاہدین نے علی اور میجر فیاض سے اتفاق کیا۔

یٰسین کو زندہ جلانے کے لیے مٹی کا تیل لایا گیا اور لکڑیاں اکٹھی کی گئیں۔ یٰسین یہ منظر د کانپ اُٹھا۔ وہ میجر فیاض' علی اور حنیف خان کے پاؤں پکڑ پکڑ کر معافیاں مانگنے لگا لیکن سب اُسے ٹھوکریں مار کر پرے ہٹا دیا' اس لیے کہ وہ انتہا کا ظالم انسان تھا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ غیرت بھی روسیوں کے ہاتھ بیچ دی تھی اور نہ جانے اُس نے کتنے مجاہدین کو گرفتار کروایا

ان میں سے کتنے تشدد سے شہید ہو گئے۔ ایسے آدمی پر رحم کھانا زہریلے سانپ کو گھر میں آزاد چھوڑ دینے کے برابر تھا۔

یٰسین' عبدالکریم کی والدہ کے پاؤں پکڑ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ عبدالکریم کی والدہ نے میجر فیاض سے کہا کہ اسے معاف کر دو۔

میجر فیاض کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ جس کے بیٹے کو اُس نے پکڑوایا اور جسے روسیوں نے زندہ جلا دیا' وہ اسے معاف کرنے کے لیے کہہ رہی ہے۔ یہ کیسی عورت ہے۔ اس نے عبدالکریم کی والدہ سے کہا:

''اماں! تم شاید نہیں جانتیں کہ عبدالکریم کو کس طرح شہید کیا گیا تھا۔''

''میں جان گئی ہوں لیکن عبدالکریم ایک مجاہد تھا۔ اُس نے اپنی جان اسلام پر دی اور اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ کیا اہل مکہ نے نبی کریمؐ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا تھا؟ کیا آپؐ نے اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کر دیا تھا۔ اگر مجھے ماں سمجھتے ہو تو اسے چھوڑ دو اور یاد رکھو جہنم کی آگ اس آگ سے زیادہ گرم ہے' جو عذاب خدا اسے دے گا وہ تم نہیں دے سکتے۔''

عبدالکریم کی والدہ کے کہنے پر یٰسین کو چھوڑ دیا گیا۔ حنیف خان نے دو مجاہدین سے کہا کہ اسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر مرکز سے دور جا کر چھوڑ آؤ۔ جاتے ہوئے علی نے اُس سے کہا کہ اگر تم نے آئندہ کسی مجاہد کو گرفتار کروایا تو پھر یاد رکھنا اُبلتے ہوئے تیل میں تمہارے کباب تلے جائیں گے۔

علی اور میجر فیاض ابھی اسی مرکز میں تھے' انہیں یہاں آج پانچواں روز تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کے وہ فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ یٰسین اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مرکز آ پہنچا ہے۔ اس نے آتے ہی حنیف خان سے کہا کہ میں نے مجاہدین سے بہت زیادتیاں کی ہیں اور میرے گناہ مجھے ضمیر کی آگ میں جلا رہے ہیں' یہاں سے جانے کے بعد ضمیر کی آگ نے مجھے ایک لمحہ بھی چین نہیں لینے دیا۔ میں نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ زندگی کے بقیہ ایام جہاد کرتے ہوئے گزار دوں۔ شاید اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

پھر وہ عبدالکریم کی والدہ کے قدموں میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

''اماں! میں عبدالکریم کو واپس تو نہیں لا سکتا اور عبدالکریم کی جگہ بھی نہیں لے سکتا لیکن جس راستے پر اس نے جان دی ہے میں بھی اس مشن پر اپنی جان دے دوں گا۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میرے بیوی بچے آپ کے ساتھ پاکستان جائیں گے اور زندگی کے آخری سانس تک آپ کی خدمت کریں گے۔ خدا کے لیے مجھے اور میری بیوی کو معاف کر دو۔ لالچ نے ہماری آنکھیں اندھی کر دی

تھیں۔اماں! میں اپنا گھر فروخت کر آیا ہوں۔ میں اب کبھی وہاں نہیں جاؤں گا۔ میرے بچے جہاں آپ رہیں گی' آپ کے ساتھ رہیں گے۔''

پھر اُس نے نوٹوں کی ایک تھیلی عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

''یہ وہ روپے ہیں جو میں نے مکان فروخت کر کے حاصل کیے ہیں۔ان میں وہ روپے بھی شامل ہیں جو میرے پاس پہلے تھے۔ان کا جو چاہو کرو۔ چاہو اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤ یا پھر مجاہدین کو دے دو۔''

جب وہ عبدالکریم کی والدہ سے یہ باتیں کر رہا تھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے بیوی بچے ہاتھ جوڑے عبدالکریم کی والدہ کے سامنے کھڑے تھے۔عبدالکریم کی والدہ رحمدل خاتون تھیں۔اُس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور روپے حنیف خان کے حوالے کر دیئے۔ حنیف خان نے اُن میں سے آدھے مجاہدین کے لیے رکھ لیے اور بقیہ عبدالکریم کی والدہ کو دیتے ہوئے کہا:

''پاکستان میں یہ تمہارے اور تمہارے ساتھ ان بچوں کے کام آئیں گے۔''

چھٹے دن علی' میجر فیاض' عبدالکریم کی والدہ' یٰسین کے بیوی بچے اور پانچ دوسرے مجاہد واپس اپنے مرکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ یٰسین وہیں حیدر مرکز میں رہا۔

چیف کمانڈر کے پاس پہنچ کر میجر فیاض اور علی نے ساری روداد سنائی۔ چیف کمانڈر ان کی ہمت وجرأت کی داستان سن کر مسکرایا اور کہا کہ تم لوگوں نے قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کی یاد تازہ کر دی ہے۔ میں تم لوگوں کے بارے میں بہت فکرمند تھا۔اللہ کا شکر ہے تم بخیر وعافیت واپس آئے۔

عبدالکریم کی والدہ اور یٰسین کے بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا گیا۔میجر فیاض بھی چند دن رہنے کے بعد حیدر مرکز واپس چلا گیا تا کہ شہر کے قریب رہ کر چھاپہ مار کارروائیوں کی نگرانی کر سکے۔





سردیاں ختم ہو رہی تھیں اور بہار کا آغاز ہو چکا تھا۔ پہاڑوں پر پڑی برف پگھل رہی تھی۔ مجاہدین کے مرکز میں اطلاع ملی کہ کابل میں روسی کابل حکومت کے اعلیٰ فوجی افسروں کا اجلاس ہوا ہے جس میں مجاہدین کے بڑے بڑے مراکز پر زبردست حملے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔اُن میں وہ مرکز بھی شامل تھا جس میں آج کل علی رہ رہا تھا۔ یہ مرکز تین اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ صرف شمال مشرق کی طرف سے ایک راستہ اس مرکز تک جاتا تھا۔ یہی راستہ صوبے کے بڑے بڑے شہروں کو آپس میں اور پھر کابل سے ملاتا تھا اور مجاہدین اسے راہِ عمومی افغانستان کا نام دیتے تھے۔عرصے سے اس راستے پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ دشمن نے اس پر قبضہ کے لیے بڑے حملے کیے مگر ناکام رہا تھا۔

مجاہدین کا یہ مرکز جدید طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے غار بنائے گئے تھے۔زخمیوں کے لیے یہاں زمین دوز ہسپتال تھا اور خوبصورت مسجد بھی پہاڑ کے اندر ہی تعمیر کی گئی تھی۔ ایک غار کے اندر ریڈیو سٹیشن تھا جو ایک ویگن میں قائم تھا۔ اس ریڈیو سٹیشن سے پورے افغانستان کے لیے پروگرام نشر کیے جاتے تھے۔رُوسی مسلمانوں کے لیے پروگرام روسی زبان میں نشر ہوتے تھے۔ پہاڑوں کے اوپر طیارہ شکن توپیں لگائی گئی تھیں۔اس مرکز کے ایک طرف مجاہدین کے ہوٹل بھی تھے جہاں مجاہدین کے قافلے قیام کرتے تھے۔

اس مرکز میں جہاں نئے آنے والے فوجیوں کو تربیت دی جاتی تھی' وہاں دوسرے مراکز اور صوبوں کو اسلحہ بھی سپلائی کیا جاتا تھا۔اس طرح یہ ایک بہت بڑا اہم مرکز تھا اور یہاں سے جنگ کرنے والے مجاہدین دشمن کا ناک میں دم کیے ہوئے تھے۔ دشمن اس مرکز سے بہت پریشان تھا اور اسے ہر حالت میں تباہ کرنا چاہتا تھا' اس لیے اس پر حملے کی خصوصی منصوبہ بندی کی گئی۔

مارچ کے پہلے ہفتے میں اطلاع ملی کہ دشمن کا ایک بہت بڑا کانوائے سینکڑوں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ اس مرکز کے قریب واقع چھاؤنی کی طرف آ رہا ہے۔ دشمن کا پروگرام تھا کہ پہلے فوجی قوت چھاؤنی میں اکٹھی کی جائے اور پھر وہاں سے اس مرکز پر حملہ کیا جائے۔اس فوجی کانوائے کو طیاروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ مجاہدین نے اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے کئی اقدامات کیے۔ قافلے

کے راستے میں ٹینک شکن بارودی سرنگیں بچھائی گئیں۔ گڑھے کھودے گئے اور گھات لگا کر کئی جگہ حملہ بھی کیا گیا۔ اس طرح دُشمن کو قدم قدم پر بھاری نقصان اُٹھانا پڑا اور یہ کانوائے جسے اس چھاؤنی میں ایک ہفتے کے اندر پہنچنا تھا پورے چھ ہفتوں بعد پہنچ سکا۔ علی مجاہدین کی ان تمام چھاپہ مار کارروائیوں میں برابر شریک رہا۔

مجاہدین کا خیال تھا کہ دُشمن کا بھاری جانی و مالی نقصان ہوا ہے اور وہ خاصا تھک بھی چکا ہے' اس لیے وہ ہمارے مرکز پر فوری حملہ آور نہ ہو سکے گا لیکن دُشمن نے غیر متوقع طور پر فوراً حملہ کر دیا۔

جمعے کا دن تھا اور اپریل کا مہینہ۔ خاصی تعداد میں مجاہدین اپنے عزیزوں سے ملنے پاکستان گئے ہوئے تھے۔ مرکز میں موجود مجاہدین کی تعداد اس وقت بمشکل ایک سو تھی۔ صبح کا وقت تھا جب دُشمن کے بیس سے زیادہ بمبار طیارے نمودار ہوئے۔ ان کے ساتھ تقریباً ایک درجن ہیلی کاپٹر بھی تھے۔ طیاروں نے مرکز پر بمباری شروع کر دی اور ہیلی کاپٹروں سے مرکز کے تین اطراف میں کمانڈوز اتارے جانے لگے تاکہ مجاہدین کو کسی طرف سے مدد نہ مل سکے۔ چوتھی طرف سے دُشمن نے بہت بڑی فوج کے ساتھ اس قدر زوردار حملہ کیا کہ مجاہدین کہیں بھی اُن کا راستہ نہ روک سکے۔ یوں دُشمن کی فوج مجاہدین کے اس مرکز کے قریب اُونچے پہاڑوں پر قابض ہو گئی۔

مرکز میں موجود مجاہدین اکٹھے ہوئے اور تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ دُشمن کا آخری دم تک مقابلہ کیا جائے گا۔ مجاہدین کی تمام طیارہ شکن توپیں دُشمن کے ہوائی جہازوں پر گولیاں برسانے لگیں مگر یہ توپیں دور تک مار نہیں کر سکتی تھیں' اس لیے کہ دُشمن کے طیارے اُونچائی پر اڑتے ہوئے اندھا دھند بمباری کر رہے تھے۔ ایک ایک ہزار پونڈ کے بم برسائے جا رہے تھے۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے جہاز میں سے جہاز نکل رہا ہو۔ ایک ایک کر کے مجاہدین کی طیارہ شکن توپیں تباہ ہوتی گئیں۔ نیپام بموں سے مرکز میں کئی جگہ آگ لگ گئی۔

بمباری سے بچنے کے لیے مجاہدین نے کوہ دوز غار میں پناہ لی ہوئی تھی۔ ایک بہت بڑا بم غار پر آ گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اس غار کے اندر ستر مجاہدین تھے۔ 45 مجاہدین فوری طور پر ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے اور بقیہ کے لیے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

غار کے اندر بچنے والوں میں علی بھی شامل تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بچنے والے مجاہدین مزید کتنے گھنٹے بند غار کے اندر زندہ رہیں گے۔ اس قدر تباہ کن بمباری میں باہر سے کسی امداد کی امید نہ تھی۔ اگر امداد آ بھی گئی تو جتنی دیر میں غار کے منہ کے آگے سے ہزاروں ٹن ملبہ ہٹایا جائے گا' اُتنی دیر میں غار کے اندر آکسیجن ختم ہو چکی ہو گی اور زندہ بچ جانے والے مجاہدین بھی دم گھٹنے سے شہید ہو چکے

ں گے۔ علی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا۔ دوسرے مجاہدین بھی یقیناً یہی سوچ رہے ہوں گے لیکن رھیرے میں کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو گھنٹے گزر گئے اور مجاہدین نے محسوس کیا کہ ان کے لیے اب سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ ہاہدین کے چیف کمانڈر جو نیپام بم سے شدید زخمی ہو چکے تھے' وہ بھی غار کے اندر تھے۔ انہوں نے مام مجاہدین کو اپنے قریب بلایا اور کہا:

''اے مجاہدین اسلام! شاید تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے ہم بھی اُن شہداء سے جا ملیں جو ہارے سامنے پہاڑ کے ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو چکے ہیں لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ لوگ بھی اللہ کی رضا کی خاطر شہید ہوئے اور ہم بھی خدا کی راہ میں جان قربان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور پھر قتل کر دیئے گئے یا مر گئے اللہ اُن کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔ وہ اُن کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے۔'' (الحج)

''اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو لوگ جو مال و متاع جمع کرتے ہیں' اُس سے اللہ کی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے۔'' (آلِ عمران)

کمانڈر نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''اللہ کے ہاں سرخروئی جنگ میں فتح یا شکست کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو جانتا ہے کہ ہم میں سے کسی کے دل میں دُنیا کا لالچ نہ تھا۔ ہم نے خالصتاً دین اسلام کے پرچم کی سربلندی کے لیے جہاد کا آغاز کیا اور ظالموں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔ اللہ کو ہمارے ساتھیوں کی موت اسی طرح منظور تھی اور شاید ہماری موت بھی۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم ایک بار پھر اپنے وطن کو آزاد دیکھ سکیں اور سرزمین افغانستان پر اسلام کا پرچم لہرا سکیں اور یہی خواہش ہر اس شہید کی تھی جو ہم سے پہلے اللہ کے پاس جا چکا۔ دوستو! آؤ مل کر دعا کریں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے' ہماری شہادت کو قبول فرمائے اور ہمارے وطن کو آزاد کرائے۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک طرف سے علی کی آواز آئی:

''قابلِ احترام کمانڈر صاحب! شہادت ہمارے لیے اعزاز ہے اور ہم موت سے نہیں ڈرتے' لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بے بسی کی موت مر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم اللہ سے مدد کی دعا

کریں۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو ہماری مدد کے لیے فرشتے بھیج سکتا ہے۔ کیا اللہ میدان بدر میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد نہیں کی تھی اور کیا ابرہہ کے لشکر کو ابابیلوں سے نہیں کروایا تھا؟ پھر ہم اللہ کی مدد اور رحمت سے مایوس کیوں ہیں؟''

علی خاموش ہوا تو مجاہدین کے کمانڈر کی آواز سنائی دی: ''دوستو! علی صحیح کہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بظاہر ہمارے بچنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے' لیکن ہمارا تو یقین ہے کہ اللہ ہر چیز پر ہے۔ کیا اللہ نے اپنے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کی اُس وقت مدد نہیں کی تھی جب وہ دریا میں گر تھے اور مچھلی نے انہیں نگل لیا تھا اور جب انہوں نے اللہ سے مدد مانگی تو کیا مچھلی نے اُنہیں صحیح سالم سے باہر نہیں پھینک دیا تھا؟ اور ہاں' مجھے یاد آیا۔ بنی اسرائیل کے تین افراد کا ایک ایسا ہی واقعہ نبی کر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔ اُن کے غار کا منہ بھی بند ہو گیا تھا۔ واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

بنی اسرائیل کے تین افراد کو سفر کے دوران میں رات آ گئی۔ موسم بڑا خراب تھا۔ بارش طوفان آیا ہوا تھا۔ اس طوفان سے بچنے کے لیے وہ تینوں ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے۔ طو بارش کے نتیجے میں پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے گری اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ تینوں آ پریشان ہو گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ اب ہم اس غار سے باہر کیسے نکلیں گے۔ انہوں نے مل کر پورا ز لگایا مگر پتھر اتنا بھاری تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔ ان کا خیال تھا کہ اب ہمیں اس مصیب سے کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی۔ پھر ایک نے کہا کہ اگر ہم اپنے نیک اعمال کے ذریعے اللہ سے مانگیں تو ممکن ہے اللہ ہماری مدد کرے۔ سب نے اس کی بات پر اتفاق کیا۔

پھر ان میں سے ایک نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا: ''یا اللہ میرے ماں باپ بوڑ تھے۔ میں اُن کی اچھی طرح خدمت کرتا اور جب تک انہیں کچھ کھلا پلا نہ لیتا' میں اپنے بچوں کو کھلا تا خود کھاتا۔ ایک روز میں رزق کی تلاش میں بہت دور نکل گیا۔ جب میں واپس آیا تو والدین سو چ تھے۔ میں نے دودھ دوہا تا کہ اُن کو پلاؤں مگر وہ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اُن جگاؤں اور نہ یہ پسند کیا کہ اُن سے پہلے کسی اور کو کھلاؤں۔ اس طرح میں دودھ کا پیالہ لیے اُن سرہانے کھڑا اُن کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا اور میرے بچے بھوک سے بے تاب ہو کر میرے قدموں میں لوٹتے لوٹتے سو گئے' یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میرے ماں باپ جاگ اُٹھے اور پھر اُنہوں دودھ پی لیا۔ اے میرے مالک! اگر یہ سب کچھ میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا تو چٹان کو غار منہ سے ہٹا دے۔''

اُس نے دعا ختم کی تو چٹان تھوڑی سی غار کے منہ سے ہٹ گئی'

پھر دوسرے شخص نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا! ''اے میرے پروردگار! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو بہت خوبصورت تھی اور مجھے بہت زیادہ پیاری لگتی تھی۔ میں اُس کے پاس بری نیت سے گیا مگر وہ راضی نہ ہوئی' کیونکہ وہ نیک اور تجھ سے ڈرنے والی لڑکی تھی۔ وقت گزرتا گیا اور ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا۔ اُس لڑکی کے پاس کھانے پینے کو جب سب ختم ہو گیا تو وہ میرے پاس مدد مانگنے آئی۔ میری نیت اب بھی خراب تھی' اس لیے میں نے اُسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرے ساتھ برا کام کرے۔ فاقوں سے وہ اس قدر مجبور ہو گئی تھی کہ اُس نے میری شرط مان لی۔ ...... جب میں نے اُس پر قابو پا لیا تو وہ کہنے لگی کہ اللہ سے ڈر اور گناہ نہ کر۔ میں اُس کے پاس سے ہٹ گیا اور چاہنے کے باوجود برا کام نہ کیا اور دینار بھی اُس کے پاس رہنے دیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا۔'' اُس نے دعا ختم کی تو چٹان تھوڑی سی اور پرے ہٹ گئی مگر باہر نکلنا اب بھی مشکل تھا۔

تیسرے شخص نے دُعا کرتے ہوئے کہا: ''اے میرے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے چند مزدوروں کو اپنے کام کے لیے اجرت پر رکھا اور سب کو ان کی اجرتیں دیں' لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا۔ میں نے اُس کی اُجرت کے روپے کام میں لگائے اور اُن سے بہت نفع حاصل ہوا۔ اُس نفع سے کئی اونٹ' گائیں' بھیڑیں اور غلام میرے پاس جمع ہو چکے تھے۔ کچھ مدت بعد وہ مزدور واپس آیا اور مجھ سے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے سارے اونٹ' گائیں' بھیڑیں اور غلام اُس کے سامنے کر دیئے تو وہ حیران ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اللہ کے بندے مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے اپنی مزدوری مانگی ہے' تیرا مال نہیں۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ سارا مال تیری ہی مزدوری کے نفع سے حاصل ہوا ہے۔ اُس نے سارا مال لے لیا اور چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نکال۔'' اُس کی دُعا کے بعد چٹان غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹ گئی اور یوں اُنہیں نئی زندگی ملی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مجاہدین کے کمانڈر نے کہا کہ اے دوستو! آؤ آج ہم بھی اپنے اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی ہم میں سے کسی کے نیک کام کے بدلے اس مصیبت سے نجات دلائے۔

اس کے بعد ایک مجاہد نے دُعا مانگتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کالج میں پڑھ رہا تھا کہ ایک دن ہمارے شہر میں کمیونسٹوں نے جلوس نکالا۔ میں بھی جلوس دیکھنے گیا ہوا تھا جو کمیونزم کے حق میں نعرے لگا رہا تھا۔ جلوس ایک مسجد کے سامنے رُک گیا اور جلوس میں شامل لوگوں نے اسلام کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے کیونکہ اس مسجد کا مولوی اسلامی نظام کے حق میں تقریریں کرتا اور

روس میں مسلمانوں پر ہونے والے کمیونسٹوں کے ظلم کی داستانیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھ
مولوی صاحب مسجد سے باہر آئے اور انہوں نے اسلام کے خلاف نعروں پر شدید احتجاج کیا
کمیونسٹوں نے انہیں شہید کر دیا۔ مسجد کو آگ لگا دی اور قرآن مجید پھاڑ کر استنجا خانے میں پھینک
دیے۔ وہاں موجود کئی دوسرے لوگوں نے اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو۔ اس پر ایک
کمیونسٹ نے آگے بڑھ کر کہا کہ جاؤ' جا کر اپنے اللہ کو بلا لاؤ۔ یہ کہہ کر اُس کمیونسٹ نے پھاڑے
ہوئے قرآن مجید پر پیشاب کر دیا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں گھر کی طرف دوڑا اور بندوق اُٹھا کر جلو
میں آ گیا۔ پھر اُس کمیونسٹ اور کئی دوسرے کمیونسٹوں کو قتل کر کے میں مجاہدین سے آ ملا۔ اے اللہ!
یہ سب کچھ میں نے تیری محبت میں کیا تھا تو ہماری مدد کر۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔ پھر دوسرے مجاہد نے دُعا کرتے ہوئے کہا:

''اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ حامد اور میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ حامد میرا بچپن کا دوست
اور ہماری دوستی بہت گہری تھی۔ جب ہم کالج میں آئے تو اس کے نظریات بدل گئے اور وہ کمیونس
ہو گیا۔ میں نے اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ تیرا مذاق اڑاتا' قرآن
عیسائیوں کی لکھی ہوئی کتاب کہتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انتہائی بے ہودہ الفا
استعمال کرتا۔ اُسے میں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ ایک دن پوری کلاس میں اُس نے قرآن ا
اسلام کے خلاف تقریر شروع کر دی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت غلط الفاظ استعما
کیے۔ میں نے پہلے اُسے زبان سے روکا' لیکن وہ نہ رکا بلکہ جھگڑنے لگا۔ اس پر میں نے اُس گستاخ
رسولؐ اور مرتد کو جو کبھی میرا بڑا پیارا دوست تھا' بہت مارا اور اُس کی گستاخ زبان کاٹ کر پھینک دی
اے میرے خدا! اگر یہ سب کچھ تیری خوشنودی کی خاطر تھا تو ہماری مدد فرما۔''

سب مجاہدین نے آمین کہی۔ اس طرح اُن سب مجاہدین نے باری باری دُعا کی۔ آخر میں
کمانڈر نے دُعا کرتے ہوئے کہا: ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ اس ملک میں جب روسی فوج داخل ہوئی
بچوں' بوڑھوں اور عورتوں پر ظلم ہونے لگا۔ گاؤں کے گاؤں ملبے کے ڈھیر بنا دیئے گئے۔ مسجدوں او
مدرسوں کو شہید کر دیا گیا اور تیرا نام لینے کے جرم میں مسلمانوں کو شہید کیا جانے لگا۔ مجھ سے یہ
برداشت نہ ہو سکا اور میں نے تیری راہ میں بندوق اُٹھالی۔ اگر یہ سب کچھ تیری رضا کی خاطر ہے ت
ہماری مدد کر۔''

کمانڈر کی دُعا پر جونہی مجاہدین نے آمین کہی' باہر زبردست دھماکہ ہوا۔ پہاڑ لرزنے لگ
اور عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے باہر قیامت آ چکی ہو اور جب مجاہدین

نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ روشنی غار کے اندر آ رہی تھی۔ غار کا منہ کھل چکا تھا اور ہزاروں ٹن ملبہ دور دور
بکھرا پڑا تھا۔ مجاہدین اتنی جلدی قبولیت دُعا پر حیران تھے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ سب مجاہدین کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

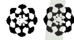
ہوا یوں کہ دُشمن کے ایک درجن طیارے دوبارہ حملہ کرنے آئے۔ انہوں نے مرکز پر زبردست
بمباری کی۔ دو بڑے بڑے بم غار کے سامنے ملبے پر پڑے اور اُن کے پھٹنے سے ملبہ دور دور تک بکھر گیا
اور یوں اللہ نے اپنے بندوں کی مدد اپنے دُشمنوں کے ذریعے کر کے اپنے قادرِ مطلق ہونے کا اعلان کیا۔

مجاہدین نے باہر نکل کر جائزہ لیا تو تمام طیارہ شکن توپیں تباہ ہو چکی تھیں۔ صرف تین زمینی
توپیں سلامت تھیں اور جو مجاہدین اُنہیں چلا رہے تھے وہ اُنہی تینوں سے دُشمن کی پیش قدمی روکے
ہوئے تھے جبکہ دُشمن طیاروں اور ان گنت توپوں سے مسلسل اُن پر گولہ باری کر رہا تھا۔ کئی بم اُن کے
دائیں بائیں پھٹے مگر اللہ نے اُنہیں بچائے رکھا۔ اب اس مرکز میں صرف تیس مجاہد صحیح سلامت تھے اور
بیس زخمی۔ باقی سب شہید ہو چکے تھے۔

چیف کمانڈر کے سامنے اب دو مسئلے تھے۔ ایک زخمیوں اور لاشوں کو نکال کر محفوظ جگہ پہنچانا'
دوسرے ریڈیو سٹیشن ویگن کو صحیح سلامت نکال کر لے جانا۔ مرکز کو بچانا اب کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

کمانڈر نے مجاہدین سے مشورے کے بعد کہا کہ توپوں پر صرف چھ مجاہد رہیں گے۔ پانچ میرے
ساتھ ہوں گے۔ باقی فوری طور پر ریڈیو سٹیشن ویگن' زخمیوں اور شہداء کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔

اس مرکز سے کسی بھی چیز کو سلامت لے جانا ناممکن نظر آ رہا تھا کیونکہ فضا میں دُشمن کے طیارے
مسلسل بمباری کر رہے تھے اور کمانڈوز نے تمام راستے بند کئے ہوئے تھے' لیکن اس کے باوجود دو مجاہد
ریڈیو سٹیشن ویگن میں سوار ہوئے۔ باقیوں نے زخمی اور شہیدوں کو پک اپ گاڑیوں میں رکھا اور اللہ
کے سہارے وقفے وقفے سے نکل پڑے۔ جونہی وہ مرکز سے نکلے دُشمن کے طیارے آ گئے اور اُن پر بم
برسانے لگے مگر ڈرائیور انتہائی مہارت سے گاڑیوں کو نکال کر لے گئے۔ راستے میں اُنہیں بہت زیادہ
لاشیں نظر آئیں جو مجاہدین کی نہیں تھیں بلکہ روسی کمانڈوز کی تھیں جنہیں مجاہدین کے ایک دوسرے
گروپ نے زمین پر اترتے ہی ہلاک کر دیا تھا اور اس وقت بھی وہ گروپ اس راستے کی حفاظت کر رہا
تھا مگر مرکز میں چیف کمانڈر اس بات سے بے خبر تھا۔





چیف کمانڈر سمیت اب مرکز میں صرف بارہ مجاہد باقی تھے۔ اُن میں علی بھی شامل تھا۔

اُن .... کا ایک ہی مقصد تھا کہ دُشمن کی پیش قدمی سورج غروب ہونے تک روکی جائے۔ ان بارہ مجاہدین نے اس مہارت سے مورچے سنبھالے ہوئے تھے کہ دُشمن یہی سمجھتا رہا کہ مجاہدین کی بہت بڑی تعداد مرکز میں اُن کے خلاف لڑ رہی ہے۔ چیف کمانڈر زخمی ہونے کے باوجود مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا۔

ابھی سورج غروب ہونے میں کچھ وقت باقی تھا جب مجاہدین کے پاس اسلحہ ختم ہوگیا۔ کلاشنکوفوں کی کچھ گولیاں اور چند دستی بم بچے تھے۔ کمانڈر نے کہا کہ تمام توپیں تباہ کر دی جائیں تاکہ دُشمن ان پر قبضہ نہ کر سکے اور مزید کوئی گولی نہ چلائی جائے۔ یہ کہہ کر وہ سورج غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا تاکہ رات کی تاریکی میں پسپائی محفوظ راستے سے ہو سکے۔

چند منٹ بعد کمانڈر نے دوربین سے دیکھا کہ دُشمن کے ٹینک مرکز کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اُس کے ساتھ ساتھ دُشمن کی توپوں سے گولہ باری بھی ہو رہی تھی۔ کمانڈر نے مجاہدین سے کہا کہ نکلنے کا راستہ ٹینکوں کی زد میں آچکا ہے' اس لیے آپ سب آہستہ آہستہ پچھلے پہاڑ کی طرف سرکنا شروع کر دیں اور درختوں کے اس جھنڈ کے نیچے اکٹھے ہوں جو چوٹی کے قریب نظر آ رہا ہے۔

مجاہدین آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ لیٹ کر رینگ رہے تھے تاکہ دُشمن اُنہیں دیکھ نہ سکے۔ آہستہ آہستہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مجاہدین اب پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جب وہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے پہنچے تو اندھیرا پہاڑ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ انہوں نے ہوائی جہازوں کو آتے دیکھا۔ ایک جہاز سے روشنی کے بم پھینکے گئے۔ بموں کی روشنی اس قدر زیادہ تھی کہ زمین پر چیونٹی بھی نظر آ سکتی تھی۔

مجاہدین کے لیے یہ صورتحال بڑی پریشان کن تھی۔ خدشہ تھا کہ اُنہیں دیکھ لیا جائے گا اور پھر اس جگہ بموں کی بارش شروع ہو جائے گی۔ روشنی کے دو گولے اپنی جگہ معلق تھے۔ دور سے نظر آ رہا تھا کہ دُشمن کے ٹینک مرکز کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں۔ طیارے بڑی نیچی پرواز کر رہے تھے۔ اگر اس

وقت مجاہدین کی ایک بھی طیارہ شکن توپ سلامت ہوتی تو روسی طیارے گرانا کچھ مشکل نہ تھا۔

علی نے اپنی بندوق سیدھی کی تو کمانڈر نے اُسے روکا کہ گولی مت چلائے لیکن روکنے سے پہلے ہی علی کی گولی چل چکی تھی اور روشنی کا گولہ اُس کا نشانہ بن چکا تھا۔ علی نے دوسری گولی دوسرے گولے پر چلانے میں بھی دیر نہ کی اور وہ بھی ٹھیک نشانے پر لگی۔ کمانڈر نے مجاہدین سے کہا کہ اب فوراً جگہ تبدیل کر لو کیونکہ یہاں اب زبردست بمباری شروع ہو جائے گی۔

تاریکی کا فائدہ اٹھاتے اور دوڑتے ہوئے مجاہدین خاصے دور آ گئے۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں کے نیچے پتھروں کی اوٹ میں لیٹ گئے۔ دُشمن کے طیاروں نے بمباری پھر شروع کر دی تھی۔ بمباری اس قدر زیادہ تھی کہ اگر مجاہدین پہلی جگہ موجود ہوتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ سلامت نہ بچتا۔ تھوڑی دیر بعد بمباری تھم گئی۔ مجاہدین کا خیال تھا کہ طیارے دوبارہ آئیں گے' لیکن خاصی دیر تک وہ نہ لوٹے۔ مجاہدین اُٹھے اور پہاڑ سے نیچے اُترنے لگے۔ وہ بڑی احتیاط سے چل رہے تھے کیونکہ خدشہ تھا کہ روسی کمانڈوز اس پہاڑ پر کسی جگہ چھپے ہوئے نہ ہوں۔

ابھی وہ پہاڑ کا نصف راستہ بھی نہیں اترے تھے کہ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ نیچے سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ کئی گولیاں علی کے کانوں کے قریب سے گزر گئیں۔ سب مجاہدین ایک دفعہ پھر لیٹ گئے اور الٹی سمت رینگنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر وہ ٹھہرے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ چیف کمانڈر سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں زخمی مجاہدین اور ریڈیو سٹیشن ویگن والے بچ کر نکل سکے ہیں یا نہیں۔ روسی کمانڈوز اپنے راستے میں دیکھ کر مجاہدین پریشان ہو گئے تھے۔ وہ دیر تک وہیں لیٹے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ کمانڈوز اُن کا پیچھا کریں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب انہوں نے اس طرف دھماکوں کی آوازیں سنیں جس طرف سے اُن پر فائرنگ کی گئی تھی۔ سب اس طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اُدھر سے بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ علی کا خیال تھا کہ مجاہدین کے کسی گروہ نے روسی کمانڈوز پر حملہ کر دیا ہے اور یہ دستی بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں' اس لیے ہمیں مجاہدین کی مدد کے لیے اُس طرف جانا چاہیے لیکن کمانڈر کا خیال تھا کہ کہیں ہمیں پھنسانے کے لیے دُشمن نے یہ جال نہ پھیلایا ہو۔ علی اور دوسرے مجاہدین کا کہنا تھا کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کے لیے خطرہ مول لینا پڑے گا۔ کمانڈر نے ایک دفعہ پھر سارے اسلحہ کا جائزہ لیا اور مجاہدین کی رائے سے اتفاق کیا۔

مجاہدین کے تین گروپ بنا دیئے گئے تاکہ سارے اکٹھے گھیرے میں نہ آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ کمانڈوز کے مرکز کی طرف بڑھنے لگے۔ علی اور اُس کا ساتھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ اُنہیں دو سائے

اپنی طرف دوڑتے نظر آئے۔ علی نے دیکھتے ہی گولی چلادی لیکن اتفاق سے نشانہ خطا گیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ جو کوئی بھی تھا فارسی زبان میں اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ اُس نے مزید کہا کہ اگر آپ مجاہدین ہیں تو گولی مت چلائیے۔ ہم دونوں روسی فوج کے مسلمان فوجی ہیں۔ ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے' کلاشنکوفیں ہم نیچے پھینک رہے ہیں۔

علی کے ساتھی مجاہد نے کہا کہ ان پر اعتبار نہ کیا جائے' لیکن علی کا خیال تھا کہ روس کے مسلمانوں کو افغان مسلمانوں کے خلاف زبردستی لڑایا جارہا ہے' اس لیے ہمیں ان پر گولی نہیں چلانی چاہیے جبکہ وہ خالی ہاتھ بھی ہیں۔ اپنے ساتھی سے یہ کہہ کر علی نے آواز دی کہ آپ لوگ آگے آجائیں۔ یہ سن کر وہ دونوں علی کی طرف دوڑ پڑے۔ عین اس وقت ایک دھماکہ ہوا اور اُن میں سے ایک نیچے گر پڑا۔ علی نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا کہ کہیں اُس نے دستی بم تو نہیں پھینکا' لیکن اُس کے ساتھی نے نفی میں جواب دیا۔

ادھر سے آواز آئی کہ میرا ساتھی شدید زخمی ہوگیا ہے۔ براہ کرم آپ لوگ میری مدد کریں۔ علی اور اس کا ساتھی ان کی طرف دوڑے۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو زخمی کی ٹانگ اڑ چکی تھی اور باقی جسم بھی شدید زخمی تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ زخمی کے لیے کیا کریں۔ خون اس قدر تیزی سے بہہ رہا تھا کہ زخمی کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ علی اپنا پٹکا پھاڑ کر اس کے زخموں پر باندھنے لگا' مگر خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ زخمی درد سے کراہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز آئی:

''میرے مسلمان بھائیو! شاید میں نہ بچ سکوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری آخری خواہش پوری ہوگئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے مجاہدین کا ساتھی بنادے۔ آج میں مجاہدین کے ساتھی کی حیثیت سے مر رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور چومنے لگا۔ پھر اس نے کہا: ''اے مجاہدو! آخری دم تک لڑنا۔ روس کے مسلمانوں کی آزادی تک لڑنا۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے گا۔''

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھاگئی۔ پھر زخمی کے لب ہلے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس کا ساتھی اس کے ساتھ چمٹ کر رونے لگا۔ علی اور دوسرے مجاہدین کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ شہید روسی فوجی کا ساتھی روتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''اے دوست! تو نے تو روس کے مسلمانوں کی آزادی تک میرا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا مگر پہلے ہی قدم پر ساتھ چھوڑ گیا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک تیرے مشن کو زندہ رکھوں گا' خواہ مجھے تنہا ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔''

علی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''اے روسی دوست! ہم تمہارے ساتھی بنیں گے تم تنہا نہیں ہو' عالم اسلام کا ہر حریت پسند تمہارا ساتھی ہوگا۔ کچھ کی دعائیں' کچھ کا مال اور کچھ کی جانیں

تمہارے ساتھ ہوں گی۔ ہم سب کی ایک ہی منزل ہے اور ایک ہی راستہ۔ ہمارا ایک ہی خدا ہے' ایک ہی دین اور ایک ہی دشمن بھی' اس لیے افغانستان کا ایک ایک فرد تمہارے ساتھ ہے۔''

علی نے روسی سے پوچھا کہ یہ تمہارا ساتھی شہید کیسے ہوا تو اُس نے کہا: ''ہم نیچے روسی افغان کمانڈوز کے مورچے میں موجود اسلحہ تباہ کرکے اور کمانڈوز کو قتل کرکے بھاگے تھے تاکہ مجاہدین سے جا ملیں۔ بھاگتے ہوئے ہمارے پاؤں اپنی ہی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ پر پڑے اور یہ حادثہ پیش آگیا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ فی الحال ہمیں کسی محفوظ مقام کی طرف جانا چاہیے۔ کمانڈوز کا ایک دوسرا گروپ بھی قریب ہی موجود ہے جو حملہ آور ہوسکتا ہے۔'' اُنھوں نے شہید کی لاش اُٹھائی اور چل پڑے۔

مجاہدین محفوظ مراکز میں پہنچ چکے تھے۔ دوسرے مراکز سے کمانڈروں کو طلب کیا گیا تھا۔ مجاہدین کے سامنے فوری مسئلہ بڑے مرکز کو روسیوں سے واگزار کرانا تھا۔ مختلف مراکز سے کمانڈر اپنے اپنے مجاہدین کے ساتھ پہنچ گئے۔ اُن کا ہنگامی اجلاس فوری طور پر شروع ہوگیا۔ علی کو اُس کے تجربے اور ذہانت کے باعث اجلاس میں خصوصی طور پر بلایا گیا تھا۔ بیشتر کمانڈروں کی رائے تھی کہ فوری حملے کے بجائے ایک ماہ کا انتظار کیا جائے' لیکن علی کا کہنا تھا کہ حملہ فوراً بلکہ آج ہی کیا جائے کیونکہ جس طرح ہم اچانک حملے میں شکست کھا بیٹھے ہیں' دشمن بھی اسی طرح ہمارے اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں ہوگا' اس لیے وہ بھاگ اُٹھے گا۔ جو کمانڈر علی کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اُنھوں نے اُس کی تائید کی۔ بڑی بحث وتمحیص کے بعد اتفاق رائے سے فیصلہ کیا گیا کہ حملہ آج رات سورج غروب ہوتے ہی شروع کردیا جائے۔

مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی تھی اور ان کا جوش وجذبہ قابل دید تھا۔ ہر مجاہد شکست کا داغ فوری طور پر دھونے کے لیے بے تاب تھا۔ فضا تکبیر اور الجہاد' الجہاد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ بندوقوں کو صاف کیا جارہا تھا اور اسلحہ گاڑیوں اور خچروں پر لادا جارہا تھا۔ اتنے میں چیف کمانڈر تشریف لے آئے۔ اُن کی گردن پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مجاہدین دیکھتے ہی اُن کے گرد جمع ہوگئے۔ کمانڈر نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اے دین اسلام کے جانثارو! دشمن کے اچانک حملہ کی وجہ سے ہم اُس کا مقابلہ نہ کرسکے۔ ہماری تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود جس جرأت کے ساتھ مجاہدین نے دشمن کی پیش قدمی کو روکا' وہ قابل تعریف ہے۔ اگرچہ اس وقت آپ لوگ بہت بڑی تعداد میں ہیں' مگر دشمن کی تعداد اب بھی آپ سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے' اس لیے دوستو! اللہ کے بھروسے پر ہمت اور جرأت کے ساتھ آگے بڑھو اور دشمن کو تہس

نہس کردو۔اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اس کے ساتھ ہی فضا "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ" کے نعروں سے گونج اُٹھی اور پھر مجاہدین تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے دُشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے چل پڑے۔

دُشمن اُن کے اِس حملے کی تاب نہ لا سکا اور جلدی ہی بھاگ کھڑا ہوا۔دُشمن کے سینکڑوں فوجی بھاگتے ہوئے مارے گئے اور پانچ سو سے زیادہ گرفتار ہوئے۔بہت زیادہ اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ آیا اور مرکز پر مجاہدین کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔اس کامیابی پر مجاہدین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

مرکز پر قبضہ کے بعد مجاہدین کے چیف کمانڈر نے سب کمانڈروں کی دوبارہ میٹنگ بلائی۔ مجاہدین کا اس مرتبہ بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ایک سو سے زیادہ مجاہدین جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔دو سو کے قریب زخمی تھے۔دُشمن کا نقصان بھی کم نہیں تھا۔پہاڑوں پر بکھری ہوئی دُشمن کی لاشوں کو جب اکٹھا کیا گیا تو اُن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔چیف کمانڈر کا خیال تھا کہ دُشمن کے کم از کم بارہ سو فوجی مارے گئے ہوں گے۔بعد میں مجاہدین کے جاسوسوں نے چھاؤنی سے اطلاع دی کہ دُشمن کے پندرہ سو سے زیادہ فوجی ہلاک ہوئے ہیں اور چار طیارے اور بیس ٹینک تباہ ہوئے ہیں۔زخمیوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں۔مجاہدین خوش تھے کہ اتنی بڑی فوج اور اسلحہ کے ساتھ دُشمن ایک دن سے زیادہ ایک لمحہ بھی اُن کے مرکز پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکا۔

رُوسی مسلمان فوجی نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور چیف کمانڈر نے اُسے مجاہدین میں شامل کر لیا۔

دوسرے دن شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔رُوسی فوجی جس کا نام عبدالرحمٰن تھا' جنازے میں شامل تھا۔وہ جنازہ پڑھنے والوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کسی ایک فرد کی آنکھوں میں بھی آنسو نہ تھے اور نہ کسی طرف سے خواتین کی آہ و بکا کی آواز آ رہی تھی۔اُس نے اپنی اس حیرانی کا ذکر علی سے کیا اور پوچھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں' بیٹوں اور باپوں کی موت پر بھی آنسو نہیں بہا رہے۔علی عبدالرحمٰن کو ایک بوڑھے کے پاس لے گیا جس کے اس معرکے میں پانچ میں سے تین بیٹے شہید ہو چکے تھے۔

بوڑھے مجاہد نے عبدالرحمٰن کا سوا اور کہا: "بیٹا! افغانستان میں بارہ لاکھ سے زیادہ افراد شہید ہو چکے ہیں۔ہم کن کن پر روئیں۔شہادت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اور انعام خوشی سے قبول کیا جاتا ہے' آنسوؤں سے نہیں۔اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ اُن کے لیے بہشت کی زندگی ہوگی۔وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں۔یہ اللہ کے

ذمہ ایک سچا وعدہ ہے اور یہ وعدہ قرآن' تورات' انجیل سب میں ہے۔(یعنی شہادت کے بدلے جنت دی جائے گی۔) اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس مسلمانو! خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

بوڑھے مجاہد نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "بیٹا! افغانستان کی ہر ماں آنسو بہانے کے بجائے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتی ہے کہ اسلام کا پرچم سربلند رکھنا' خواہ تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔مردوں میں جس کا بیٹا شہید ہوتا ہے' وہ فخر محسوس کرتا ہے کہ وہ شہید کا باپ بن گیا۔نوجوان کہتے ہیں کہ ہم اپنے جذبات آنسوؤں میں نہیں بہائیں گے بلکہ ہماری بندوق سے گولی نکلے گی اور دُشمن کا خون بہے گا۔بچے جوان ہونے کی دُعائیں مانگتے ہیں تاکہ وہ شہداء کے نقشِ قدم پر چل سکیں"۔

عبدالرحمٰن کے لیے یہ باتیں کسی حد تک نئی نہیں تھیں۔اُس نے یہ سب کچھ اپنے دادا سے سنا تھا کہ مسلمان جب قربانی کے لیے نکلتے ہیں تو پھر آنسو نہیں بہاتے' لیکن اُسے مجاہدین کا یہ جذبہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا پہلی دفعہ موقع مل رہا تھا۔





عبدالرحمٰن علی کا دوست بن گیا تھا۔ جب وقت ملتا دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ عبدالرحمٰن نے بتایا کہ وہ ترکمانستان کا رہنے والا ہے۔ لازمی فوجی بھرتی کے قانون کے تحت اُسے فوج میں بھرتی کر کے افغانستان بھیج دیا گیا۔ علی کے پوچھنے پر اُس نے تفصیل سے رُوس میں مسلمانوں کے حالات بتائے۔ اُس نے کہا:

''روس کے مسلمان مدت سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ میرے دادا جو پانچ چھ سال پہلے فوت ہوئے' بتایا کرتے تھے کہ کمیونسٹوں سے پہلے عیسائی زار بادشاہوں کی حکومت تھی۔ یہ عیسائی زار انتہائی ظالم اور سفاک حکمران تھے۔ مسلمانوں نے اس ظلم کے خلاف جنگیں لڑیں مگر چونکہ وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے' روسی فوج کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی اور انہیں کسی مسلمان ملک سے مدد بھی حاصل نہ تھی' اس لئے وہ اپنے علاقوں کا دفاع نہ کر سکے اور آہستہ آہستہ تمام علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ روسیوں نے مسلمانوں سے جائیدادیں چھین لیں۔ زمینیں ضبط کر لیں۔ مساجد اور دینی مدارس کو شہید کر دیا۔ **1742**ء میں صرف قازان کے ایک ضلع میں **546** میں سے **418** مساجد شہید کی گئیں اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر کے ان کی زمینیں عیسائیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

اگرچہ قازان' کریمیا اور آذربائیجان سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا تھا مگر مسلمانوں کے عظیم مجاہد اور عالم اسلام کے پہلے گوریلا رہنما امام شاملؒ نے **1859**ء تک شمالی قفقاز میں جہاد جاری رکھا۔ اُنہوں نے تین لاکھ رُوسی فوج کا مقابلہ کیا مگر اُن کے پاس جدید ہتھیار تھے نہ کسی اسلامی ملک نے اُن کی مدد کی جس کی وجہ سے رُوس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اُسی زمانے میں رُوسی افواج ترکستان کے علاقوں پر قابض ہوتی چلی گئیں اور سمرقند' بخارا اور خوارزم جیسے اسلامی شہر زاروں نے اپنی بادشاہت میں شامل کر لیے۔ زار سلطنت کا ایک تہائی سے زیادہ رقبہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل تھا۔

عیسائی زاروں کے ظلم کی وجہ سے روس میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی اور جب **1917**ء میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو مسلمانوں کو امید پیدا ہوئی کہ اب ہمیں آزادی مل جائے گی

کیونکہ لینن اور دوسرے کمیونسٹ رہنماؤں نے اپنے منشور میں مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ زاروں سے نجات حاصل کرنے کے بعد مسلم اقوام کو آزادی دے دی جائے گی۔ اسی لیے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے کمیونسٹوں کا ساتھ دیا' لیکن اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد کمیونسٹ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ کمیونسٹ چونکہ خدا اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے' اس لیے اُن کے نزدیک وعدوں اور معاہدوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لینن کو جب مسلمانوں نے اُس کا وعدہ یاد دلایا تو اُس نے کہا تھا کہ معاہدہ صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہی تو ہوتا ہے اور جب مسلمانوں نے اُسے بتایا کہ وہ اپنے وعدوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات کے مطابق قائم رکھنے کے عادی ہیں تو لینن نے کہا تھا کہ پھر تمہارے آباؤ اجداد بے وقوف ہوں گے۔

کمیونسٹ حکمران زاروں سے کہیں زیادہ ظالم نکلے۔ زاروں کے ظلم سے بچی ہوئی زمینیں اور گھربار چھین لیے گئے۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل اور لاکھوں کو فاقوں مرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا لیکن وقت بہت ضائع ہو چکا تھا۔ کمیونسٹوں نے خاصی تعداد میں نام نہاد ملاؤں کو خرید لیا تھا جو کمیونزم کو اسلام کے عین مطابق بتا رہے تھے''۔

عبدالرحمٰن نے بات آگے بڑھاتے ہوئے مزید بتایا۔ ''جب کمیونسٹ انقلاب آیا تو میرے دادا اس وقت جوان تھے۔ ان کے اندر اسلام کی محبت اور آزادی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بھی اسلام کی سربلندی کے لیے آزادی کی جنگ میں کمیونسٹوں کے خلاف مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ اسلام کی محبت رکھنے والے جوان مجاہدین کے قافلہ میں شامل ہوتے گئے اور مجاہدین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ جہاد کا جذبہ قابل دید تھا۔ بچے اور بوڑھے بھی مجاہدین کی صفوں میں آنے لگے اور عورتیں اپنے زیورات اتار کر مجاہدین کے لیے جہاد فنڈ میں دینے لگیں۔ مجاہدین نے ترکستان کے کئی علاقوں میں آزادی کا اعلان کر دیا اور بخارا میں مسلمانوں کی آزاد حکومت قائم بھی ہو گئی' لیکن رُوسیوں نے ایک بہت بڑی فوج مجاہدین کو کچلنے کے لیے بھیج دی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ تھا بھی فرسودہ اور پھر بہت سے نام نہاد علماء مسلمانوں کو جہاد سے یہ کہہ کر روک رہے تھے کہ کمیونزم ایک اقتصادی نظام ہے' مذہب سے اس کی کوئی دشمنی نہیں اور کمیونسٹ غریب عوام کو ظالم سرمایہ داروں سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں مجاہدین' جدید ترین اسلحہ سے لیس سرخ فوج کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور یوں رقبے کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کا سب سے بڑا علاقہ زاروں کے بعد کمیونسٹ تسلط میں چلا گیا''۔

عبدالرحمٰن بتا رہا تھا کہ جس طرح افغانستان میں رُوسی کابل حکومت مجاہدین کو ڈاکو' لٹیرے اور

اشرار کہہ کر بدنام کرتی ہے اور آبادیوں کو لوٹنے، بے گناہوں کو قتل کرنے اور اُن کے گھروں کو آگ لگانے کے بعد عوام میں یہ پراپیگنڈہ کرتی ہے کہ یہ سب اشرار (مجاہدین) نے کیا ہے، اسی طرح کمیونسٹ رُوسی حکومت نے ترکستان کے مجاہدین کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا کیا تھا۔ رُوسی کمیونسٹ مجاہدین کو ''بسماچی'' کہتے تھے جس کے معنی لٹیرے اور ڈاکو کے ہیں، لیکن مسلمانانِ ترکستان نے اس لفظ کو اپنی آزادی کی علامت بنا دیا، اس لیے اُن کی تحریکِ آزادی ''بسماچی تحریک'' کہلاتی ہے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ اُس کے دادا بھی اسی بسماچی تحریک کے مجاہد تھے۔ کیمونسٹوں نے اُن کے خاندان کے ساتھ بہت ظلم کیا تھا۔ تمام زمینیں چھین لی تھیں۔ رُوسی ظالموں نے گھر والوں کو گھر کے اندر بند کر کے آگ لگا دی۔ اس طرح اُس کے پردادا، پردادی اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، جن میں دادا کی دو بہنیں اور ایک بھائی بھی شامل تھے، جل کر شہید ہو گئے۔ دادا کے بڑے بھائی نے احتجاج کیا تو اُسے کیمونسٹ پکڑ کر لے گئے۔ اُن کی لاش ایک ہفتہ بعد گاؤں کے قریبی نالے میں پڑی ملی۔ اُن کے جسم کے اعضاء کاٹے جا چکے تھے اور اُنہیں انتہائی تشدد سے ہلاک کیا گیا تھا۔ بعد میں دادا کو ایک عینی گواہ نے بتایا کہ کیمونسٹ اُسے کہتے تھے، اس تحریر پر دستخط کر دو کہ تمہارے گھر کو آگ بسماچیوں (مجاہدین) نے لگائی ہے اور اُنہی نے گاؤں کی مسجد شہید کی ہے اور قرآن مجید بھی پھاڑ کر پھینکے ہیں۔ جب اُنہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو اُن پر ناقابلِ برداشت تشدد کیا گیا۔ اُن کے جسم کو جلتے سگریٹوں سے داغا گیا۔ پھر باری باری جسم کے اعضاء کاٹے گئے اور اس طرح اُنہیں شہید کر دیا گیا۔

میرے دادا نے بتایا: ''ہم نے شکست کے بعد پہاڑوں کو اپنا مرکز بنایا ہوا تھا۔ عظیم مجاہد ابراہیم بیگ ہمارے کمانڈر تھے۔ ہم نے چھاپہ مار کارروائیوں میں دُشمن کو بہت نقصان پہنچایا مگر دُشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ہمارے پاس جدید اسلحہ بھی نہ تھا۔ آخر کار ہم سرخ فوج کے محاصرے میں آ گئے۔ گھیرا روز بروز تنگ ہوتا گیا۔ خورد و نوش کا سامان بھی ختم ہو گیا۔ مجاہدین درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرنے لگے۔ ہمارا کمانڈر ایک جرات مند مجاہد تھا۔ اُس نے تقریباً دو ہزار مجاہدین کے ساتھ دُشمن کا مضبوط محاصرہ توڑ دیا اور پھر وہ دریائے آمو پار کر کے افغانستان میں داخل ہو گئے لیکن افغانستان کی حکومت نے اُنہیں پناہ نہ دی بلکہ دھوکے سے رُوسیوں کے حوالے کر دیا۔ بعد میں پتا چلا کہ افغانستان کی حکومت نے احکامات جاری کیے ہوئے تھے کہ کسی رُوسی مسلمان کو پناہ نہ دی جائے۔ افغانستان کے صوبہ مزار شریف کے گورنر کا تو رُوسیوں سے گہرا تعلق تھا۔''

علی نے جب یہ سنا تو اسے بڑی حیرانی ہوئی اور اُس نے پوچھا کہ کیا واقعی افغانستان کے

ابراہیم بیگ:۔ ابراہیم بیگ کو روسیوں نے 1931ء میں سزائے موت دے دی۔

حکمرانوں نے روس کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ''ہاں، میرے دادا بتاتے تھے کہ روس کے مسلمانوں پر ایک طرف کیمونسٹوں کی طرف سے ظلم ہو رہا تھا اور دوسرا ظلم ہمارے ہمسایہ افغانستان کے حکمرانوں نے کیا۔ اگر افغانستان کے اندر ہمیں پناہ مل جاتی تو ہمیں تحریکِ آزادی کو منظم کرنے کا موقع مل جاتا اور ہم یقیناً روس میں رقبے کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھ دیتے مگر افسوس جنہوں نے مددگار بننا تھا وہی دُشمن کے آلہ کار بن گئے۔''

علی اس کی بات سن کر کہنے لگا: ''ہاں اگر اس وقت افغانستان کے حکمران یہ غلطی نہ کرتے تو آج افغانستان کے عوام بھی غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑے ہوتے۔''

عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم صحیح کہتے ہو۔ یہ جنگ جو تم افغانستان کے پہاڑوں میں لڑ رہے ہو، ہم روس کے پہاڑوں میں لڑتے۔ میرے دادا نے مرتے وقت یہی کہا تھا۔ وہ ہسپتال میں داخل تھے۔ افغانستان میں رُوسی فوج کو آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ میں ہسپتال میں اُن کی تیمارداری کے لیے گیا تو اُنہوں نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہا تھا: ''عبدالرحمٰن، مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ ایسا ضرور ہو گا۔ مجھے یاد ہے جب افغانستان کے حکمرانوں نے ہمیں رُوسی فوج کے حوالے کیا تھا تو ایک مجاہد نے کہا تھا: ''افغان دوستو! ہم صرف ترکستان کے مسلمانوں کی آزادی کی جنگ نہیں لڑ رہے بلکہ یہ افغانستان اور اسلامی دُنیا کی بقا کی جنگ بھی ہے۔ اگر ہم آزاد نہ رہے تو ایک دن تم بھی غلامی کی سرخ زنجیروں میں جکڑے جاؤ گے۔'' وہ مجاہد تاریخ کا استاد تھا۔ رُوسیوں کے عزائم سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے سرخ انقلاب کے آگے روس کے اندر بند نہ باندھا تو پھر یہ جلد یا بدیر پوری اسلامی دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔''

علی نے کہا کہ آج افغان مجاہدین کے رہنما بھی تو یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف افغانستان کی جنگ آزادی نہیں لڑ رہے بلکہ یہ پاکستان، ایران اور دوسرے اسلامی ممالک کے دفاع کی جنگ بھی ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا یہ بات تو سمجھنے کی ہے، کل افغانستان کے حکمران ترکستان کے مسلمانوں کی یہ بات نہ سمجھ سکے اور اگر آج دوسرے اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے افغان عوام کی یہ بات نہ سمجھی تو پھر کل اُن کا بھی وہی حشر ہو گا جو آج افغانستان کا ہو رہا ہے۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی، پھر علی نے کہا: ''تم اپنے دادا کی کہانی سنا رہے تھے کہ اُنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ پھر اس کے آگے کیا ہوا؟''

عبدالرحمٰن نے کہانی آگے بڑھاتے ہوئے اُسے بتایا کہ بہت کم مجاہدین خوش قسمت نکلے جو

گرفتاری سے بچ گئے' گرفتاری کے بعد اُن پر ناقابل برداشت تشدد کیا گیا۔ کئی مجاہدین اس تشدد کو برداشت نہ کر سکے اور شہید ہو گئے۔ جب دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی اور جرمنوں نے روس کا ناک میں دم کر دیا اور جرمن فوجیں رُوسی دارالحکومت ماسکو کے قریب پہنچ گئیں تو روس نے مسلمانوں کو مراعات دینے کا اعلان کر دیا تاکہ وہ جرمنوں کے مقابلے میں لڑیں۔ اس دوران میں بہت بڑی تعداد میں گرفتار مجاہدین کو بھی رہا کر دیا گیا۔ ان میں ایک میرے دادا بھی تھے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ رہائی کے بعد میرے دادا نے خاموشی اختیار کر لی لیکن ان کا دل زخمی تھا۔ ان کے دل میں رُوسیوں کے خلاف شدید نفرت بھری ہوئی تھی' لیکن وَہ بے بس تھے۔ وہ اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن جب بھی موقع ملتا' اس کا اظہار کرنے سے وہ نہ رکتے۔ رُوسیوں کے خلاف اور اسلام کے حق میں پراپیگنڈہ کرنے کے الزام میں وہ بڑھاپے میں بھی ایک دفعہ گرفتار ہوئے۔ میرے والد مقامی کمیونسٹ پارٹی کے اہم عہدیدار تھے' اس لیے ان کی سفارش پر رہا کر دیئے گئے۔

عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد مذہبی تعلیم نہ صرف ممنوع قرار دے دی گئی بلکہ مذہب کے خلاف وسیع پیمانے پر پراپیگنڈہ کیا جانے لگا۔ اکثر مساجد اور دینی مدارس کو آگ لگا کر جلا دیا گیا اور بقیہ کو اصطبلوں' شراب خانوں' ناچ گھروں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسلامی دُنیا کو دھوکا دینے کے لیے چند مدارس اور مساجد کو کھلا رہنے دیا گیا' جہاں سرکاری کمیونسٹ پارٹی کے مولوی نماز پڑھاتے اور وہی دینی تعلیم دیتے۔ اس طرح نئی نسل آہستہ آہستہ اسلام سے بے بہرہ ہوتی گئی۔ اس کا رشتہ اسلام اور اسلامی تاریخ سے بھی ٹوٹ گیا۔ آج روس میں ان گھروں کی تعداد بہت محدود ہے جن میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی ہے اور اسلامی تاریخ بھی پڑھائی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں مذہب کے خلاف تعلیم کا خصوصی انتظام ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی نے گھر میں دینی تعلیم حاصل بھی کر لی ہو تو وہ سکول یا کالج میں جا کر بے اثر ہو جاتی ہے۔

(کمیونسٹ دور میں ایک کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ آٹھ ہزار دینی مدارس اور 25 ہزار سے زیادہ مساجد شہید یا بند کر دی گئیں۔ 45 ہزار علماء کو شہید کیا گیا............ملک احمد سرور)

علی نے پوچھا: ''برادر عبدالرحمٰن! پھر تم میں یہ انقلاب کیسے آ گیا اور تم اسلامی تعلیمات سے کیسے آگاہ ہوئے؟''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ سب اللہ کا کرم اور میرے دادا کا کمال تھا۔ اُنہوں نے مجھے اسلامی تعلیمات ہی سے آگاہ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی سنہری تاریخ بھی پڑھائی۔ انہوں نے عیسائی زاروں اور کمیونسٹوں کے ظلم و تشدد کے بارے میں بھی بتایا۔ اس کے باوجود جب میں دسویں جماعت میں پہنچا

تو مذہب کے بارے میں میرے خیالات بدلنے لگے۔ یہ سکول میں مذہب کے خلاف کیے گئے پراپیگنڈے کا اثر تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے دادا زندہ تھے۔ جب بھی میں کوئی بات اسلام کے خلاف سنتا تو دادا جان سے اس پر بحث ضرور کرتا۔ میرے دادا ایسے مدلل جواب دیتے کہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والا شک فوراً دور ہو جاتا۔

ایک روز ہمارے ٹیچر نے مذہب کے خلاف لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ مارکس نے کہا تھا کہ مذہب عوام کے لیے افیون ہے۔ ٹیچر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح افیمی آدمی معاشرے میں کارآمد نہیں ہوتا' اسی طرح مذہبی آدمی بھی انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے بے کار ہوتا ہے اور مذہب انسان کے اندر ترقی کے بجائے جمود اور جہالت پیدا کرتا ہے۔

میں نے سکول سے واپس آ کر دادا جان سے اس پر بات کی تو دادا جان فرمانے لگے: ''بیٹا افیون ایک نشہ ہے اور افیمی گلیوں میں تم نے بے ہوش پڑے دیکھے ہوں گے جنہیں اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے اردگرد کی۔ نشہ انسان کے اندر سستی اور کاہلی پیدا کرتا ہے۔ ممکن ہے بعض مذاہب میں نشہ مذہبی رسومات کا حصہ ہو لیکن اسلام ایسا مذہب نہیں۔ یہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور یہ انسان کو بیکار رہنے کے بجائے عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اگر مذہب اسلام افیون ہوتا یا افیون کی طرح ہوتا تو اس کے ماننے والے مدہوش افیمیوں کی طرح بے خبر بھٹک رہے ہوتے' لیکن اسلام تو انسان کے اندر شعور اور قوت عمل پیدا کرتا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ لڑائی میں ایک افیمی نے تین ہوشمند انسانوں پر قابو پایا ہو؟ کبھی نہیں' لیکن جنگ بدر میں 313 اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید اسلحہ سے لیس ایک ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی اور پھر دیکھتے دیکھتے مسلمانوں نے ایشیا' یورپ اور براعظم افریقہ کے اکثر علاقوں کو فتح کر لیا۔ کوئی افیون کی رسیا قوم ایسا نہیں کر سکتی۔''

''یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ اس زمین پر مذہب کے نام پر جس قدر قتل و غارت گری ہوئی اس کی مثال بھی نہیں ملتی اور اسلام کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ساری فتوحات قتل و غارت گری کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں۔'' میرے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میرے دادا نے کہا: ''یہ بالکل پہلے اعتراض کے الٹ ہے۔ پہلے یہ کہا گیا کہ مذہب انسانی معاشرے کے لیے افیون ہے اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ مذہب جنگی جنون پیدا کرتا ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے مسلمانوں نے کبھی لڑائی میں پہل نہیں کی۔ جنگ بدر' احد' احزاب' ہمیشہ کفار حملہ آور ہوئے۔ پھر جب ایران اور شام سے جنگیں ہوئیں تو یہاں بھی ان کی حکومتوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے پہل کرنے کی کوشش کی اور خود ختم ہو گئیں۔ ہندوستان میں محمد بن قاسمؒ اس وقت آیا جب ہندوستان کا راجہ داہر اور اس کے ساتھی

انسانیت کو ظلم کی چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہے تھے۔ محمد بن قاسم امن کا فرشتہ بن کر آیا اور ہندو اس کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ سپین کی تاریخ کو دیکھ لیجئے۔ طارق بن زیاد کو خود وہاں کے مظلوم عوام نے ظالم حکمرانوں کے خلاف مدد کے لیے بلایا۔ باقی مذاہب کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اسلام دُنیائے عالم کے لیے امن وسلامتی کا پیغام لے کر آیا اور جس علاقے میں بھی پہنچا علم وامن کے چراغ روشن کرتا چلا گیا۔ خود روس کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں درندگی اور جہالت کا دور دورہ تھا اور یہاں قتل وغارت گری مذہب کے نام پر نہیں خود غرضی کی خاطر ہو رہی تھی۔ جب ترکستان میں اسلام آیا تو یہاں امن قائم ہوا بلکہ یہ علاقہ علم وادب کا گہوارہ بن گیا اور علوم وفنون کی اس لہر نے یہاں کی معاشرتی قدروں کا رخ بدل دیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام ترمذی جیسے عالم یہاں پیدا ہوئے۔ صنعت وحرفت کو فروغ ملا اور مسلمانوں کے ذریعے اس علاقے میں جدید سائنسی علوم پہنچے۔ بڑے بڑے ماہرین فلکیات' ماہرین طب اور ریاضی دان اسی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ مشہور فلسفی ناصر خسرو' شہرہ آفاق طبیب بوعلی سینا' ریاضی دان محمد خوارزمی اور ماہر ارضیات البیرونی کا تعلق اسی خطہ سے تھا جسے رُوسی ترکستان کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہم لوگوں کو تاریکی اور جہالت سے نکال کر علم کی روشنی میں لے آیا۔''

میرے دادا نے مزید بتایا کہ اسلامی فوج نے کبھی کسی عورت' بچے بوڑھے پر ہاتھ نہیں اُٹھایا' باغات اور فصلوں کو نہیں جلایا مگر مذہب پر اعتراض کرنے والے یہ کمیونسٹ کیا کر رہے ہیں؟ عورتوں' بچوں' بوڑھوں کو قتل اور باغات' فصلوں اور عبادت گاہوں کو آگ لگا رہے ہیں۔ درحقیقت اسلام امن وآشتی کا نام ہے اور لادین کمیونزم ظلم وجبر کی تصویر' مذہب اسلام کے ماننے والوں میں آخرت کی جواب دہی کا احساس ہوتا ہے اور وہ خلق خدا پر ظلم کرتے ہوئے خدا سے ڈرتے ہیں جبکہ کمیونسٹ بے خوف وخطر ہر ظلم کیے جاتے ہیں۔

میں نے کہا: ''دادا جان! ہمارے اُستاد صاحب تو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اگر وجود ہوتا تو کہیں نہ کہیں وہ نظر آتا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ساری کائنات جس میں انسان اور حیوانات سب شامل ہیں خود بخود ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں پیدا ہو گئے ہیں اور اُنہیں کسی خدا نے نہیں بنایا۔''

میرے اس سوال کے جواب میں اُنہوں نے کہا: ''کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز نظر آنی چاہئے جس کا کوئی وجود ہے اور خدا انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتا' اس لیے اُس کا کوئی وجود نہیں۔ میرے بیٹے! مکان میں لگے ہوئے تاروں میں برقی رو بہہ رہی ہے لیکن انسانی آنکھ اُسے دیکھ نہیں سکتی تو کیا

ہم انکار کر دیں کہ اُن کے اندر برقی رو کا وجود نہیں' اس لیے کسی چیز کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا یہ ثبوت ہرگز نہیں کہ انسانی آنکھ اُسے دیکھ سکتی ہو۔''

''مگر دادا جان! بجلی کے تاروں کو ہاتھ لگا کر محسوس تو کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے اندر برقی رو ہے۔'' میرے اس نکتے پر دادا جان نے فرمایا: ''ربڑ کے دستانے پہن کر ہاتھ لگاؤ تو کیا پھر بھی تم بجلی کی رو محسوس کر سکتے ہو؟ بالکل نہیں۔ اسی طرح خدا کے وجود کا احساس بھی اُس وقت ہوگا جب انسان اپنے دل ودماغ پر چڑھا ہوا لادینیت کا غلاف اُتار دے گا اور اللہ پر ایمان لے آئے گا۔ جس طرح تاروں میں سے گزرنے والی برقی رو بلب کو روشن کر دیتی ہے' اسی طرح ایمان لانے کے بعد انسان کا دماغ روشن ہو جاتا ہے اور پھر اُسے کائنات کی ہر چیز خدا کے وجود کی شہادت دیتی نظر آتی ہے۔''

سوال کے دوسرے حصہ کا جواب دیتے ہوئے دادا جان نے کہا: ''بیٹا! رہی کمیونسٹوں کی دوسری بات کہ یہ کائنات اور انسان سب ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ باہر کھڑی تمہارے باپ کی موٹر سائیکل خود بخود بن گئی ہے تو کیا تم اسے مان لو گے؟'' میں نے کہا: ''ہرگز نہیں۔ آخر موٹر سائیکل خود بخود کیسے بن سکتی ہے؟ اسے تو کسی ورکشاپ میں کسی انجینئر نے بنایا ہے''۔ اس پر میرے دادا نے کہا: ''جب یہ چھوٹی سی موٹر سائیکل جس کا نظام ایک ان پڑھ مستری بھی سمجھ لیتا ہے' خود بخود نہیں بن سکتی تو انسان اور یہ کائنات جو انتہائی پیچیدہ نظام پر مشتمل ہے اور جسے بڑے بڑے سائنسدان بھی نہیں سمجھ پاتے' وہ خود بخود کیسے بن گئی؟ اسے جس ہستی نے بنایا ہے' اسے ہم اللہ کہتے ہیں۔ تم نے انجینئر کو دیکھے بغیر یہ تو مان لیا کہ یہ موٹر سائیکل کسی انجینئر نے بنائی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اتنی بڑی کائنات اور انسان کے خالق کو بغیر دیکھے نہیں مانتے۔ اگر اسے خدا نے نہ بنایا ہوتا تو یہ کائنات اتنی منظم نہ ہوتی۔ سورج روزانہ مشرق ہی سے طلوع نہ ہوتا۔ موسم گرما' برسات' بہار' خزاں اپنے وقت پر نہ آتے۔ بیٹا! اتنی بڑی کائنات کو وہی ہستی کنٹرول کر سکتی ہے جسے اونگھ آتی ہو نہ نیند اور جو بے پناہ صلاحیتوں اور قوتوں کی مالک ہے اور اس ہستی کا نام ہے اللہ......... جو سب چیزوں کو پیدا کرنے والا بھی ہے۔''

''دادا جان! ہمارے اُستاد یہ بھی کہتے ہیں کہ مذہبی رسومات سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے مثلاً پانچ وقت نماز پڑھنے سے۔'' اس پر دادا جان کہنے لگے کہ یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ پانچوں نمازوں میں بمشکل پون یا ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ اگر ہم چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ خالق کی عبادت میں لگا دیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے کیونکہ اس کے بدلے میں ہمیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت حاصل ہوگی۔ پھر بیٹا! خود غور کرو یہ اعتراض کرنے والے دن رات میں کئی کئی گھنٹے شراب خانوں اور

سینما گھروں میں گزار دیتے ہیں لیکن وہ وقت اُنہیں ضائع ہوتا نظر نہیں آتا۔ بیٹا! حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹ خدا کو نہیں مانتے‘ اس لیے ہر وہ بات جس میں خدا کا ذکر آئے‘ اُنہیں اچھی نہیں لگتی۔

اسی طرح میرے دادا جان نے مجھے اسلام کے بارے میں ہر بات سمجھائی۔ میری امی سے ایک دفعہ اُن کا جھگڑا بھی ہوگیا۔ امی کو اعتراض تھا کہ دادا جان مذہبی تعلیمات کی وجہ سے اُن کے بیٹے کو کسی مصیبت میں پھنسا دیں گے لیکن اُنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ دادا جان نے مجھے سختی سے منع کیا تھا کہ بیٹا ان باتوں کے سلسلے میں باہر کسی سے بات نہ کرنا‘ کیونکہ روس کے ظالمانہ نظام میں‘ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مصیبت میں پھنسو۔ جب میں نے اعتراض کیا کہ اگر اسلام سچ ہے تو پھر ہمیں اپنی جان کی پروا نہیں کرنی چاہیے اور کھل کر کمیونسٹوں کے سامنے اسلام کی دعوت رکھنی چاہیے تو دادا جان نے کہا: ”بیٹا! عزیمت اپنی جگہ اور حکمت اپنی جگہ‘ ہمارے لیے بہترین راستہ نبی کریم کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال تک مکہ میں خفیہ تبلیغ کی۔ پھر اصحاب کہف کا واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ اُنہیں بھی ایک ظالم حکومت کا سامنا تھا اور وہ اپنے دین کی خاطر غار میں چھپ گئے تھے۔ اس لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ظالم رُوسی حکومت کا مقابلہ کرسکیں‘ لیکن ہمیں اپنے دین کو زندہ رکھنا ہے اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا‘ اس وقت تک کے لیے جب تک روس میں دوبارہ جہاد کا آغاز کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس قوت نہ آجائے“۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ اُس نے اپنے دادا جان کے مشورے سے کمیونسٹ نوجوانوں کی تنظیم کمسومول میں شمولیت اختیار کرلی۔ اُس کے دادا نے کہا تھا کہ بیٹا! روس میں زندہ رہنے کے لیے تمہیں ظاہری طور پر کمیونسٹ بننا ہی پڑے گا اور کمسومول میں شمولیت کے بعد تم چاہو تو اپنے مسلمان بھائیوں کی بہتر طور پر مدد کرسکو گے۔

علی کے پوچھنے پر عبدالرحمٰن نے بتایا کہ کمسومول روس کے اندر نوجوان کمیونسٹوں کی تنظیم ہے جس میں زیادہ تر طلبہ شامل ہوتے ہیں۔ کمسومول میں شمولیت کے بعد ملازمت کا حصول آسان ہوجاتا ہے اور اس تنظیم کے ارکان کو زیادہ شک وشبہ کی نظر سے بھی نہیں دیکھا جاتا۔

عبدالرحمٰن نے اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا:

یہ 1984ء کی بات ہے جب میں ایک ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کورس مکمل کرنے کے بعد فارغ ہوا ہی تھا کہ مجھے فوجی خدمات انجام دینے کے لیے بلا لیا گیا۔ ایک سال کی فوجی تربیت کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تمہیں افغانستان بھیجا جارہا ہے۔ وہاں پاکستان‘ چین اور امریکہ کے فوجی افغان عوام کا خون بہا رہے ہیں اور تم افغانستان کے مظلوم عوام کی مدد کرنے جارہے ہو۔ ہمیں ویڈیو فلمیں بھی دکھائی گئیں

جن میں غیر ملکی افراد کو افغان عوام پر ظلم کرتے دکھایا گیا تھا۔

مجھے رُوسیوں کی ان باتوں پر ہرگز یقین نہ آیا کیونکہ مجھے میرے دادا نے کمیونسٹوں کی تمام پرفریب چالوں سے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔ جہاں مجھے رُوسی جہنم سے نکلنے کی خوشی تھی وہاں افسوس بھی تھا کہ کہیں میری چلائی ہوئی کوئی گولی کسی مجاہد کو نقصان نہ پہنچا دے۔ مجھے تجسس بھی تھا کہ اس طرح افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ جہاں ممکن ہوا میں مجاہدین کی مدد بھی کروں گا اور موقع ملتے ہی اُن سے مل جاؤں گا۔ میرے دادا کی باتوں نے میرے سینے میں ایک آگ لگائی ہوئی تھی جس کا اظہار میں رُوس کے اندر رہ کر نہیں کرسکتا تھا۔

میں تین دن کی چھٹی لیکر اپنے والدین سے ملنے چلا آیا۔ عموماً ایسے موقع پر چھٹی نہیں دیتے لیکن چونکہ میں کمسومول کا رکن بھی تھا‘ اس لیے مجھے تین دن کی رخصت دے دی گئی۔ جب میں گھر پہنچا تو مجھے میرے دادا بہت یاد آئے جو چار سال پہلے فوت ہوگئے تھے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مجھے افغان عوام کے بارے میں بہت کچھ مزید بتاتے۔ مجھے یاد ہے کہ رُوسی فوجوں کے افغانستان میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ روس کو یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا کیونکہ افغانستان کے جفاکش مسلمانوں کو کبھی کوئی بیرونی قوم فتح نہیں کرسکی اور یہ زمانہ بھی 1917ء کا نہیں ہے۔ پھر اُنہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ افغانستان کی آزادی ترکستانی ریاستوں کی آزادی کا وسیلہ بن جائے اور تم رقبہ کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کو آزاد ہوتے دیکھ سکو۔ اگر ایسا ہوگیا اور مجھے یقین ہے‘ ضرور ہوگا تو بیٹا تم خوش قسمت ہوگے۔ ہم تو آزادی کی حسرت لئے مر جائیں گے۔

رُخصت ہونے سے پہلے میں اپنی امی کے کمرے میں گیا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُنہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ کہنے لگیں ”بیٹا! تم ہمیں کمیونسٹ سمجھتے رہے ہو لیکن تمہارا باپ کمیونسٹ ہے نہ میں ہوں۔ یہ تو ہم روس کے اندر رہنے کے لیے کیمونزم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم کیمونسٹ ہوتے تو تمہارا دادا تمہیں یوں اسلامی تعلیمات نہ دے پاتا۔ بیٹا! تمہارے بچھڑنے کا مجھے بہت دُکھ ہورہا ہے۔ کیا معلوم ہم دوبارہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے یا نہیں۔“ ”بیٹا! افغان مجاہدین پر نشانہ لے کر کبھی گولی نہ چلانا۔ وہ تمہارے مسلمان بھائی ہیں اور اسلام کی سربلندی اور وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جہاں ممکن ہو اُن کی مدد ضرور کرنا۔ رُوسی کیمونسٹوں نے صرف تمہارے دادا کے خاندان کے ساتھ ہی ظلم نہیں کیا تھا۔ یہاں ہر دوسرا مسلمان گھرانہ ایسے ہی ظلم کا شکار ہوا۔ خود میرے نانا کے خاندان کے بیسیوں افراد رُوسی کمیونسٹوں نے ذبح کردیے تھے اور میری ماں جب بھی

اپنے والدین کو یاد کرتی تھی تو دھاڑیں مار مار کر روتی تھی۔ وہ یہی زخم لے کر اس دُنیا سے چلی گئی۔"

پھر میری امی ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگیں۔ میں نے پہلی دفعہ اُنہیں خدا کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے دیکھا تو خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری امی خدا کے حضور آنسو بہاتی کہہ رہی تھیں: "اے خدا! تو ہماری بے بسی کو جانتا ہے۔ ہم یہاں تیرے دین کی خاطر کچھ نہ کر سکے۔ ہمیں معاف فرما۔ میں اپنا اکلوتا بیٹا تیرے حوالے کر رہی ہوں۔ اسے ہمت اور جرات عطا کر تا کہ یہ تیری راہ میں لڑنے والے مجاہدین کے کام آئے اور اسے آخرت میں ہمارے لئے بخشش کا وسیلہ بنا۔ آمین۔"

میں بے اختیار اپنی ماں سے لپٹ کر رونے لگا۔ وہ مجھے تسلی دینے لگیں کہ بیٹا ہمت سے کام لو۔ تم نے تو ابھی بہت بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ میں نے رومال سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا: "امی شاید آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں بزدل ہوں، میں تو خوشی کے آنسو بہا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو بھی میرے ہی جیسے اسلامی جذبات دیئے ہیں"۔

میں سامان باندھ کر بیٹھا ہی تھا کہ امی جان میرے کمرے میں آئیں اور کہنے لگیں۔ دوسرے کمرے میں تمہارے والد تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

والد صاحب کمرے میں ٹہل رہے تھے جیسے بہت بے چین ہوں۔ اُنہوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر اپنے پاس بٹھا کر کہنے لگے: "بیٹا! اگر آج تمہارے دادا جان زندہ ہوتے تو جو باتیں میں تم سے کہنا چاہتا ہوں، وہ کہتے۔ بیٹا ایک بات نوٹ کر لو کہ روس کے مسلمانوں کی اکثریت مجبوراً کمیونسٹ بنی ہوئی ہے۔ مثلاً میں اور میرے بہت سے دوسرے دوست اس لیے کمیونسٹ بنے اور کمسومول میں شامل ہوئے تھے کہ ہم رُوسی کمیونسٹوں سے نجات حاصل کر سکیں اور مسلمانوں کے اندر قومی بیداری پیدا کر سکیں تا کہ وہ آزادی کی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو سکیں، لیکن ہم ناکام رہے ہیں کیونکہ روس کی خفیہ سروس بہت وسیع اور مضبوط ہے۔ حالت یہ ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے پر اور بیٹا اپنے باپ پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے دادا جان نے تمہاری تربیت نہ کی ہوتی تو میں بھی تم پر اعتبار نہ کرتا۔ بیٹا! افغانستان میں پاکستان، چین اور امریکہ کے فوجی نہیں لڑ رہے، بلکہ روس نے افغانستان پر اُسی طرح قبضہ کر لیا ہے جس طرح تمہارے ملک ترکمانستان پر کیا تھا۔ بیٹا! میری خواہش ہے کہ جب بھی تمہارے لئے ممکن ہو تم مجاہدین سے جا کر مل جاؤ۔ اللہ نے تمہیں موقع دیا ہے۔ اس سے فائدہ ضرور اُٹھانا اور ہمارے لئے دُعا کرتے رہنا۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر کہنے لگے:

"بیٹا! میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ روس کے افغانستان سے ملے ہوئے سرحدی علاقوں میں صورتحال بڑی خراب ہو چکی ہے اور رُوسی کمیونسٹوں کو شک ہے کہ افغان مجاہدین جو کارروائیاں روس

کے اندر آ کر کر رہے ہیں اُن میں یہاں کے مسلمان کمیونسٹ لیڈر ان کی مدد کرتے ہیں۔ کئی سرحدی شہروں اور قصبوں کے مسلمان کمیونسٹ عہدیداروں کو نہ صرف برطرف کر دیا گیا ہے بلکہ کئی گرفتار بھی کر لئے گئے ہیں اور روس کی خفیہ پولیس کو ہوشیار کر دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں پر خصوصی نظر رکھے۔"

میں نے اس موقع پر کہا: "ابا جان! کمیونسٹوں کی یہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے کہ روس کے اندر افغان مجاہدین یہاں کے مسلمانوں کی مدد کے بغیر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔"

ابا جان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ بات درست نہیں۔ یہاں کے کمیونسٹ مسلمانوں میں اتنی جرأت ہے نہ ان کے پاس وسائل ہیں کہ وہ افغان مجاہدین کی مدد کر سکیں۔ بے شک ہمارے دل یہی چاہتے ہیں کہ ہم اُن کی مدد کریں لیکن روس کی اتنی منظم خفیہ پولیس کے ہوتے ہوئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری اطلاعات کے مطابق روس کے مفرور مسلمان فوجیوں کے ذریعہ ہو رہا ہے جو مجاہدین سے جا ملے ہیں اور روس کی خفیہ پولیس ابھی اس بات کو نہیں جانتی۔ مسلمان کمیونسٹوں کا صرف اتنا قصور ہے کہ بعض کارروائیوں کا اُنہیں علم ہو جاتا ہے مگر وہ خفیہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں کرتے۔





روس سے ایک طیارے کے ذریعے ہمیں کابل پہنچایا گیا۔ اُترتے ہی ہمیں احساس ہوگیا کہ کابل کی صورتحال بہت خراب ہے کیونکہ ہوائی اڈے پر بہت بڑی تعداد میں رُوسی فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ پہلے تین ماہ میری ڈیوٹی بھی ہوائی اڈے پر لگائی گئی۔ اس دوران میں ایک دفعہ مجاہدین نے کابل کے ہوائی اڈے پر بھی حملہ کیا اور کئی طیاروں کو نقصان پہنچانے کے بعد کوئی نقصان اُٹھائے بغیر واپس چلے گئے۔ رُوسی کرنل کو جب معلوم ہوا کہ مجھے فارسی زبان بھی آتی ہے تو اُس نے مجھے دیہات میں کارروائی کرنے والے دستوں میں شامل کردیا۔

ایک دن اطلاع ملی کہ کابل کے نزدیک ایک گاؤں میں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں۔ اُنہیں گرفتار کرنے کے لیے کئی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کا قافلہ اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم نے گاؤں کو پوری طرح محاصرے میں لیا بھی نہیں تھا کہ چھ طیارے آئے اور گاؤں پر بمباری شروع کردی۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹینکوں سے گولہ باری بھی ہو رہی تھی۔ یوں چند مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے رُوسیوں نے پورے گاؤں کو ملبے کا ڈھیر بنادیا۔ معصوم بچے‘ بوڑھے‘ مرد اور خواتین بھی شہید کردی گئیں۔

جب رُوسیوں کو یقین ہوگیا کہ اب کوئی چیز زندہ سلامت نہ بچی ہوگی تو ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر آئے اور انہوں نے بمباری سے بچے ہوئے گھروں کی تلاشی لینا شروع کردی۔ گاؤں میں جگہ جگہ آگ لگ گئی تھی اور مسجد سمیت بہت سے گھر مکمل طور پر تباہ ہوگئے تھے۔ گاؤں کے ایک طرف چند مکان بچے ہوئے تھے۔ میں ان میں سے ایک میں داخل ہوگیا۔ میں دعا کررہا تھا کہ مجاہدین اس گھر کے اندر ہوں تاکہ میں انہیں بچاسکوں۔ گھر کے اندر مجھے دو بوڑھی خواتین اور ایک بچہ نظر آیا۔ خواتین بہت خوف زدہ تھیں اور بچہ سہما ہوا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہاں کوئی مجاہد تو نہیں چھپا ہوا۔ خوف زدہ عورتوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھا تو پہلے دو کمرے خالی تھے مگر ایک طرف مجھے دروازہ نظر آیا جو شاید نیچے تہہ خانے میں جاتا تھا۔

میں جونہی اس طرف بڑھا ایک بڑھیا میرے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میں نے بڑھیا سے آہستگی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں‘ صرف مجاہدین کو دیکھنا چاہتا ہوں‘ میں

اُنہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بڑھیا کو شاید مجھ پر اعتبار نہ آیا۔ وہ مجھے روکتے ہوئے کہنے لگی کہ نیچے مجاہدین نہیں بلکہ میری بچیاں ہیں۔ میں نے زیادہ اصرار نہ کیا اور واپسی کے لئے چل پڑا۔

ساتھ والے گھر کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ میں تیسرے گھر میں داخل ہوا تو وہاں سے اسماعیل جو اس دن میرے ساتھ شہید ہوا تھا‘ باہر نکل رہا تھا۔ اس لیے میں تلاشی لئے بغیر ہی واپس آ گیا۔ اللہ کا شکر تھا کہ کوئی زندہ انسان رُوسیوں کے ہاتھ نہ آیا لیکن اُنہوں نے گاؤں میں لوٹ مار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مجاہدین یا تو اسی گھر میں چھپے بیٹھے تھے جس کی میں تلاشی لے کر آیا تھا یا پھر اُنہیں ہماری آمد کی پہلے اطلاع مل گئی تھی اور وہ پہاڑی غاروں میں جا کر چھپ گئے تھے۔

چند روز بعد پھر ایک ایسی ہی کارروائی کے لیے رُوسی افغان فوج نے ایک گاؤں کو محاصرہ میں لیا ہوا تھا۔ ایک دن پہلے مجاہدین نے روس کا ایک طیارہ گرایا تھا جس میں رُوسی فوج کے اعلیٰ افسر ہلاک ہوگئے تھے۔ اطلاع ملی تھی کہ طیارہ گرانے والے مجاہدین کے ساتھی اس گاؤں میں ہیں۔ گھر گھر کی تلاشی لی جارہی تھی۔

تلاشی کے بہانے رُوسی فوجی ہر گھر سے قیمتی سامان لوٹ رہے تھے کہ گاؤں میں کسی غدار نے ایک بوڑھی عورت کے بارے میں بتایا کہ وہ مجاہدین کے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہے۔ رُوسیوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس سے مجاہدین کے ٹھکانوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب اس نے کچھ نہ بتایا تو ایک رُوسی نے اس کے بال پکڑ کر اسے گھونسے اور ٹھڈے مارے۔ تشدد کے باوجود وہ انکار کرتی رہی۔ رُوسی فوجی افسر انتہائی ظالم تھا۔

مجھے بوڑھی مجاہدہ پر رحم آرہا تھا مگر میں اتنے رُوسیوں کی موجودگی میں اُس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ بڑھیا پر تشدد بڑھتا گیا مگر اُس کی زبان پھر بھی خاموش رہی تو رُوسی افسر نے باری باری اس کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ ہاتھوں سے خون بہہ بہہ کر زمین پر جم رہا تھا لیکن بوڑھی مجاہدہ کی زبان پھر بھی خاموش رہی۔ ظالم رُوسی نے سنگین مار کر اس کی ایک آنکھ ضائع کردی۔ اُس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ جب اس نے پھر بھی کچھ نہ بتایا تو رُوسی افسر نے اس کے دونوں پاؤں کٹوا دیئے۔

ہاتھوں اور آنکھ کے راستے ہی اتنا خون بہہ چکا تھا کہ وہ زندہ بچ نہیں سکتی تھی۔ اب پاؤں کے کاٹے جانے سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی اور چند لمحوں بعد شہید ہوگئی لیکن کسی مجاہد کے ٹھکانے کے بارے میں اُس نے کچھ نہ بتایا۔ بڑھیا کے حوصلے کے سامنے ظلم ہار گیا اور جذبہ شہادت جیت گیا۔

ایک ایسے ہی واقعے کا سامنا مجھے ایک اور جگہ بھی کرنا پڑا۔ مجاہدین گھر کے کسی تہہ خانے میں چھپے ہوئے تھے۔ رُوسی فوجیوں نے گھر کی تلاشی لی مگر وہ مجاہدین کا سراغ نہ لگا سکے تو گھر کے مالک پر

تشدد کیا جانے لگا۔ اسے شکنجے میں کس دیا گیا اور چاقو سے اس کے جسم کے کئی حصوں سے گوشت کاٹا گیا۔ زخموں پر مرچیں اور نمک چھڑکا گیا۔ وہ درد سے چیخنے لگا۔ اس کے باوجود مجاہدین کے بارے میں کچھ بتانے سے اس نے انکار کر دیا۔

پھر اس کے آٹھ سالہ بچے کو اس کے سامنے لایا گیا اور کہا گیا کہ اب بھی نہ بتاؤ گے تو تمہارے اس بچے کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کی زبان پھر بھی خاموش رہی۔ بچے پر تشدد کیا گیا کہ شاید بچے کی چیخوں سے باپ کا دل پگھل جائے اور مجاہدین کے بارے میں بتا دے۔ مگر باپ پر اپنے بیٹے کی چیخوں کا بھی جب کوئی اثر نہ ہوا تو انتہائی ظالمانہ طریقے سے بچے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ پھر رُوسی افسر نے کہا کہ اگر تم اب بھی نہ بتاؤ گے تو تمہارے دوسرے بیٹوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔

شاید جنگل کے درندے بھی اتنے ظالم نہ ہوتے ہوں جتنا ظالم یہ رُوسی افسر تھا۔ اس ظلم کے بعد بھی وہ قہقہے لگا رہا تھا مگر اس مجاہد کا حوصلہ پہاڑوں سے بھی بلند تھا۔ اگر ایسا ظلم کسی پہاڑ پر ہوتا تو شاید وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

اپنے بیٹے کی شہادت پر اس نے زبان کھولی تو رُوسی افسر نے سمجھا کہ شاید اب مجاہدین کے بارے میں بتانے لگا ہے لیکن اس نے کہا:

''اے ظالم رُوسی درندو! تم نے اپنے ظلم کی انتہا کر دی ہے لیکن تم نہیں جانتے میں نے اپنے اللہ سے اپنی جان، مال اور اولاد کا جنت کے بدلے سودا کیا ہوا ہے اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ دین اسلام کے ماننے والوں کا جسم ریزہ ریزہ بھی کر دیا جائے گا تو بھی اُن کی زبان سے لا الہ الا اللہ ہی کی آواز آئے گی۔ تم جن کا مجھ سے پتا پوچھتے ہو وہ مجھے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ وہ اسلام کی سربلندی اور وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ تم جیسے خونی بھیڑیوں سے اس سرزمین کو پاک کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ تم میرے باقی دو بیٹوں کو بھی شہید کر کے دیکھ لو مگر مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکو گے۔''

رُوسی درندوں نے اس کے دوسرے دونوں بیٹوں کو بھی سنگینیں مار مار کر شہید کر دیا۔ میرے لئے یہ ظلم ناقابل برداشت تھا۔ ان لمحات میں کئی دفعہ سوچا کہ ان رُوسی فوجیوں کو بھون کر رکھ دوں لیکن دماغ کہتا کہ تم نے مجاہدین سے جا کر ملنا ہے۔ اگر تم نے یہاں کوئی حرکت کی تو کر کچھ بھی نہ سکو گے اور مفت میں مارے جاؤ گے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک رُوسی فوج میں ہوں، دیہات کی تلاشی کے وقت میں اپنے آپ کو سب سے آگے رکھوں گا تاکہ مجاہدین کی مدد کر سکوں۔

چند روز بعد کا واقعہ ہے کہ ایک گاؤں کی تلاشی کے دوران میں، میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ گھر

کے دالان میں ایک بوڑھا اپنی بکریوں کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گھر میں کوئی اور ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس گھر میں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں۔ میں کمروں کی تلاشی لینے کے لیے دروازہ کھولنے لگا تو بوڑھے نے مزاحمت کی کہ اندر میری بچیاں ہیں، اس لیے دروازہ مت کھولو۔

رُوسی کیمونسٹ فوجی ایسے گھروں میں لازماً داخل ہوتے تھے۔ وہ نوجوان لڑکیوں کی عزت لوٹ کر اُنہیں قتل کر دیتے تھے۔ میں نے بوڑھے سے کہا کہ میں جانتا ہوں اندر مجاہد ہیں۔ میں مسلمان ہوں اور مجاہدین کی مدد کرنا چاہتا ہوں، اس لیے اگر میرے ساتھ دھوکہ کرو گے تو مجاہدین کو مرواؤ گے۔

بوڑھے کو میری بات کا یقین آ گیا تو اس نے کہا کہ میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ پہلے بتاؤ مجاہدین کن کن گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ بوڑھے نے پہلے تو سمجھا کہ میں شاید اسے چکر دینے کی کوشش کر رہا ہوں لہٰذا اس نے کچھ نہ بتایا۔ میں نے اُسے دوبارہ یقین دلایا تو اس نے کہا کہ ساتھ والے گھر میں بھی ہیں۔

جب اس نے ساتھ والے گھر کا نام لیا تو میں فکر مند ہو گیا۔ اگر کوئی دوسرا تلاشی لینے والا اس گھر میں داخل ہو گیا تو مجاہدین کو بچانا مشکل ہو جائے گا کیونکہ مجاہدین کے پاس اگر اسلحہ ہوتا تو وہ مقابلہ کرتے۔ وہ چھپتے صرف اس وقت تھے جب ان کے پاس اسلحہ ختم ہو جاتا۔ میں نے بوڑھے سے کہا کہ ہمارے افسر سے کہنا کہ مجاہدین کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے اور تمہاری کچھ بکریاں زبردستی چھین کر لے گئے ہیں اور تم نے اُنہیں پہاڑوں کی طرف بھاگتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد میں اُسے پکڑ کر باہر لے آیا اور ساتھ والے گھر میں داخل ہو گیا۔ وہاں صحن میں اسماعیل کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا تلاشی لے لی ہے تو اس نے کہا کہ ہاں، اس گھر میں کوئی مجاہد نہیں۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی لیکن میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اسمٰعیل کے بارے میں شک ہو گیا کہ شاید وہ بھی میری طرح مجاہدین کی مدد کر رہا ہے۔

ایک بار ہم تلاشی لے رہے تھے کہ چھپے ہوئے مجاہدین گھیرے میں آ گئے۔ رُوسی کیمونسٹ فوجی بھی ساتھ تھے۔ میں مجاہدین کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ مجاہدین کی تعداد دس تھی۔ جب اُنہیں پکڑ کر گھر سے باہر لا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ دوسرے فوجی بھی بہت بڑی تعداد میں عام افغان عوام اور دوسرے مجاہدین کو پکڑ کر لا رہے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج ان کی مدد ضرور کروں گا ورنہ رُوسی ان سب کو ختم کر دیں گے۔ شام ہونے والی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر ان کے لئے بھاگنے کا موقع پیدا کر دیا جائے

تو کم از کم آدھے تو بچ جائیں گے۔ میرے پاس چار ہینڈ گرینیڈ تھے۔ میں نے اُن میں سے دو نکالے اور اللہ کا نام لے کر میرے آگے جو مجاہد تھا' اُس کی جیب میں رکھ دیے۔ مجاہد نے میری طرف گردن گھما کر دیکھا تو میں نے آہستگی سے کہا کہ میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ شور وغل میں کوئی رُوسی میری بات نہ سن سکا اور نہ کسی نے مجھے دیکھا۔

پہاڑ کے دامن میں رُوسی ٹینک کھڑے تھے۔ تمام مجاہدین اور دوسرے افغانوں کو وہاں لا کر لائن میں کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ میں نے جس مجاہد کے کوٹ کی جیب میں ہینڈ گرینیڈ رکھے تھے' اس کے ہاتھ اس طرح باندھے کہ وہ رسی میں سے ہاتھ جب چاہے نکال لے اور میں نے اسے بتا بھی دیا۔ ان قیدیوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ رُوسی فوجیوں نے پوزیشنیں لے لیں۔

مجھے پتا تھا کہ اگر افغان مجاہد میری چال سمجھ گیا ہے تو پھر مجھے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے میں ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میں دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ تھوڑا سا اندھیرا اور چھا جائے تا کہ مجاہدین کو بھاگنے میں آسانی رہے اور ایسا ہی ہوا۔ جب رُوسی فوجی افسر حکم دینے آیا کہ ان سب کو گولی مار دو تو میری نظریں اس مجاہد پر تھیں جس کے پاس گرینیڈ تھے۔ اس سے پہلے کہ رُوسی فوجی گولیاں برساتے' اس نے گرینیڈ رُوسیوں کی طرف پھینک دیے۔

یہ دیکھ کر سب مجاہدین بھاگ نکلے۔ میرا منصوبہ کامیاب رہا۔ صرف بارہ مجاہدین شہید اور سات زخمی گرفتار ہوئے۔ باقی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ 9 رُوسی ہلاک ہوئے۔ میں خود بھی زخمی ہو گیا تھا اور انہی زخموں نے مجھے انکوائری کے دوران میں بچانے میں مدد دی اور انکوائری افسر یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا کہ دستی بم مجاہد تک کیسے پہنچے اور کس نے پہنچائے۔

ایک دن تلاشی کی مہم کے بعد ہم واپس آ رہے تھے کہ ایک خوبصورت افغان بچہ دوڑ کر سامنے آ گیا۔ اس نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا۔ رُوسی افسر نے وہ سگریٹ مجھ سے چھین لیا اور خوش ہو کر بچے کو تھپکی دی۔ رُوسی افسر نے سگریٹ منہ میں دبا کر جونہی سلگایا' وہ دھماکے سے پھٹا اور رُوسی افسر کا منہ اور چہرہ جل گیا اور ایک آنکھ سے خون بہنے لگا۔ یہ دراصل سگریٹ بم تھا جس میں تمباکو کی جگہ بارود بھرا ہوا تھا۔ بچہ رُوسی افسر کا جلا ہوا چہرہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ رُوسی افسر نے اسے پکڑنے کا حکم دیا۔

دوسرے فوجی اُس بچے پر تشدد کرنے لگے کہ بتاؤ سگریٹ تجھے کس نے دیا تھا اور وہ کہاں ہے لیکن بچے نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اُسے بہت مارا گیا۔ اُس کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے اور جسم سے بھی کئی جگہ سے خون بہنے لگا مگر اُس نے کچھ نہ بتایا۔ رُوسی افسر نے مجھے کہا کہ عبدالرحمٰن اسے گولی مار دو۔ اس نے میرا چہرہ خراب کیا ہے' اسے ختم کر دو۔ شاید کہنے سے پہلے رُوسی افسر نے یہ نہ سوچا تھا کہ

رُوسیوں نے تو پورے افغانستان کا چہرہ خراب کر دیا ہے اور لاکھوں معصوم بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کیا ہے۔

میں نے بڑی آہستگی اور بددلی کے ساتھ کلاشنکوف کو سیدھا کیا۔ بچے نے اُٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ دوسرے رُوسی فوجی گولی مارنے لگے تو میں نے کہا کہ آج نشانہ میں لگاؤں گا۔ ایک کہنے لگا کہ جلدی کرو۔ یہ بھاگ جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں اڑتے ہوئے پرندے کو نشانہ بنا لیتا ہوں' یہ تو صرف بھاگ رہا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ بچہ دور چلا جائے تو نشانہ لوں۔ میں نے نشانہ بچے کی ٹانگوں کے درمیان لیا۔ اسے گولی تو نہ لگی مگر وہ دہشت سے گرا اور پھر اُٹھ کر دوڑ پڑا۔

ساتھی رُوسیوں نے قہقہہ مارا کہ بڑا نشانے باز بنتا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک اور لگانے دو۔ میں نے نشانہ لینے میں خاصا وقت لگایا اور اتنی دیر میں بچہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔ رُوسی افسر چیخا کہ جلدی کرو۔ میں نے پھر نشانہ اس کی ٹانگوں کے درمیان لیا۔ بچہ گرا یا لیٹ گیا۔ رُوسی ہنسا کہ بچہ مارا گیا ہے مگر چند لمحوں بعد بچہ اُٹھا اور رُوسی افسر کی طرف دیکھ کر زور سے پکارا:

"تم میرے ماں باپ کے قاتل ہو' میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

یہ کہتے ہی وہ پہاڑ کی دوسری طرف اُتر گیا اور رُوسی افسر کا زوردار تھپڑ میرے منہ پر پڑا اور ساتھ گندی گالیاں بھی سننے کو ملیں کہ میں نے جان بوجھ کر نشانہ خطا کیا ہے۔ اسماعیل ساتھ کھڑا تھا۔ وہ بولا کہ صاحب کبھی کبھی اچھے سے اچھے نشانچی کا نشانہ بھی خطا ہو جاتا ہے' اس میں عبدالرحمٰن کا کوئی قصور نہیں' اس نے تو نشانہ لگایا اور بچہ دو دفعہ گرا بھی تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ کابل کی خیر خانہ کالونی کے چوک میں رُوسی فوجی پوسٹ میں پہلے بھی پیش آ چکا تھا۔ وہاں افغان بچے مختلف چیزیں رُوسی فوجیوں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ اُن میں امریکی سگریٹ بھی ہوتے تھے۔ جب بچوں نے اچھی طرح اعتبار جما لیا تو ایک دن عام سگریٹوں کے بجائے اُنہوں نے رُوسیوں کو بارودی سگریٹ پیش کیے۔ سگریٹ پیش کرنے کے بعد بچے غائب ہو گئے۔ جب سگریٹ پیے جانے لگے تو دھماکوں سے کئی فوجیوں کے ہونٹ' ناک' مونچھیں اور چہرے جل گئے۔ میرے خیال میں یہ اس انتقامی جذبے کا اظہار تھا جو رُوسیوں نے اپنے ظلم سے افغان بچوں میں پیدا کر دیا ہے۔

مجھے ایک افغانی فوجی نے بتایا کہ کابل شہر ہی میں ایک کنڈر گارٹن سکول ہے جب روس نے افغانستان میں فوج اتاری' وہاں کے بچوں نے روس سے آیا ہوا دودھ پینے سے انکار کر دیا اور روس مردہ باد' کارمل مردہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے سکول سے باہر نکل آئے۔ جب بچوں سے پوچھا گیا

کہ وہ دودھ کیوں نہ پیتے تو انہوں نے کہا: ''ہم دودھ اُس وقت پئیں گے جب روس ہمارے ملک سے نکل جائے گا۔''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ کابل میں مجاہدین رات کو تقریباً روزانہ شب خون مارتے ہیں۔ان چھاپہ مار کارروائیوں میں وہ پہرے پر رُوسی افسروں اور فوجیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جب وہ کسی رُوسی کو قتل کرتے ہیں تو اس کی لاش پر مختلف نعرے درج کر جاتے تھے۔دو رُوسیوں کی لاشوں پر تو میں نے بھی اس طرح کے نعرے دیکھے تھے:

''روس کا قبرستان..........افغانستان' افغانستان''

''یہ سمرقند و بخارا نہیں..........افغانستان ہے۔''

مجھے یہ نعرے پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ افغان عوام سمرقند و بخارا کے حشر سے آگاہ ہیں۔

عبدالرحمٰن خاموش ہوا تو علی نے پوچھا کہ اسماعیل تمہارا ساتھی کب اور کیسے بنا؟ عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ اسی دن کی بات ہے جب بچے کے سگریٹ سے ہمارے افسر کا منہ جل گیا تھا۔اسماعیل رات کو میرے پاس آیا اور مجھے چھاؤنی کے ایک ویران کونے میں لے گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ تم نے جان بوجھ کر اس بچے کو گولی کیوں نہیں ماری تھی۔ میں سمجھا کہ اسے رُوسی افسر نے میری جاسوسی کے لئے بھیجا ہے۔میں نے کہا کہ میں نے نشانہ تو لیا تھا مگر نشانہ خطا گیا۔

وہ مسکرایا اور کہنے لگا: ''میرے ساتھ تو جھوٹ نہ بولو۔میں نے تو تمہیں اس سے پہلے بھی اُس دن گاؤں میں مجاہدین کی مدد کرتے دیکھا تھا جب تم نے گرینیڈ ایک مجاہد کی جیب میں ڈالے تھے اور دوست! یہ میں ہی تھا جس نے تمہاری بہت بڑی غلطی کو سامنے نہیں آنے دیا تھا اور میری ہی وجہ سے رجسٹر میں گرنیڈوں کی کمی ظاہر نہ ہو پائی۔ پھر اس بوڑھے کو بھی تم نے ہی سبق پڑھایا کہ وہ کہے کہ مجاہدین اُس کی بکریاں زبردستی اُٹھا کر لے گئے ہیں' حالانکہ مجاہدین اس کے گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔''

اسماعیل کی باتوں نے مجھے چونکا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ جانتا ہے۔اگر اس نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بھی در پردہ مجاہدین کی مدد کرتا ہے' چنانچہ میں نے کہا:

''برادر اسماعیل! میں بے قصور افغان عوام پر ظلم نہیں کر سکتا۔ مجھے چینیوں' امریکیوں اور پاکستانیوں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا مگر یہاں تو نہتے بے قصور عوام پر گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔اس معصوم بچے کا کیا قصور تھا؟ اس کے والدین کو شہید کر دیا گیا تھا۔اگر اُس نے سگریٹ میں بارود بھر کر رُوسی افسر کا چہرہ جلا دیا تو قیامت کیوں آ گئی؟ روسی تو مجاہدین کو گرفتار کر کے زندہ جلا دیتے ہیں' اس وقت انہیں ذرا بھی انسانیت کا خیال نہیں آتا۔اگر تم میری جاسوسی کرنے آئے ہو تو جاؤ' جا کر کہہ دو کہ میں نے سب کچھ دانستہ کیا ہے اور میں مسلمان ہوں' ترکستانی ہوں اور رُوسیوں کے ظلم کے خلاف ہوں' مجھے بھی زندہ جلا دیں یا جیل میں بند کر دیں۔''

میں خاموش ہوا تو اسماعیل بولنے لگا: ''برادر عبدالرحمٰن! میں بھی تمہارا ساتھی ہوں۔ میں بھی رُوسیوں کے اُتنا ہی خلاف ہوں جتنے تم ہو۔ اُنہوں نے ہمارا وطن ہم سے چھینا اور اب افغانستانیوں سے اُن کا وطن چھین رہے ہیں۔آتے وقت میرے باپ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ افغان عوام پر گولی نہ چلانا' وہ تمہارے بھائی ہیں۔میں نے اس نصیحت پر ہمیشہ عمل کیا ہے مگر تمہاری طرح حماقتیں نہیں کیں۔ جہاں بھی ممکن ہوا ہے' میں نے مجاہدین کی مدد کی ہے۔اور سنو! پچھلے ماہ جو رات کو رُوسی افسر پراسرار طور پر اپنے کمرے میں ہلاک ہو گیا تھا' اُسے میں نے ہی ہلاک کیا تھا کیونکہ اُس نے ایک افغان مجاہد کی نوجوان بہن کو زبردستی یہاں منگوایا تھا اور اُس کی عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ میں اُس لڑکی کی جان اور عزت تو نہ بچا سکا مگر ایسا انتظام کیا کہ دونوں ختم ہو گئے۔ اور بارُودی سگریٹ بنانے کا طریقہ بھی میں نے ہی ایک افغان فوجی کو اس وقت بتایا تھا جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجاہدین کا ساتھی ہے۔ پھر اُس نے رُوسی افسر کو قتل کرنے میں میرا ساتھ بھی دیا اور اب مختلف جگہوں پر بچوں اور سگریٹ بیچنے والوں کے ذریعے یہ دھماکے وہی تو کروا رہا ہے۔''

اسماعیل کچھ دیر خاموش رہا جیسے کوئی اہم بات سوچ رہا ہو' پھر کہنے لگا کہ عبدالرحمٰن! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بہت جلد مجاہدین کے پاس چلا جاؤں گا کیونکہ یہ ظلم اب مجھ سے مزید نہیں دیکھا جاتا اور بعض اوقات تو مجبوراً ہمیں بھی گولی چلانا پڑتی ہے۔اُس وقت دل بہت دُکھتا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ باقی زندگی اسلام کی سربلندی اور اپنے وطن کی آزادی کے لیے وقف کر دوں گا۔ مجھے یقین ہے' افغانستان ضرور آزاد ہو گا اور پھر ہم ترکستانی مسلمانوں کے لیے بھی آزادی کی جنگ لڑنا آسان ہو جائے گا۔میرے باپ نے مجھے آتے ہوئے کہا تھا کہ رُوسی کمیونزم کے غبارے سے ہوا نکلنے کو ہے اور پھر یہ زیادہ دیر مسلمانوں کو غلامی کی زنجیریں نہیں پہنا سکتا۔

اسماعیل کی باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ایسے محسوس ہوا جیسے مجھے میرا ہم خیال بھائی مل گیا ہو۔میرے ابو نے سچ کہا تھا کہ روس کے مسلمانوں کی اکثریت کمیونسٹ نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لئے کمیونزم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ میں بے اختیار اسماعیل سے لپٹ گیا اور خوشی سے ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر خدا کے حضور عہد کیا کہ ہم دونوں مجاہدین کے پاس چلے جائیں گے اور اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی سرخ زنجیر کاٹ دیں گے اور اگر زندہ رہے تو افغانستان کی آزادی کے بعد اپنے وطن کی آزادی تک رُوسیوں کے خلاف

لڑتے رہیں گے۔

ہمیں ایسا موقع جلد ہی مل گیا کہ جب اعلیٰ رُوسی فوجی افسروں نے مجاہدین کے اس مرکز پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ ہمیں ہیلی کاپٹر سے اس مرکز کے جنوب مغرب کی طرف اُتارا گیا۔ ہمارے گروپ کی تعداد تیس تھی جن میں چودہ رُوسی اور باقی سب افغانی تھے۔ بہت سے کمانڈوز کو مجاہدین نے اُترتے ہی قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا لیکن اتفاق سے ہمارا گروپ بچ گیا۔

ہم نے یہاں اُترتے ہی مورچے بنائے اور مورچوں کے اردگرد بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ ہم نے رات کو اشارہ ملتے ہی اس طرف سے مرکز پر حملہ کرنا تھا۔ یہاں اُترتے ہی میری اور اسماعیل کی گفتگو ہوئی کہ آج رات یہ مورچے تباہ کر کے مجاہدین سے جا ملیں گے۔ رات کے بارہ بجے ہم نے اپنے منصوبہ پر عمل شروع کیا۔ اسماعیل نے اس طرح فائرنگ شروع کی جیسے مجاہدین نے ہم پر حملہ کر دیا ہو۔

اتفاق سے آپ لوگ اُس وقت ہمارے مورچوں کی طرف آ رہے تھے۔ اس طرح ہمارے منصوبے کو اللہ نے ہمارے لئے آسان بنا دیا۔ اب سب لوگوں کی توجہ آپ کی طرف تھی اور وہ آپ سے بہت ڈرے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ آگے بڑھ کر حملہ کیا جائے یا مورچوں میں بیٹھ کر دفاع کیا جائے۔ میں نے اُس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسلحے کا ذخیرہ تباہ کر کے رُوسیوں کے مورچوں پر دستی بموں سے حملہ کر دیا۔ تین افغانی ہمارے ساتھ مل گئے۔ دو اُن میں سے شہید ہو گئے اور تیسرا معلوم نہیں کس طرف بھاگ گیا۔

تمام رُوسیوں کو ختم کرنے کے بعد ہم آپ کی طرف بھاگے کہ اسماعیل کا پاؤں ایک بارودی سرنگ پر آ گیا اور میرا پیارا دوست آزادی کی حسرت لئے شہید ہو گیا۔ وہ مجاہدین کا شیدائی تھا۔ جب رُوسی شکست کھا کر بھاگتے تو اُسے بہت خوشی ہوتی تھی۔

عبدالرحمٰن اور علی نے عہد کیا کہ ہم سب مل کر (انشاء اللہ) اسماعیل کے مشن کو زندہ رکھیں گے اور ایک نہ ایک دن افغانستان اور ترکستان ضرور آزاد ہوں گے اور دُنیا افغانستان کے ساتھ ساتھ ترکستان کی عظیم اسلامی مملکت پر بھی اسلامی پرچم لہراتا دیکھے گی۔



سردیوں کی آمد آمد تھی۔ مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر میں میدانی صوبوں سے مجاہدین آئے ہوئے تھے اور آج اُن کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وہ چیف کمانڈر کے سامنے اپنے اپنے علاقوں کے مسائل رکھ رہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ دُشمن کے مقابلے میں اُنہیں لڑائی میں بہت زیادہ نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم میدانی علاقے میں دُشمن کا مقابلہ کیسے کریں۔

اس مسئلے پر طویل بحث ہوئی۔ آخر میں چیف کمانڈر نے کہا کہ اِن علاقوں میں علی کو آزمایا جا سکتا ہے۔ وہ نوعمر ضرور ہے مگر ذہین ہے۔ وہ وہاں جا کر نئی تدابیر سوچے گا اور مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لے گا لیکن تم سب کو اُس کے ماتحت کام کرنا پڑے گا۔ اگر آپ لوگ اس کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو اس کا اچھے سے اچھا منصوبہ بھی ناکام ہو جائے گا اور اگر آپ لوگوں نے اُسے نوعمر سمجھ کر اُس کے احکامات کو اہمیت نہ دی تو وہ کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اس پر میدانی صوبوں سے آئے ہوئے مجاہدین نے کمانڈر کو مکمل یقین دہانی کرائی کہ علی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہ ہو گی اور وہ اُس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔

میٹنگ برخاست ہوئی تو کمانڈر نے علی کو بلوایا۔ اُس کا تعارف دوسروں صوبوں سے آئے ہوئے مجاہدین سے کرایا اور اُسے اُس کے نئے مشن سے آگاہ کیا۔ علی کچھ دیر سوچتا رہا' پھر کمانڈر صاحب سے گزارش کرتے ہوئے کہا: ''میں تو میدانی علاقے میں لڑنے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا اور تجربہ کار مجاہدین کی موجودگی میں' میں وہاں اُن سے بہتر کیا کام کر سکتا ہوں؟''

''میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے۔ تم وہاں جا کر حالات کا جائزہ تو لو۔ پھر اللہ مدد کرنے والا ہے۔'' کمانڈر نے کہا۔

دوسرے دن علی کی کمانڈر صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو کمانڈر نے کہا: ''یقیناً تم نے سفر کی تیاری شروع کر دی ہو گی۔ پرسوں جمعہ ہے۔ ہفتے کو آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔''

علی نے کہا کہ اگر آپ عبدالرحمٰن' درویش خان' فاروق خان اور انجینئر عبداللہ کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دیں تو اس سے مجھے کافی حوصلہ رہے گا۔ کمانڈر صاحب نے مسکراتے ہوئے

اِن مجاہدین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

ہفتے کو نمازِ ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ علی اور دوسرے مجاہدین روانگی کے لیے بالکل تیار کھڑے کمانڈر صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ قریب ہی دو خچر کھڑے تھے جن پر سامان خورد ونوش اور ضروری اسلحہ لدا ہوا تھا۔ علی سوچوں میں گم اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمانڈر صاحب تشریف لے آئے۔ اُنہوں نے علی کی پریشانی دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی۔

علی بولا: ''میں پریشان تو نہیں' صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ نے مجھ پر جو نئی ذمہ داری ڈالی ہے' کیا میں اس کا حق ادا کر سکوں گا؟''

کمانڈر صاحب نے کہا: ''سوچنا اچھی بات ہے' مگر کسی مشکل کام کو دیکھ کر پریشان ہونا اچھی بات نہیں۔ تم اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جا رہے ہو۔ اللہ یقیناً تمہاری مدد اُسی طرح کرے گا جس طرح وہ پہلے مدد کرتا رہا ہے۔'' پھر علی کے ساتھ جانے والے مجاہدین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ''آپ لوگ ایک انتہائی اہم کام پر جا رہے ہیں اور اِس کام کی کامیابی منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے آپس میں اتحاد پر منحصر ہے۔ تمام فیصلے صلاح مشورے سے کرنا' کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو کمانڈر کا فیصلہ قطعی ہونا چاہئے۔ ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی نہیں گھبراتے اور نا اُمیدی کی فضا میں بھی اللہ سے مدد کی اُمید رکھتے ہیں' اس لیے جب کوئی مشکل وقت آ جائے تو اللہ ہی سے مدد کی دُعا کرنا کیونکہ وہی سب سے بڑا مددگار ہے۔''

اس کے بعد سب نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے دُعا کی۔ کمانڈر صاحب سب مجاہدین سے گلے ملے اور پھر مجاہدین کا یہ قافلہ اللہ اکبر' اور نَصرٌ مِّنَ اللهِ وَ فَتحٌ قَرِیبٌ کے نعروں کی گونج میں رُخصت ہوا۔

یہ قافلہ دس مجاہدین پر مشتمل تھا۔ مرکز سے روانہ ہوئے تیسرا دن تھا اور صبح نو بجے کا وقت تھا جونہی وہ پہاڑی نالے سے نکل کر تنگ وادی میں داخل ہوئے' ایک پہاڑی کے دامن میں اُنہیں افراد کا ایک جمگھٹا نظر آیا۔ علی اُنہیں دیکھ کر فوراً رُک گیا اور اُس نے دوسرے مجاہدین کو بھی آگے جانے سے روک دیا۔ وہ اکیلا ہی تھوڑا سا آگے گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مجاہدین ہی کے حامی ہیں۔

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایک بوڑھا پہاڑی کو کھودنا چاہتا ہے۔ دوسرے لوگ اُسے روک رہے ہیں بلکہ اُس کا خوب مذاق بھی اُڑا رہے ہیں۔ علی نے پوچھا کہ بھائی اصل معاملہ کیا ہے اور آپ لوگ اس بوڑھے کا کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔ وہاں کھڑے لوگوں میں سے ایک بولا: ''یہ بوڑھا پاگل ہو گیا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے بیوی بچے اس پہاڑی کے اندر ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر وہ پہاڑی کے

اندر ہوں بھی تو وہ زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم نے اُسے بہتیرا سمجھایا ہے' مگر ہماری بات سنتا ہی نہیں۔''

علی نے بوڑھے سے پوچھا: ''بابا! آخر تم اس پہاڑی کو کیوں کھودنا چاہتے ہو اور ایک ''کسّی'' سے کیسے کھود لو گے۔ ان لوگوں کی بات سچ ہے کہ تمہارے بیوی بچے اِس پہاڑی کے اندر اگر ہوں بھی تو وہ زندہ نہیں ہوں گے۔''

بوڑھے نے بتایا: ''بیٹا! بات یہ نہیں ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مردہ۔ میں اُنہیں یہاں سے نکال کر قبرستان میں لے جا کر دفن کرنا چاہتا ہوں اور یہ لوگ میری مدد کرنے کے بجائے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔''

''بابا! کیا آپ سارا واقعہ بتائیں گے کہ تمہارے بیوی بچے اس پہاڑی کے اندر کیسے دب گئے۔'' علی نے پوچھا۔

بوڑھا کچھ دیر آنکھیں بند کیے سوچتا رہا' پھر بتانے لگا:

''بیٹا! میری داستان دوسرے مظلوم افغانوں سے مختلف نہیں۔ میرا گاؤں یہاں سے دو میل دور شمال کی طرف پہاڑوں کے دوسری جانب واقع ہے۔ آج سے تین سال پہلے ہم اس گاؤں میں بڑی پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری وادی بہت ہی خوبصورت اور سرسبز وادی تھی۔ سیب' انگور' اخروٹ' چلغوزے کے بڑے بڑے خوبصورت باغات تھے اور یہاں کے رہنے والے خوشحال زندگی کے مزے لے رہے تھے۔ رُوس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا' مگر اس کے بعد بھی کئی سال تک ہمارا گاؤں رُوسی فوج کی لائی ہوئی تباہی و بربادی سے محفوظ رہا۔ اردگرد کے دیہات کے لوگ دوسرے علاقوں میں رُوسی فوج کے مظالم کا سن کر پاکستان ہجرت کر گئے۔ اُنہوں نے ہمیں بھی سمجھایا کہ رُوسی فوج کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب کس گاؤں کو تباہ کرنے کے لیے آ جائے' اس لیے آپ لوگ بھی پاکستان ہجرت کر جائیں' مگر ہمارا دل نہ چاہا کہ ہم اپنے گھر' خوبصورت باغات' کھیت اور چراگاہیں چھوڑ کر دوسرے ملک چلے جائیں۔''

بوڑھا تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا' ایک حسرت بھری آہ کھینچی اور پھر کہنے لگا: ''اور پھر وہی ہو کہ ایک صبح دُشمن کے آدھ درجن طیارے بمباری کرنے آ پہنچے۔ بم' راکٹ اور میزائل اولوں کی طرح گاؤں پر گرنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خوبصورت گاؤں ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ جونہی طیارے واپس گئے' زندہ بچ جانے والے لوگ گاؤں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرا بیٹا اور بہو بھی شہید ہو گئے۔ دونوں چھوٹے بچے اور بیوی بچ گئی۔ میں اُنہیں لے کر یہاں آ گیا۔ اس پہاڑی کے اندر ایک چھوٹا سا غار تھا۔ میں نے بیوی بچوں کو غار کے اندر بٹھایا اور گاؤں واپس چلا گیا' تا کہ زخمیوں کی مدد کر سکوں اور شہید ہونے والوں کو دفنا سکوں۔ گاؤں میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی۔ میں بھی دوسرے افراد کے ساتھ

مل کر زخمیوں کو ملبے کے نیچے سے نکالنے لگا۔ ابھی ہم شہداء کو دفنانے اور زخمیوں کی امداد سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دُشمن کے جہاز ایک دفعہ پھر آ گئے۔ ہم پناہ کی تلاش میں پہاڑوں کی طرف بھاگے۔ بستی پر، پہاڑوں پر، ہر طرف بم ہی بم گر رہے تھے۔ میں گرتا پڑتا، سامنے پہاڑ تک پہنچ گیا کہ ایک بم میرے قریب پھٹا۔ میں زمین سے اُچھلا اور دور جا گرا، پھر کیا ہوا مجھے کچھ علم نہیں۔

"جب مجھے ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھا۔ میں نے اپنے اردگرد دیکھا، گاؤں کے کئی اور افراد بھی بستروں پر زخمی حالت میں پڑے تھے۔ مجھے اپنے بیوی بچوں کی فکر تھی۔ نہ جانے ان کا کیا بنا۔ میں نے اپنے قریب دائیں بائیں لیٹے ہوئے زخمیوں سے پوچھا مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ڈاکٹر سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ کل وہ فوجی آئیں گے جو تمہیں یہاں پکڑ کر لائے تھے، ان سے پوچھنا۔ دوسرے دن دو فوجی آئے۔ میں نے اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ جہاں تم زخمی حالت میں پڑے ملے تھے، اُس کے قریب ہمیں کوئی عورت ملی نہ کوئی بچہ۔

"اُن کا جواب سن کر میں نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیوی بچے اُن ظالموں سے بچ گئے۔ میرا خیال تھا کہ وہ غار سے نکل کر پاکستان ہجرت کر گئے ہوں گے۔

"میں ہسپتال میں دو ماہ پڑا رہا۔ ٹھیک ہوا تو مجھے تفتیش کے لیے جیل لے جایا گیا۔ وہاں پہلے نرمی اور پھر سختی سے پوچھا جانے لگا کہ بتاؤ تمہارا مجاہدین سے کیا تعلق ہے۔ پھر وہ تشدد شروع ہوا جس کے بارے میں سوچتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ تشدد ایک مجھ پر ہی نہیں ہو رہا تھا، میری آنکھوں کے سامنے کئی دوسرے قیدی اس ناقابل برداشت تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ یہ دیکھو میرے ہاتھ، زنبوروں سے میرے ناخن جڑوں سے اُکھاڑ دیئے گئے۔ (پشت سے قمیص اُٹھاتے ہوئے) اور یہ دیکھو کہاں کہاں سے میرا گوشت نوچا گیا۔ رُوسی اتنے ظالم تھے کہ جسم کے جن حصوں سے گوشت نوچتے، اُن پر نمک اور مرچیں چھڑک دیتے۔ میں تڑپتا تو وہ قہقہے لگاتے۔ یہ تشدد کئی ماہ مسلسل ہوتا رہا، پھر اُنہوں نے مجھے قید میں پھینک دیا۔

"گرفتار ہوئے اڑھائی سال بیت گئے تھے جب ایک دن رُوسی افسر نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور مجھے پیشکش کی کہ اگر میں پاکستان میں جاسوسی اور بموں کے دھماکے کرنے کی ذمہ داری اُٹھاؤں تو وہ مجھے رہا کر دیں گے۔ میں نے اُس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ مجھے دوبارہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل میں میرے ساتھیوں نے مجھے سمجھایا کہ یہ پیشکش قبول کر لو۔ اُنہوں نے بتایا کہ کئی افراد پہلے بھی اسی طرح رہا ہوئے ہیں لیکن میں نے اُن کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مجھے یہ ہرگز منظور نہ تھا کہ اپنی رہائی کی خاطر اُس ملک کے عوام کو دُکھ دوں جنھوں نے مصیبت کے وقت ہمارے بیوی بچوں کو پناہ دی

ہے۔ یہ کہاں کا انصاف تھا کہ میں جیل سے نکلنے کے لیے دوسروں کے بچوں کے خون سے ہاتھ رنگوں۔ اس طرح تین ماہ اور بیت گئے اور پھر ایک دن معلوم نہیں مجھے کیوں رہا کر دیا گیا۔ شاید میں بوڑھا تھا، رہا ہو کر بھی اُن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جیل میں اُن کا اناج ضائع کر رہا تھا۔

"رہا ہونے کے بعد میں پاکستان گیا۔ دو ماہ تک پاکستان میں اپنے بیوی بچوں کو ڈھونڈتا رہا، مگر وہ مجھے کہیں نہ ملے۔ گاؤں کے کئی لوگ مجھے ملے مگر کسی نے بھی میرے بیوی بچوں کو پاکستان آتے نہیں دیکھا تھا۔ تھک ہار کر میں ادھر چلا آیا۔ جب یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ پہاڑی میں جو غار تھا، وہ غائب ہو چکا ہے۔ پہلے تو شک ہوا کہ شاید یہ وہ پہاڑی ہی نہیں لیکن میری یادداشت اتنی بھی کمزور نہ تھی۔ ساری زندگی اسی علاقے میں گزاری تھی۔ رُوس کے طیاروں کی وحشیانہ بمباری نے اگر علاقے کی شکل بگاڑ دی تھی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جگہ بھی بدل گئی۔ میں نے پہاڑی کا غور سے جائزہ لیا۔ یہ وہی پہاڑی تھی مگر بمباری سے غار کا منہ بند ہو چکا تھا اور وہاں جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میرے بیوی بچے اندر دب کر شہید ہو چکے ہیں۔ پہلے تو سوچا کہ اُنہیں غار کے اندر ہی دبا رہنے دُوں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے وہ لوگ غار میں نہ ہوں۔ ممکن ہے وہ زندہ ہوں اور کسی دوسری جگہ رہ رہے ہوں۔ یہی شک دُور کرنے کے لیے میں نے غار کو کھودنے کا فیصلہ کیا۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ میری مدد کرتے، اُلٹا میرا مذاق اُڑانے لگے۔

"بیٹا! تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ اگر غار کھودنے کے بعد وہ نہیں ملتے تو میں اُن کی تلاش جاری رکھوں گا۔ اگر اُن کی نعشیں مل جاتی ہیں تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ اب اس دُنیا میں نہیں رہے اور یوں میرے دل کو سکون مل جائے گا۔"

بوڑھے نے اپنی درد بھری داستان ختم کی تو وہاں کھڑے لوگوں میں سے بہت سوں کی آنکھیں پرنم ہو چکی تھیں۔ علی نے کہا: "بابا! تمہاری داستان سن کر بہت دُکھ ہوا۔ یہاں افغانستان میں ہر دوسرا فرد تمہاری ہی طرح دُکھی ہے۔ بعض کے والدین شہید ہو گئے اور بعض کی اولاد۔ بعض اپنے ماں باپ کی شہادت پر دُکھی ہیں اور بعض اپنی اولاد کے بچھڑنے پر غمگین۔ غار کھودنے میں ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

اس کے بعد علی اور دوسرے مجاہدین نے غار کے منہ سے ملبہ ہٹانا شروع کر دیا۔ اُن کی طرف دیکھ کر بعض دوسرے افراد بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔

اُنہوں نے صبح دس بجے ملبہ ہٹانا شروع کیا، اب ایک بج چکا تھا مگر ابھی تک کسی انسانی جسم کے نشان نہ ملے تھے۔ سب ساتھیوں نے دوپہر کے کھانے اور نماز کے لیے وقفہ کیا۔ کھانا کیا تھا، رات کی روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے تھے جنہیں اُنہوں نے چائے کے قہوے کے ساتھ کھایا۔ نماز کے بعد ملبہ

ہٹانے کا کام دوبارہ شروع کردیا گیا۔

عصر کا وقت قریب تھا جب بوڑھے نے اُٹھ کر اُونچی آواز میں کہا: ''رُک جاؤ۔ وہ مل گئے۔'' بوڑھے کی آواز سن کر سب اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ بوڑھے نے اُنہیں اشارے سے قریب بلایا اور اُنگلی سے اشارہ کر کے بتانے لگا کہ یہ دیکھو' میری بیٹی گل بانو کا ہاتھ ہے۔ سب نے غور سے دیکھا تو مٹی میں چند اُنگلیاں نظر آرہی تھیں۔

پھر سب لوگوں نے علی کی ہدایت پر مٹی کو چھوٹی چھوٹی لکڑیوں سے آہستہ آہستہ ہٹانا شروع کیا' تاکہ لاشوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد منظر صاف ہوگیا۔

وہاں ایک بوڑھی عورت' ایک بچی اور ایک بچے کی لاشیں اکڑی ہوئی تھیں۔ سب کے کپڑے بالکل صحیح معلوم ہو رہے تھے۔ عورت نے سر پر چادر اوڑھی ہوئی تھی جیسے اُس نے غار سے باہر کسی آدمی سے پردہ کیا ہوا ہو۔ وہ اپنے بچوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہاتھ اپنے بچوں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے اور اسی حالت میں اکڑ گئے تھے۔ بچی کے سر پر بھی موٹے کپڑے کا دوپٹہ تھا اور بالوں کو افغانستان کے دیہات کے مخصوص انداز میں گوندھا ہوا تھا۔ بچے کے سر پر ٹوپی تھی۔ گردن مٹی کے بوجھ سے نیچے کو تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی۔ دونوں بچوں کے ہاتھ اپنی ماں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ شاید زندگی کے آخری لمحات میں مدد کیلئے وہ ایک دوسرے کی طرف لپکے ہوں اور اسی حالت میں اُن کو موت آگئی۔

اُنہیں دیکھ کر ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے ٹیلی ویژن پر کسی منظر کو ایکشن میں ساکن کر دیا گیا ہو۔ قریب سے دیکھنے پر بھی اُن کے چہروں پر موت کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ وہ ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے سکتے کی حالت میں ہوں اور ابھی تھوڑی دیر بعد بولنے لگیں گے۔ تین سال گزرنے کے باوجود ابھی تک مٹی نے اُن کے جسموں کو کھایا تھا نہ اُن کے کپڑے گلے سڑے تھے۔ یہ منظر ایک طرف ایمان افروز تھا اور دوسری طرف مظلومیت کی وہ تصویر جسے پتھر دل انسان بھی دیکھ کر رو پڑے۔

بوڑھا زار و قطار رونے لگا اور وہاں کھڑے ہر فرد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھے کے آنسو تھمے تو وہ اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے بتانے لگا کہ ایک دن مولوی صاحب نے جمعے کے خطبہ میں جہاد پر تقریر کی اور لوگوں کو بتایا کہ روسیوں کے خلاف اب جہاد فرض ہو چکا ہے۔ میری اس بیٹی نے بھی یہ بات سنی۔ رات کو مجھ سے پوچھنے لگی: ''بابا! جہاد کیا ہوتا ہے۔'' میں نے اسے بتایا کہ بیٹا اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی حفاظت اور سربلندی اور وطن کی آزادی کے لیے کافروں سے لڑائی کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔

میری بات سن کر اُس نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا: ''بابا! مولوی صاحب نے تو کہا تھا کہ کافروں نے ہمارے ملک پر قبضہ کرلیا ہے اور کافر روسی' مسجدیں بھی شہید کر رہے ہیں' پھر آپ اُن سے لڑنے کیوں نہیں جاتے؟''

میں نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا: ''بیٹی! ضرور جاؤں گا۔''

''بابا! مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے نا۔ میں بھی کافروں کے خلاف لڑوں گی۔'' اور پھر میرے جواب سے پہلے ہی بول پڑی: ''بابا! اگر میں کافروں سے لڑتی ہوئی ماری گئی تو اللہ مجھ سے خوش ہو جائے گا نا اور مجھے بھی جنت میں جگہ دے گا نا۔'' یہ بتا کر بوڑھا ایک دفعہ پھر رونے لگا۔

بوڑھے کی بیٹی کی باتیں سن کر علی کو بھی اپنی بہن صائمہ بہت یاد آئی اور وہ بھی ایک طرف جا کے سر گھٹنوں پر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ میں اپنی بہن کے خون کے ایک ایک قطرے کا بدلہ لوں گا' مگر یہاں تو ہر طرف روسیوں نے خون کے دریا بہا دیئے ہیں۔ رُوسیوں کے ظلم اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر پوری روسی فوج کو بھی قتل کر دیا جائے تو شاید پھر بھی بدلہ پورا نہ ہو سکے۔ علی نے ایک دفعہ پھر دل ہی دل میں اپنے عہد کو دہرایا کہ اے اللہ' میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک انسانیت کو روسیوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے لڑتا رہوں گا۔

علی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بوڑھے کو تسلی دی' پھر سب نے تینوں شہیدوں کی لاشوں کو قبرستان میں لے جا کر دفنایا اور واپس اُسی جگہ آ کر رات بسر کرنے کا انتظام کرنے لگے۔

صبح ناشتا کرنے کے بعد علی اور اُس کے ساتھی آگے کی طرف روانہ ہونے لگے تو بوڑھے نے اُن سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ میں اگر اور کچھ نہ کر سکا تو آپ لوگوں کا کھانا وغیرہ تیار کر دیا کروں گا۔ علی نے بوڑھے کو بھی ساتھ لے لیا۔

اُنہیں چلتے ہوئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ دُشمن کے چار ہیلی کاپٹر آتے نظر آئے۔ علی نے مجاہدین کو فوراً محفوظ جگہوں میں چھپنے اور پوزیشنیں سنبھالنے کو کہا۔ خچروں کو ایک جھنڈ میں کھڑا کر دیا گیا۔ اتنے میں ہیلی کاپٹروں سے بمباری شروع ہوگئی۔ علی اور اُس کے ساتھیوں کے پاس ایسے کوئی ہتھیار نہیں تھے جن سے وہ ہیلی کاپٹروں کو نشانہ بنا سکتے۔ ہیلی کاپٹر بمباری کر کے گئے تو جیٹ طیارے آپہنچے۔ طیاروں کی بمباری تباہ کن تھی۔ شاید اس بمباری سے مجاہدین کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا مگر خچر مجاہدین کو بچا گئے۔ جونہی طیارے آئے' خچر درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ طیاروں نے بم خچروں کے اردگرد گرانے شروع کر دیئے۔ دونوں ہی خچر ہلاک ہوگئے۔

ابھی طیارے فضا ہی میں پرواز کر رہے تھے کہ ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ علی نے تمام

مجاہدین سے کہا کہ جلد از جلد پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ تمام مجاہدین جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ کر رینگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ خچر ہلاک ہو چکے تھے' اس لیے سامان خورد ونوش بھی مجاہدین کو اُٹھا کر لے جانا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ پر درخت بہت تھے' اس لیے مجاہدین طیاروں کی نظر میں آئے بغیر پہاڑ پر چڑھ گئے۔

درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے علی نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا اور آئندہ کے اقدامات کے بارے میں مشورہ مانگا۔

بوڑھے مجاہد کا خیال تھا کہ کل جب ہم غار کا ملبہ ہٹا رہے تھے' وہاں کوئی دُشمن کا جاسوس تھا جس نے آپ کی آمد کی اطلاع روسیوں کو کر دی ہے۔ ورنہ یہاں قریب کوئی گاؤں ہے نہ کوئی مجاہدین کا مرکز۔ سب مجاہدین نے بوڑھے کی بات سے اتفاق کیا۔

علی نے مجاہدین سے کہا کہ اگرچہ ہمارے پاس حملہ روکنے اور مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اسلحہ نہیں لیکن جو اسلحہ بھی ہے' اس سے ہم آخری دم تک لڑیں گے۔

علی نے دو دو مجاہدین کے گروپ بنا کر پانچ مختلف جگہوں پر اُنہیں بٹھا دیا۔ مجاہدین یا تو پتھروں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے یا پھر اُن گڑھوں میں بیٹھے تھے جو بموں کے پھٹنے سے بن گئے تھے۔

دُشمن کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں پہاڑ کے نیچے وادی میں پہنچ چکی تھیں اور ٹینکوں سے دیکھے اور نشانہ لیے بغیر اردگرد کے پہاڑوں پر گولہ باری ہو رہی تھی۔ کئی گولے مجاہدین کے پیچھے گرے۔

خاصی دیر تک گولہ باری کرنے کے بعد دُشمن کے فوجی بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلے اور دونوں اطراف سے پہاڑوں پر چڑھنے لگے۔ اب مجاہدین کے پاس سوائے مقابلے کے کوئی راستہ نہ تھا۔ مجاہدین کی فائرنگ سے رُوسی درختوں کی اوٹ میں چھپنے لگے اور جو رُوسی سامنے والے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے' وہ بھی نیچے کی طرف دوڑے۔

اب مجاہدین کے مورچوں کی نشاندہی ہو چکی تھی اور دُشمن کی ساری فوج بڑی منصوبہ بندی سے پہاڑ پر چڑھ رہی تھی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ بہت تھوڑا تھا۔ روسیوں کو بھی شاید اس کا علم تھا۔ جونہی مجاہدین فائرنگ کرتے' وہ یا تو درختوں کی اوٹ میں چھپ جاتے یا پھر بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے ہو جاتے۔ فائرنگ بند ہوتی تو پھر اوپر چڑھنا شروع کر دیتے۔ آہستہ آہستہ مجاہدین کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا۔

رُوسیوں کو یہ تو شاید معلوم تھا کہ مجاہدین کی تعداد تھوڑی ہے مگر چونکہ مجاہدین پانچ مختلف مورچوں سے فائر کر رہے تھے اس لیے اُن کی اصل تعداد کا اندازہ نہ کر پائے تھے۔ اس کے باوجود

روسی افسر نے مجاہدین کو ڈرانے کے لیے میگافون پر اعلان کیا: ''ہمیں علم ہے کہ تم بہت تھوڑی تعداد میں ہو اور تمہارے پاس اسلحہ بھی ختم ہونے والا ہے' اس لیے ہتھیار پھینک دو۔ ہم تمہیں آدھ گھنٹے کی مہلت دیتے ہیں''۔ روسی افسر نے یہ ایک چال چلی تھی کہ شاید مجاہدین خوفزدہ ہو کر ہتھیار پھینک دیں۔

علی رینگتا ہوا ہر مجاہد کے پاس گیا۔ سب کے پاس گنتی کی چند گولیاں باقی تھیں۔ اُس نے سب مجاہدین کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کے لیے کہا تاکہ نئی صورتحال کے بارے میں مشورہ کیا جا سکے۔ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے بم کے پھٹنے سے بہت بڑا گڑھا بنا ہوا تھا۔ سب مجاہدین وہاں اکٹھے ہو گئے۔ علی نے سب سے ایک دفعہ پھر پوچھا کہ کیا کیا جائے۔

بوڑھے مجاہد نے کہا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مرنا باعثِ فخر بھی ہے اور آسان بھی۔ گرفتاری کے بعد جیل میں جو تشدد ہو گا' اس کا تصور بھی خوفناک ہے اور وہاں کی موت بھی بہت تکلیف دہ ہو گی' اس لیے میرا مشورہ ہے کہ جیل کے بجائے یہاں کی موت قبول کی جائے۔ سب مجاہدین نے اس سے اتفاق کیا۔

علی نے مجاہدین سے کہا کہ جن حالات میں ہم گھرے ہیں' ہمارے لیے نئے نہیں اور اللہ نے ہمیشہ ہماری مدد کی ہے۔ جب گردیز جیل میں روسی مجھے موت کی طرف لے جا رہے تھے تو اللہ نے گاڑی کو زندگی کی شاہراہ پر ڈال دیا' پھر جب ہم غار میں پھنسے تو اللہ نے ہمیں وہاں سے بھی بے بسی کی موت سے بچا لیا۔ اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مجاہدین کو مزید تسلی دینے کے لیے علی نے کہا: ''مجھے یاد آیا کہ میرے دادا جان نے بتایا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین میں شامل تھے کہ ایک جگہ انگریز فوج نے اُنہیں محاصرے میں لے لیا۔ اسلحہ کے ساتھ ساتھ سامان خورد ونوش بھی ختم ہو گیا' لیکن مجاہدین نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اللہ سے مدد کے لیے دُعا مانگی۔ دُعا کے تھوڑی دیر بعد زبردست طوفان آیا اور انگریزی فوج پر پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ پتھروں کی اس بارش سے کئی فوجی زخمی ہوئے اور کئی مارے گئے اور باقی خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لیے دوستو! آؤ ہم بھی اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس مشکل سے نکالے۔''

(یہ واقعہ شمالی وزیرستان میں خیور شریف کے علاقے میں پیش آیا تھا۔)

پھر سب مجاہدین اللہ سے رو رو کر دُعا مانگنے لگے: ''اے اللہ! ہمیں موت کا غم نہیں' اس لیے کہ تیرے اپنے ارشاد کے مطابق شہادت سے بہتر کوئی موت نہیں' لیکن ہم اس مشکل وقت میں جہاد جاری رکھنے کے لیے تجھ سے مدد کے طلبگار ہیں۔ اے اللہ! تو ہماری اُسی طرح مدد کر جس طرح تو نے

ہمارے بزرگوں کی مدد کی، جس طرح جیل میں مدد کی، جس طرح غار میں مدد کی۔ اے اللہ! دُشمن کو اُسی طرح تباہ کر دے جس طرح تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے تباہ کیا۔ اے اللہ! ہمیں اس مشکل وقت میں استقامت اور صبر عطا فرما۔"

دُعا کے بعد سب مجاہدین نے سکون محسوس کیا۔ علی دوربین لگا کر دُشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اُس کی نظر دُشمن کے ٹینکوں اور گاڑیوں کے قریب دو ان پھٹے بڑے بڑے بموں پر پڑی۔ اُس نے دُوربین عبدالرحمٰن کو دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو وہ بم ہی ہیں نا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہیں تو بم ہی مگر ان سے ہمیں کیا فائدہ؟

"اگر ہم ان کو بلاسٹ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا دُشمن کا پورے کا پورا کانوائے تباہ نہیں ہو جائے گا۔" علی نے کہا۔

"مگر ہم ان کو بلاسٹ کریں گے کیسے؟ جہاز سے گرنے کے بعد تو وہ پھٹے نہیں، یہاں ہمارے سوچنے سے کیسے پھٹ جائیں گے؟" عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

علی نے کہا: "کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔"

یہ کہہ کر علی نے اپنی بندوق سیدھی کی اور بم کا نشانہ لینے لگا ہی تھا کہ نیچے سے پھر میگا فون پر آواز آئی: "صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم فائر کھول دیں گے۔"

"چند منٹ اور انتظار کر لو۔ میرا اللہ تمہیں دوزخ کے فرشتوں کے حوالے کرنے والا ہے۔" علی نے پکار کر کہا۔

دُوسرے مجاہدین نے علی کو ٹوکا کہ یہ تم نے کیا کر دیا۔ اب تو دُشمن کو ہماری جگہ کا علم ہو گیا ہے۔ ایک ہی گولہ ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے۔

"میرے ساتھیو! فکر نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ دُشمن کو تباہ کرنے والا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ دونوں ان پھٹے بم دُشمن کے کتنے قریب پڑے ہیں اور اللہ نے ہماری ہی مدد کے لیے انہیں وہاں اس حالت میں رکھا ہے۔" علی نے مجاہدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

علی نے بات ختم بھی نہیں کی تھی کہ روسیوں کی نیچے سے آواز آئی: "ہم تمہارے خدا کو مانتے ہیں نہ تمہارے فرشتوں کو۔ اگر تمہارا کوئی خدا کہیں موجود ہے تو آج اُسے بھی بلا لو۔ تمہارے ساتھ ساتھ آج اُسے بھی گرفتار کر کے لے جائیں گے یا پھر اُسے بھی تمہارے ساتھ ہی ختم کر دیں گے۔"

علی کو رُوسیوں کی اس گستاخی پر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے بلند آواز سے رُوسیوں کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا: "چند لمحوں بعد تم میرے خدا کو بھی مان لو گے اور فرشتوں کو بھی دیکھ لو گے اور تم جو میرے خدا کی شان میں گستاخی کر رہے ہو اُس کی سزا تمہیں ملنے ہی والی ہے۔"

علی نے دل ہی دل میں دُعا کی کہ اے اللہ! میں نے تیرے ہی بھروسے پر شیطان کے پجاریوں کو چیلنج کیا ہے۔ تو ہی میری عزت رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد اُس نے سورۃ الفیل پڑھی اور بم کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ پہلی گولی خطا گئی مگر علی مایوس نہ ہوا۔ اُس نے پھر اللہ سے دُعا کی اور گولی چلا دی مگر دُوسری گولی بھی خطا گئی۔ اُدھر دُشمن نے فائر کھول دیا اور گولے مجاہدین کے اردگرد گرنے لگے۔ علی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تیسری گولی چلائی۔ تیسری گولی ٹھیک نشانے پر لگی مگر بم نہ پھٹا۔ علی کے پاس اب مزید کوئی گولی نہ تھی۔ تیسری گولی کے بے اثر ہو جانے کے بعد بھی وہ مایوس نہ ہوا۔ ساتھی مجاہدین نے کہا کہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ہم میں سے جتنے بھی بچ کر نکل جائیں، اچھا ہے۔ علی نے کہا کہ بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ہمارے سامنے موت ہے یا پھر گرفتاری۔

علی نے عبدالرحمٰن کی کلاشنکوف لی اور بم کو بلاسٹ کرنے کی ایک اور کوشش کرنے لگا۔ ایک دفعہ پھر اُس نے دل ہی دل میں اللہ کو پکارا اور گولی چلا دی۔ گولی نہ صرف نشانے پر لگی بلکہ بم اس زور سے پھٹا کہ کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔ علی نے دُوربین لگا کر دیکھا تو نیچے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک دُھواں اور گرد و غبار تھا یا پھر دھماکوں کی زبردست آوازیں تھیں۔ دُشمن کی طرف سے گولہ باری بند ہو چکی تھی۔ ہر مجاہد باری باری دُوربین لگا کر نیچے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گرد و غبار ہٹا تو نیچے کا منظر کچھ صاف ہوا۔ دُشمن کے ٹینکوں اور گاڑیوں کا ملبہ بکھرا پڑا تھا اور کئی گاڑیوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ علی نے مشورہ کے بعد نیچے جانے کا فیصلہ کیا۔

حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجاہدین آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع ہوئے۔ نیچے اُتر کر اُنہوں نے مختلف پوزیشنیں سنبھال لیں۔ علی نے ایک جلتی ہوئی گاڑی کی اوٹ سے اعلان کیا کہ جو رُوسی بھی زندہ بچا ہے، ہاتھ اُٹھا کر سامنے آ جائے۔ تھوڑی دیر میں مختلف جگہوں پر چھپے ہوئے کئی رُوسی ہاتھ اُٹھائے باہر آ گئے۔ علی نے آوازیں دے کر مجاہدین کو مختلف پوزیشنوں پر جانے کو کہا۔ عبدالرحمٰن اور درویش خان سے کہا کہ تمام روسیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے جائیں۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو علی نے اردگرد تمام جگہوں کی تلاشی لینے کے لیے کہا۔ چار مجاہدین سے کہا کہ ممکن ہے کچھ رُوسی بچ کر بھاگ گئے ہوں، اُن کا پیچھا کیا جائے مگر زیادہ دور نہ جایا جائے۔ علی نے اُن سے کہا اگر کسی کے پاس گولیاں ختم ہو گئی ہوں تو زخمی رُوسیوں کے بچے ہوئے میگزین اور کلاشنکوفیں لے لی جائیں۔

اسلحہ کسی مجاہد کے پاس بھی نہ تھا، خالی بندوقیں تھیں۔ اگر رُوسیوں کو معلوم ہو جاتا تو وہ بھی یوں

گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو پیش نہ کرتے۔ سب مجاہدین نے آگے بڑھ کر رُوسیوں سے چھینا ہوا اسلحہ لیا اور بھاگنے والے رُوسیوں کا پیچھا کرنے چلے گئے۔

بم کے پھٹنے کے ساتھ ہی نہ صرف رُوسیوں کی گاڑیوں کو آگ لگی اور ٹینک تباہ ہوئے بلکہ جس گاڑی میں گولہ بارود رکھا ہوا تھا' اُسے بھی آگ لگ گئی اور گولہ بارود بھی سارے کا سارا تباہ ہو گیا۔ کئی رُوسیوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گئیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق، ساٹھ سے زیادہ رُوسی مارے گئے۔ ایک سو سے زیادہ زخمی حالت میں گرفتار ہوئے جن میں تیس کی حالت نازک تھی۔

علی اور مجاہدین نے بچا ہوا تمام اسلحہ سنبھال لیا۔ اتنی دیر میں دُوسرے مجاہدین بھی دس رُوسیوں کو گرفتار کر کے واپس لے آئے۔ تمام مجاہدین نے اس فتح پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

علی کے سامنے اب مسئلہ یہ تھا کہ یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکلا جائے مگر گرفتار شدہ رُوسیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ مجاہدین سے مشورہ کیا تو عبدالرحمٰن اور بوڑھے مجاہد نے کہا کہ ہم اُنہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے اور نہ اُنہیں چھوڑنا درست ہے' اس لیے سب کو قتل کر دیا جائے۔

''لیکن اسلام میں قیدیوں کے ساتھ ایسے سلوک کی اجازت نہیں۔ ہم مقدمہ چلائے بغیر ان کو سزائے موت کیسے دے سکتے ہیں۔'' علی نے کہا۔

بوڑھا بولا: ''یہ مجاہدین کے ساتھ کوئی کم ظلم تو نہیں کرتے۔ یہ ظالم رُوسی تو مجاہدین کے ہاتھ پاؤں باندھ کر خونخوار کتوں کے آگے زندہ ڈال دیتے ہیں۔''

''اگر ظالم رُوسیوں کی طرح ہم بھی ظلم کرنے لگیں تو پھر اسلام اور کمیونزم میں کیا فرق رہ جائے گا؟ میرے خیال میں' ہم ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُنہیں کھلے میدان میں پھینک جاتے ہیں اور فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ انہیں بھوک سے تڑپا تڑپا کر مارتا ہے یا پھر اِنہیں نئی زندگی عطا کرتا ہے۔'' علی نے کہا۔ مجاہدین نے معمولی رد و کد کے بعد علی کی بات مان لی۔

علی اور اُس کے ساتھی تمام روسیوں کو کھلی جگہ پھینک کر خود آگے چل پڑے۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ دُشمن کے ہوائی جہاز آ دھمکے۔ علی اور اُس کے ساتھی فوراً اوٹ میں چھپ گئے۔

ہوا یہ کہ دُشمن کے جہازوں نے کھلے میدان میں پڑے ہوئے رُوسی فوجیوں کو مجاہدین سمجھ کر بمباری شروع کر دی۔ اتنی بمباری ہوئی کہ ایک بھی رُوسی زندہ نہ بچ سکا۔

جب جہاز واپس چلے گئے تو علی نے دو مجاہدین کو بھیجا کہ جا کر پتا کر کے آؤ' رُوسیوں کا کیا بنا۔ تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے واپس آ کر بتایا کہ تمام رُوسی مر چکے ہیں اور لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دُور

دُور تک بکھری پڑی ہیں۔ یہ سن کر علی نے کہا: ''اللہ کا انتقام بڑا سخت ہوتا ہے۔ شاید ہم اُنہیں اس اذیت سے نہ مار سکتے جس طرح اُن کے اپنے ساتھیوں نے بمباری کر کے مارا اور وہ سزا اس موت سے ہزاروں گنا زیادہ خوفناک ہوگی جو یہ لوگ اب دوزخ میں جا کر بھگتیں گے۔ وہاں اُنہیں فرشتے بھی نظر آ جائیں گے اور خدا کی طاقت کا بھی اندازہ ہو جائیگا۔''

سب مجاہدین نے ایک دفعہ پھر اللہ کی مدد پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اس واقعے نے نہ صرف مجاہدین کے اللہ تعالیٰ پر یقین کو مستحکم کیا بلکہ اُن کے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو بھی اور بڑھایا۔

مرکز سے چلے ہوئے یہ آٹھواں دن تھا۔ مجاہدین پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ وادی میں سے گزر رہے تھے۔ یہ مجاہدین کے زیرِ قبضہ علاقہ تھا اس لیے بے فکر ہو کر چلے جا رہے تھے کہ پہاڑی کی ایک چھوٹی سی گھاٹی میں درختوں کے گھنے جھنڈ میں سے آواز آئی: ''بھائیو! ٹھہر جاؤ۔'' علی اور اُس کے ساتھیوں نے جو مڑ کر دیکھا تو دو افراد اُنہیں رُکنے کا کہہ رہے تھے۔ علی اور اُس کے ساتھی رک گئے۔

وہ دونوں افراد اُن کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے کمانڈر صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ سوال وجواب کے بعد جب علی کو یقین ہو گیا کہ یہ مجاہدین ہی کے ساتھی ہیں تو وہ اُن کے ساتھ چل پڑے۔

تنگ گھاٹی میں درختوں کی چھاؤں میں بیس کے قریب مجاہدین اپنی چادریں زمین پر بچھائے' کچھ بیٹھے اور کچھ لیٹے' آرام کر رہے تھے۔ اُنہوں نے جونہی علی اور اُس کے ساتھیوں کو دیکھا' سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے علی اور اُس کے ساتھیوں کا گلے مل کر استقبال کیا' پھر باہمی تعارف ہوا۔

مجاہدین کے اس گروپ کے قائم مقام کمانڈر محمود خان نے علی کو بتایا کہ آگے راستہ بند ہے اور اس راستے کی حفاظت کیلئے مجاہدین نے جو مرکز قائم کر رکھا تھا اُس پر کل دُشمن نے قبضہ کر لیا تھا۔

علی نے کہا: ''مگر مرکز پر دُشمن کا اچانک قبضہ کیسے ہو گیا؟ ہمیں راستے میں مجاہدین کا ایک قافلہ ملا تھا جو تین دن پہلے اسی علاقے سے گزر کر گیا ہے۔''

محمود خان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: ''تین دن پہلے یہ مرکز ہمارے قبضے میں تھا اور مجاہدین کے جس قافلے کا آپ نے ذکر کیا ہے' وہ تین دن پہلے صبح ہمارے ہی مرکز سے ناشتا کر کے روانہ ہوا تھا۔ اُن کے جانے کے کئی گھنٹے بعد نمازِ عصر کے وقت اچانک دُشمن کے کئی طیارے آ گئے اور اُنہوں نے تباہ کن بمباری شروع کر دی۔ پہاڑ پر ہماری تین پوسٹیں تھیں اور ایک پوسٹ دُوسری طرف نیچے اُمن کوہ میں تھی جس میں ہمارے کمانڈر صاحب رہتے تھے۔ ایک سو مجاہدین اس مرکز پر موجود تھے' پچیس نیچے اور پچھتر پہاڑ کے اُوپر۔

''پہاڑ پر اولوں کی طرح رُوسیوں کے بم گر رہے تھے۔ ہماری طرف سے تین طیارہ شکن توپیں

بھی بارود اُگل رہی تھیں۔ جہاز اُونچائی پر تھے پھر بھی ہم نے جلد ہی ایک طیارہ گرالیا۔ طیارے گئے تو ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے جو تباہ کن شیلنگ کرنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم نے دُشمن کے تین ہیلی کاپٹر گرالیے۔ ہمارے کئی مجاہدین شہید اور زخمی ہو چکے تھے۔ بموں اور راکٹوں کی بارش میں بھی ڈٹے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

''دھماکے سے پھٹنے والے بموں کی بارش تو رُک گئی مگر دُشمن نے آخری دفعہ ایسے بم پھینکے ہمارے لیے سانس لینا مشکل ہوگیا۔ میں نے پہاڑ کے دامن میں واقع پوسٹ پر اپنے کمانڈر شیر دل خان سے رابطہ کیا اور اُنہیں تمام صورتِ حال بتائی۔ اُنہوں نے فوراً پسپائی کا حکم دیا۔ زہریلی گیس والے بموں سے بے شمار مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔

''ہم نے زخمیوں کو سنبھالا اور اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔ ابھی ہم پہاڑ کی نصف اترائی تک آئے تھے کہ دُشمن کے ہیلی کاپٹروں کی آواز پھر سنائی دی۔ اُنہوں نے کوئی بمباری نہ کی۔ میرا خیال ہے کہ ان ہیلی کاپٹروں سے کمانڈوز اتارے گئے۔ ہم پچیس مجاہدین کے علاوہ صرف دس زخمی بچے اور یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ زخمیوں کو ہم نے پانچ مجاہدین کے ساتھ پیچھے ہیڈ کوارٹر بھیج دیا ہے اور ہم پچھلے دو دن سے بغیر کچھ کھائے پڑے ہیں۔ ہم انتظار کر رہے تھے کہ ہمارے مرکز سے کب مدد آتی ہے۔''

کمانڈر محمود خان نے بات ختم کی تو علی نے پوچھا: ''کمانڈر شیر دل خان اور اُن کے ساتھی مجاہدین کا کیا بنا؟''

''کچھ معلوم نہیں'' محمود خان نے بتایا۔

علی نے کمانڈر محمود خان سے کہا کہ پہلے ہم آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں' باقی باتیں پھر ہوں گی۔ علی کے پاس سامان خورد و نوش کافی مقدار میں موجود تھا۔

سب مجاہدین نے مل کر کھانا تیار کیا۔ کھانا کھا چکے تو علی نے محمود خان سے پوچھا کہ اب بتائیں پہاڑ کے دُوسری طرف مجاہدین کے کتنے مورچے تھے اور اُن کے پاس کیسے ہتھیار تھے۔

محمود خان نے بتایا کہ کمانڈر شیر دل سمیت پچیس مجاہدین وہاں موجود تھے۔ دو غار پہاڑ کے اندر کھودے گئے تھے۔ ایک خیمہ بھی تھا۔ کلاشنکوفوں کے علاوہ صرف ایک مارٹر توپ اور ایک راکٹ لانچر مجاہدین کے پاس تھا۔

علی نے مزید پوچھا کہ ہیڈ کوارٹر سے امداد کب تک پہنچے گی تو محمود خان نے بتایا کہ اب تک امداد آ جانی چاہیے تھی۔ معلوم نہیں دیر کیوں ہو رہی ہے۔

علی خاصی دیر سوچتا رہا پھر بولا: ''آپ کو یہاں فارغ نہیں بیٹھنا چاہیے اور دُشمن سے مرکز واپس لینے کا پروگرام بنانا چاہیے۔ ممکن ہے ہیڈ کوارٹر میں ادھر آنے کے لیے مجاہدین ہی نہ ہوں۔ اگر آپ نے جوابی حملہ کرنے میں دیر کی تو دُشمن کو پہاڑ پر مضبوط مورچے بنانے کے لیے وقت مل جائے گا اور پھر اُس پر مجاہدین کا دوبارہ قبضہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ ممکن ہے شام تک آپ کے لیے ہیڈ کوارٹر سے بھی مدد آ جائے۔ اتنی دیر میں آپ کو حملہ کرنے کی منصوبہ بندی مکمل کر لینی چاہیے۔ میرے تمام ساتھی بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔''

تمام مجاہدین نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے علی کو اس حملے کے لیے اپنا کمانڈر تسلیم کر لیا۔ علی نے عبدالرحمٰن' محمود خان اور دُوسرے دو مجاہدین کو اپنے ساتھ لیا اور دُشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ لینے چل پڑا۔ وہ رینگتے ہوئے اور درختوں میں چھپتے ہوئے دُشمن کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک اُونچی جگہ درختوں کے جھنڈ میں وہ رُک کر حالات کا جائزہ لینے لگے۔ علی نے دُوربین لگا کر دیکھا۔ پہاڑ کے اُوپر دُشمن نے پانچ چوکیاں قائم کر لی تھیں۔ علی نے دُشمن کی پوزیشنوں کا ایک کاغذ پر نقشہ بنایا اور ذہن میں اُٹھنے والے سوالات محمود خان سے پوچھے کیونکہ وہی اس علاقے کو صحیح طور پر جانتا تھا۔ جب پہاڑ کا جائزہ مکمل ہو گیا تو علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کے دُوسری طرف کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ اُنہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ پہاڑ پر دُشمن کے فوجی مسلسل گشت کر رہے تھے۔ بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے پہاڑ کے دُوسری طرف کا مکمل جائزہ لے سکتے تھے۔

علی نے دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں کئی خیمے لگے ہوئے ہیں اور بے شمار گاڑیاں اور ٹینک کھڑے ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ دُشمن نے یہاں بھی قبضہ کر لیا ہے۔ شیر دل خان اور اُس کے ساتھی یا تو گرفتار کر لیے گئے ہیں یا پھر لڑتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں۔ علی نے اس جگہ کا نقشہ محمود خان کے مشورہ سے مکمل کیا اور پھر وہ واپس آ گئے۔

علی' عبدالرحمٰن اور محمود خان اپنے سامنے نقشہ پھیلائے تمام صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ غور و خوض کے بعد علی نے کہا: ''اگر ہمیں ہیڈ کوارٹر سے مدد مل جائے تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا لیکن اگر کسی وجہ سے ہیڈ کوارٹر سے مدد نہیں مل پاتی تو پھر بھی حملہ آج رات ہی ہونا چاہیے کیونکہ دُشمن اپنے مورچے مضبوط کرنے میں مصروف ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مورچوں کو مضبوط اور محفوظ بنا لے ہمیں حملہ کر کے اُن پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ دُشمن کے فوجیوں کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ ہماری تعداد بہت قلیل ہے اس کے باوجود میرے خیال میں دُشمن کو شکست دی جا سکتی ہے۔''

محمود خان، علی کی بات سے اتفاق نہیں کر رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ حملے کے لیے کم از کم دو سو مجاہدین ہونے چاہئیں اور ہماری تعداد صرف اکتیس ہے، اس لیے ہمیں ہیڈکوارٹر سے آنے والے مجاہدین کا انتظار کرنا چاہئے۔ علی اور عبدالرحمٰن کے دلائل ایسے تھے کہ محمود خان کو اُن کی بات ماننا پڑی۔ علی نے محمود خان سے کہا کہ شام تک زیادہ سے زیادہ ٹائر، پھٹے پرانے کپڑے اور مٹی کا تیل اکٹھا کر لیا جائے۔

شام تک یہ سارا سامان اکٹھا ہو چکا تھا۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ وہ نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد فوراً سو جائیں کیونکہ حملہ سحری کے وقت کیا جائے گا۔ اُس وقت دُشمن کی زیادہ تعداد سوئی ہوئی ہوگی اور اگر ہم پہرے داروں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کام آسان ہو جائے گا۔

سب مجاہدین سو چکے تھے، مگر علی، عبدالرحمٰن اور محمود خان جاگ رہے تھے اور حملہ کرنے کے بعد پیش آنے والی ہر ممکنہ صورت پر بحث کر رہے تھے۔ علی نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم کسی طرح آج کسی پہرے دار کو اغوا کر لیں تو اُس سے نہ صرف ہمیں دُشمن کے بارے میں مزید معلومات مل جائیں گی بلکہ آج کے ''شب نام اور جواب شب نام'' کا بھی پتا چل جائے گا، جن کے حوالے سے ہم دُشمن کے مورچوں میں بآسانی داخل ہو جائیں گے۔

(شب نام یعنی رات کے نام اور جواب شب نام خفیہ کوڈ/ پیغام ہوتے ہیں جو ہر رات بدل دیے جاتے ہیں تاکہ دُشمن اگر کسی طرح بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں مرکز میں گھسنے کی کوشش کرے تو پہرے دار اُسے آسانی سے پکڑ سکیں کیونکہ شب نام اور جواب شب نام کا پتا صرف اپنے آدمیوں کو ہوتا ہے تاکہ اگر وہ کسی ضرورت کے تحت رات کو مورچے سے باہر نکلیں تو پہرے دار کو اپنی شناخت کرا سکیں۔)

''کسی پہرے دار کو اغوا کرنا زیادہ مشکل تو نہیں مگر اس سے دُشمن قبل از وقت چوکنا بھی ہو سکتا ہے۔'' محمود نے کہا۔

''لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چند مجاہدین ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے چلے جائیں اور کسی پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کریں۔'' علی نے متبادل تجویز پیش کی۔

محمود خان بولا: ''یہ تجویز قابلِ غور ہے۔ سحری کے وقت پہرے دار ویسے بھی اتنے چوکنے نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں شمال کی جانب والے پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کی جائے جو ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے اور اُس کے اگلی طرف کوئی چوکی بھی نہیں ہے جہاں سے فوری طور پر کوئی اس کی مدد کو پہنچ سکے۔

جب تمام باتوں پر اتفاق ہو گیا تو علی، عبدالرحمٰن اور محمود خان بھی سو گئے۔ رات کے تین بجے

سب مجاہدین کو جگا دیا گیا۔ علی نے سب مجاہدین سے کہا کہ وہ وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کریں اور اللہ سے مدد کی خصوصی دُعا مانگیں۔

نمازِ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد علی نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا اور اُن سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''دوستو! ہم تھوڑی دیر بعد دُشمن سے اپنا مرکز واپس لینے کے لیے حملہ کرنے والے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دُشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ جدید اسلحے سے لیس ہے لیکن دوستو! اللہ نے اکثر قلیل گروہ کے ہاتھوں کثیر تعداد رکھنے والے گروہ کو شکست سے دوچار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فتح و شکست کا انحصار اسلحہ اور افراد کی تعداد پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فتح صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے''۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں ذلیل کرے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے''۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''غم نہ کھاؤ اور پریشان نہ ہو، تم ہی سربلند رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔''

''دوستو! ہم خالص اللہ کے لیے یہ جہاد کر رہے ہیں اور ہم میں سے کسی کے دل میں رتی برابر بھی مالِ غنیمت کا لالچ نہیں۔ اس لیے اللہ یقیناً ہماری مدد کرے گا اور ہماری مدد کے لیے آسمانوں سے اُسی طرح فرشتے بھیجے گا جس طرح پہلے مجاہدین کی مدد کے لیے بھیجتا رہا ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ اللہ کی مدد اسی صورت میں آئے گی اگر تم لوگ ثابت قدم رہے۔''

اس کے بعد علی نے دعا کی: ''اے اللہ! تو مجاہدین کو ان کے مقاصد میں کامیابی عطا فرما۔ تو ان کا حامی اور مددگار بن اور مجاہدین کے دشمنوں کی چالوں کو انہی کی طرف الٹا دے اور ان کو ذلیل و رسوا کر۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ان کا تیرے سوا کوئی نہیں تو تو ہی ان کے لئے کافی ہو جا اور اپنا وعدہ پورا کر جو قرآن مجید میں ان کے ساتھ کیا ہے کہ ''مومنین کی مدد ہم یقیناً کریں گے۔''

دُعا کے بعد علی نے مجاہدین کے چھ گروپ بنائے۔ پہلے گروپ میں دس مجاہدین رکھے۔ اُن کے ذمہ پہاڑ کے دامن میں جا کر پوزیشنیں سنبھالنا تھیں۔ اُنہیں ٹائروں کے گرد کپڑے لپیٹ کر اور تیل میں بھگو کر اشارہ ملتے ہی فوراً پہاڑ پر پہنچنا تھا۔

باقی مجاہدین کو چار چار کے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر گروہ کا ایک امیر مقرر کیا گیا۔ نقشے کی مدد سے دُشمن کی تمام پوزیشنیں سمجھانے کے بعد علی نے کہا کہ چار کے گروپ میں سے دو مجاہد دائیں ہاتھ فائرنگ کریں گے اور دو بائیں ہاتھ۔ اس طرح ہر چوکی پر دو طرف سے حملہ ہوگا اور ہر گروہ دو دو میں تقسیم ہو جائے گا اور دو افراد کا ہر گروہ دوسرے دو مجاہدین سے مل کر دوبارہ چار کا گروہ بن جائے گا۔

اس طرح دُشمن ہماری تعداد کا اندازہ نہ لگا پائے گا۔ تھوڑے ہونے کے باوجود ہمیں دُشمن کثیر سمجھے گا۔
ان ہدایات کے بعد سب مجاہدین نے اپنا اپنا سامان لیا اور حملہ کرنے چل پڑے۔

پہاڑ کے دامن میں جا کر علی نے تمام مجاہدین کو بٹھا لیا اور محمود خان کے گروپ کو بھیجا کہ وہ پہرے دار کو اغوا کرنے کی کوشش کرے، اگر وہ ناکام ہو جائے تو وہیں سے مخصوص پرندے کی آواز میں آگاہ کر دے تاکہ ہم حملہ شروع کر دیں۔

محمود خان اپنے گروہ کو لے کر چلا گیا اور علی مجاہدین کو ایک دفعہ پھر اُن کی پوزیشنیں سمجھانے لگا۔

پون گھنٹے بعد محمود خان اور اُس کے ساتھی واپس آ گئے۔ محمود خان نے بتایا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب لوٹے ہیں۔ پہرے دار کو اغوا کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے بعد ٹھکانے لگا دیا ہے۔ پہریدار کی معلومات کے مطابق دُشمن کی تعداد پہاڑ کے اُوپر سو سے کم ہے اور پہاڑ کے دُوسری طرف بھی ساٹھ سے زیادہ نہیں۔ پہرے دار نے آج کے شب نام کچھ اس طرح بتائے ہیں: ''پہرے دار کسی دُوسرے فرد کو دیکھ کر 'دریش' کہے گا جس کا مطلب ہو گا 'رُک جاؤ'۔ اس کے بعد وہ پوچھے گا:

''شب نام'' آنے والا فرد شب نام کے جواب میں ''مورس'' بولے گا اور پہرے دار سے جواب شب نام پوچھے گا۔ آج کا جواب شب نام ''کلاشنکوف'' ہے۔ پہاڑ کے اوپر زیادہ تر افغان فوجی ہیں جبکہ پہاڑ کی دُوسری طرف نیچے زیادہ تر رُوسی ہیں۔ شیر دل خان کے ساتھی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں اور زندہ بچنے والوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ گرفتار اور شہید ہونے والوں کی صحیح تعداد پہرے دار کو بھی معلوم نہ تھی۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ مجاہدین کے ہاتھوں رُوسی بھی خاصی تعداد میں مرے ہیں۔

علی نے سب مجاہدین سے کہا کہ شب نام اور جواب شب نام اچھی طرح یاد کر لو۔ ہتھیار کسی صورت نیچے نہیں پھینکنے اور کلاشنکوف کو ان لاک رکھنا ہے۔ جب پہرے دار 'دریش' کہے گا تو آپ کلاشنکوف نیچے کر لیں گے مگر زمین پر نہیں رکھیں گے تاکہ بوقت ضرورت چلانے کے لیے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہو۔ سب سے پہلے پہریدار کو خنجر سے اس طرح ٹھکانے لگائیں کہ کوئی چیخ نہ نکلے اور شور نہ ہو تاکہ سوئے ہوئے بیدار نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آرام گاہوں میں گھس کر اسلحہ پر قبضہ کر لیں اور بعد میں سب کو بھون ڈالیں۔ اب آگے بڑھنے کے لیے دو اطراف میں فائرنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالفرض پہرے دار کی دی ہوئی معلومات غلط نکلیں تو بھی کام اس قدر صفائی سے ہونا چاہئے کہ دُشمن کو ہمارے حملے کا اُس وقت پتا چلے جب موت اُس کی شہ رگ تک پہنچ چکی ہو۔

ٹائروں والے مجاہدین سے علی نے کہا کہ جونہی میری طرف سے سیٹی کی آواز آئے، ٹائر فوراً

لے کر اوپر آ جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنا آپریشن زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں مکمل کر لیں گے۔ اتنی دیر میں تم لوگ ٹائروں کے اُوپر کپڑے لپیٹ کر اُنہیں مٹی کے تیل میں بھگو لینا۔

علی کی ہدایات جونہی ختم ہوئیں تمام گروہ اپنے اپنے نشانے کی طرف چل پڑے۔ پہرے دار کی بتائی ہوئی معلومات درست تھیں، اس لیے پہرے پر موجود افراد کو ٹھکانے لگانے میں دیر نہ لگی۔ مجاہدین دُشمن کی آرام گاہوں میں اس تیزی سے داخل ہوئے کہ دُشمن سنبھلتا تو کیا، اکثر فوجی نیند کی حالت ہی میں گولیاں کھا کر موت کی نیند سو گئے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام پوسٹوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا اور بہت زیادہ اسلحہ ہاتھ آیا۔

علی نے سیٹی بجا کر ٹائروں والے مجاہدین کو اُوپر آنے کی ہدایت دینے کے بعد سب کو مختلف جگہوں پر ہوشیار کر دیا تاکہ کسی طرف سے بھی اگر دُشمن حملہ آور ہو تو اُسے منہ کی کھانا پڑے۔ سب سے زیادہ خطرہ نیچے سے تھا جہاں رُوسی تعینات تھے۔ علی مسلسل نیچے نظر رکھے ہوئے تھا مگر حیرت انگیز طور پر اُدھر ابھی تک کسی قسم کی ہلچل نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اُنہوں نے گولیاں چلنے کی آواز نہ سنی ہو۔

تھوڑی دیر بعد نیچے سے مجاہدین ٹائر لے کر پہنچ گئے۔ کل بیس ٹائر تھے۔ پہاڑ پر درخت تھے اس لیے سب ٹائروں کا نیچے تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ اگر آدھے بھی پہنچ جاتے تو کام بن سکتا تھا۔ علی نے اللہ سے دُعا کی: ''اے اللہ! جس طرح تو نے پہلے ان ٹائروں کے ذریعے دُشمن کا ایک کانوائے تباہ کیا تھا، آج بھی تو دُشمن کے اس کانوائے کو ان ٹائروں سے تباہ کر دے۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں۔ ہتھیار بھی ہمارے پاس ناقص ہیں، لیکن تیرے بھروسے پر ہم نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے ہماری کامیابی تیری مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ یا اللہ! پہاڑ پر بہت زیادہ درخت اور جھاڑیاں ہیں لیکن تو آگ لگے ٹائروں کو تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود دُشمن کے خیموں اور گاڑیوں تک پہنچا سکتا ہے۔''

دُعا کے بعد علی اور دُوسرے مجاہدین نے آگ لگا کر ٹائروں کو نیچے پھینکنا شروع کر دیا۔ کچھ ٹائر تو راستے میں جھاڑیوں اور درختوں میں پھنس گئے جب کہ زیادہ تر ٹائر دُشمن کے خیموں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دُشمن کے خیمے اور گاڑیاں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں۔

نیچے ہر طرف تباہی مچی ہوئی تھی اور اُوپر پہاڑ پر ایک مجاہد صبح کی اذان دے رہا تھا۔ مجاہدین نے بغیر کسی نقصان کے پہاڑ پر قبضہ کر لیا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد مجاہدین نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے

اُنہیں اتنی آسانی سے اس فتح سے نوازا۔ دُشمن کی آرام گاہوں سے خاصی مقدار میں سامان خورد ونوش بھی ملا۔ نماز کے بعد علی نے تمام مجاہدین سے کہا کہ آپ لوگ ناشتہ کر کے تھوڑی دیر کے لیے آرام کریں۔ یہیں نیچے ہم تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد چلیں گے۔ علی نے کچھ مجاہدین کو مختلف جگہوں پر پہرے کیلئے بیٹھا دیا۔

سورج خاصا اُوپر چڑھ آیا تھا۔ علی سب مجاہدین کو اپنے پاس بلا کر نیچے جانے کے لیے ہدایات دے رہا تھا کہ اچانک دُشمن کے طیارے آدھمکے اور بمباری شروع کر دی۔ محمود خان نے علی کو بتایا کہ دائیں طرف دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غار ہے، وہاں جا کر پناہ لی جائے، چنانچہ مجاہدین پتھروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے غار کے اندر پہنچ گئے۔ دو مجاہد بمباری سے زخمی بھی ہو گئے تھے۔

رُوسی جہاز بمباری کر کے واپس چلے گئے۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ دُشمن کے فوجیوں کی لاشوں کو ایسی پوزیشنوں میں رکھو کہ دُشمن اُنہیں مجاہدین سمجھ کر اُن پر بمباری کرتا رہے۔ مجاہدین نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر بعد رُوسی جہاز ایک دفعہ پھر بمباری کرنے آ گئے۔ دس بج چکے تھے مگر جہاز ابھی تک مسلسل بمباری کر رہے تھے۔ مجاہدین غار میں محفوظ تھے۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہیلی کاپٹر بہت نیچی پرواز کرتے ہوئے شیلنگ کرنے لگے۔ وہ اتنی نیچے پرواز کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے راکٹ لانچر سے نشانہ لے کر ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔

(راکٹ لانچر بنیادی طور پر ایک ٹینک شکن ہتھیار ہے اور اس کی مار پانچ سو میٹر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مجاہدین نے شروع شروع میں طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو ڈرانے کے لیے اس ہتھیار کا استعمال شروع کیا، کیونکہ اس سے نکلنے والا راکٹ فضا میں میزائل کی طرح نظر آتا ہے لیکن اللہ نے اُسے ہیلی کاپٹروں کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار بنا دیا۔)

رُوسی ہیلی کاپٹروں نے غار کے منہ کے سامنے کئی بم پھینکے۔ یہ بم کیا تھے، بس دُھواں ہی دُھواں تھا جو غار کے اندر گھس آیا تھا۔ جونہی زہریلا دُھواں اندر داخل ہوا، کئی مجاہد زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

عبدالرحمٰن فوراً زمین پر لیٹ گیا اور اُس نے مجاہدین سے کہا: ''فوراً زمین پر لیٹ جاؤ۔ اپنا منہ اور ناک زمین کے قریب رکھو، یہ انتہائی زہریلی گیس ہے۔ جو مجاہد ذرہ بھر اُوپر اُٹھے گا، وہ لمحوں میں شہید ہو جائے گا۔''

اس دوران میں زہریلی گیس سے دو مجاہد شہید ہو گئے۔ اُن میں وہ بوڑھا مجاہد بھی تھا جو راستے میں علی سے ملا تھا۔

علی نے لیٹے لیٹے عبدالرحمٰن سے کہا کہ ہمیں غار کے منہ پر جا کر لیٹنا چاہیے تا کہ باہر دُشمن پر نظر

رکھ سکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دُشمن اپنے کمانڈوز اُتار دے اور وہ ہمیں اچانک آ دبوچیں۔ عبدالرحمٰن نے علی سے اتفاق کیا، چنانچہ وہ دونوں اور چار اور مجاہد رینگتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے۔

علی کا شک درست نکلا۔ علی نے نظریں اُٹھا کر غار کے باہر جھانکا تو دُشمن کا ایک ہیلی کاپٹر کمانڈوز اُتار رہا تھا۔ علی نے دُوسرے ساتھیوں کو بتایا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہیلی کاپٹر کو جا لینے دیں۔ کمانڈوز جونہی غار کی طرف آئیں تو سب ایک ساتھ کلاشنکوفیں چلائیں۔ دُشمن کو یقین ہے کہ گیس سے سب مجاہدین موت کی نیند سو چکے ہوں گے۔

محمود خان نے بتایا کہ پہلے بھی ایسی ہی گیس ہم پر پھینکی گئی تھی اور اُس گیس نے دیکھتے ہی دیکھتے کئی مجاہدین کو شہید کر دیا تھا اور ہم جو بچنے میں کامیاب ہوئے، وہ بھی اللہ کی مدد تھی کہ ہوا مخالف سمت میں چل رہی تھی لیکن اس کے باوجود گیس نے ہمیں بہت پریشان کیا اور اب تو یہ غار کے اندر بھری پڑی ہے۔

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ یہ گیس زمین سے ایک فٹ اُوپر اثر کرتی ہے۔ آدمی نیچے کی طرف منہ کر کے لیٹا رہے تو اُسے کچھ نہیں ہوتا، لیکن جونہی وہ کھڑا ہو گا، یہ لمحوں میں اُسے مار ڈالے گی۔

علی دُوربین لگائے کمانڈوز کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ وہ ہیلمٹ اور گیس ماسک پہنے ہوئے تھے۔ اُن کی تعداد سولہ تھی۔ وہ سیدھے غار کی طرف چلے آ رہے تھے۔ جونہی وہ قریب آئے، علی اور دُوسرے مجاہدین کی کلاشنکوفوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یا تو وہ مر گئے یا زخمی ہو کر نیچے گر پڑے۔

علی نے دُوربین عبدالرحمٰن کو دیتے ہوئے کہا کہ مجاہدین اور زخمی کمانڈوز پر نظر رکھو، میں اور دُوسرے دو مجاہد رینگتے ہوئے جاتے ہیں اور اُن کے ہیلمٹ اور گیس ماسک اُتار کر لے آتے ہیں۔ اگر کوئی زخمی کمانڈو ہم پر گولی چلانے کی کوشش کرے تو اُس کے گولی چلانے سے پہلے ہی تم اُس پر گولی چلا دینا۔

علی، محمود خان اور ایک اور مجاہد منہ زمین سے لگائے ہوئے کمانڈوز کی طرف رینگنے لگے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے بعد وہ آنکھیں اُٹھا کر دیکھ لیتے۔ کمانڈوز کے پاس پہنچنے کے بعد مجاہدین نے لیٹے لیٹے ہی اُن کے گیس ماسک اُتارے اور خود پہن لیے۔ گیس ماسک پہننے کے بعد علی نے اُٹھ کر اردگرد کا جائزہ لیا اور باقی کمانڈوز کے ہیلمٹ اور گیس ماسک بھی اُتار لیے۔ اس کے ساتھ ہی دُشمن کے زخمی کمانڈوز بھی لمحوں میں موت کی وادی میں پہنچ گئے۔

بارہ گیس ماسک صحیح حالت میں مل گئے تھے جو علی نے مجاہدین کو پہنا دیئے۔ اُس نے باقی مجاہدین کو لیٹے رہنے کی ہدایت کی اور اُن بارہ مجاہدین کو لے کر باہر آ گیا۔ وہ چھ چھ کے گروپوں میں مختلف جگہوں پر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

علی اور اُس کے ساتھیوں کو جھاڑیوں میں بیٹھے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اکٹھے چار ہیلی کاپٹر آ گئے اور اُن سے کمانڈوز اُترنے لگے۔ مجاہدین نے دونوں طرف سے رُوسی ہیلی کاپٹروں پر راکٹ لانچر سے حملہ کیا اور کمانڈوز پر کلاشنکوفوں سے آگ برسنے لگی۔ دو ہیلی کاپٹر تباہ ہوئے اور دو واپس جانے میں کامیاب ہو گئے۔ کمانڈوز میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ خاصی تعداد مین زخمی ہوئے اور باقی نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

علی پانچ مجاہدین کو ساتھ لیے آگے بڑھا اور مردہ کمانڈوز کے گیس ماسک اور ہیلمٹ اُتار کر غار کے اندر مجاہدین کے پاس بھیجے۔ سب مجاہدین گیس ماسک پہن کر باہر آ گئے اور باقی کمانڈوز کے بھی گیس ماسک اُتارنے لگے۔ زندہ کمانڈوز ہاتھ جوڑنے لگے مگر علی نے کہا کہ تم لوگوں پر رحم کھانا باؤلے کتوں کو زندہ چھوڑنے کے برابر ہے۔ تم لوگ انتہائی کمینے دُشمن ہو' مجاہدین کو بے بس کر کے مارتے ہو اور ساتھ قہقہے لگاتے ہو۔ یہ گیس کے بم ہم نے نہیں پھینکے' تم ہی لوگوں کے پھینکے ہوئے ہیں۔ گیس ماسک اُترنے کے بعد وہ زمین پر لیٹنے لگے تو علی نے مجاہدین سے کہا کہ اُنہیں کھڑے رکھو تا کہ اُنہیں بھی پتا چلے کہ دوسرے انسان گیس سے کس طرح مرتے ہیں۔

چند منٹوں میں سارے کمانڈوز خون کی اُلٹیاں کرتے کرتے ہلاک ہو گئے۔ کمانڈوز کی وردیاں اتار لی گئیں اور اسلحہ اکٹھا کر کے غار کے اندر رکھ دیا گیا۔

علی مجاہدین کو غار سے کافی دور ایک جگہ لے گیا۔ یہاں درخت خاصے گھنے تھے۔ علی نے لیٹ کر ماسک اُتارا اور آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھ کر گیس کو سونگھنے لگا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ اس جگہ گیس نہیں ہے تو اُس نے ماسک اُتار دیا۔ اُس کی دیکھا دیکھی دُوسرے مجاہدین نے بھی ماسک اتار دیئے۔

علی نے مجاہدین سے کہا: ''میرا خیال ہے کہ دُشمن مزید کمانڈوز یہاں بھیجنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ہوائی جہازوں سے بمباری کر سکتا ہے۔ گیس ماسکوں نے زہریلی گیس کے بم بھی ہمارے لیے ناکارہ بنا دیئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دس مجاہدین اوپر رہیں تا کہ اگر ہیلی کاپٹر کمانڈوز لے کر آئیں تو اُنہیں اُترتے ہی ختم کر سکیں۔ باقی مجاہدین نیچے چلیں۔''

نیچے جانے کے لیے علی نے اٹھارہ مجاہدین کو تین مختلف گروپوں میں تقسیم کیا اور اُنہیں مختلف راستوں سے نیچے جانے کی ہدایت کی تا کہ اگر ایک گروپ کسی وجہ سے دُشمن کے گھیرے میں آ جائے تو باقی اُس کی مدد کر سکیں۔

مجاہدین جب نیچے پہنچے تو رُوسیوں کو مقابلے کے لیے تیار پایا۔ علی کی منصوبہ بندی ایسی تھی کہ رُوسی فوجی مجاہدین کی تعداد کا اندازہ نہ لگا سکے۔ مجاہدین کے تین گروپ تین مختلف جگہوں اور سمتوں

سے رُوسیوں پر فائرنگ کرتے ہوئے اور درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ رُوسی آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف پسپا ہونے لگے۔ علی نے عبدالرحمٰن کو مجاہدین کے دُوسرے گروپوں کے پاس بھیجا کہ اُنہیں جا کر بتا دو کہ میں دُشمن کی پسپائی کا راستہ بند کرنے پہاڑ کی دُوسری طرف چکر کاٹ کر جا رہا ہوں' تم دُشمن پر اپنا دباؤ مزید بڑھا دو۔

علی اور اُس کے ساتھیوں نے اُس راستے پر قبضہ کر لیا جدھر سے رُوسی بھاگ کر جا سکتے تھے۔ پسپا ہوتے ہوئے رُوسی جب اس جگہ پہنچے تو علی نے فائر کھول دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رُوسیوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ علی نے اُن کے ہاتھ پشت پر بندھوانے کے بعد محمود خان اور عبدالرحمٰن کو لڑائی بند کرنے کا اشارہ دیا۔

سب مجاہدین نیچے پہنچ گئے تھے۔ ابتدائی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ رُوسیوں کا ایک دستہ گرفتار مجاہدین کو لے کر دُوسرے راستے سے نکل گیا ہے۔ علی نے محمود خان سے کہا کہ مجاہدین کو لے جاؤ اور رُوسیوں کے اس دستے کو گرفتار کرنے اور گرفتار مجاہدین کو چھڑانے کی کوشش کرو۔

گرفتار رُوسیوں کی تعداد اٹھارہ تھی۔ علی نے اُنہیں غار کے اندر بند کر دیا اور ایک مسلح مجاہد کو اُن پر پہرے پر بٹھا دیا۔

علی مجاہدین کو لے کر دُوسرے غار میں داخل ہوا۔ جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ غار کے اندر بارودی سرنگیں نہیں ہیں تو غار کے اندر بیٹھ کر مجاہدین سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔

ابھی علی اور مجاہدین آپس میں صلاح مشورہ کر ہی رہے تھے کہ محمود خان گرفتار مجاہدین کو چھڑا کر لے آیا۔ اُس نے بتایا کہ رُوسی بھاگ گئے اور ہم اُنہیں گرفتار نہیں کر سکے۔

کمانڈر شیر دل خان زخمی تھا۔ اس کے علاوہ پانچ مجاہد اور زخمی تھے اور لڑائی کرتے ہوئے پندرہ مجاہد شہید ہو گئے تھے۔ زخمی مجاہدین کی فوراً مرہم پٹی کر دی گئی۔

شیر دل خان نے بتایا ''دُشمن نے ہم پر اس قدر اچانک حملہ کیا کہ ہم اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ محمود خان کو پیچھے ہٹ جانے کی اجازت دینے کے بعد خود ہم بھی یہاں سے باہر نکلنے کا سوچ رہے تھے کہ ہم تین طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ دو طرف سے کمانڈوز پہاڑوں پر اُتر کر ہمیں گھیرے میں لے رہے تھے اور تیسری طرف سے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں' مجاہدین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' مگر ہمارے پاس اسلحہ بہت تھوڑا تھا جو جلد ہی ختم ہو گیا اور ہم گرفتار کر لیے گئے۔

''میرا خیال تھا کہ محمود خان جوابی حملہ جلد ہی کر دے گا مگر دو دن تک جب حملہ نہ ہوا تو ہم مایوس ہو گئے۔ آج صبح جب گولیوں کی آوازیں سنی تو دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ جب آپ لوگوں نے تین اطراف

سے حملہ کر دیا تو رُوسی ہمیں یہاں سے نکال کر لے گئے مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ محمود خان مدد کو پہنچ گیا۔''

''رُوسی پہاڑ پر اپنے ساتھیوں کی مدد کو کیوں نہ پہنچے؟'' علی نے پوچھا تو شیر دل خان نے بتایا:
''پہاڑ کے اُوپر ایک تو زیادہ تر افغانی کمیونسٹ تھے' دوسرے اُوپر جا کر مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ اُنہوں نے وائرلیس پر چھاؤنی میں اطلاع کر دی اور چھاؤنی سے ہیلی کاپٹر اور جہاز آ گئے۔ ہاں اگر اُنہیں یہ پتا ہوتا کہ مجاہدین کی تعداد صرف اکتیس ہے تو وہ ضرور مقابلہ کرتے۔''

شیر دل خان اور علی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے آ کر شیر دل خان کو بتایا کہ ایک رُوسی نے مولانا عبدالودود کی کنپٹی پر کلاشنکوف رکھی ہوئی ہے' ڈرانے دھمکانے کے باوجود کلاشنکوف پرے نہیں کر رہا اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

شیر دل خان زخمی ہونے کے باوجود اُٹھ کر باہر آ گیا۔ علی اور محمود خان بھی ساتھ ہی باہر آئے۔ علی نے دیکھا کہ رُوسی سخت غصے میں ہے۔ شیر دل خان کو دیکھتے ہی اُس نے مولانا صاحب کو اس زور سے ٹھڈا مارا کہ مولانا گر پڑے۔ شیر دل خان نے غصے سے رُوسی سے کہا کہ کلاشنکوف پھینک دو۔ رُوسی نے کلاشنکوف فوراً پھینک دی مگر مولانا کو گریبان سے پکڑ کر شیر دل خان کے پاس لے آیا۔ وہ کچھ بولا بھی' مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مجاہدین اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر پرے لے گئے۔ وہ دُور جا کر بھی سخت غصے میں باتیں کرتا رہا مگر اُس کی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

مولانا نے اُٹھ کر شیر دل خان سے کہا: ''کمانڈر صاحب! اسے جلدی گولی مار دو ورنہ یہ آپ کو اور مجھے بھی قتل کر دے گا۔ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کو رُوسیوں کے خلاف میں نے بھڑکایا ہے اور اُس کے ساتھی میں نے مروائے ہیں۔ یہ اسلام اور (نعوذ باللہ) خدا کو بھی گالیاں دیتا ہے۔''

رُوسی نے شاید مولانا کی باتیں سمجھ لی تھیں' اس لیے وہ سخت غصے میں بولنے لگا اور ایسے محسوس ہوا کہ وہ واقعی مولانا کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے لیکن رُوسی زبان یہاں کوئی نہیں جانتا تھا' اس لیے اس کی باتیں کوئی بھی نہ سمجھ پایا۔

مولانا صاحب ایک دفعہ پھر بولے: ''کمانڈر صاحب! سنا آپ نے؟ یہ مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے' خدا کے لیے اسے فوراً گولی سے اڑا دو۔''

محمود خان نے بھی مولانا کی بات کی تائید کی۔ دُوسرے مجاہدین بھی رُوسی کو گولی مارنے کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ شیر دل خان نے مجاہدین کی بات مان کر کہا کہ اسے گولی مار دی جائے۔ مجاہدین نے اپنی کلاشنکوفیں سیدھی کر لیں۔ اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتے' علی نے شیر دل خان سے

کہا: ''اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ رُوسی کو صفائی کا موقع دیا جائے۔ دُوسرے آپ نے غور نہیں کیا کہ رُوسی اگر مولانا صاحب کو قتل کرنا چاہتا تو وہ اسے یہاں کیوں پکڑ کر لاتا' پھر کلاشنکوف اُس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ آپ کو بھی قتل کر سکتا تھا لیکن اُس نے آپ کے حکم پر کلاشنکوف نیچے پھینک دی۔ اس کا مطلب ہے کہ بات کچھ اور ہے۔''

علی نے جونہی بات ختم کی' مولانا فوراً بول پڑے: ''کمانڈر صاحب! اس کی (علی کی طرف اشارہ کر کے) بات مت مانئے۔ مجھے تو یہ بھی رُوسیوں کا ساتھی نظر آتا ہے۔ کیا کبھی رُوسیوں نے مجاہدین کو صفائی کا موقع دیا؟ رُوسی ظالم اور کافر ہیں اور کافروں کا قتل واجب ہے۔''

شیر دل خان مولانا کی بات پر مسکرایا اور مجاہدین سے کہا کہ کلاشنکوفیں پرے کر لو۔ پھر علی سے کہا: ''علی! تمہاری باتیں قابلِ غور ہیں مگر رُوسی زبان یہاں کوئی نہیں جانتا' ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ معاملہ کیا ہے؟''

اس سے پہلے کہ علی کوئی جواب دیتا مولانا بول پڑے: ''کمانڈر صاحب! آپ زہریلے سانپ کو زندہ چھوڑ رہے ہیں۔ میں عالم ہوں اور میں اس بچے (علی) سے اسلام کو زیادہ سمجھتا ہوں۔ ہر رُوسی فوجی مسلمانوں کا دُشمن ہے' اس کا قتل واجب ہے۔''

''مولانا صاحب! میں عالم نہیں ہوں مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کمانڈر صاحب کا حکم آ چکا ہے کہ رُوسی کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ کمانڈر صاحب کے حکم کی اطاعت بھی واجب ہے۔'' علی نے مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور پھر شیر دل کو بتایا کہ عبدالرحمٰن رُوسی ہے اور وہ رُوسی زبان بھی جانتا ہے۔ کمانڈر شیر دل خان نے ایک مجاہد کو بھیجا کہ وہ عبدالرحمٰن کو بلا لائے۔

عبدالرحمٰن نے دور سے رُوسی کو دیکھا اور اُسے پہچان لیا۔ وہ اُس کا سکول فیلو محمد اسلام تھا۔ محمد اسلام نے بھی عبدالرحمٰن کو پہچان لیا۔ وہ دوڑ کر عبدالرحمٰن سے بغل گیر ہو گیا۔ عبدالرحمٰن اور محمد اسلام کو بغل گیر ہوتے دیکھ کر مولانا صاحب چپ نہ رہ سکے اور بول پڑے: ''کمانڈر صاحب! دیکھ لیا' دونوں رُوسی ایک دُوسرے سے بغل گیر ہو کر مل رہے ہیں اور یہ میری بات کا ثبوت ہے کہ کافر کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا حکم ہے: ''کافروں کو دوست مت بناؤ۔'' اور اللہ تعالیٰ تو یہاں تک فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھنے والے ہوں اور تم میں جو کوئی اُنہیں دوست رکھے گا سو وہی ظالم ہوگا۔'' اس لیے کمانڈر صاحب! اگر عبدالرحمٰن مسلمان بھی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ رُوسیوں کا دوست ہے' رُوسی فوج کا سپاہی رہ چکا ہے اور رُوسی فوج کے سپاہی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے اُنہیں

اپنا دوست بنایا تو اللہ کے حکم کے مطابق ہم ظالموں میں شامل ہو جائیں گے۔''

مولانا کی بات سن کر علی کو سخت غصہ آ گیا۔ مولانا کو انتباہ کرتے ہوئے علی نے کہا: ''مولانا! اگر آپ نے مزید ایک لفظ بھی عبدالرحمٰن کے خلاف اپنی زبان سے نکالا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' علی کی یہ بات سنتے ہی علی کے ساتھیوں نے اپنی کلاشنکوفیں سیدھی کر لیں۔

''دیکھ لیا کمانڈر صاحب! (علی کی طرف اشارہ کر کے) میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ رُوسیوں کا ایجنٹ ہے۔''

مولانا نے جونہی علی کے خلاف یہ بات کی' شیر دل خان کو بھی غصہ آ گیا۔ اُس نے مولانا سے کہا: ''مولانا! تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو اور مجاہدین کے خلاف اپنی زبان بند رکھو اور ہمیں مسئلے کی تہہ تک پہنچنے دو۔''

مولانا غصے میں یہ کہہ کر چل پڑے کہ جب آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی تو پھر میں یہاں مزید ایک منٹ بھی نہیں ٹھہروں گا۔

محمد اسلام نے عبدالرحمٰن سے کچھ کہا تو عبدالرحمٰن نے شیر دل خان سے کہا کہ محمد اسلام کہتا ہے کہ مولانا کو گرفتار کر لیا جائے کیونکہ یہ رُوسیوں کا جاسوس ہے۔

شیر دل خان نے مولانا کو رُکنے کے لیے آواز دی تو مولانا رُکنے کے بجائے دوڑ پڑے۔ علی نے وارننگ دی۔ ''مولانا صاحب! رُک جاؤ۔'' مگر مولانا پھر بھی نہ رُکے تو علی نے گولی چلا دی۔ گولی مولانا کی پنڈلی میں لگی اور مولانا گر پڑے۔ مجاہدین نے مولانا کو پکڑ لیا۔

بعد میں محمد اسلام نے عبدالرحمٰن کو مولانا عبدالودود کے بارے میں سب کچھ بتا دیا' جس کا فارسی میں ترجمہ کر کے عبدالرحمٰن نے مجاہدین کو بتایا کہ رُوسی فوجی کا نام محمد اسلام ہے۔ یہ کیمیکل انجینئر ہے اور مجاہدین کا مکمل حامی ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مولانا عبدالودود رُوسی فوج کا باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہے اور مجاہدین کی جاسوسی کرتا ہے۔ مولانا عبدالودود ہی نے مجاہد سمیع اللہ' اسد اللہ اور کمانڈر عبدالحکیم کو اغوا کر کے رُوسیوں کے حوالے کیا تھا اور رُوسیوں نے اُنہیں بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ اس مرکز کے تمام نقشے اور دیگر معلومات بھی اسی نے رُوسیوں کو فراہم کی تھیں۔ آج جب رُوسی فوجی بھاگے تو میں جان بوجھ کر رُوسی فوجیوں سے علیحدہ ہو گیا تا کہ مجاہدین سے جا کر مل سکوں۔ میں اِدھر آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے یہ مل گیا اور میں اسے پکڑ کر یہاں لے آیا۔ یہ بیسیوں مجاہدین کا قاتل ہے۔

شیر دل خان' علی اور دُوسرے سب مجاہدین کو مولانا کی اس ایمان فروشی کا سن کر بہت دُکھ ہوا۔ شیر دل خان کا غصے سے برا حال تھا۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ مولانا کی کم سے کم سزا بھی یہ ہے کہ اُسے

خونخوار کتوں کے آگے زندہ پھینک دیا جائے۔ دُوسرے مجاہدین بھی اُسے لعن طعن کر رہے تھے۔

شیر دل خان نے علی اور محمود خان سے مشورہ کرنے کے بعد اُسے فوراً گولی مارنے کا حکم دیتے ہوئے کہا: ''اے شیطان اور دولت کے پجاری! مسلمانوں کے ماتھے پر تم کلنک کا ٹیکہ ہو۔ ایک مولوی ہو کر تم نے جو مسلمانوں کے ساتھ ظلم کیا' یہ ہم سب کے لیے باعث شرم ہے۔ تمہیں اگر زندہ جلانے کی سزا بھی دی جائے تو وہ بھی کم ہے مگر اسلام ہمیں اذیت سے مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے اے ایمان فروش! تمہیں صرف سزائے موت دی جا رہی ہے اور یہ بھی سن لو کہ تمہاری لاش شہر کے چوراہے میں بجلی کے کھمبے سے لٹکا دی جائے گی تا کہ خلق خدا جان لے کہ تم مسلمانوں کے بھیس میں ایک ذلیل شیطان تھے۔''

مولانا عبدالودود کمانڈر شیر دل خان کے پاؤں پکڑ کر' گڑگڑا کر معافیاں مانگنے لگا۔ اپنے ننھے منے بچوں کے واسطے دینے لگا۔ شیر دل خان نے ٹھنڈے مارتے ہوئے کہا: ''میں کسی غدار کو معاف کر کے اپنا نام غداروں کی فہرست میں درج نہیں کرانا چاہتا۔ تم ایک سفاک قاتل ہو جس نے اسد اللہ' عبدالحکیم اور سمیع اللہ جیسے عظیم مجاہدوں کو قتل کروایا۔ اگر تم ہزار بار زندہ کر کے بار بار قتل کیے جاؤ تو تمہارے لیے یہ بھی سزا کم ہو گی۔ اصل سزا تو تم دوزخ میں بھگتو گے۔''

مولانا عبدالودود کو گولیاں مار کر جہنم رسید کر دیا گیا۔ چار مجاہدین کی ذمہ داری لگائی گئی کہ اُسے لے جا کر رات کو شہر کے چوراہے میں لٹکا آئیں تا کہ اسے دیکھ کر غدار عبرت پکڑیں۔

عصر کی نماز کے لیے جب علی اور اُس کے ساتھی سو کر اُٹھے تو اُنہوں نے مرکز میں سینکڑوں مجاہدین دیکھے۔ کمانڈر شیر دل خان نے علی کو بتایا کہ ہیڈ کوارٹر سے مجاہدین تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچے ہیں۔ ان مجاہدین میں ہماری اپنی جماعت کے علاوہ مجاہدین کی دُوسری جماعتوں کے مجاہدین بھی شامل ہیں۔ مرکز کو چھڑانے کے لیے سب جماعتوں نے اکٹھے ہو کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

نماز کے بعد کمانڈر شیر دل خان نے علی کا تعارف نئے آئے ہوئے مجاہدین سے کراتے ہوئے کہا کہ یہ ہے وہ نوجوان جس نے صرف اکتیس مجاہدین کے ساتھ نہ صرف دُشمن سے یہ مرکز چھڑایا بلکہ دُشمن کے سو سے زیادہ کمانڈوز کو بھی ہلاک کیا اور اٹھارہ کو زندہ گرفتار کیا ہے۔ اگر مجھے اس مرکز کو واپس لینے کے لیے کہا جاتا تو میں کم از کم پانچ سو مجاہدین کے بغیر حملہ نہ کرتا۔

نئے آنے والے مجاہدین کے کمانڈر نے کہا: ''اگر ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتے تو کبھی یقین نہ کرتے کہ یہ مرکز صرف اکتیس مجاہدین نے دوبارہ فتح کیا ہے۔ یقیناً یہ علی جیسے مجاہدین ہی ہیں جو دُشمن کو ہر محاذ پر ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ میں علی اور دُوسرے تمام مجاہدین کو اس فتح کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔''

علی نے جواباً کہا: ''میں کمانڈر شیر دل خان اور نئے آنے والے کمانڈر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ مرکز صرف میری وجہ سے فتح ہوا۔ اگر اللہ ہماری مدد نہ کرتا تو ہماری تمام منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی۔ یہ اللہ کی مدد اور میرے ساتھی مجاہدین میں جان پر کھیل جانے کا جذبہ تھا جس کی بدولت ہم سرخرو ہوئے' اس لیے ہم سب کو صرف اور صرف اللہ ہی کا شکر ادا کرنا چاہئے۔''

دُوسرے دن تمام شہداء کو دفنایا گیا اور قیدیوں کو پیچھے ہیڈکوارٹر بھیج دیا گیا جو مجاہدین شدید زخمی ہو گئے تھے' اُنہیں پشاور روانہ کر دیا گیا۔





علی اور اُس کے ساتھی دو دن تک اس مرکز پر رہے۔ تیسرے دن صبح کو علی نے کمانڈر شیر دل خان سے جانے کی اجازت مانگی۔ ابھی وہ یہاں سے جانے کی بات ہی کر رہے تھے کہ ایک مجاہد نے آ کر بتایا کہ رُوسی جہازوں کے ذریعے رات کو ہمارے مرکز کے اردگرد اور راستوں پر ان گنت پتھر کے ٹکڑوں کی شکل کی بارودی سرنگیں پھینک گئے ہیں اور صبح سے تین مجاہد ان بارودی سرنگوں سے زخمی بھی ہو چکے ہیں۔

''کیا مجاہدین نے جہازوں کو دیکھا نہیں تھا؟'' علی نے پوچھا تو آنے والے مجاہد نے بتایا:

''پہرے داروں نے دیکھا تو ضرور تھا مگر آپ جانتے ہیں کہ رات کو طیارہ شکن توپوں سے فائر کم ہی کیا جاتا ہے کیونکہ روشنی نکلنے کی وجہ سے توپوں کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ جب تک دُشمن بمباری نہ کرے' توپیں عموماً خاموش ہی رہتی ہیں۔''

مجاہدین نے مزید بتایا کہ یہ امبریلا مائنز یعنی چھتری والی بارودی سرنگیں ہیں جو جہاز سے گرائی جائیں تو زمین پر پھٹے بغیر گرتی ہیں۔

بارودی سرنگوں کا سن کر کمانڈر شیر دل خان نے علی سے کہا کہ اب کچھ دیر کے لیے اپنی روانگی ملتوی کر دیں۔ جونہی آپ کا راستہ صاف ہوا' آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔

علی' شیر دل خان' عبدالرحمٰن' محمد اسلام' محمود خان اور نئے آئے ہوئے کمانڈر نے اردگرد کے تمام پہاڑوں اور راستوں کا جائزہ لیا۔ ہر طرف ان گنت بارودی سرنگیں بکھری پڑی تھیں۔ پورے علاقے کو ان بارودی سرنگوں سے صاف کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ بعض بارودی سرنگیں بالکل پتھر کے ٹکڑوں کی طرح تھیں اور پتھروں کے درمیان پڑی ہوئی تھیں۔

یہ صورتحال دیکھ کر علی نے کہا: ''اتنی بڑی تعداد میں بارودی سرنگیں پھینکنے کا مطلب تو یہی ہے کہ دُشمن ہماری نقل و حرکت محدود کرنا چاہتا ہے اور ہماری چھاپہ مار جنگ کا انحصار تیز نقل و حرکت پر ہے۔ ہمیں انہیں صاف کرتے ہفتوں لگ جائیں گے اور پھر بھی کئی بارودی سرنگیں رہ جائیں گی۔ اس دوران میں اگر دُشمن کوئی بڑا حملہ کر دے تو ہم مرکز کے اندر محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ دُشمن کے پاس ٹینک اور

بکتر بند گاڑیاں ہیں جن کا یہ چھوٹی چھوٹی سرنگیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ (ٹینکوں اور گاڑیوں کے لیے بارودی سرنگیں اور قسم کی ہوتی ہیں) اس طرح مرکز کے اندر بھی ہماری موت ہوگی اور باہر بھی موت۔"

"ہم کوشش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے راستوں کو صاف کریں۔" کمانڈر شیر دل خان نے کہا۔

بارودی سرنگوں سے سارے مجاہدین بڑے پریشان تھے۔ اُنہیں ایک ایک قدم سوچ کر اور دیکھ کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ کے اُوپر دوپہر تک مزید چار مجاہدین زخمی ہو چکے تھے۔

نمازِ ظہر پڑھ کر مجاہدین فارغ ہوئے تو علی نے تجویز پیش کی کہ ان بارودی سرنگوں سے نجات کے لیے اللہ سے دُعا مانگیں جو ہر چیز پر قادر ہے اور مشکل میں پھنسے ہوئے انسان کے لیے جب تمام دُنیاوی راستے بند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کا راستہ پھر بھی کھلا رہتا ہے اور جب انسان اُس سے مدد مانگتا ہے تو وہ ایسے طریقوں سے مدد کرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

علی کی درخواست پر سب مجاہدین نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ نمازِ عصر کے بعد دوبارہ دُعا مانگی گئی۔ نمازِ مغرب اور عشاء کے بعد بھی دُعا کو دُہرایا گیا۔

رات کا وقت تھا اور مجاہدین گہری نیند سو چکے تھے۔ شمال کی جانب سے سیاہ گھٹائیں اُٹھیں اور پورے آسمان پر چھا گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک طوفان نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہوا اس قدر تیز تھی کہ کئی درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ خیموں میں سوئے ہوئے مجاہدین کو غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ بجلی کی کڑک سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ غاروں کے اندر سوئے ہوئے مجاہدین بھی جاگ اُٹھے تھے۔ طوفان اس قدر خوفناک تھا کہ مجاہدین گھبرا کر کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگے۔ آندھی کی رفتار کچھ کم ہوئی تو زبردست ژالہ باری شروع ہوگئی۔ پاؤ پاؤ کے اولے پڑ رہے تھے۔ جب وہ زمین پر پڑتے تو ایسے محسوس ہوتا جیسے چھوٹے چھوٹے بم پھٹ رہے ہوں۔ ژالہ باری' آندھی اور بارش کا شور اس قدر زیادہ تھا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجاہدین نے آج تک ایسا طوفان افغانستان میں نہیں دیکھا تھا۔ جب بجلی کڑکتی تو غار میں بیٹھے ہوئے مجاہدین کو بھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ بجلی اُن کے اوپر گری ہو۔ دو گھنٹے بعد طوفان تھما تو مجاہدین دوبارہ سو گئے۔

صبح جب مجاہدین سو کر اُٹھے تو اُنہوں نے دیکھا کہ بیسیوں درخت جڑوں سے اُکھڑ چکے تھے۔ خیمے اُڑ کر دور درختوں میں پھنسے ہوئے تھے اور کئی طیارہ شکن توپیں بھی الٹی پڑی تھیں۔ صبح کی نماز کے بعد سب مجاہدین کی زبان پر رات کا طوفان تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے تبصرہ کر رہا تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس طوفان سے چند منٹوں بعد یہ پہاڑ بھی اُڑ جائے گا۔ ایک دوسرے مجاہد نے کہا کہ جب بجلی کڑکتی تو مجھے ایسا لگتا جیسے مجھ پر گری ہے۔ ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں

کہ پہاڑ کے اُوپر سے دو مجاہد آئے۔ اُنہوں نے آتے ہی مجاہدین کو مبارکباد دی تو مجاہدین نے حیرت سے پوچھا کہ مبارکباد کس بات کی ہے؟ اوپر سے آنے والے مجاہدین نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ رات کے طوفان سے ہمارا نقصان تو ضرور ہوا ہے لیکن اولوں سے تمام بارودی سرنگیں پھٹ گئیں اور اگر کوئی اولوں سے بچ گئی تو وہ پانی کے تیز ریلے میں بہہ گئی۔

اب علی اور کمانڈر شیر دل خان کی سمجھ میں بات آئی۔ کمانڈر شیر دل خان نے کہا: "علی! تم نے صحیح کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریقوں سے مدد کرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک ہم اس طوفان کو عذاب سمجھ رہے تھے اور اب رحمت خداوندی۔ ہم کئی ہفتوں تک پہاڑوں کو ان بارودی سرنگوں سے صاف نہیں کر سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے صرف دو گھنٹوں میں سارا کام کر دیا اور کل نمازوں کے بعد جو دُعا مانگی' اللہ نے کتنی جلدی قبول کی۔"

اللہ کی اس مدد پر سارے مجاہدین نے باجماعت شکرانے کے طور پر دو نفل ادا کیئے۔

دوسرے دن علی اور اُس کے ساتھی اپنی منزل کی طرف چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ محمد اسلام بھی اُن کے ساتھ تھا۔ کمانڈر شیر دل خان نے علی سے گلے ملتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے تم جہاں جاؤ گے دُشمن کے خلاف کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ ہم سب تمہاری کامیابی کے لیے دُعا گو ہیں۔

سب مجاہدین نے "اللہ اکبر" کے پُر جوش نعرے لگا کر علی اور اُس کے ساتھیوں کو رخصت کیا۔





دو ہفتے بعد علی اور اُس کے ساتھی اپنے مرکز پہنچے۔ یہ مرکز بھی ایک وسیع و عریض پہاڑی وادی میں واقع تھا۔ پہاڑ زیادہ اونچے نہیں تھے۔ پہاڑ کے دوسری طرف میدانی علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ میدانی علاقہ بھی بالکل چٹیل میدان نہیں تھا بلکہ کہیں کہیں پہاڑی نما ٹیلے اور برساتی نالے تھے۔ تحصیل ہیڈکوارٹر اس مرکز سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر تھا جبکہ صوبائی دارالحکومت تیس میل دور تھا۔ یہ مرکز ایسی جگہ واقع تھا جہاں تین صوبوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ انتہائی اہم جگہ پر واقع تھا۔ پہاڑ سرسبز تھے اور اُن پر گھنے جنگلات تھے۔ کہیں کہیں نیپام بموں سے درخت جل بھی گئے تھے۔ وادی میں کئی جگہ مجاہدین نے پھل دار درخت بھی لگائے ہوئے تھے۔ یہاں چار سو سے زیادہ مجاہدین رہتے تھے۔ زیادہ تر رہائش گاہیں خیموں پر مشتمل تھیں جو درختوں کے گھنے جھنڈوں میں لگائے گئے تھے۔ کچھ رہائش گاہیں پتھر اور مٹی سے تیار کئے گئے مکانوں کی صورت میں بھی تھیں۔

علی نے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پورے مرکز کا جائزہ لیا۔ دُوسرے دن عبدالرحمٰن، محمد اسلام، درویش خان، فاروق، انجینئر عبداللہ اور مرکز میں پہلے سے موجود کمانڈر احمد گل اور چار دیگر تجربہ کار مجاہدین کا اجلاس بلایا۔ اجلاس میں یہ طے ہوا کہ پہلے علی پورے صوبے کا دورہ کرے۔ اس دوران میں مجاہدین اپنی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔ دورہ کرنے کے بعد دوبارہ اجلاس ہوگا اور نئی حکمت عملی تیار کی جائے گی۔

علی نے ایک ماہ میں صوبے کا دورہ مکمل کر لیا۔ اس دورے میں علی نے اپنی جماعت کے بیس مراکز کے علاوہ دوسری جماعتوں کے بارہ مراکز بھی دیکھے۔ ان مراکز کے علاوہ صوبائی دارالحکومت سمیت دس بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کا دورہ بھی کیا۔ ان مراکز کے کمانڈروں اور شہروں میں مجاہدین کے حامی افراد سے مختلف اُمور پر تبادلہ خیال بھی کیا۔ دورے کے دوران میں عبدالرحمٰن، انجینئر عبداللہ اور احمد گل ان کے ہمراہ تھے۔

اس دورے سے جہاں علی کو پورے صوبے کی معلومات حاصل ہو گئیں، وہاں مختلف مراکز کے مجاہدین اور کمانڈروں سے تعارف بھی ہو گیا۔ دورہ مکمل کرنے کے ایک ہفتہ بعد علی نے تمام اہم

کمانڈروں کی میٹنگ بلائی۔

کمانڈروں کی میٹنگ میں عبدالرحمٰن بھی شریک تھا۔ اُس نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: ''میں نے چینیوں کی جنگ آزادی کے بارے میں پڑھا ہے۔ جیسی صورت ہمیں ان میدانی صوبوں میں درپیش ہے، انہیں بھی کئی جگہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ چینیوں نے ایسے علاقوں میں دُشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے زمین دوز بھول بھلیوں کا وسیع و عریض جال پھیلا دیا۔ زمین دوز بھول بھلیاں اتنی پیچیدہ ہوتیں کہ جو کوئی بھی اُن کے اندر داخل ہو جاتا، اسے پھر آسمان دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور وہ بھول بھلیوں کے اندر ہی باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے مر جاتا۔ صرف چند چینی حریت پسند ان بھول بھلیوں سے باہر نکلنے کے راستے سے واقف تھے۔ وہ دُشمن کو اپنے پیچھے لگا لیتے اور بھول بھلیوں میں داخل ہو جاتے۔ دُشمن کے فوجی بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے بھول بھلیوں میں داخل ہو جاتے۔ بھول بھلیوں میں داخل ہونے کے بعد دُشمن کے فوجی واپسی کا راستہ بھول جاتے۔ یہی طریقہ اگر ہم یہاں آزمائیں تو دُشمن کو خاصی پریشانی میں ڈال سکتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن کی اس تجویز پر خاصی بحث ہوئی اور اسے منظور کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ پورے صوبے کو آٹھ زونوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر زون کا ایک انچارج بنایا گیا جسے ''امیر'' کا خطاب دیا گیا۔ ہر زون میں مجاہدین کے تمام مراکز اور کمانڈر امیر کے ماتحت کر دیئے گئے۔ اجلاس کی کارروائی کو سمیٹتے ہوئے علی نے کمانڈروں سے کہا:

''جو جو مراکز پہاڑوں یا پہاڑی علاقوں میں ہیں، وہاں مجاہدین کی رہائش اور اسلحہ کو سٹور کرنے کے لیے پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے غار کھودے جائیں تاکہ دُشمن کے طیاروں کی بمباری سے کم سے کم نقصان ہو۔ یہ غار کھودتے وقت ایک بات کا خیال رکھنا کہ سارے غار پچھلی طرف سے آپس میں ملے ہوئے ہوں تاکہ اگر کسی ایک غار کا منہ بند ہو جائے تو مجاہدین پچھلے راستے سے ہوتے ہوئے دُوسرے غار سے باہر نکل سکیں۔ دورے کے دوران میں، میں نے محسوس کیا ہے کہ دُشمن کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد بہت کم ہے۔ آپ لوگ مجاہدین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں، میں بھی مختلف دیہات، قصبوں اور شہروں کا دورہ کروں گا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دوں گا۔ ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ دُشمن کی فوج اور شہروں میں جاسوسی کے نظام کو مزید بہتر بنایا جائے۔ اس کے لیے تمام مراکز کے کمانڈرز اور زونوں کے امراء اپنے اپنے علاقوں میں واقع چھاؤنیوں، تھانوں اور شہروں میں مجاہدین کے حامی افراد کی فہرستیں فوراً مجھے روانہ کریں تاکہ دورے کے دوران میں، میں اُن لوگوں سے ملاقات کر سکوں اور اُنہیں سمجھا دوں کہ اُنہیں کون کون سے کام

کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں۔

''آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری منصوبہ بندی خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو جب تک مجاہدین کے اندر اطاعت نظم یعنی کمانڈر کا حکم ماننے کا جذبہ نہ ہو اُس وقت تک ساری کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اطاعت نظم کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگ مجاہدین کی فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ افغانستان میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے' اس لیے آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ مجاہدین کو جہاد اور شہادت کی فضیلت سے بھی آگاہ کریں۔ اس سلسلے میں روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن مجید اور مغرب کی نماز کے بعد درس حدیث کا اہتمام کریں۔ سب سے بڑھ کر ہر وقت بالخصوص ہر نماز کے بعد اللہ سے فتح و نصرت کی دُعا ضرور کریں کیونکہ اللہ کی مدد کے بغیر ہم تنہا اتنے بڑے دُشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

علی نے اپنے مرکز میں غاریں کھدوانے کا کام شروع کر دیا۔ غاروں کی کھدائی کے سلسلے میں گرفتار قیدیوں سے علی نے معاہدہ کیا کہ وہ اتنے غار کھود دیں تو ہم اُن کو رہا کر دیں گے۔ غاروں کی کھدائی کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی ایک بہت بڑی تعداد کو بڑی سڑک کے اردگرد مختلف جگہوں پر زمین دوز سرنگیں (بھول بھلیاں) کھودنے پر لگا دیا گیا۔ بھول بھلیاں کھودنے کی نگرانی کا کام عبدالرحمٰن کے سپرد کیا گیا۔

سرنگیں (بھول بھلیاں) خاصی گہرائی میں کھودی جا رہی تھیں تاکہ ایک تو کھیتوں میں فصل کی کاشت متاثر نہ ہو اور دُوسرے اگر بمباری ہو تو بھول بھلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مرکز میں علی نے ایک خوبصورت مسجد بھی بنوائی۔ اس سے پہلے مجاہدین کھلے میدان میں نماز پڑھتے تھے۔ مسجد کی چار دیواری پتھر اور مٹی سے بنائی گئی اور چھت لکڑی کے آٹھ ستونوں پر شہتیر ڈال کر رکھی گئی۔ مسجد سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوبصورت تھی۔ منبر بھی لکڑی کا بنایا گیا اور ڈاٹ راکٹ کے دو خولوں کو جوڑ کر بنائی گئی۔ مسجد کے اردگرد درختوں کے جھنڈ تھے جس کی وجہ سے مسجد گرمیوں میں بھی ٹھنڈی رہتی تھی۔

غاروں اور بھول بھلیوں کی کھدائی کا کام جاری تھا کہ علی نے عبدالرحمٰن کے ساتھ مل کر دیہات اور قصبوں میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دینے کا پروگرام بنایا تاکہ مجاہدین کی تعداد میں اضافہ کیا جا سکے۔ انجینئر عبداللہ کو عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں بھول بھلیوں کی کھدائی کی نگرانی کا کام سونپ کر اور درویش خان کو مرکز کا قائم مقام کمانڈر بنا کر علی اور عبدالرحمٰن دورے پر روانہ ہو گئے۔

وہ روزانہ دس سے بارہ دیہات میں جاتے اور عوام کے اجتماعات سے خطاب کرتے۔ علی کی

پرجوش تقریریں سن کر نوجوانوں میں جہاد کا جذبہ مچلنے لگتا اور عبدالرحمٰن جب رُوسیوں کے مظالم کی داستانیں عوام کے سامنے رکھتا تو عورتیں' بوڑھے اور بچے رونے لگتے اور نوجوانوں کے سینوں میں رُوسیوں سے انتقام کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ علی اور عبدالرحمٰن کی تقریروں کے بعد ہر گاؤں اور قصبہ ''آزادی کا ایک ہی حل 'الجہاد' الجہاد' '' کے نعروں سے گونج اٹھتا۔ نو سال کے بچے سے لے کر اسی سال کے بوڑھے بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے اصرار کر کے اپنا نام لکھوانے لگے۔ اکثر دیہاتوں میں نوجوان لڑکیوں اور عورتوں نے مجاہدین کی مالی امداد کے لیے اپنے زیورات اتار کر علی کے حوالے کر دیئے۔

علی ہر گاؤں اور قصبے میں کسی سابق فوجی یا کسی دوسرے پڑھے لکھے آدمی کو اس گاؤں/ قصبے کا امیر مقرر کرتا اور اُسے ہدایات دینے کے بعد اگلے گاؤں روانہ ہو جاتا۔ ہر گاؤں اور قصبے میں ہر بچہ' نوجوان اور بوڑھا مجاہدین میں شامل ہونے پر اصرار کرتا تو علی اُنہیں سمجھاتا کہ اگر سب لوگ جہاد میں شامل ہو گئے تو پھر کھیتوں میں کام کون کرے گا' عورتوں اور بچوں کی کفالت کون کرے گا؟ اس لیے ہر گھر سے صرف ایک فرد جہاد میں شریک ہو اور باقی دوسرے کام کریں تاکہ بال بچوں کا خرچ بھی چلتا رہے اور جہاد بھی جاری رہے۔ عورتیں جہاد میں شرکت کا کہتیں تو علی اُنہیں کہتا: ''میری ماؤں اور بہنو! جب تک تمہارے بیٹے اور بھائی زندہ ہیں' تمہیں بندوق اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پانچ وقت نماز کے بعد ان کی کامیابی کے لیے دُعا کیا کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے''۔

عبدالرحمٰن کو پہلی دفعہ افغان عوام کو یوں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ افغانوں میں اس قدر جذبہ جہاد دیکھ کر علی سے کہنے لگا: ''جس قوم کا ہر بوڑھا' بچہ' جوان اور عورت جہاد کے لیے یوں بے قرار ہو اُس قوم کو رُوس تو کیا پوری دُنیا مل کر بھی شکست نہیں دے سکتی''۔

ایک ہفتے میں پورے علاقے میں علی اور عبدالرحمٰن کی تقریروں نے آگ لگا دی۔ حکومت کو اپنے مخبروں سے جب علی اور عبدالرحمٰن کی سرگرمیوں کی اطلاعات ملیں تو وہ بہت پریشان ہو گئی۔ اُن کی گرفتاری کے لیے فوجی دستے فوراً روانہ کر دیئے گئے لیکن علی اور عبدالرحمٰن طوفان کی طرح ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پہنچ رہے تھے۔ جب فوجی دستے ایک گاؤں میں پہنچتے تو پتا چلتا کہ علی اور عبدالرحمٰن یہاں سے دوسرے گاؤں جا چکے ہیں۔ فوجی دستے علی اور عبدالرحمٰن کو تو گرفتار نہ کر سکے مگر اُنہوں نے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ عوام نے ہر قسم کا ظلم برداشت کر لیا لیکن علی کو گرفتار کرانے کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔

جب علی کو علم ہوا کہ فوجی دستے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں تو وہ اپنا دورہ ختم کر کے واپس آ گیا۔

دس دنوں کے اندر علی نے سو سے زیادہ دیہات اور قصبوں کا دورہ مکمل کر لیا تھا اور ہزاروں افراد نے

جہاد میں شرکت کے لیے اپنے نام لکھوا دیئے تھے۔

جن لوگوں نے جہاد میں شرکت کیلئے نام لکھوائے تھے، علی نے اُن کے مختلف گروپ بنا دیئے اور اُنہیں مختلف مراکز میں پہنچنے کے لیے پیغامات بھیج دیئے۔

مرکز میں غاریں اور بھول بھلیاں کھودنے کا کام جاری تھا۔ اس دوران میں دُشمن کے طیاروں نے کئی دفعہ ان جگہوں پر بمباری بھی کی مگر اس بمباری سے مجاہدین کے کام کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔ مجاہدین اکثر رات کو بھی بھول بھلیاں کھودنے کا کام جاری رکھتے لیکن اس دوران میں مجاہدین نے ازخود دُشمن پر کوئی بڑا حملہ نہ کیا تاکہ دُشمن قبل از وقت مجاہدین کے منصوبے سے آگاہ نہ ہو سکے۔

ایک دن علی کو اطلاع ملی کہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کا بہت بڑا کانوائے اس مرکز پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ علی نے فوراً چیدہ چیدہ مجاہدین کا اجلاس بلایا اور کہا کہ بھول بھلیوں کی کھدائی کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا، اس لیے ہمیں اس کانوائے کو ہر حالت میں مرکز سے کم از کم دس میل دور روکنا ہوگا۔ تمام مجاہدین نے علی کے منصوبے سے اتفاق کیا۔

علی نے ایک سو مجاہدین کو اپنے ساتھ لیا اور کانوائے کو روکنے کے لیے فوراً روانہ ہو گیا۔ کانوائے پکی سڑک کے راستے آ رہا تھا۔ علی نے مناسب جگہ دیکھ کر مجاہدین کو روک لیا اور دو مجاہدین کو گھوڑے دے کر بھیجا کہ پتا کر کے آؤ کہ کانوائے یہاں سے کتنی دور ہے۔ واپس آ کر مج[illegible] نے بتایا کہ کانوائے تقریباً دو میل دور ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ رات کو وہیں قیام [illegible] کو ہمارے مرکز پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوگا۔

علی نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد کہا: ''سڑک پکی ہے اگر بارودی سرنگیں بچھائیں تو فوراً پتا چل جائے گا، اس لیے میرے خیال میں سڑک کو نیچے سے کھود کر اور مٹی نکال کر دو تین جگہ بڑے بڑے گڑھے بنا دیں۔ اوپر سڑک بالکل صحیح نظر آئے گی اور جب ٹینک اس کے اوپر سے گزریں گے تو بجری اور تارکول کی تہہ بوجھ برداشت نہ کر پائے گی اور اگلا ٹینک اس میں پھنس جائے گا۔ اس کے بعد وہ دوسرے ٹینک سڑک کی سائیڈ سے گزارنے کی کوششیں کریں گے۔ دونوں سائیڈوں پر ہم بارودی سرنگیں دبا دیتے ہیں۔ اس طرح کانوائے یہاں مکمل طور پر رُک جائے گا۔''

علی کی یہ تجویز سب کو پسند آئی۔

کچھ مجاہدین پکی سڑک کے نیچے سے مٹی کھود کر باہر نکالنے لگے اور کچھ سڑک سے دور ٹیلوں میں مورچے کھودنے لگے۔ ان ٹیلوں سے پیچھے کوئی دو فرلانگ دور ایک پہاڑی تھی۔ وہاں علی نے راکٹوں اور میزائلوں کا دستہ متعین کر دیا اور دس مجاہدین کا ایک دستہ آگے بھیج دیا۔ ان مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ

آگے جا کر مورچے کھودیں۔ جب کانوائے گزر کر آگے آ جائے تو سڑک پر بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ کانوائے واپس مڑنے لگے تو اُس پر حملہ کر دیں۔

آدھی رات تک سارا کام مکمل ہو چکا تھا۔ علی نے چند مجاہدین کی پہرے پر ڈیوٹی لگائی اور باقی کو آرام کرنے کے لیے کہا۔

سحری کا وقت تھا جب پہرے داروں نے علی کو جگا کر بتایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانوائے آ رہا ہے۔ علی نے اُٹھ کر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ واقعی کانوائے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صبح ہی صبح مرکز پہنچنا چاہتا ہے تاکہ مجاہدین کو بے خبری میں آ دبوچے۔ علی نے تمام مجاہدین کو جگا کر اپنے اپنے مورچوں میں جا کر پوزیشنیں سنبھالنے کا کہا۔

کانوائے بڑا آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ جب وہ مجاہدین کے قریب پہنچا تو اندھیرا چھٹ چکا تھا اور علی دوربین لگائے قافلے کو سڑک پر سے گزرتے دیکھ رہا تھا۔ پہلا ٹینک کھودے گئے گڑھے کے اوپر سے بڑے آرام سے گزر گیا۔ علی کو افسوس بھی ہوا اور مایوسی بھی کہ بجری اور تارکول کی تہہ پر سے اتنا بھاری ٹینک کیسے گزر گیا۔ شاید تقدیر آج ہمیں آزمائش میں ڈالنا چاہتی ہے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اُس کے پیچھے آنے والا دوسرا ٹینک دھڑام سے گڑھے میں گر گیا۔ اتنی دیر میں سلامت گزر جانے والا ٹینک اگلے گڑھے میں گر چکا تھا۔ اب علی کی سمجھ میں بات آئی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جس نے دو ٹینک گڑھوں میں گرا دیئے۔

کانوائے کچھ دیر کے لیے رُکا۔ گڑھوں میں پھنسے ہوئے ٹینکوں میں سے افراد کو نکالا گیا۔ پھر کانوائے گڑھے کے ایک طرف سے چلنا شروع ہو گیا۔ ابھی وہ سڑک سے اُتر کر چند گز ہی چلا ہوگا کہ بارودی سرنگ سے ٹینک کے پرخچے اُڑ گئے اور اس کے پیچھے آنے والی کئی دوسری گاڑیاں بھی الٹ گئیں۔ کانوائے والوں کی مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ اُنہوں نے بغیر سوچے سمجھے گاڑیوں کو گڑھے کے دوسری طرف سڑک سے نیچے اُتار لیا۔ اُدھر بھی تھوڑی دور جا کر آگے بارودی سرنگیں دبائی گئی تھیں۔ جونہی اگلا ٹینک بارودی سرنگ پر سے گزرا، وہ دھماکے سے ہوا میں اُچھلا اور ساتھ کئی دوسری گاڑیوں کو بھی اچھال دیا۔ اب راستہ بند ہو چکا تھا اور کانوائے رُک گیا تھا۔ علی اور مجاہدین انتظار کر رہے تھے کہ کب فوجی بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں سے باہر نکلیں تو فائر کھولیں۔ اُنہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔

ٹینکوں سے چند گولے پھینکے گئے مگر جب کوئی جوابی کارروائی نہ ہوئی تو چند رُوسی فوجی باہر نکلے۔ اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر چند گولے مزید پھینکوائے۔ پھر بھی کوئی جوابی کارروائی نہ ہوئی تو دوسرے فوجی بھی باہر نکل کر راستہ بنانے کی کوشش کرنے لگے۔

جب علی کو یقین ہو گیا کہ اب بڑی تعداد میں فوجی باہر نکل آئے ہیں تو علی نے مجاہدین کو فائر کھولنے کا حکم دیا۔ راکٹ لانچروں اور مشین گنوں سے زبردست فائرنگ شروع ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت رُوسی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ کچھ نے بھاگ کر ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں پناہ لی۔ رُوسیوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ چند ٹینکوں سے گولہ باری شروع ہو چکی تھی مگر تھوڑی دیر بعد علی نے دیکھا کہ حسب توقع کانوائے کو پیچھے کی طرف لے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جونہی کانوائے پیچھے کی طرف مڑا' پہاڑی پر موجود مجاہدین نے راکٹوں اور میزائلوں سے حملہ کر دیا۔ ٹینک اور گاڑیاں واپسی کے لیے تیز رفتاری سے چلنے لگیں مگر رُوسیوں کو اس سلسلے میں بھی جلد ہی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے کہ جس سڑک سے تھوڑی دیر پہلے وہ صحیح سلامت گزرے تھے' اُس پر اب بارودی سرنگیں بچھائی جا چکی تھیں۔ جونہی ٹینک اُن پر سے گزرے' وہ پھٹیں تو نہ صرف کانوائے رُک گیا بلکہ روسی فوجی بھی بوکھلا گئے۔ اب پورا کانوائے راکٹوں' میزائلوں اور مشین گنوں کی زد میں تھا۔ کانوائے والوں نے زیادہ دیر مقابلہ نہ کیا اور جلد ہی ایک ٹینک پر سفید جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ سفید جھنڈا دیکھ کر علی نے فائر بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ جونہی فائر بند ہوا' رُوسی اور افغان کمیونسٹ فوجی ہاتھ اُٹھائے ٹینکوں اور گاڑیوں سے باہر آنے لگے۔

90 روسی اور افغان فوجیوں کو زندہ گرفتار کر لیا گیا جن میں پینتیس زخمی تھے۔ مرنے والے رُوسی اور افغان فوجیوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ بہت زیادہ اسلحہ اور گولہ بارود ہاتھ آیا۔ مجاہدین کے پاس چونکہ ٹینک چلانے والا عملہ نہیں تھا' اس لیے علی نے تمام ٹینکوں کو تباہ کروا دیا۔ پوری کارروائی میں صرف پانچ مجاہد زخمی ہوئے۔

دوسرا کانوائے اب ایک ماہ تک نہیں آ سکتا تھا۔ علی کو یقین تھا کہ ایک ماہ تک مجاہدین زمین دوز بھول بھلیوں کے منصوبے کو مکمل کر لیں گے۔

نئے گرفتار شدہ قیدیوں کو ابتدائی تفتیش کے بعد پہاڑوں کے اندر غار کھودنے پر لگا دیا گیا۔ مجاہدین نے حسب توقع بھول بھلیوں کا منصوبہ بروقت مکمل کر لیا۔ مرکز میں غار بھی خاصی حد تک مکمل ہو چکے تھے۔ قیدیوں کے جیل خانے کے لیے غاروں کی کھدائی شروع کر دی گئی۔

غاروں کے سامنے مجاہدین نے چھوٹے چھوٹے باغیچے بنائے۔ بموں اور راکٹوں کے خولوں کو گلدانوں کی صورت دے کر اُن میں طرح طرح کے پھول اُگائے۔ بموں اور راکٹوں کے خولوں میں مہکتے ہوئے رنگ برنگ کے پھول جہاں ماحول کو بہت خوبصورت بنا رہے تھے وہاں وہ دُنیا والوں کو یہ پیغام بھی دے رہے تھے کہ اے دُنیا والو! مجاہدین اسلام کو دیکھو جن پر رُوسی راکٹ اور بم برساتے ہیں' وہ

ان کے برسائے ہوئے بموں اور راکٹوں کے خولوں میں بارود بھرنے کے بجائے محبت اور امن و سلامتی کے پھول اُگا کر دُنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کی جدوجہد آزادی کرۂ ارض پر امن و سلامتی کے لیے ہے۔ جس طرح راکٹوں اور بموں کے خولوں میں یہ پھول مہک رہے ہیں' مجاہدین کی کامیابی کے بعد ہر طرف اسلام کی خوشبو مہکے گی اور دُنیا کو ظلم و جبر سے نجات مل جائے گی اور ہر طرف خوشیاں ہوں گی۔

مرکز بہت وسیع و عریض تھا اور پانچ مربع کلومیٹر سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ پچاس پوسٹیں مختلف جگہوں پر قائم کی گئی تھیں۔ پوسٹیں ایک دُوسرے سے دُور ہونے کی وجہ سے پیغام رسانی میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ علی نے اس مشکل کا ذکر عبدالرحمٰن سے کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر ہم تمام پوسٹوں کو ٹیلی فون کے ذریعے ملا دیں تو ہمارا اطلاعات کا نظام بہت بہتر ہو جائے گا۔ اسی طرح پورے صوبے میں وائرلیس سیٹ کا نظام قائم کر دینا چاہیے تاکہ تمام مراکز باہم مربوط ہو جائیں۔

''لیکن ٹیلی فون اور وائرلیس کا سامان کہاں سے حاصل کیا جائے؟'' علی نے پوچھا

عبدالرحمٰن کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا: ''کچھ سامان تو ہم پاکستان سے بھی خرید سکتے ہیں۔ اس کے لیے وہ زیورات فروخت کیے جا سکتے ہیں جو خواتین نے جہاد فنڈ میں دیئے تھے اور کچھ سامان' ہمیں رُوسیوں پر حملہ کر کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے جو قریب چھاؤنی ہے اگر ہم اُس کے سٹور پر حملہ کر دیں تو اسلحہ کے ساتھ ساتھ' ہمیں ٹیلی فون اور وائرلیس کا خاصا سامان بھی مل جائے گا۔ اس کے بعد رہا ٹیلی فون کی تنصیب کا کام تو میں اور عبداللہ مل کر کر لیں گے۔''

علی نے اس منصوبے سے اتفاق کیا اور تمام زیورات عبدالرحمٰن کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ جو سامان منگوانا ہو فوراً منگوا لیں' اس دوران میں' میں قریبی چھاؤنی پر حملہ کرنے کا پروگرام بناتا ہوں۔

عبدالرحمٰن نے تین مجاہدین کو سامان کی فہرست دے کر پشاور روانہ کر دیا۔ علی کو حملے کی منصوبہ بندی کے سلسلے میں خاصی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ ابھی تک قریبی چھاؤنی میں مجاہدین کا جاسوسی کا کوئی نظام قائم نہیں ہوا تھا اور بغیر جاسوسوں کی مدد کے چھاؤنی کے اندر کسی سٹور پر حملہ کرنا ناممکن بات تھی۔ علی اس سلسلے میں بہت پریشان تھا۔ اس پریشانی کا عبدالرحمٰن کو بھی پتا چل گیا۔ عبدالرحمٰن نے علی کو مشورہ دیا کہ آپ اس سلسلے میں گرفتار افغان فوجی افسر عبدالواحد کے ساتھ بات کیوں نہیں کرتے' وہ رہائی کے لیے کتنی منتیں کر رہا ہے' اُسے اپنی بہن سے بہت محبت ہے' اُس کی بہن کی شادی بہت جلد ہونے والی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر صورت میں اپنی بہن کی شادی کی تقریب میں شریک ہو۔

علی کو عبدالرحمٰن کی تجویز بہت پسند آئی۔ اُس نے عبدالواحد کو بلایا اور کہا: ''عبدالواحد! تم اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے اپنی رہائی چاہتے ہو۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تو ہم بھی تمہاری

بات ماننے کو تیار ہیں۔"

"میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" عبدالواحد نے جواب دیا۔

علی نے اُسے بتایا کہ ہم چھاؤنی پر حملہ کر کے اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں چھاؤنی کے بارے میں آپ سے معلومات درکار ہیں۔

"چھاؤنی پر حملہ اور وہ بھی اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنے کے لیے' آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ اچھی طرح سوچ لیں۔ آپ کا حملہ کامیاب ہو یا ناکام' مجاہدین کو خاصا جانی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔" عبدالواحد نے کہا۔

"یہ ہمیں معلوم ہے۔ آپ سے مشورہ نہیں معلومات چاہئیں۔" علی نے کہا

اس پر عبدالواحد نے علی سے کاغذ اور پنسل منگوائی اور نقشہ بنا کر اُس کو سمجھانے لگا۔ اُس نے بتایا کہ اسلحہ کا سٹور چھاؤنی کے جنوب مغربی کونے میں ہے۔ یہاں رات کے وقت بھی آدھ درجن فوجیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس کے شمال کی جانب ایک فرلانگ کے فاصلے پر دوسرے سامان کا سٹور ہے اور اس سٹور کے ساتھ ہی سامان خورد ونوش کا سٹور بھی ہے۔ چھاؤنی کے جنوب کی طرف گندے پانی کا نالہ ہے۔ جہاں نالہ دائیں طرف مڑے گا' وہاں ساتھ ہی چھاؤنی کے اندر قبرستان ہے۔ اسلحے کا ڈپو اور سٹور قبرستان سے زیادہ دُور نہیں۔ قبرستان پر پہرہ بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ مشرق کی طرف رُوسی فوج متعین ہے۔ چھاؤنی کے اندر رُوسی اور افغان فوجیوں کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ ہے۔

علی نے اُس سے مزید سوالات پوچھے اور اُسے واپس جیل بھیجتے ہوئے کہا: "عبدالواحد! ایک بات اچھی طرح سن لو! اگر تمہاری معلومات غلط نکلیں تو نہ صرف تمہیں سخت سزا دی جائے گی بلکہ تمہارے گھر والوں کو بھی یہیں لا کر بند کر دیا جائے گا۔"

"میں نے آپ کو جو معلومات دی ہیں' اپنے علم کے مطابق صحیح دی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی اپنا وعدہ پورا کریں گے۔"

عبدالواحد کا جواب سن کر علی نے اس سے کہا: "اگر تمہاری معلومات درست نکلیں تو ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ ہاں اگر یہاں سے جانے کے بعد بھی تمہیں کوئی کام کی بات یاد آ جائے تو فوراً آ کر بتانا۔"

دُوسرے دن عبدالواحد نے پہرے پر موجود مجاہد کو بتایا کہ وہ علی کو ایک بہت ضروری بات بتانا چاہتا ہے۔

جب علی تک یہ بات پہنچی تو علی نے اُسے فوراً بلوالیا۔

عبدالواحد نے بتایا کہ سٹور سے تھوڑی دور کیپٹن عبدالستار کی رہائش ہے اور میرے خیال میں وہ مجاہدین کا حامی ہے' اس لیے مشکل وقت میں آپ اُس سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔

علی نے چھاؤنی پر شب خون مارنے کے لیے دو سو مجاہدین کو تیار کیا اور اُن کے دو دستے بنائے۔ ایک سو پچیس مجاہدین کا ایک دستہ بنایا گیا اور درویش خان کو اُن مجاہدین کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ چکر کاٹ کر چھاؤنی کے مشرق میں پہنچیں۔ درویش خان سے کہا کہ وہ تین بجے صبح مشرق کی طرف سے چھاؤنی پر گولہ باری شروع کر دے۔ دُشمن کی زیادہ تر فوج مشرق کی طرف چلی جائے گی اور مغرب کا حصہ کسی حد تک خالی ہو جائے گا۔ اس طرح اسلحہ اور دوسرا سامان حاصل کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ درویش خان سے مزید کہا گیا کہ وہ چھاؤنی کے زیادہ قریب نہ جائے اور گولہ باری کرتے ہوئے بھی اس بات کا خیال رکھے کہ گولے مشرقی حصے میں ہی گریں۔

درویش خان اپنے دستے کو لے کر صبح ہی صبح روانہ ہو گیا کیونکہ اُسے بہت لمبا چکر کاٹ کر چھاؤنی کے دوسری طرف جا کر مورچے بنانے تھے۔ علی اپنے دستے کے ساتھ نمازِ ظہر کے بعد روانہ ہوا۔

رات کے دو بج چکے تھے جب علی اور اُس کے ساتھی مجاہدین چھاؤنی کے قریب پہنچے۔ اُنہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ چھاؤنی کے گرد بارودی سرنگیں عموماً بہت زیادہ تعداد میں بچھائی جاتی ہیں۔ مجاہدین نے چھاؤنی کے قریب اپنا زیادہ سفر گندے نالے میں کیا۔

گندے نالے کا پانی انتہائی بدبودار تھا اور مجاہدین کے کپڑے گندگی سے خراب ہو چکے تھے۔ رات کے وقت نالے سے اُٹھنے والی بھاپ مجاہدین کو بہت پریشان کر رہی تھی۔ اس بدبو سے بچنے کے لیے مجاہدین نے اپنے پٹکوں کو اپنے ناکوں کے اوپر لپیٹ رکھا تھا۔ سوا دو بجے مجاہدین قبرستان میں داخل ہو گئے۔ قبرستان میں ایک طرف کنواں تھا۔ مجاہدین نے کنوئیں کے پانی سے اپنے کپڑوں کو صاف کیا تو بدبو ختم ہوئی۔

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے اور اُن کی مختلف ذمہ داریاں لگائیں۔ پونے تین بج چکے تھے' جب مجاہدین آہستہ آہستہ اسلحے کے ڈپو اور سٹور کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ اسلحے کے ڈپو کے ساتھ ہی ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں کی لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ مجاہدین نے سب سے پہلے پہرے داروں کو قابو کیا۔ پہرے داروں کو قابو کرنے میں زیادہ تر خنجروں سے کام لیا گیا۔ مجاہدین نے پہرے داروں کو اس پھرتی سے قابو کیا کہ کوئی بھی پہرے دار خطرے کا سگنل بھی نہ دے سکا۔

ادھر علی نے پہرے داروں پر قابو پانے کی کارروائی مکمل کی ہی تھی کہ درویش خان نے ٹھیک تین بجے گولہ باری شروع کر دی۔ اس گولہ باری سے چھاؤنی کے اندر ایک بھگدڑ مچ گئی۔ علی اور اُس

کے ساتھیوں نے چھاؤنی کے جنوب مغربی حصے میں اپنی پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھیں۔

افغان کمیونسٹ فوجیوں کو جب پتا چلا کہ مجاہدین چھاؤنی کے اندر بھی داخل ہو گئے ہیں تو مغربی حصے میں موجود فوجی شمال کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ فوج کا زیادہ حصہ مشرق کی طرف درویش خان کے حملے کا جواب دے رہا تھا۔

اسلحے کا ڈپو تہہ خانے میں تھا۔ اسلحہ لیجانے کے لیے دُشمن ہی کے ٹرک لائے گئے۔ مجاہدین نے چار ٹرکوں میں اپنی ضرورت کا اسلحہ لادا' تین میں سامان خورد و نوش اور ایک ٹرک میں دوسرا سامان رکھا گیا۔ چار گاڑیاں مجاہدین نے اپنے لیے لے لیں۔ اب چھاؤنی سے باہر نکلنے کا مسئلہ تھا۔ علی نے کیپٹن عبدالستار کی رہائش گاہ کے باہر مجاہدین کا ایک دستہ پہلے ہی متعین کیا ہوا تھا۔

علی کیپٹن عبدالستار سے ملا۔ اُس سے اپنا تعارف کرایا اور کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ ہمارا سامان بغیر لڑے چھاؤنی سے باہر چلا جائے۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ مجاہدین کے حامی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے آپ کو کچھ نہیں کہا لیکن ٹرکوں اور مجاہدین کو یہاں سے باحفاظت نکالنے کے لیے آپ کو حراست میں لیا جا رہا ہے۔ چھاؤنی سے باہر نکلتے ہی ہم آپ کو آزاد کر دیں گے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے گرفتار کیا ہے' آپ کے ساتھ اُنہیں بھی چھوڑ دیں گے تاکہ بعد میں کسی کو شک نہ ہو کہ آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے۔''

کیپٹن عبدالستار علی کا منصوبہ سن کر مسکرایا اور منصوبے کی داد دیتے ہوئے کہا: ''جیسے آپ کی مرضی۔''

علی نے کیپٹن عبدالستار کو گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اسی گاڑی میں پیچھے مسلح مجاہدین بیٹھ گئے۔ ڈرائیور بھی مجاہدین میں سے تھا جس نے فوجی وردی پہنی ہوئی تھی۔ علی اور کچھ دوسرے مجاہدین بھی فوجی وردی پہنے ہوئے تھے۔ گرفتار شدہ دیگر قیدیوں کو دوسری گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔

تمام ٹرک کیپٹن عبدالستار کی وجہ سے بغیر کسی رُکاوٹ کے چھاؤنی کی حدود سے باہر نکل آئے۔ سب نے یہی سمجھا کہ یہ ٹرک اور گاڑیوں میں فوجی مجاہدین کے حملے کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔

جب علی کا پورا دستہ چھاؤنی سے باہر آ گیا تو علی نے وائرلیس پر درویش خان کو لڑائی بند کر کے واپس آنے کا اشارہ دیا۔

چھاؤنی سے کوئی پانچ میل دور آ کر ٹرکوں کو روک دیا گیا۔ سب سے پہلے کیپٹن عبدالستار کو گاڑی سے باہر نکالا گیا۔ علی نے اُس کے ساتھ تنہائی میں مذاکرات کیے۔ علی نے کہا کہ وہ چھاؤنی کے اندر مجاہدین کے لیے کام کرے اور چھاؤنی میں مجاہدین کے خلاف بننے والے منصوبوں سے بروقت آگاہ

کر دیا کرے۔

کیپٹن عبدالستار نے وعدہ کیا کہ رُوسیوں نے اگر اس واقعہ کے بعد مجھ پر اعتبار کیا تو میں لازماً مجاہدین کے لیے کام کروں گا اور اگر مجھے جاتے ہی گرفتار کر لیا تو پھر بھی مجاہدین کے حامی خاصی تعداد میں چھاؤنی میں موجود ہیں' میں اُن سے آپ کا رابطہ قائم کرانے کی کوشش کروں گا۔

گفتگو مکمل ہو گئی تو دوسرے قیدیوں کو بھی گاڑی سے باہر نکالا گیا۔ سب فوجیوں کو عام راستے کے قریب درختوں سے باندھ دیا گیا۔ کیپٹن عبدالستار کو بھی ایک درخت سے باندھا گیا۔ قیدیوں کو باندھتے ہوئے دو قیدیوں کے ہاتھ علی نے دانستہ ڈھیلے رکھوائے تاکہ مجاہدین کے جانے کے بعد وہ اپنے ہاتھ جلدی کھول لیں اور بعد میں دوسروں کے ہاتھ بھی کھول سکیں اور باحفاظت واپس جا سکیں۔ ان میں دو قیدی زخمی بھی تھے۔

دوسرے قیدیوں کے سامنے علی نے کیپٹن عبدالستار کی بھی خاصی بے عزتی کی۔ علی نے سب قیدیوں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا:

''اگر تم صحیح افغان ہو تو پھر رُوسیوں کا ساتھ چھوڑ کر مجاہدین سے مل جاؤ اور اپنے وطن کی آزادی کی جنگ میں شریک ہو جاؤ۔ تم لوگ رُوسیوں کی خاطر اپنے بھائیوں کو قتل کرتے ہو۔ عوام کو لوٹتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ کافر رُوسی ہمارے ملک پر ظلم کر رہے ہیں۔ تم سے وہ روسی مسلمان اچھے ہیں جنہیں جب یہ پتا چلتا ہے کہ اُن کے سامنے لڑنے والے مسلمان ہیں تو وہ اپنا اسلحہ مجاہدین کے لیے چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ مجاہدین کے ہاتھوں اُنہیں شکست ہو گئی ہے۔ ہمارے جانے کے بعد سوچنا کہ رُوسیوں کی غلامی بہتر ہے یا وطن کی آزادی اور دین کی سربلندی کی خاطر لڑنا۔ اگر تمہارا ضمیر تمہاری سابقہ روسی خدمات پر ملامت کرے تو مجاہدین کی مدد کرنے کے راستے چھاؤنی کے اندر اور باہر ہر جگہ کھلے ہیں' جہاں تم خوشی سے کام کرنا چاہو۔''

ٹرک ابھی مجاہدین کے مرکز سے چند کلومیٹر دور ہی تھے کہ دُشمن کے طیاروں نے حملہ کر دیا۔ علی نے طیاروں کو دیکھتے ہی ٹرکوں کو فوراً ایک قریبی باغ میں کھڑا کرنے کی ہدایت کی اور خود ایک گاڑی میں تیزی سے آگے نکل گیا۔ گاڑی اُس نے ایک کھلی جگہ کھڑی کی اور خود دوڑ کر درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا۔

ٹرک باغ میں چھپا دیئے گئے تھے۔ علی خود خاصی دور درختوں کے جھنڈ میں چھپا بیٹھا تھا۔ درختوں کا یہ جھنڈ اُس جنگل کا حصہ تھا جو وسیع و عریض علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔

طیارے گاڑی اور اُس کے اردگرد وسیع علاقے پر بمباری کرتے رہے۔ کئی بم دُور دُور تک

گرے لیکن علی درختوں کے ایسے جھنڈ میں بیٹھا تھا جہاں قریب گرنے والے بم کے ٹکڑے بھی مشکل ہی سے پہنچ سکتے تھے۔

ادھر باغ میں چھپے ہوئے مجاہدین علی کے بارے میں بہت پریشان تھے جبکہ علی بالکل مطمئن تھا کیونکہ وہ دُشمن کے طیاروں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگیا تھا اور طیارے خالی گاڑی پر بم برسا کر اپنے خیال میں مجاہدین کو ہلاک کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد طیارے بمباری کر کے واپس چلے گئے تو علی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلا اور باغ میں پہنچا۔ علی کو دیکھ کر مجاہدین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدین نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ نو بج چکے تھے اور سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ اس کا مالک ایک بوڑھا کسان تھا جو باغ ہی میں بیٹھا تھا۔ علی نے اُس سے کہا: ''ہمیں کچھ پھل اتار دو۔''

بوڑھے کسان نے کہا: ''بیٹا! جتنا پھل کھانا ہے خود ہی اُتار لو۔''

علی اور دوسرے مجاہدین نے پھل اتارے اور کھانے لگے۔ علی نے بوڑھے کسان سے قیمت کا پوچھا تو اُس نے مسکرا کر کہا: ''بیٹا! مجاہدین سے پھل کی قیمت لینا اچھا نہیں لگتا۔ میں بوڑھا اور غریب ہوں' مجاہدین کی کوئی خدمت تو نہیں کر سکتا' میرے لیے یہ اعزاز ہے کہ مجاہدین تھوڑی دیر کے لیے میرے باغ میں رکے اور میرے باغ کا پھل اُن کے کام آیا۔ کاش! میرے پاس پیسے ہوتے تو میں مجاہدین کی اور خدمت کر سکتا۔''

''بابا! تمہارا جذبہ قابل قدر ہے اور اللہ یقیناً اس کی جزا دے گا۔ آپ جیسے بزرگوں کی دُعائیں بھی مجاہدین کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں لیکن اگر ہم اسی طرح مفت میں کسانوں کے پھل کھانا شروع کر دیں تو پھر ہم میں اور رُوسیوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟ پھر ہمارے پاس جو پیسے ہیں' وہ بھی آپ ہی جیسے لوگوں کے دیے ہوئے ہیں' اس لیے آپ پھل کی قیمت لے لیں۔'' علی نے کہا۔

اس پر بوڑھے نے بڑے غصے میں جذباتی ہو کر جواب دیا: ''اگر آپ لوگ مجھ غریب کو ذلیل ہی کرنا چاہتے ہیں تو پیسے دینے کے بجائے میرے سر پر جوتے ماریں۔ جوتے کھا لوں گا مگر پیسے نہیں لوں گا۔ مجاہدین کے تو پاؤں کی خاک پر بھی یہ پورا باغ قربان کر سکتا ہوں۔ آپ لوگ وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں لیکن مجھ بوڑھے کو اپنے باغ کے پھلوں کے چند دانے بھی قربان نہیں کرنے دیتے۔''

بوڑھے کسان کی ضد کے سامنے علی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سب مجاہدین نے بوڑھے کسان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے مرکز کی طرف چل پڑے۔

عصر کا وقت تھا جب درویش خان اپنے دستے کے ساتھ مرکز پہنچا۔ درویش خان کے دستے کے پانچ مجاہدین شہید ہوگئے تھے' دو بارودی سرنگوں سے اور تین گولہ باری سے جبکہ بارہ مجاہد زخمی ہوئے تھے۔ مجاہدین کے نزدیک یہ کوئی بڑا نقصان نہ تھا۔ بلکہ اُن کی طرف سے چھاؤنی کے اندر حملہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس حملے سے رُوسیوں کے اندر خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ پورے شہر میں ذلیل و خوار ہوگئے۔

چوتھے دن چھاؤنی سے ایک فوجی بھاگ کر آیا۔ اُس نے بتایا کہ کیپٹن عبدالستار نے اُسے بھیجا ہے۔ اُس نے مزید بتایا کہ مجاہدین کی گولہ باری سے رُوسیوں کی اکثر بیرکیں تباہ ہوگئیں اور سینکڑوں روسیوں سمیت بے شمار افغان کمیونسٹ فوجی بھی مارے گئے۔ کیپٹن عبدالستار کے بارے میں اُس نے بتایا کہ ابتدائی تفتیش کے بعد اُسے اُس کے عہدے پر بحال رکھا گیا ہے جبکہ کئی روسی اور دوسرے افغان فوجی افسروں کو نوکری سے معطل کر دیا گیا ہے اور واقعہ کی انکوائری کے لیے کابل سے رُوسی افسر آیا ہوا ہے۔

چھاؤنی کے اندر جا کر حملہ کرنا اور اسلحہ کا ڈپو لوٹ لینا اتنا بڑا واقعہ تھا کہ کابل حکومت اسے چھپا نہ سکی اور یہ خبر نہ صرف دُنیا کے تمام ریڈیو سٹیشنوں سے نشر ہوئی بلکہ اخبارات میں بھی نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ ہیڈ کوارٹر سے چیف کمانڈر نے اس پر علی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی کہ آئندہ کسی چھاؤنی کے اندر جا کر حملہ نہ کرنا کیونکہ چھاؤنیوں کے اندر جا کر حملہ کرنے اور اُن پر قبضہ کرنے کے بارے میں ابھی تک مجاہدین نے کوئی فیصلہ نہیں کیا' اس لیے مجاہدین کو جان بوجھ کر خطرے میں نہ ڈالا جائے۔

وائرلیس اور ٹیلی فون کا کافی سامان چھاؤنی سے حاصل ہو چکا تھا اور مزید سامان پاکستان سے بھی چند دنوں بعد آ گیا۔ عبدالرحمٰن اور انجینئر عبداللہ نے مرکز کی ساری پوسٹوں کو آپس میں ملا دیا۔ پہلے علی کے پاس صرف دو وائرلیس سیٹ تھے اور وہ بھی صرف چند کلومیٹر تک کام دے سکتے تھے۔ علی نے آئے ہوئے وائرلیس سیٹ تمام اہم مراکز اور شہروں میں مجاہدین کے لیے جاسوسی کرنے والوں کو فراہم کر دیئے۔ اب اس مرکز سے ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر سے بھی علی کی باقاعدہ گفتگو ہو جاتی تھی۔

علی نے عبدالواحد کو حسب وعدہ رہا کر دیا۔ عبدالواحد نے رہا ہونے کے بعد کہا کہ وہ اپنی بہن کی شادی کے بعد واپس مجاہدین کے پاس آ جائے گا اور باقی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دے گا۔

رُوسی افسر اس شکست پر بہت غصے میں تھے اور اُنہوں نے علی کے مرکز پر بہت بڑا حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے دُشمن نے دوسری چھاؤنیوں سے بھی تجربہ کار دستے منگوا لیے اور مرکز پر طیاروں کے حملوں میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیا۔ حملے کی تیاریوں کے بارے میں معلومات جاسوسوں نے علی کو

فراہم کردی تھیں۔

علی نے زمین دوز بھول بھلیوں کے علاقے میں مجاہدین کے لئے زمین دوز پکے اور مضبوط مورچے بھی تعمیر کرائے۔ یہ مورچے باہر سے بالکل نظر نہ آتے تھے۔ ان کا چھوٹا سا منہ کسی درخت یا بہت بڑے پتھر کی اوٹ میں کھلتا تھا۔ زمین دوز بھول بھلیاں بھی بہت گہرائی میں تھیں اور اُن کے اندر جانے اور باہر نکلنے کے بھی چند ہی راستے تھے اور ان سے صرف دو مجاہد واقف تھے جن کی ذمہ داری اُن پر لگائی گئی تھی اور اُنہیں بھول بھلیوں کے نقشے بھی فراہم کر دیئے گئے تھے۔ بھول بھلیوں کی کھدائی کرنے والے مجاہدین بھی اُن بھول بھلیوں کے اندر داخل ہو کر باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

بھول بھلیاں جس علاقے میں بنائی گئی تھیں، وہاں پوری طرح کھیتوں میں فصلیں کاشت کی جاتی تھیں۔ بھول بھلیوں سے نکلنے والی مٹی بہت دور لے جا کر پھینکی جا چکی تھی۔ باہر سے آنے والا آدمی یہ قطعاً اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہاں زمین دوز بھول بھلیوں کا بہت بڑا جال پھیلا ہوا ہے۔

علی نے بھول بھلیوں کے قریب بڑی سڑک پر نہ صرف بارودی سرنگیں بچھا دیں بلکہ پکی سڑک کے نیچے بڑے بڑے گڑھے بھی کھدوا دیئے تاکہ دُشمن کی طرف سے حملہ کے لیے آنے والا کانوائے یہاں آ کر رک جائے۔

جب حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو علی اور دوسرے مجاہدین دُشمن کے کانوائے کا بے قراری سے انتظار کرنے لگے۔ دُشمن کے ہوائی حملے شدت سے جاری تھے۔ ایک دن تو دُشمن کے طیارے مسلسل رات اور دن مرکز پر بمباری کرتے رہے۔ بمباری اس قدر زیادہ تھی کہ مجاہدین کو غاروں سے باہر نکل کر کھانا کھانے نہ نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ مسجد بھی شہید ہو گئی اور طیارہ شکن توپوں پر متعین کئی مجاہد شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔

اس تباہ کن بمباری کو دیکھتے ہوئے علی نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''میرا خیال ہے کہ دُشمن آج لازماً کسی وقت زمینی حملہ کرے گا۔''

''اور پورا کانوائے زمین دوز بھول بھلیوں میں پھنس جائے گا۔'' عبدالرحمٰن نے علی کی بات مکمل کر دی۔

دوسرے دن گیارہ بجے کا وقت تھا جب علی کو مجاہدین نے کانوائے کے آنے کی اطلاع دی۔ کانوائے کا مقابلہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد صرف نوے تھی۔ بیس مجاہدین مختلف جگہوں پر متعین تھے اور اُن کی ذمہ داری یہ تھی کہ دُشمن کے فوجیوں کو اپنے پیچھے لگا کر بھول بھلیوں کے اندر لے جائیں۔ باقی ستر نے ٹینکوں اور گاڑیوں میں رہ جانے والے افسروں اور دوسرے فوجیوں کو ہلاک کرنا تھا۔

دُشمن کے کانوائے کو ہیلی کاپٹروں اور طیاروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ طیارے اردگرد وسیع،

عریض علاقے پر بمباری کر رہے تھے اور ہیلی کاپٹر کانوائے کے اردگرد ہر دو اطراف نیچی پرواز کے ذریعے شیلنگ کر رہے تھے۔

بھول بھلیوں کے علاقے کے قریب پہنچ کر کچھ ٹینک کھودے گئے گڑھوں میں پھنس گئے اور کچھ ٹینک شکن بارودی سرنگوں کا نشانہ بن گئے۔ کانوائے رُک گیا اور حسب سابق اردگرد زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ ہیلی کاپٹر بھی اردگرد مسلسل شیلنگ کر رہے تھے۔ مجاہدین اپنے مورچوں میں بیٹھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

دُشمن کے فوجی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکل کر آگے بڑھنے لگے۔ جن بیس مجاہدین کی ذمہ داری تھی کہ فوجیوں کو اپنے پیچھے لگائیں، اُن میں سے کچھ اپنے مورچوں سے نکلے، فائرنگ کی اور بھول بھلیوں کی طرف پسپا ہونے لگے۔ دُشمن کے کئی فوجی دستے اُن کا پیچھا کرنے لگے۔ بھول بھلیوں پر متعین دوسرے مجاہدین نے بھی ایسا ہی کیا، دُشمن کے باقی دستوں نے اُن کا پیچھا کیا۔

دُشمن کے فوجی بھول بھلیوں میں ایسے گم ہوئے کہ پھر باہر نہ نکل سکے۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں رہ جانے والے فوجیوں نے اُن کی واپسی کا خاصا انتظار کیا مگر جب وہ بہت دیر تک واپس نہ آئے تو وہ بھی ان کی تلاش میں باہر نکلے۔ مجاہدین نے ان کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا اور وہ بھی بھول بھلیوں میں داخل ہو کر واپسی کا راستہ بھول گئے۔

ٹینکوں، دوسری گاڑیوں اور ان میں بچ جانے والے دوسرے افراد پر دوسرے مجاہدین نے راکٹ لانچروں اور مشین گنوں سے حملہ کر دیا۔ کئی گاڑیوں اور ٹینکوں کو آگ لگ گئی۔ رُوسیوں نے واپس جانے کی کوشش کی مگر بچ کر جانا ناممکن تھا۔ بھول بھلیوں سے بچ جانے والوں میں سے بھی زیادہ تر مارے گئے اور باقی نے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک فرد بھی زندہ بچ کر واپس نہ جا سکا۔ گرفتار ہونے والے روسی اور افغان افسروں کی تعداد پندرہ تھی۔

مجاہدین کام کا اسلحہ مرکز لے گئے۔ ٹینکوں اور گاڑیوں میں سے جو کام کی تھیں، اُنہیں بھی مرکز لے گئے باقی کو وہیں پڑا رہنے دیا۔

مجاہدین نے پورے کانوائے کی تباہی پر خوشیاں منائیں اور شکرانے کے نفل ادا کیے۔ علی نے وائرلیس پر ہیڈکوارٹر بھی اس کامیابی کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع پا کر چیف کمانڈر نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور تمام مجاہدین بالخصوص عبدالرحمٰن اور علی کو مبارکباد پیش کی۔

دوسری طرف روسی افسر پورے کانوائے کے غائب ہو جانے پر نہایت پریشان تھے۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پورا کانوائے کیسے تباہ ہو گیا اور لاشیں کدھر گئیں۔ رُوسیوں نے ایک

اور کانوائے پہلے کانوائے کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ اس کانوائے کا حشر بھی پہلے کانوائے جیسا ہی ہوا۔ تیسرا کانوائے بھیجنے سے پہلے دُشمن نے بھول بھلیوں والے علاقے کا جائزہ لینے کے لیے اپنے انتہائی تربیت یافتہ کمانڈوز اتارے۔ کمانڈوز بھی بھول بھلیوں میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے یا پھر کچھ مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے اور روسی بھول بھلیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکے۔ دُشمن نے تیسرا کانوائے اس طرف بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ہوائی حملوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

بھول بھلیوں میں ہزاروں روسی فوجیوں کی ہلاکت مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ دُشمن علی کے اس مرکز کو ہر حالت میں تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ کابل میں روسی کمانڈروں کی میٹنگ شروع ہوئی تو ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ دونوں کانوائے مجاہدین نے کیسے تباہ کیے۔

ایک روسی افسر نے میٹنگ میں بحث کرتے ہوئے کہا: ''ہم نے اس مرکز کو تباہ کرنے یا پھر اُس پر قبضہ کرنے کا جو بھی منصوبہ بنایا وہ ناکام ہو گیا۔ مرکز پر اس قدر بمباری کی گئی جس سے کوئی چیز بھی وہاں سلامت نہیں بچ سکتی تھی لیکن اس کے باوجود مجاہدین کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ علی کوئی انسان نہیں، جن ہے جو جب اور جہاں چاہتا ہے، کامیاب کارروائی کر کے واپس چلا جاتا ہے۔''

ایک دوسرے افسر نے کہا: ''یہ وہی علی ہے جو ڈیڑھ سال پہلے گردیز میں کے جی بی اور خاد کے دفتر سے جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی، میجر فیاض اور اُن کے ساتھیوں کو نکال کر لے گیا تھا''۔

افغانستان کے مشرقی زون کے رُوسی فوجی کمانڈر کرنل زیبونوف نے اعلان کیا کہ علی کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لانے والے کو دس لاکھ روبل انعام دیا جائے گا اور جو آدمی کانواؤں کی تباہی کے بارے میں معلومات فراہم کرے گا، اُسے پانچ لاکھ روبل انعام ملے گا۔ (روبل، روسی کرنسی کا نام)





رات کا وقت تھا۔ عبدالرحمٰن، علی، محمد اسلام اور دوسرے مجاہدین بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ پاس ریڈیو بھی رکھا ہوا تھا۔ جونہی خبریں شروع ہوئیں، سب مجاہدین خبریں سننے لگے۔ سب سے پہلی خبر پاکستان میں ہونے والے بم کے دھماکوں کی تھی۔ اس سے قبل بھی روس کے ایجنٹ لاہور، پشاور، کراچی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں دھماکے کر چکے تھے۔ علی کو ان دھماکوں پر بہت دُکھ ہوا تھا۔ آج بھی جب اُس نے دھماکوں کی خبر سنی تو اُس نے قریب بیٹھے مجاہدین سے کہا: ''روسی انتہائی ظالم ہیں اور کمینے بھی۔ پاکستان کے بے گناہ عوام سے اس لیے انتقام لے رہے ہیں کہ وہ بے گھر افغان مہاجرین کی مدد کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں ان دھماکوں کا بدلہ ضرور لینا چاہیے۔''
دوسرے مجاہدین نے بھی ان دھماکوں پر افسوس کا اظہار کیا۔

دوسرے دن بھی علی یہی سوچتا رہا کہ روسیوں سے ان دھماکوں کا بدلہ کیسے لیا جائے۔ شہروں میں دھماکے کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا مگر اس میں بے گناہ افغان عوام کے مارے جانے کا خطرہ بھی تھا۔ علی نے فیصلہ کیا کہ ایک تو شہروں میں روسی فوجی چوکیوں اور دفتروں پر بھرپور حملے کیے جائیں گے اور دوسرے کمیونسٹوں کے محلوں اور چھاؤنیوں میں دھماکے بھی کیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں علی نے چیدہ چیدہ مجاہدین کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ سب نے علی کی باتوں سے اتفاق کیا۔

مجاہدین کے پاس اگرچہ روسیوں سے چھینی ہوئی چند بڑی گاڑیاں تھیں مگر ان گاڑیوں کے ذریعے شہروں میں دفتروں اور فوجی چوکیوں پر حملے کرنے جانا بہت مشکل تھا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے علی نے مجاہدین کے لیے گھوڑوں اور موٹر سائیکلوں کا انتظام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ماہ کے اندر ہی بیس گھوڑ سوار اور پندرہ موٹر سائیکل سوار مجاہدین کے دو دستے تیار ہو گئے۔

رات کے وقت گھڑ سوار مجاہدین کا دستہ جاتا اور کسی نہ کسی فوجی چوکی کا صفایا کر کے آ جاتا۔ ساتھ ہی بہت زیادہ اسلحہ اور خورد و نوش کا سامان بھی لے آتا۔ دن کے وقت موٹر سائیکلوں پر سوار دستے شہروں میں داخل ہو کر پولیس سٹیشنوں اور سرکاری دفتروں پر حملے کرتے۔ اس سے پہلے کہ دُشمن کے فوجی کوئی کارروائی کر سکتے وہ اتنی دیر میں شہر سے دور نکل جاتے۔

ایک دن علی کو خبر ملی کہ صوبائی دارالحکومت میں افغان کمیونسٹ اور روسی اگلے ہفتے ''انقلاب ثور'' کا جشن منائیں گے اور جلوس نکالیں گے۔ (انقلاب ثور: جس دن کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ نور محمد ترہ کئی برسراقتدار آیا تھا۔ یہ 27 اپریل کا دن تھا۔ کمیونسٹ نور محمد ترہ کئی کے برسراقتدار آنے کو ''انقلاب ثور'' یعنی اپریل والا انقلاب کہتے ہیں۔ بعد میں کمیونسٹوں نے اس انقلاب کے بانی نور محمد ترہ کئی کو خود ہی قتل کر ڈالا تھا۔) علی نے کہا کہ جشن کے اس جلوس کے راستے میں لازماً دھماکے کئے جائیں اور جلوس پر حملہ بھی کیا جائے۔

علی نے صوبائی دارالحکومت میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ کو وائرلیس پر پیغام دیا کہ جشن انقلاب ثور کے سلسلے میں نکالے جانے والے جلوس کے پروگرام سے فوراً مطلع کریں۔ اس کے ساتھ ہی علی نے دو مجاہدین کو صوبائی دارالحکومت بھیج دیا اور اُنہیں ہدایت کی کہ جیسے بھی ہو، جہاں بھی اور جس قیمت پر بھی ملے ایک مکان کرائے پر حاصل کریں۔

علی نے اس پروگرام سے صرف ان مجاہدین کو مطلع کیا جنہیں اس پروگرام میں حصہ لینا تھا۔ اُن کی تعداد علی سمیت تیرہ تھی۔

علی دوسرے مجاہدین کو ہدایات دینے کے بعد دو دن پہلے ہی شہر روانہ ہو گیا تا کہ وہ دھماکے کرنے اور جلوس پر حملہ کرنے کے پروگرام کو بہتر سے بہتر بنا سکے۔ دوسرے مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ ٹائم بم اور ہینڈ گرنیڈ لے کر صرف ایک دن پہلے شہر پہنچیں۔ علی نے عبدالرحمٰن کو ہدایت کی کہ وہ روسی فوجیوں کی وردیاں بھی ساتھ لیتا آئے۔

علی شہر میں ایک بوڑھے مریض کے بھیس میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے وہ اُس مکان میں پہنچا جو مجاہدین نے کرائے پر لیا تھا۔ مکان کا جائزہ لینے کے بعد علی نے مجاہدین کے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور روسیوں کے انتظامات کے بارے میں مزید تفصیلات حاصل کیں۔ دوسرے دن صبح کو علی نے تمام راستوں کا جائزہ لیا اور اُن جگہوں کو ذہن میں محفوظ کر لیا جہاں ٹائم بم رکھے جا سکتے تھے۔

واپس آ کر علی نے کھاد کی چھ بوریاں اور دو گیلن پٹرول منگوایا۔ بیس کے قریب اشتہار لکھے۔ اُن اشتہاروں میں لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ جشن انقلاب ثور کے جلوس میں شریک نہ ہوں، بصورت دیگر اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

یہ اشتہار لکھنے کے بعد علی باہر آ گیا اور چار جگہوں پر ان پڑھ مزدوروں کو پیسے دے کر کہا کہ اُنہیں چوکوں میں نمایاں جگہوں پر لگا دیں۔ بیس اشتہار ایک آدمی بھی لگا سکتا تھا لیکن علی کا خیال تھا کہ

اگر ایک آدمی نے سارے اشتہار لگائے تو وقت زیادہ لگے گا اور زیادہ وقت لگنے کی وجہ سے حکومت کے جاسوسوں کو پتا چل جائے گا۔ اس طرح مزدوروں کے گرفتار ہونے کا خطرہ تھا۔

چار مزدوروں نے چند ہی منٹوں میں سارے اشتہار لگا دیئے۔

جب علی واپس مکان میں پہنچا تو عبدالرحمٰن دوسرے مجاہدین کے ساتھ آ چکا تھا۔ شام تک مجاہدین نے آرام کیا۔ شام کو علی نے دوبارہ کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور تازہ ترین صورتحال سے آگاہی حاصل کی۔ کیپٹن عبیداللہ نے بتایا کہ رات کو جلوس کے راستے پر مکمل گشت ہو گا اور اشتہار پڑھنے کے بعد شہر میں داخل ہونے والے ہر فرد کو چیک کیا جا رہا ہے۔ علی نے عبیداللہ سے کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ جلوس کے راستے کی صفائی کا کام کس وقت شروع ہو گا۔

عبیداللہ نے ایک گھنٹے بعد علی کو اطلاع دی کہ جلوس کے راستے کی صفائی کا کام سحری کے وقت شروع ہو گا اور روسی فوجی خود صفائی کے کام کی نگرانی کریں گے۔

عبدالرحمٰن نے علی سے پوچھا: ''جب آپ کے جاسوسوں کی اپنی عمارت موجود تھی تو پھر آپ نے یہ عمارت کرائے پر کیوں لی؟ اب آپ کو بار بار اُن سے رابطہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم وہاں بھی ٹھہر سکتے تھے۔''

''برادر عبدالرحمٰن! جاسوسوں کو بعد میں بھی کام کرنا ہے جبکہ ہم نے یہ کارروائی کر کے چلے جانا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد جب تفتیش ہو گی تو عمارت کا سراغ لگانا کوئی مشکل کام نہ ہو گا اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے جاسوس کسی صورت بھی حکومت کی نظروں میں آئیں۔'' علی نے بتایا

رات کے دو بجے تھے۔ مجاہدین نے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ ٹائم بموں کو مختلف اوقات پر فکس کر کے کھاد کی بوریوں میں رکھا گیا۔ کھاد کو پٹرول سے پوری طرح بھگو دیا گیا۔ اس طرح ٹائم بموں کی طاقت میں جہاں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا وہاں کھاد کی بوریوں پر کسی کو ٹائم بم ہونے کا شک نہیں ہو سکتا تھا۔ علی نے مجاہدین کو بتایا کہ جب یہ بم پھٹیں گے تو دور دور تک تباہی پھیلے گی۔ دو بم کمیونسٹوں کے محلے میں رکھے جائیں گے۔ کمیونسٹ جلوس سے بچ کر اپنے گھروں کو بھاگیں گے تو محلے میں یہ بم اُن کا استقبال کریں گے اور جب اُن کے گھر والے ان بموں سے مریں گے تو اُنہیں بھی احساس ہو گا کہ پاکستان میں اُن کے کرائے گئے دھماکوں سے جو معصوم بچے، عورتیں اور مرد شہید ہوتے ہیں تو اُن کے رشتے داروں پر کیا گزرتی ہے۔ باقی چاروں ٹائم بم مختلف جگہوں پر رکھے جائیں گے تا کہ اگر جلوس ایک جگہ سے بچ کر نکل جائے تو دوسری جگہ اُن کا شکار ہو جائے۔

علی نے سحری کے وقت ایک مجاہد کو بھیجا کہ وہ باہر کا جائزہ لے کر آئے۔ مجاہدین نے آ کر بتایا کہ جلوس کے راستے کی صفائی شروع ہو چکی ہے۔ علی نے چار مجاہدین سے کہا کہ خاکروبوں کا لباس

پہن لیں۔ باقی مجاہدین کو روسی وردیاں پہنا دی گئیں اور عبدالرحمٰن کو سب کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ علی خود بھی خاکروب کے بہروپ میں تھا۔ سفید بالوں والی ڈاڑھی اور بوڑھے مریض کا میک اپ اُتار چکا تھا۔

راستے میں عبدالرحمٰن نے ایک دو جگہ رُوسی سپاہیوں سے گفتگو بھی کی۔ اُس کی وجہ سے کسی کو بھی شک نہ گزرا۔ عبدالرحمٰن جب اُس سڑک پر پہنچا جہاں بم رکھنے تھے تو وہاں پہنچ کر صفائی کرنے والے خاکروبوں کو جھڑکا کہ وہ صحیح کام نہیں کر رہے اور اپنے ساتھ لائے ہوئے مجاہد خاکروبوں سے کہا کہ اس سڑک پر صفائی کا کام تم سنبھالو۔ اصل خاکروبوں کو دوسری سڑک پر روانہ کر دیا' جہاں کوئی خاکروب تھا نہ کوئی روسی۔ نگرانی کرنے والے روسی سپاہیوں سے کہا کہ تم بھی دوسری سڑک پر چلے جاؤ اور کام کی صحیح نگرانی کرو' یہاں میں خود موجود ہوں' اس لیے یہاں تمہاری ضرورت نہیں۔ رُوسی سپاہیوں نے عبدالرحمٰن کو روسی افسر سمجھ کر فوراً حکم کی تعمیل کی۔

روسی فوجیوں اور اصلی خاکروبوں کے جانے کے بعد علی نے دو مختلف جگہوں پر فٹ پاتھ کی اینٹیں اُکھڑوائیں اور کھاد کی بوریاں زمین میں دفنا دی گئیں۔ پھر اینٹوں کو دوبارہ بڑی مہارت سے لگا کر سڑک اچھی طرح صاف کر دی گئی۔ واپسی پر دو بوریوں کو کیمونسٹوں کے محلے میں کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر میں چھپا دیا گیا۔

کرائے کا مکان جلوس کے راستے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ علی نے مجاہدین سے مشورے کے بعد طے کیا کہ جلوس کا اگلا حصہ جو فوجیوں اور اُن کی گاڑیوں پر مشتمل ہوگا' اگر کسی وجہ سے بموں کے دھماکوں کی لپیٹ میں آنے سے بچ گیا تو ہم اُن پر ہینڈ گرنیڈوں سے حملہ کریں گے۔

اشتہارات کی وجہ سے مجاہدین کے حملے کا خوف خاصا پھیل گیا تھا' اس لیے شہر کے عام لوگوں نے جلوس میں شرکت نہ کی مگر کیمونسٹ پوری تیاری سے شریک ہوئے۔ جلوس میں روسی فوجیوں کے علاوہ افغان فوجی بھی بھاری تعداد میں شریک تھے۔ جلوس میں روسی پرچم کے علاوہ لینن اور گورباچوف کی تصویریں کیمونسٹوں نے اٹھائی ہوئی تھیں۔ کیمونسٹ ''روس زندہ باد' گورباچوف زندہ باد' دقیانوسی نظام (اسلام) مردہ باد' انقلاب ثور زندہ باد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ کیمونسٹ لڑکیاں اور لڑکے ڈانس کر رہے تھے۔ کیمونسٹ رہنماؤں نے مجاہدین اور پاکستان کے خلاف تقریریں کیں اور لینن کو نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑا لیڈر قرار دیا۔ جلوس کے آگے آگے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے تھے اور اوپر ہیلی کاپٹر مسلسل پرواز کر رہے تھے۔ مسلح فوجی دستے سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔

جلوس جب ٹائم بموں کے قریب پہنچا تو دور کھڑے مجاہدین نے اپنی اپنی کلائی گھڑیوں کو

دیکھا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ جلوس بہت آہستہ چل رہا تھا مگر دس منٹوں میں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے ٹائم بموں کے قریب پہنچ گئے۔

علی اپنی کلائی گھڑی دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹائم بم زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹے۔ جلوس کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ روسی فوجیوں اور اسلام کے خلاف نعرے لگانے والوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرنے لگیں۔ کھاد میں پٹرول ڈالے جانے کی وجہ سے اردگرد کے کئی مکانوں کو آگ لگ گئی۔ کچھ لوگ پیچھے اور کچھ لوگ آگے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ پیچھے راستہ بند ہو چکا تھا۔ لوگ آگے کی طرف دوڑے تو اگلے ٹائم بم بھی پھٹ پڑے۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں اُلٹ گئیں۔ بچنے والے فوجی آگے کی طرف بھاگے تو مجاہدین نے اُن پر گرنیڈوں سے حملہ کر دیا۔ پوری سڑک پر اسلام دشمنوں کی لاشیں تڑپنے لگیں۔ سڑک کے دونوں طرف مکانوں کو آگ لگ چکی تھی جو تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ دھوئیں کے بادل پورے شہر پر چھا چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کیمونسٹوں کے محلے سے بھی زبردست دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں۔

مجاہدین ہینڈ گرنیڈ پھینک کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ دور کھڑے کچھ روسی فوجیوں نے اُنہیں دیکھ لیا۔ وہ اُن کی طرف بھاگے۔ علی نے مجاہدین سے کہا کہ وہ دو دو تین تین ہو کر شہر سے باہر نکلنے کی کوشش کریں۔





علی اور عبدالرحمٰن غلطی سے ایک ایسی گلی میں داخل ہو گئے جو آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ واپس مڑے تو اُنہیں دور سے رُوسی فوجی نظر آئے جو اُنہی کی طرف آ رہے تھے۔ اُن کی نظریں بالکل سامنے تھیں، اس وجہ سے وہ گلی میں علی اور عبدالرحمٰن کو نہ دیکھ سکے۔ علی اور عبدالرحمٰن فوراً ایک گھر میں کھلا دروازہ دیکھ کر داخل ہو گئے۔ داخل ہونے کے بعد اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

اس گھر میں ایک بوڑھی عورت اور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ بوڑھی عورت نے علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھا تو آگے بڑھ کر پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟

''کچھ نہیں اماں! رُوسی ہمیں پکڑنا چاہتے ہیں۔'' علی نے کہا

بوڑھی عورت بولی: ''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ مجاہد ہیں۔''

علی نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو بوڑھی عورت اُنہیں اندر لے گئی اور دونوں کو سب سے پچھلے کمرے میں چھپا دیا اور کہا کہ بیٹا تم بے فکر ہو کر یہاں آرام کرو۔

بڑھیا نے اُنہیں دوپہر کا کھانا بھی دیا اور کہا: ''بیٹا! رات تک آپ کو یہیں رہنا پڑے گا۔ رُوسی فوجی پورے شہر میں تلاشی لے رہے ہیں۔ جونہی باہر کے حالات ٹھیک ہوئے، میں آپ کو بتا دوں گی۔''

رات کا کھانا کھا کر وہ فارغ ہوئے ہی تھے کہ اُنہیں باہر سے بڑھیا کی آواز سنائی دی: ''بیٹا! تم صبح سے کہاں تھے؟ پورے شہر میں قیامت برپا ہو گئی اور تم اب آ رہے ہو۔''

''ہاں امی جان! تخریب کاروں نے بہت تباہی مچائی ہے۔ سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں اور ان گنت زخمی ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی مدد کرتے ہوئے باہر دیر ہو گئی۔ میرے بازو پر بھی معمولی زخم آئے ہیں۔'' بڑھیا کے بیٹے نے جواب دیا۔

بڑھیا کے بیٹے کی باتیں سن کر علی اور عبدالرحمٰن کچھ پریشان ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہمارے ساتھ تو آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے والا معاملہ ہوا ہے۔ علی نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر نہ کرو، اللہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا۔

بڑھیا کی آواز پھر سنائی دی: ''بیٹا! میں نے تمہیں پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ لادینوں کا ساتھ

چھوڑ دے۔ روٹی اور کپڑے کی خاطر اپنے دین کو نہ بیچ۔ خدا کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر۔ میں مرنے کے بعد تمہارے مرحوم باپ کو کیا جواب دوں گی؟ تمہارا باپ تو انگریزوں کے خلاف لڑنے والا مجاہد تھا مگر تم کافروں کے ساتھی بن گئے ہو۔''

بڑھیا کے لڑکے نے چیختے ہوئے جواب دیا: ''امی! میں آپ سے کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ چودہ سو سال پرانے مذہب کی باتیں میرے سامنے نہ دہرایا کرو۔ خدا اور رسول کا فضول ذکر میرے سامنے نہ کیا کرو۔ مجھے تمہارے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اللہ ہی ہے جو تجھے سمجھائے!'' بڑھیا نے حسرت سے کہا۔

بڑھیا کا لڑکا پچھلے کمرے کی طرف بڑھا تو بڑھیا نے اُسے روکتے ہوئے کہا کہ پچھلے کمرے میں مت جاؤ۔ ادھر واپس آ جاؤ۔

''مگر کیوں؟'' اُس کے لڑکے نے پوچھا۔

''کوئی بات تو ''کیوں'' کے بغیر بھی مان لیا کرو۔'' بڑھیا نے غصے سے کہا مگر وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھ کر فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ مجاہدین ہیں۔ اُس نے پستول نکال لیا اور غصے سے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟''

اس سے پہلے کہ علی یا عبدالرحمٰن کوئی جواب دیتے، بڑھیا اسے گریبان سے پکڑ کر باہر لے گئی اور کہا: ''میں بتا دیتی ہوں کہ یہ کون ہیں۔ یہ غیرت مند افغان ہیں۔ اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے والے ہیں۔ تمہاری طرح ایمان فروش نہیں۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے امی کہ تخریب کاروں کو آپ نے اس گھر میں پناہ دی ہوئی ہے اور ہم اُنہیں سارا دن باہر ڈھونڈتے پھرتے رہے۔ میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔'' لڑکے نے کہا۔

بڑھیا کی لڑکی شروع سے خاموش تھی، پولیس کا سن کر بول پڑی: ''بھائی جان! ہم تمہیں یہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''طاہرہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان لوگوں کے دھماکوں کی وجہ سے سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں۔ میں ان انقلاب دشمنوں کو معاف نہیں کر سکتا۔''

طاہرہ نے کہا: ''جن لاکھوں افغان مسلمانوں کو روسیوں نے شہید کیا ہے کیا وہ تمہیں نظر نہیں آتے؟ اور کیا پاکستان میں تم لوگ جو دھماکے کراتے ہو، اُن دھماکوں سے انسان نہیں مرتے؟''

''کچھ بھی ہو میں ان کو لازماً گرفتار کراؤں گا اور ہاں طاہرہ! ان کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام بھی ملے گا۔ حکومت نے ایک تخریب کار کے بدلے ایک لاکھ روپے کا اعلان کیا ہے۔ اس رقم سے

تمہارے لیے بہت خوبصورت زیور لاؤں گا۔ ایسا زیور لاؤں گا جسے تم دیکھتی ہی رہ جاؤ۔'' لڑکے نے فیصلہ کن انداز سے کہا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر باہر کی طرف چل پڑا تو طاہرہ اُس کے آگے کھڑی ہوگئی اور اُس نے کہا:

''بھائی جان! میں اُس زیور پر لعنت بھیجتی ہوئی جو ایمان فروشی کے بدلے ملے اور جو مجاہدین کے خون سے سرخ ہوا ہو.......... بھائی جان! ہمیں خدا کے سامنے مزید شرمندہ نہ کراؤ اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کا باعث نہ بنو۔ ہم نے پہلے ہی بڑی مشکل سے تمہاری ملک دُشمنی کو برداشت کیا ہوا ہے۔ میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں کہ مجاہدین کو گرفتار کرانے کا ارادہ ترک کردو۔''

''میں تمہاری یہ فضول بات نہیں مان سکتا۔ احمق لڑکی......!'' کمیونسٹ بھائی نے طاہرہ کو راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

طاہرہ دوڑتی ہوئی اندر گئی' ہاتھ میں خنجر لیے باہر آئی اور اپنے بھائی کو پکڑ کر کہنے لگی:

''بھائی جان! میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نے میری التجا نہ مانی تو پھر یہ بھی سن لو کہ دین کی خاطر آج بہن بھائی کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ میں تم جیسے دین دُشمن بھائی کو تو اپنے ہاتھوں سے قتل کرسکتی ہوں مگر مجاہدین کا اس گھر سے گرفتار ہونا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی۔''

بدبخت کمیونسٹ بھائی نے زور سے تھپڑ مار کر بہن کو پیچھے گرا دیا اور خود باہر کی طرف چل پڑا۔ طاہرہ بھی غصے سے اُٹھی اور اُس نے خنجر اپنے بھائی کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ وہ نیچے گرا تو طاہرہ نے دوسری دفعہ خنجر کا وار اُس کے دل کے قریب کیا۔

بھائی کو قتل کرنے کے بعد اُس نے اپنی ماں سے کہا:''اماں! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے لادین بیٹے کو قتل کر دیا۔ اگر میں اس دین کے دُشمن کو قتل نہ کرتی تو یہ دین کے محافظوں کو قتل کروا دیتا۔ اماں! دین کا دُشمن کسی مسلمان ماں کا بیٹا نہیں ہوسکتا۔ مجھے تو اس بات کا دُکھ ہے کہ وہ خون کے رشتے سے میرا بھائی تھا۔ کاش! وہ روسیوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوتا تو میں بھی فخر سے اُسے اپنا بھائی کہتی۔''

''بیٹی! تم نے جو کچھ کیا' اللہ کی خاطر کیا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ دُعا کرو' اللہ مجھے صبر دے۔'' بڑھیا نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد بڑھیا نے دروازہ کھولا' علی اور عبدالرحمٰن سے کہا:''بیٹا! باہر اندھیرا چھا گیا ہے۔ آپ لوگ چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رُوسی تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں پہنچ جائیں۔''

''اماں! آپ نے اپنے بیٹے کو ہماری خاطر قربان کر دیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ سے

اظہارِ افسوس کریں یا آپ کا شکریہ ادا کریں۔ وہ آپ کے بڑھاپے کا سہارا اور اکلوتا بیٹا تھا۔''

علی کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ بڑھیا کہنے لگی:''بیٹا! جو لڑکا اپنے وطن اور دین کا نہ بن سکا' وہ میرا بیٹا کیسے ہوسکتا تھا؟ میرے بیٹے وہ ہیں جو مادرِ وطن اور دین کے لیے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ سارے مجاہدین میرے بیٹے ہیں۔ مجھے اسے (اپنے بیٹے کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اپنا بیٹا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

''اماں! جب آپ نے ہمیں اپنا بیٹا کہا ہی ہے تو جب بھی کوئی مشکل آئے یا ضرورت پڑے تو اپنے ان بیٹوں کو ضرور یاد کرلینا۔'' علی یہ کہہ کر چل پڑا۔

وہ دروازے تک آچکے تھے کہ عبدالرحمٰن مڑ کر پیچھے گیا۔ طاہرہ جو چادر میں اپنا چہرہ لپیٹے کھڑی تھی' اُسے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے کہا:''طاہرہ! میں ایک روسی مسلمان ہوں۔ تم نے جس دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کیا ہے' میں اُسی دین کی خاطر تمہیں اپنی بہن بناتا ہوں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ افغانستان میں بھائی اپنی بہنوں کے لیے کیا کرتے ہیں مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں تم جیسی غیرت مند بہن کے لیے اپنی جان بھی دینے کو حاضر ہوں۔''

پھر وہ طاہرہ کی ماں سے مخاطب ہوا:''اماں! جب طاہرہ میری بہن بن گئی ہے تو آپ میری ماں ہیں۔ میں یہ کچھ رقم ماں سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میں نہیں چاہوں گا کہ میری ماں اور بہن پیٹ بھرنے کے لیے مزدوری کرتی پھریں۔ میں بعد میں بھی آپ کی ضرورت کی ہر چیز بھیجتا رہوں گا۔''

''نہیں بیٹا! میں نے تمہاری زندگی پیسے کے لیے نہیں بچائی۔ میں نے خدا کے لیے تمہاری مدد کی ہے۔ وہی مجھے کھانے کے لیے بھی دے گا۔'' بڑھیا نے کہا۔

''اماں! آپ نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین کو بچانے کے لیے قتل کیا ہے اور اس کا اجر تو خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ رقم تو میں ایک بیٹے کی حیثیت سے ماں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے یہ رقم نہ لی تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ میں آپ کا بیٹا اور طاہرہ کا بھائی بن سکوں۔ اماں! رُوس سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا ہے اور رُوس میں اپنے ماں باپ سے ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ افغان مجاہدین نے مجھے بھائیوں کا پیار دیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میری آپ جیسی کوئی ماں اور طاہرہ جیسی بہن بھی ہو لیکن شاید آپ نے رُوسی مسلمان کو اس قابل ہی نہیں سمجھا۔'' عبدالرحمٰن نے بڑے دردمندانہ لہجے میں کہا۔

اس پر طاہرہ نے اپنی ماں سے کہا:''اماں! آپ بھائی جان کا دل نہ دکھائیں۔ پیسے لے لیں۔''
عبدالرحمٰن نے طاہرہ کا شکریہ ادا کیا۔ طاہرہ اور اُس کی ماں نے عبدالرحمٰن اور علی کو دعاؤں کے

ساتھ رخصت کیا۔

علی اور عبدالرحمٰن خاصی مشکلوں سے گزرنے کے بعد شہر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

راستے میں عبدالرحمٰن نے علی سے کہا: ''برادر علی! میں آج سے پہلے یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دین کی خاطر کوئی بہن اپنے بھائی کو یوں قتل بھی کر سکتی ہے۔ افغانستان کی مائیں اور بہنیں بہت عظیم ہیں۔ طاہرہ اور اُس کی ماں چاہتیں تو ہمیں گرفتار کروا کے اپنے بیٹے کی عزت میں اضافہ کروا سکتی تھیں اور لاکھوں افغانی کا انعام بھی حاصل کر سکتی تھیں لیکن اُنہوں نے دین کی خاطر دولت ہی نہیں' خون کے اتنے قریبی رشتے کو بھی قربان کر دیا۔ مجھے تو یہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ یہ عورتیں اس زمانے کی نہیں۔''

''عبدالرحمٰن! افغانستان کے مسلمان دین کی خاطر ہر چیز کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ پہلی مثال ہوگی۔ یہاں یہ بھی ہوا کہ باپ نے بیٹے کو اور بیوی نے شوہر کو دین کی خاطر قتل کر دیا۔ یہ انہی لوگوں کی قربانیاں ہیں جن کی بدولت ہمیں ناقص ہتھیاروں کے باوجود روس جیسی سپر طاقت کے مقابلے میں فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔'' علی نے عبدالرحمٰن کو بتایا۔

وہ مرکز پہنچے تو دوسرے مجاہدین پہلے ہی خیر و عافیت سے پہنچ چکے تھے۔

ان دھماکوں کے بعد رُوسی کرنل زیبونوف نے کابل میں روسی فوجی افسروں کی میٹنگ فوراً بلا لی۔ میٹنگ میں بھی علی کی ذات زیر بحث تھی۔ گھوڑ سوار اور موٹر سائیکل سوار دستوں کی کارروائیاں بھی زیر بحث آئیں۔ کرنل زیبونوف نے اعلان کیا کہ علی کو گرفتار کرنے کے لیے بیس لاکھ روبل انعام کا اعلان تمام شہروں اور دیہات میں کر دیا جائے۔ کرنل نے کہا کہ اتنے بڑے انعام کے لالچ میں علی کا کوئی بھی ساتھی اُسے گرفتار کروا دے گا۔

ایک روسی افسر نے تجویز پیش کی کہ علی کے مرکز کو تباہ کرنے اور علی کو گرفتار یا ہلاک کرنے کے لیے کیوں نہ سپٹسناز دستے اس کے مرکز میں اتارے جائیں۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں مگر سپٹسناز کی کارروائی کی منظوری لینے اور اُن کو یہاں لانے میں کم از کم تین چار ماہ لگ جائیں گے۔ اس سے زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔'' کرنل زیبونوف نے کہا:

''لیکن' ہمیں علی کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔'' ایک دوسرے روسی افسر نے کہا۔

کرنل زیبونوف نے جواب دیا: ''فی الحال ہوائی حملوں میں مزید شدت پیدا کی جائے۔ علی کے گروپ میں سے اپنے جاسوس بنائے جائیں اور مجاہدین کے بھیس میں اپنے تربیت یافتہ جاسوس بھی بھیجے جائیں۔ سپٹسناز کے بارے میں اگلے ماہ ہونے والی میٹنگ میں غور ہوگا۔''

سپٹسناز والی اطلاع کابل میں مجاہدین کے ایک جاسوس کو مل گئی۔ اُس نے یہ اطلاع فوراً اپنے چیف کو پہنچائی کیونکہ اس اطلاع کا تعلق علی سے تھا اس لئے چیف نے ہیڈکوارٹر میں چیف کمانڈر سے مشورہ کیا۔ کمانڈر صاحب نے کابل کے چیف کو ہدایت کی کہ علی کو یہ معلومات فوراً براہ راست پہنچائی جائیں۔

چیف نے علی کو وائرلیس پر یہ اطلاع دی کہ اس مرکز پر سپٹسناز اتارنے کا منصوبہ بن رہا ہے۔

''سپٹسناز کیا ہوتے ہیں؟'' علی نے پوچھا تو چیف نے بتایا کہ مجھے فی الحال اُن کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ جونہی معلوم ہوا آگاہ کر دوں گا۔''

''سپٹسناز کب اُتارنے کا منصوبہ ہے؟'' علی نے پوچھا

تو چیف نے بتایا: ''تین چار ماہ تک''

سپٹسناز کے حملے کی تصدیق صوبائی دارالحکومت سے کیپٹن عبیداللہ نے بھی دوسرے دن کر دی لیکن کسی نے بھی یہ نہ بتایا کہ سپٹسناز ہوتے کیا ہیں۔

علی نے سپٹسناز کا ذکر عبدالرحمٰن سے کیا تو وہ یہ نام سن کر ہی پریشان ہو گیا۔ اُس نے علی کو بتایا کہ یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔ سپٹسناز' روس کے وہ خونخوار فوجی دستے ہیں جن کا نام ہی سن کر یورپ کے لوگ اور فوجی کانپنے لگتے ہیں۔ اُس نے مزید بتایا کہ ان دستوں میں شامل فوجیوں کو بچپن ہی میں بھرتی کر لیا جاتا ہے اور جنگلوں کے اندر خونخوار درندوں کی طرح اُن کی پرورش کی جاتی ہے۔ جانوروں کا خون پلایا اور کچا گوشت کھلایا جاتا ہے۔ اُن کی انتہائی سخت تربیت کی جاتی ہے۔ انسانیت اور رحم نام کی ہر چیز اُن کے ذہن سے نکال دی جاتی ہے۔ اُن کے جسم فولادی مگر چیتے کی طرح پھرتیلے ہوتے ہیں اور یہ لوگ بھیڑیے کی طرح ظالم اور سفاک بن جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پتھروں میں پھول اُگ سکتے ہیں مگر سپٹسناز کے دلوں میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ اُن میں جنگل کے وحشی اور ظالم درندوں کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنے مخالفوں کو بڑی بے رحمی سے چبا ڈالتے ہیں۔ ہم سپٹسناز کو تربیت یافتہ' درندہ صفت' ظالم اور سفاک وحشی فوجی کا نام دے سکتے ہیں۔ آج تک کسی جگہ بھی دُنیا کی کوئی فوج ان کا مقابلہ نہیں کر پائی۔

اللہ نے علی کو وہ حوصلہ عطا کیا ہوا تھا کہ برے سے برے حالات میں بھی وہ پریشان نہ ہوتا تھا۔ اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''اس کا کوئی حل سوچو۔ میں بھی سوچتا ہوں۔ کل انشاء اللہ پھر بات ہوگی۔''

دوسرے دن علی نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''سپٹسناز کا حملہ تین چار ماہ بعد ہوگا۔ اگر اس دوران میں ہم منتخب مجاہدین کی تربیت اس طرح کر لیں کہ وہ سپٹسناز کا مقابلہ کر سکیں تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں تمام مراکز سے انتہائی صحت مند اور ہر حالت میں جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھنے والے

مجاہدین کو الگ کر لیتے ہیں۔ انہیں سخت تربیتی مراحل سے گزارتے ہیں۔ اگر سپٹسناز کی جنگلوں میں تربیت ہوئی ہے تو مجاہدین بھی پہاڑوں' جنگلوں اور چٹانوں میں کھیل کر جوان ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان کی تربیت کا اہتمام کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ سپٹسناز سے زیادہ بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔''

عبدالرحمٰن نے تجویز سے اتفاق کیا۔ علی نے تمام مراکز سے وائرلیس پر رابطہ قائم کیا اور تمام کمانڈروں کو منتخب مجاہدین بھیجنے کو کہا۔ ''کمانڈروں کو بتا دیا گیا کہ ہمیں کن خوبیوں والے مجاہدین درکار ہیں۔

تیسرے دن ڈیڑھ سو مجاہدین اس مقصد کیلئے اکٹھے ہو چکے تھے۔ علی نے عبدالرحمٰن کو اُن کا انچارج مقرر کرتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! تین ماہ کے اندر اندر ان مجاہدین کو چیتے سے زیادہ پھرتیلے اور شیر سے زیادہ بہادر بنا دو۔ تربیت کے لیے جس سامان کی بھی ضرورت ہوگی' وہ تمہیں بروقت ملے گا۔''

عبدالرحمٰن نے علی کو سامان کی فہرست بنا کر دے دی۔ چند ہی روز میں علی نے وہ تمام سامان عبدالرحمٰن کو فراہم کر دیا۔

پہاڑوں میں واقع ایک اور وادی کو ان مجاہدین کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ علی نے عبدالرحمٰن سے کہا:

''ہم ان مجاہدین کو دوسرے مجاہدین کی نظروں سے تو اوجھل نہیں رکھ سکتے مگر دوسرے مجاہدین کو علم نہ ہونے پائے کہ ان مجاہدین کی تربیت کس مقصد کیلئے کر رہے ہیں۔''

علی نے ان مجاہدین کی خوراک کے لیے بھی خصوصی انتظامات کیے۔ اُس نے دودھ اور گوشت کا مسئلہ حل کرنے کے لیے شہر کے قریب سرکاری ڈیری فارم پر حملہ کیا اور بہت بڑی تعداد میں بھیڑ بکریاں اور گائیں لا کر عبدالرحمٰن کے حوالے کر دیں۔ چند مجاہدین کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ مرکز میں ایک ڈیری فارم قائم کریں جن میں بھیڑ بکریاں' گائیں اور مرغیاں خاصی تعداد میں پالی جائیں تاکہ مجاہدین کو گوشت کی کمی نہ ہونے پائے۔ سبزیوں کی کاشت تو مجاہدین پہلے ہی کرتے تھے۔ علی نے خوراک کے مسئلے کو مزید بہتر بنانے کے لیے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ تشکیل دیا اور اُس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ خوراک کے سرکاری ذخائر اور سٹوروں پر حملہ کر کے زیادہ سے زیادہ سامان خورد و نوش لائیں۔

عبدالرحمٰن نے منتخب مجاہدین کی تربیت کا کام شروع کر دیا۔ اُن کی تربیت میں سخت ورزشوں کے علاوہ پہاڑوں پر دوڑ کر چڑھنا' کھائیوں کو پھلانگنا' ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگانا' تیراکی' خنجر اور بندوق کو انتہائی مہارت سے چلانا اور بندوق کی گولیوں سے بچاؤ وغیرہ کے علاوہ

بہت سی دوسری مشقیں بھی شامل تھیں۔

علی روزانہ مجاہدین کی تربیت کو دیکھتا اور عبدالرحمٰن کو وقتاً فوقتاً مشورے دیتا رہتا۔ محمد اسلام نے ایک دن عبدالرحمٰن اور علی سے کہا:

''اگر مجھے کچھ سامان لا دیا جائے تو میں ایسے دستانے تیار کر کے دے سکتا ہوں جن کے اندر ایک ایسی گیس ہوگی جو لمحوں میں کسی بھی جاندار چیز کو مار سکتی ہے۔''

علی نے سامان کی تفصیل پوچھی۔ دستانوں کا سامان زیادہ مہنگا نہیں تھا۔ گیس کے لیے درکار مختلف کیمیکلز بھی بہت سستے تھے اور پاکستان سے مل سکتے تھے۔

علی نے محمد اسلام کے لیے یہ سامان لانے کے لیے مجاہدین پاکستان بھیج دیے۔





اُدھر روسیوں نے اپنے جاسوس مجاہدین میں داخل کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ منصوبہ انتہائی مہارت سے بنایا گیا تھا۔ اس منصوبے کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ یہ تھا کہ مرکز میں پہلے سے موجود مجاہدین کو خریدا جائے اور دوسرا مجاہدین کے بھیس میں جاسوس داخل کرنے کا تھا۔ روسی دونوں منصوبوں پر بیک وقت عمل کر رہے تھے۔

ایک دن تین افغان فوجی مرکز آئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم کمانڈر سے ملنا چاہتے ہیں۔ مرکز کی استقبالیہ پوسٹ پر ابتدائی تفتیش کے بعد علی کو اطلاع کی گئی۔ علی نے اُنہیں اندر بلا لیا۔

اُنہوں نے بتایا کہ ہم روسی فوج سے بھاگ کر آئے ہیں۔ افغان عوام پر روسی فوج کے مظالم کا ہم مزید ساتھ نہیں دے سکتے۔ مجاہدین کے خلاف لڑتے ہوئے ہمیں ہمارا ضمیر بار بار ملامت کرتا تھا' اس لیے ہم نے فوج سے بھاگنے کا منصوبہ بنایا اور آج اسلحہ سمیت ادھر چلے آئے ہیں۔ اسلحہ استقبالیہ پوسٹ پر جمع کروا دیا ہے۔

علی نے اُن سے بہت سے سوالات پوچھے اور اُنہوں نے اپنے جوابات سے علی کو مطمئن کر دیا۔ علی نے اُنہیں مجاہدین میں شامل ہونے کی نہ صرف اجازت دے دی بلکہ مبارکباد بھی دی۔

ابھی وہ علی کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد اسلام اُدھر چلا آیا۔ اُس نے دور ہی سے تینوں کو پہچان لیا۔ وہ تینوں کابل حکومت کی دہشت گرد تنظیم ''خاد'' کے افسر تھے۔ محمد اسلام نے تینوں کے بارے میں علی کو بتایا کہ یہ تو خاد کے افسر ہیں۔ علی نے بتایا کہ یہ لوگ خاد کے نہیں بلکہ افغان فوج کے افسر تھے اور بھاگ کر آئے ہیں اور اب مجاہدین میں شامل ہو گئے ہیں۔

محمد اسلام نے کہا کہ بہتر ہے آپ ان کے بارے میں مزید تفتیش کر لیں کیونکہ اتنے پکے کمیونسٹ مجاہدین سے نہیں مل سکتے۔ یقیناً یہ مجاہدین کی جاسوسی کرنے آئے ہیں۔ تینوں افغان افسروں نے اس پر احتجاج کیا لیکن علی نے محمد اسلام کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے اُن سے کہا:

''آپ لوگ مزید چند روز کے لیے زیرِ تفتیش رہیں گے۔ جب تک آپ لوگوں کی بتائی ہوئی معلومات کی ہم تحقیق نہیں کر لیتے' آپ زیرِ حراست رہیں گے۔ اگر آپ واقعی خلوص نیت سے مجاہدین

میں شامل ہونے آئے ہیں تو تفتیش کے سلسلے میں آپ کو مجاہدین سے پورا پورا تعاون کرنا چاہئے۔''

علی نے دو مجاہدین کو اس گاؤں بھیج دیا جسے اُنہوں نے اپنا گاؤں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی علی نے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ سے رابطہ قائم کیا اور اُس سے کہا کہ ان تین افراد کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔

دوسرے دن شہر سے کیپٹن عبیداللہ نے اطلاع دی کہ تینوں کا تعلق خاد سے ہے۔ سرکاری کاغذوں میں تینوں آج کل چھٹی پر ہیں جبکہ خاد کے دفتر میں موجود میرے ایک دوست نے بتایا ہے کہ وہ کسی اہم مشن پر گئے ہوئے ہیں۔

شام کے وقت اُس گاؤں سے بھی مجاہدین واپس آ گئے۔ اُنہوں نے بتایا کہ ان تینوں کا تعلق اُس گاؤں سے نہیں اور گاؤں کا کوئی فرد اُنہیں نہیں جانتا۔

تینوں کو بلایا گیا۔ علی نے اُن کے سامنے حاصل شدہ معلومات رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنہیں سزائے موت سناتے ہوئے کہا: ''تم لوگ افغان مسلمانوں کو روس کا غلام بنانے کے لیے کام کر رہے ہو اور یہاں آ کر تم مجاہدین کی جاسوسی کرنا چاہتے تھے لیکن تم یہ بھول گئے کہ اللہ مجاہدین کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو' اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ غداروں کو ہر ملک میں موت کی سزا دی جاتی ہے' اس لیے تمہیں بھی موت کے حوالے کیا جا رہا ہے۔''

چند دنوں کے بعد کا واقعہ ہے کہ علی اپنے کمرے میں بیٹھا مجاہدین سے مختلف اُمور پر گفتگو کر رہا تھا کہ ایک سانپ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ مجاہدین اُسے مارنے کے لیے دوڑے۔ علی نے اُنہیں روک دیا اور کہا کہ جب تک سانپ کسی کو کاٹنے کی کوشش نہ کرے اُسے کچھ نہ کہا جائے۔ سانپ کمرے کا چکر کاٹ کر باہر چلا گیا۔ مجاہدین بھی سانپ کو دیکھنے باہر چلے آئے۔

سانپ عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا۔ اگر کوئی مجاہد اُسے بھگانے کی کوشش کرتا تو وہ پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا اور پھنکارنے لگتا۔ کبھی خود ہی چلنے لگتا۔ کچھ دور تک جاتا اور پھر واپس آ جاتا۔ پھر اس نے اپنی دُم علی کے پاؤں پر مارنی شروع کر دی۔ دُم مارنے کے بعد وہ پھر دور چلا گیا۔ اُس نے واپس مڑ کر دیکھا اور پھر لوٹ آیا۔ واپس آ کر اُس نے اپنی دُم کو علی کی پنڈلی کے گرد لپیٹ دیا۔ مجاہدین مارنے لگے مگر علی نے اس دفعہ بھی روک دیا۔ علی سانپ کی حرکتیں دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں پوری طرح سانپ کے منہ پر لگی ہوئی تھیں تاکہ اگر وہ کاٹنے کی کوشش کرے تو فوراً اسے ہلاک کیا جا سکے۔ کئی مجاہدین نے علی کو سمجھایا کہ زہریلے سانپ کے ساتھ کھیلنا اچھی بات نہیں۔

سانپ نے علی کو کھینچنے کے لیے زور لگانا شروع کر دیا۔ علی بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ جونہی چلنے

لگا سانپ نے اپنی دم کو پنڈلی سے کھول کر بھاگنا شروع کر دیا۔ علی اور دوسرے مجاہدین اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ مرکز سے کوئی آدھ میل دور جا کر سانپ ایک جگہ رُک گیا۔ وہ پھن پھلا کر کھڑا ہو گیا اور ایک طرف کو منہ کر کے پھنکارنے لگا۔ مجاہدین نے اُس طرف دیکھا تو وہاں دو مجاہدوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

علی اور دوسرے مجاہدین اُن کی طرف چلے۔ علی نے دیکھا کہ دونوں مجاہد مر چکے ہیں۔ ان کے جسم نیلے پڑ چکے تھے۔ دونوں کے پاؤں پر سانپ نے کاٹا ہوا تھا۔ ایک مجاہد نے کہا کہ اُسی چالاک سانپ نے انہیں ڈسا ہے۔ اسے مار دینا چاہئے۔ وہ واپس مڑے مگر سانپ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے سانپ کو بہت ڈھونڈا مگر سانپ اُنہیں کہیں نظر نہ آیا۔

علی نے مردہ مجاہدین کی شناخت کے لیے ان کی جیبوں کی تلاشی لی۔ دونوں مجاہدوں کا تعلق کمانڈر عید محمد کی چوکی سے تھا۔ علی کو ایک مجاہد کی جیب سے ایک لفافہ ملا وہ اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ خط پڑھنے کے بعد اُس کے چہرے کا رنگ دیکھنے والا تھا۔ اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: ''اے خدایا! ہم تیرے کس کس احسان کا شکر ادا کریں۔ اگر تو ہم نادانوں کی مدد نہ کرے تو چالاک اور مکار دُشمن ہمیں لمحوں میں ختم کر دے۔''

سب مجاہدین علی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید وہ بتائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ علی نے اُن سے کہا کہ دونوں کی لاشیں مرکز کے اندر پہنچا دی جائیں۔

دفتر پہنچ کر علی نے دس مجاہدین سے کہا کہ فوراً جاؤ اور کمانڈر عید محمد کو گرفتار کر کے لے آؤ۔

اب بھی مجاہدین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک مجاہد نے پوچھا تو علی نے کہا کہ صبر کرو۔

کمانڈر عید محمد گرفتار ہو کر آ چکا تھا۔ علی ہر جہادی چوکی پر ٹیلی فون کر رہا تھا کہ سب مجاہدین فوراً یہاں پہنچ جائیں' صرف دو دو مجاہد پہرے کے لیے ہر پوسٹ پر موجود رہیں۔

آدھ گھنٹے بعد تمام مجاہدین اکٹھے ہو چکے تھے۔ علی اونچی جگہ کھڑا ہو گیا اور مجاہدین سے کہا کہ لاشیں اوپر اٹھا لاؤ۔ سب مجاہدین کے سامنے سانپ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اُس نے کہا: ''ہم جب سانپ کا پیچھا کرتے ہوئے ان مجاہدین تک پہنچے تو اُن کی جیب سے یہ خط برآمد ہوا ہے۔ یہ خط کمانڈر عید محمد کی طرف سے صوبائی دارالحکومت میں رُوسی کمانڈر کے نام ہے۔ اس میں مرکز کے نقشوں کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی سرگرمیوں کی ایک ایک تفصیل درج ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ لوگ ان ایمان فروشوں کی لاشیں دیکھ لیں جو ہمارے قتل کا سودا کرنے جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نہ صرف زہریلے سانپ سے ہلاک کروا کے اُن کا منصوبہ خاک میں ملا دیا بلکہ اس سانپ کے

ذریعے تمام منصوبہ طشت ازبام بھی کروا دیا۔ لاشوں کو غور سے دیکھو۔ یہ سانپ کے زہر سے نیلی ہو چکی ہیں اور دوزخ میں نہ جانے ان ایمان فروشوں کو کیا کیا عذاب دیا جائے گا۔ یاد رکھو! جو لوگ دولت کی ہوس میں ایمان کا سودا کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی وجہ سے اس دُنیا میں عذاب خداوندی سے بچ بھی جائیں تو آخرت میں اُن کے لیے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ ہم میں سے کمزور ایمان والا کوئی بھی فرد غداری کرتے وقت ان غداروں کی عبرتناک موت کو یقیناً یاد رکھے گا۔''

سب مجاہدین نے ایمان فروشوں اور کمانڈر عید محمد کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

مجاہدین کا مطالبہ تھا کہ عید محمد غدار ہے' ایمان فروش ہے' اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ علی نے وعدہ کیا کہ اُسے عبرتناک سزا دی جائے گی تاکہ آئندہ کسی کو غداری کی جرأت نہ ہو۔ اُس نے مجاہدین سے کہا کہ آج رات ہر مجاہد شکرانے کے طور پر دو دو نفل ادا کرے کیونکہ اگر اللہ اس سازش کو بے نقاب نہ کرتا تو دُشمن اس مرکز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور ہم میں سے اکثر مارے جاتے۔

سب مجاہدین ''شکر ہے۔ شکر ہے .... یا خدایا شکر ہے۔'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے اپنی اپنی چوکیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔





ایک دن علی اپنے کمرے کے باہر بیٹھا عبدالرحمٰن اور محمد اسلام سے روس کے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اُٹھایا تو پتا چلا کہ استقبالیہ پوسٹ سے فون کیا گیا ہے۔ استقبالیہ چوکی پر متعین مجاہد نے بتایا کہ ایک مجاہد آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ علی نے کہا کہ اُسے فون دے دو۔

مجاہد نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں موٹر سائیکل سوار دستے میں شامل ہوں۔ آج ہم دُشمن کی ایک چھوٹی سے فوجی چوکی تباہ کر کے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا مل گئی۔ وہ زخمی تھی۔ اُس نے ہمیں روک کر مجاہدین کے مرکز کا راستہ پوچھا۔ ہمارے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ اُس کی لڑکی روسیوں نے اغوا کر لی ہے اور وہ اس سلسلے میں مجاہدین کے کمانڈر سے ملنا چاہتی ہے۔ میں اُسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر یہاں لے آیا ہوں۔ علی نے کہا کہ اُسے میرے پاس لے آؤ۔

علی نے بڑھیا کو دور ہی سے پہچان لیا۔ یہ تو طاہرہ کی ماں ہے۔ یہ سوچ کر ہی کہ طاہرہ کو روسیوں نے اغوا کر لیا ہے، علی کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر طاہرہ کی ماں کی طرف چل پڑا۔ عبدالرحمٰن اور محمد اسلام بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے جونہی طاہرہ کی ماں کو دیکھا وہ بھی فکر مند ہو گیا کہ آخر معاملہ کیا ہے کہ اماں کو مرکز آنا پڑا حالانکہ چند دن پہلے جن مجاہدین کے ہاتھ اُس نے پیسے بھیجے تھے، اُنھوں نے تو آ کر یہی بتایا تھا کہ طاہرہ اور اماں بالکل خیریت سے ہیں۔

اُس نے علی سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو اُس نے بتایا کہ طاہرہ کو روسیوں نے اغوا کر لیا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس کا دل چاہا کہ ابھی اُڑ کر چلا جائے اور اپنی بہن اغوا کرنے والوں کا قیمہ بنا دے۔

طاہرہ کی ماں نے روتے ہوئے بتایا: ''میرے مجاہد بیٹو! آج صبح روسی تمہاری اس بہن کو اغوا کر کے لے گئے جس نے تمھیں بچانے کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ میں نے مزاحمت کی تو مجھے اُنھوں نے زخمی کر دیا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

علی نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''اماں! طاہرہ تمہاری ہی بیٹی نہیں مجاہدین کی عزت اور غیرت بھی ہے۔ مجاہدین اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اُسے واپس لائیں گے۔''

اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ اماں کو مہمان خانے میں چھوڑ کر فوراً میرے کمرے میں پہنچو۔ علی زندگی میں کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ موت بار بار اس کے سر پر منڈلائی مگر کسی نے اُس کے چہرے پر پریشانی نہ دیکھی مگر آج وہ انتہائی پریشان تھا۔ پریشانی یہ نہ تھی کہ طاہرہ کو واپس کیسے لایا جائے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ہم لیٹ ہو گئے اور ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی خبیث روسیوں کے ہاتھوں طاہرہ بے آبرو ہو گئی تو کیا ہو گا؟

وہ یہ سوچ کر ہی پاگل ہو رہا تھا کہ طاہرہ جیسی معصوم اور غیرت مند لڑکی روسیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ کمرے میں جاتے ہی سجدے میں گر گیا۔ وہ بہتے آنسوؤں اور تڑپتے دل کے ساتھ خدا کے حضور التجا کرنے لگا: ''اے خدایا! تو نے ہمیشہ میری مدد کی۔ آج میں طاہرہ کی حفاظت کیلئے تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔ میں چاہوں بھی تو فوراً اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا لیکن تو قادرِ مطلق ہے۔ اے اللہ! جس نے تیرے دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو اس کی حفاظت اور مدد کو اپنے فرشتے بھیج دے۔''

دُعا کے بعد علی نے شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبیداللہ سے وائرلیس پر رابطہ قائم کیا اور اُسے بتایا کہ آج طاہرہ نام کی ایک لڑکی کو روسیوں نے اغوا کیا ہے، اُس کے بارے میں معلومات فوراً درکار ہیں۔

عبدالرحمٰن کمرے میں واپس آ چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا مگر اُس کی زبان خاموش تھی۔ وہ بار بار علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ علی کی طرح وہ بھی بہت پریشان تھا۔ علی نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! حوصلہ رکھو۔ طاہرہ کے بارے میں، میں تم سے کم پریشان نہیں لیکن جذبات میں کیا ہوا کوئی بھی فیصلہ اور بنایا ہوا کوئی بھی منصوبہ طاہرہ کو بچانے کے بجائے اُسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''علی! میں تو یہ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں کہ طاہرہ کیا سوچ رہی ہو گی کہ اُس کا بھائی اُس کی مدد کو ابھی تک نہیں پہنچا۔'' عبدالرحمٰن نے بات ختم کی تو علی نے کہا کہ طاہرہ کے اغوا کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ہمیں چاہئے تھا کہ دونوں ماں بیٹی کو اُسی دن اپنے ساتھ لے آتے اور اُنھیں پاکستان بھیج دیتے۔

اُن کے لیے ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور ابھی تک شہر سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ علی نے وائرلیس پر دوبارہ رابطہ قائم کیا تو ڈیوٹی پر موجود فرد نے بتایا کہ عبیداللہ اور دوسرے جاسوس ابھی تک دفتر واپس نہیں آئے۔ وہ طاہرہ ہی کے بارے میں معلومات

حاصل کرنے گئے ہوئے ہیں۔

دو گھنٹے بعد وائرلیس پر پیغام آنا شروع ہوا۔ کیپٹن عبیداللہ نے بتایا کہ طاہرہ کو شہر میں موجود روسی کمانڈر روزیروف نے اغوا کرایا ہے۔ جب سے وہ یہاں آیا ہے' ہفتے میں ایک لڑکی ضرور اغوا کراتا ہے۔ اس اغوا میں کمیونسٹ اُس کی مدد کرتے ہیں۔ جب وہ کسی محلے میں کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً اس کی اطلاع روسی کمانڈر کو دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں اُن کمیونسٹوں کو بھی عیاشی کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ طاہرہ کو بھی ایک کمیونسٹ امجد خان نے اغوا کرایا ہے۔ امجد خان کبھی طاہرہ کے بھائی کا دوست تھا۔ طاہرہ کے بھائی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انقلابِ ثور والے دن مجاہدین نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ طاہرہ کا بھائی بذاتِ خود ایک عیاش کمیونسٹ نوجوان تھا۔ طاہرہ کے اغوا کے فوراً بعد روسی کمانڈر روزیروف کو کابل بلا لیا گیا تھا اور طاہرہ ابھی تک اُس کی رہائش گاہ میں قید ہے۔

علی نے کیپٹن عبیداللہ سے کہا کہ ہم موٹر سائیکلوں پر طاہرہ کو روسی کمانڈر کی قید سے رہا کرانے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہمارے آنے سے پہلے روسی کمانڈر کی رہائش گاہ کے اردگرد کے نقشے اور پہرے داروں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے شہر کے مشرق میں احمد گل خان کے باغ کے قریب ملو۔ باغ کے مشرق میں جو نالہ ہے' ہم وہاں انتظار کریں گے۔

علی نے شہر کے قریب مجاہدین کے مراکز کے کمانڈروں کو بھی مطلع کر دیا کہ وہ اپنے بہترین مجاہدین لے کر احمد گل خان کے باغ کے مشرق میں پہنچ جائیں۔ اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ آپ اپنے دستے میں سے دس بہترین مجاہدین کا انتخاب کریں۔ محمد اسلام سے کہا کہ آج تمہارے دستانوں اور گیس کا بھی ٹیسٹ ہو جائے گا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے جب مجاہدین موٹر سائیکلوں پر احمد گل خان کے باغ کے مشرق میں واقع نالے میں پہنچے۔ کیپٹن عبیداللہ اور صوبائی دارالحکومت کے قریبی مراکز کے سو سے زیادہ مجاہدین پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

علی نے مجاہدین کو طاہرہ کے بارے میں مختصراً بتایا۔ جب مجاہدین کو پتا چلا کہ اس نے مجاہدین کو بچانے کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا تو اُن کے جذبات بے قابو ہونے لگے۔ سب مجاہدین نے اس عزم کا اظہار کیا کہ طاہرہ صرف عبدالرحمٰن کی نہیں' ہم سب کی بہن ہے۔ وہ افغان اور ملت اسلامیہ کی ایک غیرت مند بیٹی ہے۔ اگر اُسے کچھ ہوا تو ہم اس شہر کے ایک ایک کمیونسٹ اور ایک ایک روسی سے بدلہ لیں گے۔

علی نے مجاہدین سے کہا: ''آپ صبر سے کام لیں اور جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح کریں۔''

علی نے مجاہدین کے تین گروپ بنائے۔ ایک گروپ کے مجاہدین کی ذمہ داری یہ لگائی کہ وہ واپسی کے راستے کی نگرانی کریں۔ اگر روسی فوج مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے اس راستے کو بند کرنے کی کوشش کرے تو اسے ناکام بنا دیں۔ اس گروپ میں اسی مجاہدین رکھے گئے۔ اس گروپ کو مارٹر توپیں اور مشین گنیں بھی دیدی گئیں۔

پندرہ مجاہدین علی نے اپنے گروپ میں لیے۔ اُن میں دس مجاہدین عبدالرحمٰن کے دستے سے لیے گئے جن کے بارے میں عبدالرحمٰن کو یقین تھا کہ وہ سو روسی فوجیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ باقی مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ اس شہر کے عیاش کمیونسٹ لیڈروں اور امجد خان کو زندہ یا مردہ لے کر یہاں واپس آئیں۔

کیپٹن عبیداللہ نے علی کے سامنے روسی کمانڈر کی رہائش گاہ کے اردگرد کے نقشے اور کوٹھی کے اندر داخل ہونے کے ممکنہ راستوں کے بارے میں تفصیلات رکھیں۔ کوٹھی میں داخل ہونے کے دو راستے تھے۔ ایک سامنے کے دروازے سے جدھر پہرے داروں کے ساتھ ساتھ خونخوار کتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا۔ دوسرا راستہ گٹر کے ذریعے داخلہ کا تھا' ادھر بھی پہریدار موجود تھے مگر کم تعداد میں۔ علی نے گٹر والے راستے کا انتخاب کیا کیونکہ سامنے والے راستے تک پہنچنے کے لیے چھاؤنی میں سے گزرنا پڑتا تھا اور علی کسی بڑی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اُسے لڑائی سے زیادہ طاہرہ کی عزت اور جان کی فکر تھی۔

دونوں گروپ شہر میں اپنے اپنے راستوں سے داخل ہو گئے اور تیسرے گروپ نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ علی اور اس کا گروپ درختوں کے گھنے ذخیرے میں سے گزرتا ہوا چھاؤنی کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ چار دیواری پر خاردار تار لگی ہوئی تھی اور دیوار کے اِس طرف چار پہرے دار بھی نظر آئے۔ علی نے آٹھ مجاہدین سے کہا کہ دو دو کی ٹولیوں میں جاؤ اور اُن چاروں پہرے داروں پر قابو پالو۔

عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ آٹھ مجاہدین زہریلی گیس کے دستانے پہنے زمین پر رینگتے ہوئے اپنے اپنے شکار کی طرف بڑھنے لگے۔ ابھی پہرے داروں سے وہ کئی گز دور تھے کہ پہرے داروں کو رینگنے کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ معلوم کر پاتے کہ سرسراہٹ کس چیز کی ہے' مجاہدین شاہینوں کی طرح جھپٹے اور لمحوں میں اُن کی لاشیں لے کر علی کے سامنے حاضر ہو گئے۔ یہ کارکردگی علی کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ ابھی ان شاہین صفت مجاہدین کی تربیت کے بمشکل دو ماہ مکمل ہوئے تھے۔

اب مجاہدین کے لیے چھاؤنی کے اندر داخل ہونے کا راستہ صاف تھا۔ مجاہدین ایک ایک کر کے گٹر سے گزرتے ہوئے چاردیواری کے دوسری طرف پہنچنا شروع ہوگئے۔ تقریباً دوسو گز کے فاصلے پر کوٹھی تھی مگر غیر متوقع طور پر ادھر بھی دو خونخوار کتے پہرے کے لیے کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ ابھی تک ان کتوں کی نظریں مجاہدین پر نہیں پڑی تھیں۔ عبدالرحمٰن ہی کے چار تربیت یافتہ مجاہدین نے ان کتوں کو ختم کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

چاروں مجاہدین اس تیزی کے ساتھ کتوں کی طرف دوڑے کہ کتے صرف تین چار دفعہ ہی ''بھوں' بھوں'' کر پائے۔ علی نے دیکھا کہ کتے چھلانگ لگا کر مجاہدین پر اُچھلے۔ اُنہوں نے دونوں کتوں کی گردنوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑا اور کچھ ہی لمحوں میں موت کی نیند سلا دیا۔ علی نے مجاہدین کے اندر چیتے کی سی پھرتی دیکھ کر عبدالرحمٰن کی تعریف کی۔

دس مجاہدین کو علی نے کوٹھی کے باہر چھوڑا اور پانچ مجاہدین کے ساتھ روشن دانوں کے راستے خود کوٹھی میں داخل ہوگیا۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کمرے میں سے ہوتے ہوئے علی چوتھے کمرے میں پہنچا۔

کمرے میں ایک لڑکی نماز پڑھ رہی تھی۔ لڑکی کا منہ دوسری طرف تھا' اگر علی کی طرف بھی ہوتا تو وہ چہرے سے تو طاہرہ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اُس نے طاہرہ کی آواز ضرور سنی تھی مگر شکل تو نہیں دیکھی ہوئی تھی کیونکہ جس دن علی اور عبدالرحمٰن نے طاہرہ کے گھر پناہ لی تھی' طاہرہ اُس دن اُن کے سامنے نہیں آئی تھی۔

لڑکی نے سلام پھیرا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ علی کی نظریں لڑکی کے چہرے پر پڑیں۔ لڑکی نہایت خوبصورت تھی اور چہرہ معصومیت سے پرنور...... علی نے دیکھتے ہی نظریں نیچی کرلیں۔ لڑکی نے بھی فوراً چہرے کو دوپٹے سے ڈھانپ کر نظریں جھکا لیں۔

علی کو یقین تھا کہ یہ لڑکی طاہرہ ہی ہے ورنہ کسی روسی کی کوٹھی میں کون نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی علی نے پوچھا: ''کیا آپ طاہرہ ہی ہیں؟''

''جی'' طاہرہ نے مختصر جواب دیا۔

علی نے اُسے بتایا کہ میرا نام علی ہے اور تمہارا بھائی عبدالرحمٰن باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ علی نے مزید کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ ہمیں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کسی روسی یا ذلیل افغان نے ابھی تک تمہیں.....................

علی اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ طاہرہ بول پڑی: ''نہیں' آپ دیر سے نہیں آئے۔ اللہ نے آپ کو بروقت میری مدد کیلئے بھیجا ہے۔ میں ایک مجاہد کی بیٹی ہو۔ اپنی عزت کی حفاظت بھی اپنے

وطن کی حفاظت کی طرح کرتی لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر رحم کیا اور کسی مشکل لمحے سے پہلے ہی آپ کو میری حفاظت کیلئے بھیج دیا۔''

علی نے روسی کمانڈر وزیروف کے نام پیغام لکھ کر کمرے میں چھوڑ دیا۔ علی نے روسی کمانڈر کو لکھا: ''وزیروف! تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم یہاں نہیں تھے۔ اگر تم مجھے مل جاتے تو میں آج تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا اور اگر اسلام نے لڑکیوں کو اغوا کرنے کی اجازت دی ہوتی تو میں تمہاری بہن اور بیوی کو روس سے بھی اُٹھا کر لے آتا۔ اگر آئندہ کبھی تم نے کسی افغان لڑکی کو اغوا کرایا تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔''

علی نے طاہرہ سے کہا کہ آپ میرے پیچھے پیچھے آتی جائیں۔ آخری کمرے میں پہنچ کر علی سوچنے لگا کہ طاہرہ کو روشن دان کے ذریعے باہر کیسے نکالا جائے۔ اس سلسلے میں علی نے دو مجاہدین سے کہا کہ آپ پہلے باہر چلے جائیں اور دیوار کے ساتھ نیچے کھڑے ہو جائیں اور اُدھر سے طاہرہ کی نیچے اترنے میں مدد کریں۔

علی نے طاہرہ سے کہا کہ آپ میرے کندھوں پر قدم رکھ کر روشندان تک پہنچیں۔ طاہرہ ہچکچائی اور کہا کہ میں کسی مجاہد کے کندھوں پر اپنے قدم رکھوں' بہت مشکل ہے۔ میں خود ہی روشن دان تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔

علی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طاہرہ نہ صرف روشندان تک آرام سے خود ہی پہنچ گئی بلکہ دوسری طرف بھی اُس نے بلاخوف چھلانگ لگا دی۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ کا حال پوچھا اور اُسے خیر و عافیت سے دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

طاہرہ نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''مجھے یقین تھا کہ میرا بھائی میری مدد کو پہنچے گا اور میں شام سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''میرا دل تو چاہتا تھا کہ میں اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیامت بن کر ٹوٹ رہا تھا۔ بذات خود ہمارے کمانڈر صاحب بھی انتہائی پریشان تھے۔ میں نے کمانڈر صاحب کو کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا لیکن اس کے باوجود اُن کا حکم تھا کہ صبر سے کام لیا جائے۔ اُن کے خیال میں جلدی میں اُٹھایا جانے والا کوئی بھی قدم تمہیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

''آپ کے کمانڈر صاحب کون ہیں؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''اوہ تو تمہیں یہ معلوم ہی نہیں! وہی جو تمہیں کوٹھی سے باہر نکال کر لائے ہیں' کمانڈر علی۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا تو طاہرہ نے کہا کہ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ کا کمانڈر کوئی بوڑھا مجاہد ہوگا۔

علی نے عبدالرحمٰن کو آواز دی کہ بھائی باقی باتیں باہر جا کر کر لینا۔ یہاں ایک منٹ بھی مزید ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔

سب مجاہدین چھاؤنی کی چار دیواری سے گٹر ہی کے راستے باہر آئے۔ علی کو خطرہ تھا کہ کوٹھی کے دوسری طرف کے پہرے داروں سے بھی ٹکراؤ ہوگا مگر کوٹھی کے دوسری طرف پہرے داروں کو شاید پتا ہی نہ چل سکا۔

علی نے باہر آ کر طاہرہ سے کہا کہ ممکن ہے راستے میں کسی جگہ دشمن سے ہمارا ٹکراؤ ہو جائے، اس صورت میں فوراً زمین پر لیٹ جانا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ رہنا۔

مجاہدین کو کسی جگہ بھی روسیوں کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ آرام سے احمد گل خان کے باغ کے قریب نالے میں پہنچ گئے۔.......... راستے کا پہرہ دینے والے مجاہدین اپنی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھے۔ علی نے انہیں ہدایت کی کہ جب دوسرا گروپ آ جائے تو اُس کے ساتھ ہی واپس آ جانا۔

نالے پر پہنچ کر مجاہدین نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا گروپ بھی آ گیا۔ راستے پر پہرہ دینے والے مجاہدین بھی واپس آ گئے۔ امجد خان کے علاوہ چار دوسرے کمیونسٹ لیڈر بھی گرفتار کر کے لائے گئے تھے۔

چاند پوری طرح آسمان پر چمک رہا تھا اور چاندنی اس قدر زیادہ تھی کہ ایک دوسرے کی شکلیں بھی پہچانی جا سکتی تھیں۔ علی نے کمیونسٹوں سے کہا: ''تم لوگ انسانیت کے نام پر دھبہ ہو۔ تم نے دین ہی نہیں چھوڑا، تمہاری غیرت بھی مر چکی ہے۔ تم اس حد تک بے غیرت ہو چکے ہو کہ افغان لڑکیوں کو خود اغوا کر کے روسیوں کی کوٹھیوں میں پہنچاتے ہو اور یہ بھول جاتے ہو کہ یہ تمہاری بیٹیاں اور بہنیں ہیں۔ موت کی سزا بھی تمہارے لیے بہت کم ہے۔''

علی نے جونہی بات ختم کی، طاہرہ جو ایک طرف خاموش بیٹھی تھی، وہ اُٹھ کر آگے آ گئی اور امجد خان سے مخاطب ہو کر بولی: ''بے دین و بے غیرت امجد خان! دیکھ لیا تم نے کہ میرا خدا کتنا طاقتور ہے۔ میں نے تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو اور تم نے کہا تھا کہ ہم خدا کو نہیں مانتے، اگر کوئی خدا ہے تو اُسے کہو آ کر آج وہ تمہیں ہم سے بچا سکتا ہے تو بچا لے۔ اب دیکھ لو میرے خدا نے مجھے بچا لیا مگر تمہارا خدا روس تمہیں آج نہیں بچا سکے گا۔''

امجد خان نے بولنا چاہا تو ایک مجاہد نے زور سے اس کے منہ پر مکا مارتے ہوئے کہا: ''خبردار! جو تم نے اپنی ناپاک زبان کھولنے کی کوشش کی۔''

علی نے گرفتار کمیونسٹوں کو گولی مارنے کا حکم دیا اور مجاہدین سے کہا کہ ان کی لاشیں سڑک پر رکھ

دینا اور ان کی لاشوں پر میری طرف سے یہ پیغام بھی لکھ دینا کہ آئندہ سے جس کمیونسٹ یا روسی فوجی نے کسی افغان لڑکی کو اغوا کرنے کی کوشش کی اُس کا حشر بھی انہیں جیسا ہوگا۔

کمیونسٹوں کو علی کی موجودگی ہی میں گولی مار دی گئی اور مجاہدین اپنے اپنے مراکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح کی نماز سے پہلے ہی علی اور اس کے ساتھی اپنے مرکز پہنچ گئے۔ طاہرہ کو اس کی ماں کے پاس بھیج دیا گیا۔

روسی اس کارروائی سے مزید پریشان ہو گئے۔ تیسرے دن استقبالیہ پوسٹ سے علی کو اطلاع دی گئی کہ روسی کمانڈر روز یروف کا نمائندہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ علی نے پوچھا کہ وہ مرکز تک کیسے پہنچا تو علی کو بتایا گیا کہ مرکز سے بہت دور ہی پہرے پر موجود مجاہدین نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اُسے آگے بھیج دیا۔ رُوسی کمانڈر روز یروف کے نمائندے نے علی کو کمانڈر کا خط دیا۔ علی نے خط پڑھا۔ خط میں لکھا تھا:

''ڈیئر علی! میں اس پر معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کی رشتہ دار طاہرہ کو میرے آدمیوں نے غلطی سے اغوا کر لیا۔ میں صوبے میں امن و امان کی خاطر آپ کو صلح کا پیغام دیتا ہوں۔ آپ کی کارروائیوں سے بہت سے لوگ مارے جاتے ہیں اور شہروں میں رہنے والے عوام پریشان ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اس صوبے کے عوام کے سکون کی خاطر جنگ بندی کر لیں۔ معاہدہ ہونے کے بعد ہم آپ کے علاقے میں کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور نہ باغیوں کے مراکز پر بمباری کی جائے گی۔ اسی طرح آپ کو چھاؤنیوں، فوجی چوکیوں اور شہری علاقوں میں کارروائیاں بند کرنا ہوں گی اور ہمارے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ گرفتار فوجیوں کو رہا کرنا ہوگا۔ فوجیوں کی رہائی کے لیے ہم آپ کو تاوان بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔ اگر آپ کو میری تجویز پسند ہو تو میں جس جگہ بھی آپ کہیں گے، جنگ بندی کے معاہدے کی خاطر بات چیت کرنے کیلئے آنے کو تیار ہوں۔ .... فقط، وزیروف۔''

علی خط پڑھ کر ہنسا۔ اُس نے مجاہدین سے مشورے کے بعد روسی کمانڈر کے نام خط لکھ کر روسی نمائندے کے حوالے کیا۔ خط میں علی نے روسی کمانڈر کو لکھا:

''کمانڈر روز یروف! یا تو آپ انتہائی مکار اور چالاک ہیں یا پھر انتہائی بے وقوف۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ بندی کا معاملہ دو ملکوں کے درمیان ہوتا ہے، گھر میں گھس آنے والے ڈاکوؤں اور چوروں کے ساتھ نہیں۔ آپ کی حیثیت ڈاکوؤں اور چوروں کی ہے جو ہمارے ملک اور گھر میں گھس آئے ہیں۔ ڈاکوؤں اور چوروں سے جنگ بندی نہیں کی جاتی، ان سے گھر خالی کرایا جاتا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ جنگ بندی کی بات کرنے کے بجائے اس ملک کو خالی کر کے چلے جاؤ۔

جب ملک سے نکلنے کا فیصلہ کرلو تو پھر تمہیں واپسی کا راستہ دینے اور تمہارے جرائم پر تمہیں معاف کرنے پر بات چیت ہوسکتی ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ میری کارروائیوں کی وجہ سے عوام مارے جارہے ہیں۔ کیا آپ سے میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ شہروں، دیہات اور مجاہدین کے ٹھکانوں پر ہزار ہزار اور دو دو ہزار پونڈ کے بم کون گرا رہا ہے۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے گولہ باری کون کررہا ہے؟ بارودی سرنگوں، زہریلی گیسوں، بوبی ٹریپس اور کھلونا بموں سے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا قتل عام کون کررہا ہے؟ بارہ لاکھ افغانوں کو کس نے شہید اور چار لاکھ سے زیادہ کو کس نے اپاہج بنایا ہے؟ لاکھوں بچوں کو کس نے یتیم کیا ہے۔ اور لاکھوں سہاگنوں کا سہاگ کس نے اجاڑا ہے۔ اور میرے پیارے وطن کی سرزمین کو بنجر کس نے کیا ہے؟ صرف اور صرف روسیوں نے۔ آج چند کمیونسٹ میری کارروائیوں سے مرے ہیں تو تمہیں انسانیت یاد آگئی۔ میں پھر کہوں گا کہ تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ اور ایک بات اور یاد رکھو کہ آئندہ سے اگر تم نے کسی بھی افغان لڑکی کو اغوا کرایا تو میں تمہاری موت بن کر شہر پہنچ جاؤں گا۔ تمہارا دشمن۔ علی"۔

دوسرے دن پھر وہی نمائندہ آ گیا۔ اس نے علی سے کہا کہ کمانڈر صاحب نے کہا ہے کہ آپ جنگ بندی کی تجویز پر دوبارہ غور کرلیں بصورت دیگر ہم سپٹسناز دستے منگوانے پر مجبور ہوں گے۔

علی نے نمائندے سے کہا: "اُس کتے روسی کمانڈر کو جا کر کہہ دو کہ مجاہدین خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہم ریچھوں اور بھیڑیوں سب کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں اور یہ بھی سن لو کہ آئندہ اگر تم اُس کا ایسا کوئی پیغام لے کر آئے تو ہم تمہیں زندہ واپس نہیں بھیجیں گے۔ ڈاکوؤں اور چوروں کے نمائندے سے بات چیت کرنا حریت پسندوں کی توہین ہے اور شہداء سے غداری۔"

روسی نمائندے کے جانے کے بعد علی نے مجاہدین سے مشورے کے بعد مرکز کے اردگرد دور دور تک پہرے داروں کی تعداد میں اضافہ کردیا اور پہرے داروں کو گھوڑے بھی فراہم کردیئے تاکہ رات کو پہرہ دیتے وقت اُنہیں آسانی رہے۔

عبدالرحمٰن سے کہا کہ سپٹسناز کے دستے اب کسی وقت بھی حملہ آور ہوسکتے ہیں، اس لیے اپنے دستوں کی تربیت مزید تیز کردو اور رات کے وقت انہیں مرکز میں مختلف جگہوں پر سلایا کرو تاکہ سپٹسناز کے اچانک حملے سے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے ساتھ ہی کابل اور صوبائی دارالحکومت میں انٹیلی جنس کے دفاتر کو بھی کہہ دیا گیا کہ سپٹسناز کے حملے کی اطلاع ہمیں بروقت ملنی چاہیے۔





ایک دوپہر علی، عبدالرحمٰن کے خصوصی دستے کی تربیت دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن بھی اُس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ عبدالرحمٰن نے آتے ہی کہا: "طاہرہ اور اماں کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا ہے۔"

علی: "مجھے بھی پتا ہے، چند دنوں تک انہیں پاکستان بھیجنے کا انتظام کردوں گا۔"

عبدالرحمٰن: "لیکن میں آپ سے ایک اور بات کرنا چاہتا ہوں۔"

علی: "بولیے کیا بات ہے؟ میرے پاس سننے کے لیے خاصا وقت ہے۔"

عبدالرحمٰن: "علی! تم میرے بھائی اور دوست ہو۔ طاہرہ میری بہن ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم خود بات کرو گے لیکن جہاد نے تمہارے ذہن سے ہر بات نکال دی ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ پھر بھی آخر تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہے، میری خواہش ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو طاہرہ اور اماں سے بات کروں۔"

علی: "برادر عبدالرحمٰن! ملک کی آزادی سے پہلے میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا ہوں، پھر زندگی کے ایک لمحے کا بھی اعتبار نہیں۔ خود ہی سوچو! میں جس یکسوئی کے ساتھ اب یہاں جنگ آزادی لڑ رہا ہوں کیا شادی کے بعد ایسا ممکن ہوگا؟ اس لیے برادر شادی سے زیادہ جہاد ضروری ہے۔"

عبدالرحمٰن: "اس بات پر غور کرو کہ شادی کے بارے میں اگر تمہارے ہی خیالات سب مجاہدین کے ہوجائیں تو جس طرح مرد شہید ہورہے ہیں، ان کی جگہ لینے والے کہاں سے آئیں گے؟ اس لیے جہاد کی خاطر بھی شادی بہت ضروری ہے تاکہ اگر ایک نسل جنگ آزادی لڑتے لڑتے ختم ہوجائے تو دوسری نسل اس کی جگہ لینے کے لیے تیار ہو۔ پھر طاہرہ ایسی لڑکی ہے جو تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی بلکہ تمہارا حوصلہ بڑھائے گی۔"

علی: "تمہاری باتیں قابل غور ہیں، فی الحال مجھے سوچنے کا موقع دو۔"

علی وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ کمرے میں آکر سوچنے لگا کہ شادی واقعی اگر کرنی ہے تو پھر طاہرہ سے اچھی لڑکی کون ہوگی۔ اُسے اس کی وہ ایمان افروز باتیں یاد آئیں جو اس نے اپنے بھائی کے قتل سے پہلے اور بعد میں کی تھیں۔ علی کو محسوس ہوا کہ جیسے طاہرہ کے لیے اس کے دل میں اُسی دن محبت پیدا

ہوگئی تھی جس دن اُس نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ یہ سوچ کر ہی کہ طاہرہ کے لیے اس کے دل میں بہت محبت ہے' وہ ڈرتا تھا کہ شادی کے بعد کہیں جہاد میں کمی نہ آ جائے۔ اُس نے مزید اس پر سوچنا چھوڑ دیا اور اپنے ذہن کو سمجھایا کہ تمہارا کام صرف اور صرف جہاد کے بارے میں سوچنا ہے' رہا طاہرہ سے شادی کا معاملہ' اگر قسمت میں ہوئی تو ہو جائے گی۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن نے پھر بات چھیڑتے ہوئے علی سے پوچھا: ''علی! طاہرہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟''

علی: ''عبدالرحمٰن! شادی سے مجھے انکار نہیں لیکن میں کچھ باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔''

عبدالرحمٰن: ''پوچھو''

علی: ''کیا طاہرہ بھی مجھ سے بخوشی شادی کرنے کے لیے تیار ہوگی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ ہم نے جو اُسے بچایا ہے اس کی اُس سے قیمت وصول کر رہے ہیں۔''

عبدالرحمٰن: ''شادی طاہرہ سے پوچھ کر ہی ہوگی۔ میرے خیال میں تم جیسے مجاہد سے شادی کرنا ہر افغان لڑکی اپنے لئے باعث عزت اور فخر سمجھے گی' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ طاہرہ اس شادی پر خوش نہ ہو۔''

علی: ''میں ایک بات اور کرنا چاہتا ہوں کہ شادی کے بعد طاہرہ کو پاکستان ہی میں رہنا ہوگا۔ اس سلسلے میں بھی اُس سے پوچھ لیں۔''

عبدالرحمٰن: ''کوئی اور بات!''

علی: ''کوئی نہیں۔''

عبدالرحمٰن نے علی کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے اُٹھ کر سیدھا طاہرہ کی ماں کی طرف چلا آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ شادی جلد از جلد ہو جائے' کم از کم پاکستان روانگی سے قبل۔ جس وقت وہ طاہرہ کی ماں کے پاس پہنچا' اتفاق سے طاہرہ اس وقت وہاں نہیں تھی۔ عبدالرحمٰن نے طاہرہ کی ماں سے کہا:

''اماں! میں طاہرہ کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! کیا بات ہے؟''

عبدالرحمٰن: ''میں چاہتا ہوں کہ طاہرہ کی شادی کر دی جائے۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! تم نے طاہرہ کا بھائی بن کر جو بھی فیصلہ کیا ہوگا' اچھا ہی کیا ہوگا لیکن مجھے بھی تو پتا چلے کہ آپ اس کی شادی کس سے کرنا چاہتے ہیں؟''

عبدالرحمٰن: ''اگر طاہرہ راضی ہوگئی تو کمانڈر علی سے بات ہوگی۔''

طاہرہ کی ماں: ''بیٹا! اس سے زیادہ میری بیٹی کی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کی شادی علی سے ہو جائے۔''

عبدالرحمٰن: ''اماں! طاہرہ آ جائے تو میں اُس سے بھی بات کر لوں تا کہ اُس کی مرضی کا بھی پتا چل جائے۔''

تھوڑی دیر بعد طاہرہ بھی آ گئی۔ طاہرہ کی ماں نے کہا کہ لو بیٹا! طاہرہ آ گئی ہے۔ اس سے بھی پوچھ لو۔

طاہرہ: ''اماں! بھائی جان کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

اماں: ''یہ تمہاری شادی کے بارے میں تم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔''

شادی کا نام سن کر طاہرہ بھی عام لڑکیوں کی طرح شرما گئی۔

عبدالرحمٰن: ''ہاں تو میری پیاری بہن طاہرہ! اماں کی بات کا جواب نہیں دیا۔''

طاہرہ: ''جی' میں کیا جواب دوں؟ ادھر ملک میں لڑائی ہو رہی ہے اور آپ کو میری شادی کی پڑی ہے۔''

عبدالرحمٰن: ''تمہاری شادی سے جہاد نہیں رُکے گا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی بہن کی شادی کر کے اسے پاکستان بھیجوں۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! میں نہیں چاہتی کہ وطن کی آزادی سے پہلے میری شادی ہو۔''

عبدالرحمٰن: ''عجیب بات ہے' دونوں کے خیالات ایک جیسے ہیں۔''

طاہرہ: ''کن دونوں کے؟''

عبدالرحمٰن: ''جی' جس سے آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں' اُسے بھی بڑی مشکل سے منایا ہے دراب تم نے نہ کی رٹ لگا رکھی ہے۔ میں اب تم سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہیں علی سے ٹادی منظور ہے یا نہیں؟''

علی کا نام سن کر طاہرہ مزید شرما گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ بھلا علی کے ساتھ شادی سے میں کیسے انکار کر لتی ہوں۔ وہ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر وہاں سے پرے چلی گئی۔ عبدالرحمٰن بھی اُس کے پیچھے چل دیا۔ ں نے سمجھا کہ شاید وہ ناراض ہوگئی ہے۔ وہ روس کا رہنے والا تھا' اُسے کیا معلوم تھا کہ افغانستان میں کیاں شادی کے نام پر یوں شرمایا بھی کرتی ہیں۔ طاہرہ تو پڑھی لکھی تھی۔ اس وجہ سے تھوڑی بہت بات ر لیتی تھی' ورنہ عام لڑکیاں تو نکاح کے وقت گردن ہلا کر ہی ہاں میں جواب دیتی ہیں۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ سے کہا: ''میری بات پر ناراض ہو کر ادھر آ گئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔

آئندہ سے شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔''

طاہرہ:''بھائی جان! میں آپ سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں؟ ایسا لگتا ہے کہ آپ کو افغانستان کے رسم و رواج کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔''

عبدالرحمٰن:''تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں علی سے شادی منظور ہے۔''

طاہرہ:''مجھے کیا معلوم' اماں سے پوچھیں۔''

عبدالرحمٰن:''اماں تو اس رشتے پر بہت خوش ہے مگر علی کی کچھ شرائط ہیں۔''

طاہرہ:''کیا؟''

عبدالرحمٰن:''وہ چاہتا ہے کہ شادی کے بعد تم پاکستان میں رہو۔''

طاہرہ:''کیا' یہاں رہ کر میں اُن کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتی؟''

عبدالرحمٰن: کمانڈر صاحب کا خیال ہے کہ عورتوں اور بچوں کا مجاہدین کے مراکز اور ان کے قرب وجوار میں رہنا کسی طور پر بھی جہاد کے لیے اچھا نہیں اور ان کی بات ہمیشہ درست ہوتی ہے۔''

طاہرہ:''جب بھائی جان کہتے ہیں کہ درست ہوتی ہے تو پھر میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ غلط ہوتی ہے۔''

عبدالرحمٰن: بہت بہت شکریہ طاہرہ کہ تم نے میری بات مان لی۔ اماں! آپ کا بھی بہت بہت شکریہ۔''

چند دنوں بعد علی اور طاہرہ کا نکاح بڑی سادگی کے ساتھ ہو گیا۔ مجاہدین نے اس قدر سادگی پر احتجاج کیا اور ولیمے کا مطالبہ کیا۔ علی نے مجاہدین کا مطالبہ مانتے ہوئے سب مجاہدین کے لیے ولیمے کی دعوت کا اہتمام کیا۔

عبدالرحمٰن نے تجویز پیش کی کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر سپٹناز کا مقابلہ کرنے والے خصوصی دستے کا مظاہرہ بھی مجاہدین کو دکھایا جائے مگر علی نے یہ کہہ کر تجویز مسترد کر دی کہ اگر مجاہدین میں دشمن کا کوئی ایک جاسوس بھی ہوا تو وہ ہمارے اس خصوصی دستے کی تیاریوں سے آگاہ ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجاہدین کا یہ دستہ سپٹناز کے سامنے اچانک موت کے فرشتوں کا دستہ بن کر آئے۔ سپٹناز مجاہدین کو مولی اور گاجر سمجھ کر آگے بڑھیں تو خنجر ان کا استقبال کریں۔

علی کی بات عبدالرحمٰن کے دل کو لگی اور اس نے اپنی تجویز واپس لے لی۔



شادی کے چوتھے دن ہی علی نے طاہرہ اور اُس کی ماں سے کہا کہ آپ لوگ پاکستان جانے کی تیاری کریں۔ کل صبح آپ کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے گا۔

رُخصت کرتے وقت علی نے طاہرہ سے کہا کہ میرا دل تو نہیں چاہتا کہ آپ یہاں سے جا کر پاکستان میں تنہا رہیں لیکن وطن کی آزادی اور جہاد کا تقاضا ہے کہ آپ پاکستان چلی جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ جو لڑکی دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کر سکتی ہے' وہ جہاد کی اہمیت کو یقیناً مجھ سے بہتر سمجھتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان میں اگر آپ کو کسی مشکل یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تو ہمت و جرأت کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کریں گی۔ پاکستان جا کر میرے لیے' مجاہدین کے لیے اور وطن کی آزادی کے لیے دُعا کرنا نہ بھولنا۔

علی نے بات ختم کی تو طاہرہ نے کہا:''میرا دل تو یہ سرزمین چھوڑنے کو ہی نہیں چاہتا' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں پاکستان جا کر آپ کو اور اس وطن کو بھول جاؤں۔ میں چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ رہ کر وطن کی جنگ آزادی میں حصہ لوں۔ آپ کے کندھے سے کندھا ملا کر کافروں سے جنگ کروں' آپ کا حکم ہے' اس لیے جا رہی ہوں مگر وہاں پہنچ کر بھی میری روح یہیں رہے گی۔ میں ہر لمحے اپنے وطن کو یاد رکھوں گی اور ہر وقت مجاہدین کی کامیابی کی دُعا مانگوں گی۔ میں چاہوں گی کہ جب تم مجھ سے ملنے آؤ تو میرے لئے وطن کی آزادی کی خوشخبری لے کر آؤ۔''

''مجھے خوشی ہے کہ مجھے تم جیسی بہادر اور غیرت مند بیوی ملی۔ میں چاہوں گا کہ مجھ سے جدا ہوتے وقت تمہارے لبوں پر مسکراہٹ ہو اور زبان سے صرف وطن کی آزادی اور مجاہدین کی کامیابی کی دُعا نکلے۔ اگر آنکھوں میں آنسو آئیں تو وطن کی سرزمین سے جدائی کے آنسو ہوں۔'' علی نے کہا۔

''میرے دل میں تمہارے لئے بہت محبت ہے' اس قدر کہ جس کا تم اندازہ بھی نہ کر سکو' مگر اپنے دین اور وطن کے لیے ہر چیز کو قربان کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔ یہاں تک کہ تمہاری محبت کو بھی۔'' طاہرہ نے علی کو بتایا۔

علی نے طاہرہ کو خلیل کے بارے میں بتایا کہ وہ فلاں مدرسہ میں پڑھتا ہے۔ وہ میرا پھوپھی زاد

چھوٹا بھائی ہے۔ اُس کا اس دُنیا میں اب میرے سوا کوئی نہیں، تم پاکستان پہنچو تو سب سے پہلے اُس سے ملنا۔ اُسے بہن اور ماں دونوں کا پیار دینا۔ اگر مدرسے والے اجازت دیں تو اُسے اپنے پاس گھر لے آنا۔ ویسے بھی گھر میں مرد کا ہونا اچھا ہوتا ہے، خواہ وہ چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں جب بھی اُس سے ملنے پاکستان گیا ہوں، اُس نے ہمیشہ افغانستان آ کر جہاد میں شرکت کے لیے ضد کی ہے۔ وہ تم سے بھی یہی ضد کرے گا۔ اُسے سمجھانا کہ علم بھی جہاد جتنا ہی ضروری ہے اور افغانستان کی آزادی کے بعد وطن کی بحالی کے لیے اہل علم کی بہت ضرورت پڑے گی، اس لیے پہلے علم حاصل کرو۔ جب اپنی تعلیم مکمل کر لو تو پھر جہاد کے لیے چلے آنا۔

علی نے طاہرہ کو ایک خط ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر کے نام دیا اور دوسرا خط خلیل کے نام۔ اس کے علاوہ کچھ رقم دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں تمہیں پیسوں کی ضرورت پڑے گی، یہ رکھ لو۔ پاکستان میں رہائش کے تمام انتظامات کے لیے میں نے چیف کمانڈر کے نام خط میں لکھ دیا ہے۔ میں تمہیں خود ہیڈ کوارٹر تک چھوڑنے جاتا مگر سپٹسناز کے ممکنہ حملے کی وجہ سے مرکز سے باہر نہیں جا سکتا۔ پاکستان پہنچ کر خیریت کا خط ضرور لکھنا۔

وہ غار سے باہر آئے تو طاہرہ کی ماں اور عبدالرحمٰن سامان باندھے انتظار کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے بھی اپنی جیب سے کچھ رقم طاہرہ کو دی۔ رقم کے علاوہ اُس نے ایک سونے کی انگوٹھی طاہرہ کو دیتے ہوئے کہا: ''جنگ زدہ علاقے میں اس وقت میرے پاس اور کوئی تحفہ نہیں جو میں اپنی پیاری بہن کو دے سکوں۔ یہ انگوٹھی میں نے کابل سے زبیدہ کے لیے خریدی تھی۔ اسے میں تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کہ یہ انگوٹھی تمہیں اپنے بھائی کی یاد دلاتی رہے۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! یہ زبیدہ کون ہے؟''

عبدالرحمٰن: ''پہلے نہ بتانے پر معذرت چاہتا ہوں۔ یہ میری پھوپھی کی لڑکی ہے اور میری منگیتر بھی۔''

طاہرہ: ''بھائی جان! پھر میں یہ نہیں لوں گی۔''

عبدالرحمٰن: ''طاہرہ! اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر یہ انگوٹھی تمہیں لینا ہوگی۔ اگر تم نہ لوگی تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی تم سوچو کہ اگر میں جنگ میں کہیں شہید ہو جاؤں تو یہ انگوٹھی میری نشانی کے طور پر تمہارے پاس رہے گی۔''

طاہرہ: ''ایک شرط پر لینے کو تیار ہوں۔''

عبدالرحمٰن: ''کس شرط پر؟''

طاہرہ: ''یہ انگوٹھی بطور امانت میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جب میں زبیدہ کو لوٹاؤں گی تو آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ دوسرے جب آپ روس جائیں تو مجھ سے مل کر جانا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو میری طرف سے ایک خوبصورت تحفہ خرید کر میری بھابی کو ضرور دے دینا اور (علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) پیسے ان سے لے لینا۔ زبیدہ سے کہنا کہ جونہی ملک آزاد ہوا اور حالات نے اجازت دی تو میں اُس سے ملنے روس ضرور آؤں گی۔''

عبدالرحمٰن: ''اور اگر وہ خود ہی یہاں آ جائے تو''

طاہرہ: ''اس سے بڑی خوشی کی بات میرے لئے اور کیا ہوگی؟''





علی نے اس صوبے میں آنے کے بعد محفوظ سڑکیں اور راستے بنانے پر خصوصی توجہ دی تھی۔ یہاں سے ہیڈ کوارٹر تک گاڑی کا راستہ بھی مکمل کر دیا گیا تھا۔ علی نے چھ مجاہدین کو گاڑی دے کر کہا کہ طاہرہ اور اُس کی امی کو ہیڈ کوارٹر تک چھوڑ آؤ اور کوشش کرنا کہ گاڑی ہوائی حملوں سے محفوظ رہے۔

دو دن بعد طاہرہ اور اُس کی امی کو گاڑی نے ہیڈ کوارٹر تک بحفاظت پہنچا دیا۔ چیف کمانڈر کو جب علم ہوا کہ علی نے شادی کر لی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اُنہوں نے فوراً وائرلیس پر علی سے رابطہ قائم کیا اور مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ میں تو تمہیں اپنا بیٹا سمجھتا تھا اور تم نے مجھے بتائے بغیر شادی بھی کر لی۔

علی: ''بس یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔ اس وجہ سے اطلاع نہ کر سکا۔''

چیف کمانڈر: ''کوئی بات نہیں' شادی کی مبارکباد قبول کرو اور طاہرہ کے بارے میں بے فکر ہو جاؤ۔ وہ میری بیٹی اور بہو بن کر میرے گھر میں رہے گی۔ میں کل ہی اُنہیں پاکستان بھیج دوں گا۔''

طاہرہ بخیریت پاکستان پہنچ گئی۔ پاکستان پہنچ کر دوسرے ہی دن وہ خلیل سے ملنے گئی۔ خلیل طاہرہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے شکایت کرتے ہوئے کہا: ''بھابی جان! مجھے علی بھائی سے شکایت رہے گی کہ اُنہوں نے مجھے اپنی شادی پر نہیں بلایا۔''

طاہرہ کو گئے ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے جب ہیڈ کوارٹر سے مجاہدین ڈاک لے کر آئے تو اس میں علی کے نام بھی خط تھا۔ یہ خط طاہرہ کی طرف سے تھا۔ طاہرہ نے علی کو لکھا تھا کہ ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ خلیل کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ مدرسے میں رہتا ہے مگر کھانا گھر آ کر ہی کھاتا ہے۔ عبدالرحمٰن کے نام علیحدہ خط تھا۔

صوبائی دارالحکومت اور کابل سے علی کو ایک ہی دن یہ پیغام موصول ہوا کہ تین دن بعد رات کو سپیٹسناز آپ کے مرکز پر حملہ کرنے والے ہیں۔

علی نے عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ مجاہدین کو اس رات مرکز میں اہم جگہوں پر متعین کر دیا۔ موٹر سائیکل اور گھوڑے بھی تیار رکھنے کا حکم دیا۔ پہرے داروں کو مکمل طور پر چوکس رہنے کو کہا۔ تمام

پوسٹوں کو کہہ دیا گیا کہ رات کو اگر آپ کی پوسٹ کے قریب حملہ ہو تو فوراً مطلع کریں۔

علی' عبدالرحمٰن' محمد اسلام' درویش خان اور انجینئر عبداللہ نے رات کو جاگنے کا فیصلہ کیا تاکہ حملے کا جواب دینے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ ہو۔

رات کو ایک بجے مرکز سے کچھ دور تین جگہوں پر ہیلی کاپٹروں سے سپیٹسناز اترنے شروع ہوئے۔ علی نے مجاہدین کو متعلقہ جگہوں پر پہنچنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی سپیٹسناز کو پوری طرح گھیرے میں لئے بغیر کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ گھوڑوں کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل بھی تیار رکھے جائیں تاکہ بھاگنے والے سپیٹسناز کا پیچھا کیا جا سکے اور کوئی سپیٹسناز زندہ واپس نہ جا سکے۔

علی نے تمام پوسٹوں کے کمانڈروں کو چوکنا کر دیا کہ حملہ ہو چکا ہے' اس لیے ہر پوسٹ پر مجاہدین چوکنے رہیں اور ہر قسم کی صورتحال سے نپٹنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھیں۔

عبدالرحمٰن کے تربیت یافتہ مجاہدین نہ صرف لڑنے بلکہ گھوڑ سواری اور موٹر سائیکل چلانے میں بھی انتہائی ماہر تھے۔ موٹر سائیکل چلانے کے اتنے ماہر تھے کہ اگر تین کلاشنکوفوں سے بیک وقت بھی اُن پر فائرنگ کی جاتی تو وہ بچ کر نکلنے کی مہارت رکھتے تھے اور چلتے ہوئے موٹر سائیکل سے بھی اُن کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا۔ اس کے باوجود علی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا نہ بھولا۔ دُعا کرتے ہوئے اُس نے کہا:

''یا اللہ! اگر تو مجاہدین کی مدد نہ کرے گا تو ہماری تیاریاں اور مہارت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اے اللہ! سپیٹسناز کے مقابلے میں تو ہی مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرما اور مدد کے لیے اپنے فرشتے بھیج۔''

مجاہدین پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں اور پہاڑوں پر کھودے گئے چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں چھپ گئے۔ سپیٹسناز فائرنگ کرتے ہوئے تینوں جگہوں سے آگے بڑھنے لگے۔ جونہی وہ مجاہدین کے قریب پہنچتے مجاہدین جھپٹ کر اُن پر سوار ہو جاتے' اُنہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیتے۔ خنجر یا پھر داستانوں میں بند گیس سے اُنہیں ہلاک کر دیتے۔

دو بجے لڑائی شروع ہوئی اور پانچ بجے تک سپیٹسناز مقابلہ کرتے رہے' اس کے بعد سپیٹسناز پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ سپیٹسناز کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کبھی پسپا بھی ہو سکتے ہیں۔ پسپا ہونے کی تربیت اُنہیں دی ہی نہیں گئی تھی' اس لیے وہ بڑے غیر منظم طور پر پسپا ہو رہے تھے۔ جونہی وہ پسپا ہونا شروع ہوئے' موٹر سائیکل سوار اور گھوڑ سوار دستوں کو پیچھے سے اُنہیں گھیرے میں لینے کا اشارہ دے دیا گیا۔ صبح تک ایک بھی سپیٹسناز زندہ نہ بچا تھا۔ مرکز کے گرد علی کے حفاظتی سرکل اس قدر مکمل تھے کہ ایک بھی سپیٹسناز بچ کر نہ نکل سکتا تھا۔

صبح سپیٹسناز کی لاشوں کو اکٹھا کیا جانے لگا۔ بارہ بجے تک اڑھائی سو سے زیادہ لاشیں اکٹھی

ہو چکی تھیں۔علی نے سپٹسناز کی لاشوں کا معائنہ کیا۔سپٹسناز واقعی انتہائی مضبوط جثے کے فوجی تھے۔
اُن کے ہاتھ لوہے کی طرح سخت تھے اور جنگلی درندوں کی طرح بڑے بڑے دانت تھے۔شاید کچا
گوشت کھانے سے اُن کے دانت بڑھ گئے تھے۔گولی اُن پر کم ہی اثر کر سکتی تھی۔اکثر کی گردنیں
خنجروں سے کاٹی گئی تھیں یا پھر گیس سے ہلاک ہوئے تھے۔بھاگنے والوں کی پنڈلیوں پر گولیاں لگی
ہوئی تھیں۔اُن کے پاس سے جو ہتھیار برآمد ہوئے' وہ بھی جدید ترین تھے اور مجاہدین انہیں پہلی مرتبہ
دیکھ رہے تھے۔

اس لڑائی میں پچاس مجاہدین زخمی ہوئے۔بیس مجاہدین نے جامِ شہادت نوش فرما کر اس مرکز پر
قبضہ کرنے کے لئے دشمن کے سب سے بڑے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔زخمی مجاہدین کے زخموں
کے بارے میں ڈاکٹروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔زخم نہ تو خنجروں کے تھے اور نہ گولیوں کے۔
بعض مجاہدین کو دانتوں سے بھی کاٹا گیا تھا۔پہلے سے گرفتار ایک روسی ڈاکٹر کو بلایا گیا تو اُس نے بتایا
کہ یہ زخم گولیوں ہی کے ہیں مگر یہ گولیاں عام گولیوں سے مختلف ہوتی ہیں۔پھر اُس نے زخموں کے
علاج کے بارے میں مشورے دیئے۔

سپٹسناز کی اس بڑے پیمانے پر ہلاکت اور تباہی روسی فوج کے لئے عبرتناک شکست تھی۔بیس
مجاہدین کے بچھڑ جانے کا سب کو دُکھ تھا مگر اتنی بڑی فتح پر خوشی بھی کم نہ تھی۔علی نے اس موقع پر خطاب
کرتے ہوئے کہا:

''عظیم غازیانِ اسلام! سپٹسناز کے مقابلے میں مجاہدین کی فتح پر میں سب سے پہلے اللہ کا شکر
گزار ہوں جس کی مدد کے بغیر یہ فتح ممکن نہ تھی۔اس کے بعد عبدالرحمٰن اور آپ کو اس فتح پر مبارکباد
دیتا ہوں۔مجھے یقین ہے کہ سپٹسناز کی شکست کے بعد روس اب زیادہ عرصہ افغانستان میں نہیں ٹھہر
سکے گا اور اُس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ جلد سے جلد ہمارے ملک کو اپنے ناپاک وجود سے خالی
کر دے۔اُن بیس مجاہدین کو میں سلام کرتا ہوں جنہوں نے جامِ شہادت نوش فرما کر سپٹسناز کے
ناقابلِ تسخیر ہونے کے زعم کو پاش پاش کر ڈالا۔آئیں' اس موقع پر دین کی سربلندی کے لیے ہم بھی ان
شہداء کے نقشِ قدم پر چلنے کا عہد کریں۔اُنہی کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہم سب کی کامیابی ہے۔''

علی کی تقریر کے بعد مجاہدین نے ''اللہ اکبر'' اور ''نصرٌ مّن اللہ وفتحٌ قریب'' کے پُرجوش
نعرے لگائے اور شہداء کو پورے اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک کیا گیا۔

ادھر مجاہدین جشن منا رہے تھے' اُدھر کمانڈر رزیونوف اور وزیروف اس بات کا انتظار کر رہے
تھے کہ کب سپٹسناز مرکز پر قبضہ کرنے اور علی کی گرفتاری کی اطلاع کرتے ہیں۔انہیں یقین تھا کہ سپٹسناز

کو مرکز پر قبضہ کرنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔دونوں روسی افسر دوسرے افسروں کے
ساتھ بیٹھے شراب پینے میں مشغول تھے۔دوپہر سے عصر کا وقت ہو گیا اور انہیں جب کوئی اطلاع نہ ملی تو
انہیں تشویش ہوئی۔اُنہوں نے ایک ہیلی کاپٹر میں دوسرے چار فوجیوں کو بھیجا کہ جا کر پتا کر کے آؤ
کہ مرکز پر قبضہ کرنے کے بعد ہمیں ابھی تک اطلاع کیوں نہیں دی؟

وہ چاروں جب ہیلی کاپٹر سے اُترے تو مجاہدین نے انہیں اُترتے ہی گرفتار کر لیا۔ہیلی کاپٹر
کے پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو اُڑا کر لے جانا چاہا مگر ہیلی کاپٹر بھی راکٹ لانچروں کا نشانہ بن گیا۔
گرفتار فوجیوں میں سے علی نے ایک کو واپس بھیجتے ہوئے کمانڈر وزیروف کے نام خط دیا۔خط میں لکھا:

''کمانڈر وزیروف! تمہیں فتح کی خبر سننے کا انتظار ہے اور اسی لئے تم نے اپنے چار مزید
آدمیوں کو بھیجا تو سنو! تمہیں اپنے جن شیطانی خونخوار بھیڑیوں یعنی سپٹسناز پر بڑا ناز تھا' مجاہدین نے
اللہ کی مدد سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جو تمہیں شکست کی خبر ہی سنا سکتا۔تمہیں یقیناً دُکھ ہو گا کہ
روسی نمرود کے پالے ہوئے بھیڑیئے' جنہیں اپنی طاقت' پھرتی اور خونخواری پر بڑا غرور تھا وہ مجاہدین کا
کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور میرے اللہ نے مجاہدین کو فتح مبین دی۔اب بھی وقت ہے کہ تم لوگ سمجھ جاؤ کہ
خدا کو چیلنج کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔خدا جب چاہتا ہے ابرہہ کے ہاتھیوں کو ابابیلوں
کے ذریعے بھوسہ بنا کے رکھ دیتا ہے' اس لئے تمہارے دیوہیکل طیاروں' ٹینکوں اور بموں کی خدا کے
نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔اپنے سربراہ کو سمجھاؤ کہ وہ افغانستان سے اپنی فوج واپس بلا لے ورنہ وہ
وقت دور نہیں جب تم فوج کے لیے واپسی کا راستہ مانگو گے اور ہم راستہ دینے کے بجائے دریائے ماسکو
تک تمہارا پیچھا کریں گے اور اب کی دفعہ کوئی امریکہ یا برطانیہ تمہیں بچانے کو نہیں آئے گا اور نہ کوئی
موسم ماسکو کا دفاع کر پائے گا' اس لئے کہ موسموں پر خدا کا اختیار ہے اور خدا مجاہدین کے ساتھ ہے۔''

تمہارا دشمن' علی

جب یہ خط روسی کمانڈر کو ملا تو اس وقت ہال میں بیس سے زیادہ روسی افسر موجود تھے۔کابل
سے آئے ہوئے روسی افسر بھی فتح کی خوشخبری سننے کو بے قرار تھے لیکن جونہی انہیں سپٹسناز کی تباہی اور
ہلاکت کا علم ہوا' ایک دوسرے کو کوسنے لگے۔

ایک افسر کہنے لگا: ''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ پولینڈ یا چیکوسلواکیہ نہیں جہاں کے لوگ
سپٹسناز کا نام سن کر بھاگ جاتے ہیں۔سپٹسناز کا ایک خوف تھا' وہ بھی جاتا رہا۔یورپی ممالک میں
جب یہ خبر پہنچے گی تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔''

ایک دوسرے روسی افسر نے کہا: ''میں نے بھی تجویز پیش کی تھی کہ علی کو حکومت میں عہدے کی

پیشکش کرو۔ اقتدار کے لالچ کے جال میں تو بڑے بڑے مذہبی پیشوا بھی پھنس جاتے ہیں' علی تو پھر بھی ایک عام انسان ہے۔''

تیسرے افسر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: ''میری بات مان لیتے تو سارے مسئلے حل ہو جاتے۔ میں نے کہا تھا کہ کسی خوبصورت لڑکی کو مظلوم بنا کر علی کے پاس بھیج دو۔ علی کو اُس پر رحم آئے گا۔ اسی رحم اور ہمدردی سے فائدہ اُٹھا کر وہ لڑکی علی کو اپنے جال میں پھنسا لے گی۔ میں تو اب بھی کہتا ہوں کہ عورت سے زیادہ کوئی خطرناک ہتھیار نہیں۔ یہ ایسا ہتھیار تھا جس سے نہ صرف علی ہمارے قابو میں آ جاتا بلکہ دوسرے ہزاروں مجاہدین بھی یا تو ہماری طرف آ جاتے یا پھر بدظن ہو کر مجاہدین کا ساتھ چھوڑ جاتے لیکن میری بات پر کسی نے توجہ ہی نہ دی۔''

روسی کمانڈر کرنل زیبونوف نے کہا کہ ان سب تجاویز پر اب بھی عمل ہو سکتا ہے لیکن حاصل کچھ نہ ہوگا۔ میرے خیال میں علی نہ صرف خود انتہائی ذہین ہے بلکہ اس کے مشیر بھی بہت دور اندیش نظر آتے ہیں۔ سپٹناز کا مقابلہ دُنیا میں کہیں بھی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ تین سو سپٹناز اگر چاہیں تو پورے کابل کو چند منٹوں میں ملبے کا ڈھیر بنا دیں مگر وہ ایک مرکز پر قبضہ نہ کر سکے۔ یقیناً علی کے پاس سپٹناز سے زیادہ طاقتور مجاہدین کے دستے موجود ہیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کے پاس یہ غیر معمولی قوت آ کہاں سے گئی ہے۔ زہریلی گیس کو اُس نے ناکارہ بنا دیا اور ہم نے کئی سالوں میں کروڑوں روبل خرچ کر کے تین سو سپٹناز جو تیار کیے تھے' اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں چھوڑا اور ہماری حالت یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ روسی جو دو گاؤں میں گئے تھے' ابھی تک ہم اُن کا بھی سراغ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔ میرے اپنے خیال میں حکومت کو فوج واپس بلانے کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اگر ہماری فوج مزید یہاں رہتی ہے تو آج ایک علی نے ایک صوبے میں ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے' کچھ عرصے بعد آپ کو ہر صوبے اور شہر میں ہر مجاہد ''علی'' کی شکل میں نظر آئے گا...... کیا کبھی تم نے سوچا ہے کہ ہمارے فوجیوں کے حوصلے ان آٹھ سالوں میں کتنے پست ہو گئے ہیں۔ ہمارے فوجی بظاہر خدا کو نہیں مانتے لیکن مجاہدین سے اس حد تک خوفزدہ ہیں کہ اُن کی گولی سے بچنے کے لیے مولویوں کو منہ مانگی قیمت دے کر قرآنی آیات کے لکھے ہوئے تعویذ حاصل کر کے گلے میں ڈال رہے ہیں۔ جب کسی فوج کی حالت یہ ہو جائے تو وہ فوج کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتی۔

ایک روسی افسر نے کرنل زیبونوف کی باتوں پر اعتراض کیا تو کرنل زیبونوف نے کہا: ''پیارے افسر! ذرا اپنا بایاں بازو تو دکھاؤ۔ یہ دیکھو تمہارے بازو پر بھی تعویذ بندھا ہوا ہے اور تمہاری طرح کئی دوسرے افسروں نے بھی تعویذ باندھے ہوئے ہیں۔ خدا کو نہ مانتے ہوئے بھی کئی نے تو اپنے گھروں

میں قرآن مجید لا کر رکھ لئے ہیں تا کہ مجاہدین کی طرف سے فائر کیا ہوا کوئی گولہ اُن کے گھر پر نہ گرے۔ مجھے ڈر ہے کہ مجاہدین کے خوف سے کہیں ہماری فوج اسلام قبول کرنا شروع نہ کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر سمرقند و بخارا کی بھی خیر نہیں۔ یہ جنگ جتنی لمبی ہوگی روس اتنا ہی گھاٹے میں رہے گا۔ میں تو پچھلے سال سے روسی قیادت کو واپسی کے مشورے دے رہا ہوں مگر میری بات پر کوئی غور ہی نہیں کرتا۔''

کسی روسی افسر کی طرف سے یہ پہلا اعتراف شکست تھا مگر کرنل زیبونوف کو یہ اعتراف شکست بہت مہنگا پڑا۔ دوسرے ہی دن اُسے گرفتار کر کے واپس روس بھیج دیا گیا۔

شہر میں انٹیلی جنس بیورو کے چیف کیپٹن عبید اللہ کو بھی کرنل زیبونوف کی گرفتاری اور روسی افسروں کی گفتگو کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔ اُس نے علی کو ان معلومات سے آگاہ کیا تو علی روسی افسروں کی احمقانہ تجاویز پر بہت ہنسا۔

عبدالرحمٰن سے گفتگو کرتے ہوئے علی نے کہا: ''کرنل زیبونوف سمجھدار افسر تھا۔ اُس نے روسیوں کا بھلا سوچا اور خود مصیبت میں پھنس گیا۔ اگر روسیوں نے اسے روس نہ بھیج دیا ہوتا تو میں اُسے چھڑا کر یہاں لے آتا۔ یہاں آ کر مجاہدین سے ملتا تو وہ یقیناً مسلمان ہو جاتا اور مسلمانوں کو ایک بہت بڑا کمانڈر مل جاتا مگر افسوس کہ ہمیں اُس کی گرفتاری کی اطلاع تاخیر سے ملی۔''





موسم نہایت خوشگوار تھا۔ عبدالرحمٰن پہاڑی نالے پر بیٹھا پانی میں کنکریاں پھینک رہا تھا۔ علی بھی اُسے دیکھ کر اُس کے پاس چلا آیا۔ علی نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے۔ اُس نے پوچھا: ''عبدالرحمٰن! کیا بات ہے؟ آج کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔''

''پریشان تو نہیں، صرف سوچ رہا ہوں۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' علی نے پوچھا۔

عبدالرحمٰن نے بتایا: ''آج رات کو خواب میں ابو اور امی ملے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ اُن سے کسی طرح ایک دفعہ مل آؤں۔ پھر نجانے کیوں آج زبیدہ بھی بہت یاد آ رہی ہے۔ زبیدہ بالکل طاہرہ کی طرح ہے۔ رُوسی معاشرے کے لحاظ سے وہ پکی مسلمان ہے۔ مذہب پر ہم ایک دوسرے سے بہت بحث کرتے تھے۔ آتی دفعہ میں اُس سے مل بھی نہ سکا تھا کیونکہ وہ اُن دنوں گھر پر نہ تھی۔''

علی کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا: ''عبدالرحمٰن! اگر ہم تمہیں دریائے آمو پار کروا دیں تو کیا تم بحفاظت گھر تک جا سکتے ہو اور واپس آ سکتے ہو؟''

''میرے خیال میں یہ کوئی زیادہ مشکل کام بھی نہیں ہے لیکن میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو مشکل سفر بھی آسان ہو جائے گا۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

علی نے کہا کہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ رُوس کے لوگوں کو دیکھ کر آؤں۔ پھر تم نے اپنے امی ابو کی جو باتیں سنائی تھیں، اُنہیں سن کر تو اُن سے بھی ملنے کو دل چاہتا ہے مگر چیف کمانڈر سے چھٹی کا معاملہ ہے۔ اگر وہ مان گئے تو میں ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گا لیکن کمانڈر صاحب سے بات کرنے سے پہلے یہ تو حساب لگا لیں کہ آنے جانے میں وقت کتنا لگے گا۔

پھر دونوں دنوں کا حساب لگانے لگے۔ عبدالرحمٰن کے خیال میں ایک مہینہ کافی تھا جبکہ علی کا خیال تھا کہ ہمیں دو ماہ کا عرصہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔ کیا معلوم روس کے اندر جا کر کیسے حالات پیش آئیں اور سفر کیسے کرنا پڑے۔ دو ماہ پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔

علی نے اُسی دن چیف کمانڈر سے وائرلیس پر بات کی تو کمانڈر صاحب نے علی کو سمجھاتے ہوئے

کہا کہ یہ بڑا خطرناک سفر ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ تم جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالو۔

''مجھے بھی احساس ہے کہ یہ سفر بڑا خطرناک ہے مگر موت اور زندگی سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے دو ماہ کی چھٹی دے دیں۔'' علی نے کہا۔

کمانڈر صاحب نے پھر سمجھایا کہ چھٹی تو دو کے بجائے تین ماہ کی بھی مل سکتی ہے مگر روس کے لیے میرا دل نہیں مان رہا۔ پھر سوچو تمہاری ابھی ابھی شادی ہوئی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم یہ چھٹی طاہرہ کے پاس گھر میں گزارو۔

''میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ سفر میرے لئے بہت سودمند رہے گا ممکن ہے وہاں مجاہدین کے حامی افراد سے رابطہ کا موقع بھی ملے۔ اگر ایسا ہوا تو میں اُنہیں جہادِ افغانستان کی اہمیت سے آگاہ کروں گا۔ رہی طاہرہ کی بات تو آپ تین ماہ کی چھٹی دے رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو ماہ روس کے سفر کیلئے اور تیسرا مہینہ طاہرہ کے پاس ہی گزرے گا۔''

علی نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو کمانڈر صاحب بولے کہ تم زیادہ ہی ضد کر رہے ہو تو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی مگر میری درخواست ہے کہ محتاط ہو کر سفر کرنا۔ علی نے اس پر کمانڈر کا شکریہ ادا کیا۔

اس سفر کو مکمل طور پر خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ روس جانے کے لئے سفر کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ عبدالرحمٰن سے مشورے کے بعد علی نے شہر سے خاص کپڑا منگوایا اور روسی طرز کے لباس تیار کئے۔ روبل (روسی کرنسی) بھی خاصی تعداد میں حاصل کئے۔ علی نے محمد اسلام سے بھی بات کی تو اُس نے کہا کہ میرا روس میں کون ہے جس سے مجھے ملنے جانا ہے۔ ماں باپ مر چکے، بہن بھائی کوئی ہے نہیں۔ میں روس اس وقت جاؤں گا جب روس کے مسلمان بھی آزاد ہوں گے۔ میرا وطن اب افغانستان ہے، روس نہیں۔ روس کے مسلمانوں سے اگر ملاقات ہو تو اُنہیں میرا یہ پیغام ضرور دے دینا کہ جو لطف آزادی کے لیے لڑتے ہوئے مرنے میں آتا ہے، وہ غلامی کی پرتعیش زندگی میں نہیں۔ اگر روس کے مسلمان بھی اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو پھر وہ بھی آزادی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔

تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن نے اپنا کوسومول کا کارڈ بھی سامان میں رکھ لیا تاکہ روس میں بوقت ضرورت اس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

درویش خان کو علی نے قائم مقام کمانڈر مقرر کرتے ہوئے مجاہدین سے کہا کہ میں ایک اہم مشن پر مرکز سے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر موجودگی میں درویش خان کی ہر بات کی اطاعت اسی طرح کرنا جس طرح میری اطاعت کرتے تھے۔

درویش خان کو علی نے سمجھایا کہ دشمن مختلف قسم کی سازشوں کی سوچ رہا ہے۔ ان سازشوں

سے مکمل طور پر اپنے آپ کو آگاہ رکھنا اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش بھی کرنا۔ اگر وہ خوبصورت لڑکیوں کو مظلوم مہاجرین کے بھیس میں مرکز کی طرف بھیجے تو اُنہیں فوراً یہاں سے دور بھیج دینا اور مرکز میں ایک دن کے قیام کی بھی اجازت نہ دینا۔

درویش خان ایک ذہین اور جرأت مند مجاہد تھا۔ اُسے مجاہدین لوہے کے ہاتھوں والا انسان کہہ کر پکارتے تھے۔ اُس کا یہ واقعہ تو مجاہدین میں بہت مشہور تھا کہ ایک دفعہ روسی فوجیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ روسی فوجی اسے پکڑ کر اپنے افسروں کے پاس لے گئے۔ کمرے میں تین سپاہیوں سمیت سات روسی افسر تھے۔ افسروں کے کہنے پر سپاہیوں نے اُس کے ہاتھ کھول دیئے۔ روسی افسروں نے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ کہے تو درویش خان غصے سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر ایک روسی سپاہی سے بندوق چھین لی۔ دوسرے دو نے درویش کے ہاتھوں میں بندوق دیکھ کر اپنی بندوقیں خود ہی نیچے پھینک دیں۔ درویش نے گولیاں نکال کر بندوقیں ایک طرف رکھ دیں۔ دروازوں کو کنڈیاں لگا دیں اور دس کے دس روسیوں کو مکے مار مار کر موت کی نیند سلا دیا۔ اُس کے مکے کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ لوہے کے ہتھوڑے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

علی، عبدالرحمٰن اور چند دوسرے مجاہدین موٹر سائیکلوں پر مرکز سے روانہ ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ ہمارے پاس وقت تھوڑا ہے، اس لئے راستے میں اگر کسی جگہ روسی نظر بھی آ جائیں تو مقابلے کے بجائے آنکھ بچا کر گزر جانا۔

موٹر سائیکلوں پر سوار ہونے کے باوجود چار دن بعد مجاہدین کا یہ قافلہ روسی سرحد کے قریب واقع مجاہدین کے ایک مرکز میں پہنچا۔ یہ مرکز دریائے آمو سے چند میل دور واقع تھا اور اس مرکز کا کمانڈر زمان گل خان کئی دفعہ علی کے مرکز آ چکا تھا۔ علی نے اُس کے سامنے اُدھر آنے کا مقصد بیان کیا اور اُسے تاکید کی کہ دوسرے مجاہدین کو ہمارے ارادوں، مشن اور ناموں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پائے۔

کمانڈر زمان گل خان اُنہیں دوسرے ہی دن دریائے آمو کے قریب ایک باغ میں لے گیا۔ باغ کا مالک احمد خان باغ ہی میں مل گیا۔ احمد خان زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ علاقے کا بہت بڑا سمگلر بھی تھا۔ روسی اشیاء کی افغانستان کے راستے پاکستان سمگلنگ اُس کا پیشہ تھا۔ روس کے اندر بڑے بڑے سمگلروں سے اُس کے گہرے تعلقات تھے۔ وہ مجاہدین کی نہ صرف پیسے سے مدد کرتا بلکہ روس کے اندر چھاپہ مار کارروائیوں میں بھی مجاہدین کی رہنمائی کرتا تھا۔

زمان گل نے اُس کے سامنے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو احمد خان نے کہا کہ یہ کوئی مشکل کام ہیں لیکن ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ آج کل اسٹیمر خراب ہے۔ اُسے صحیح ہونے میں شاید ہفتہ لگ جائے۔ پ کو دریا یا تو تیر کر پار کرنا پڑے گا یا پھر انتظار کرنا پڑے گا۔ علی نے کہا کہ ہم دریا تیر کر پار کر لیں گے۔

رات اُن لوگوں نے احمد خان کے باغ ہی میں بسر کی۔ صبح کو ناشتے پر احمد خان نے علی اور بدالرحمٰن کو سمجھاتے ہوئے کہا: ''دریا پار کرنے کے بعد تمہیں چند میل پیدل چلنا پڑے گا۔ اس کے بد اسماعیل سمرقندی کا گاؤں آ جائے گا۔ اسماعیل سمرقندی علاقے کی معروف شخصیت ہے۔ دریا پار فرد اُس کے نام سے آگاہ ہے۔ سمگلر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا کے جی بی سے بھی تعلق ہے لیکن ہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے کسی دوست کو بھی وہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر اُس ل پہنچنے سے پہلے ہی کوئی سرحدی سپاہی یا فوجی تمہیں پکڑنے یا روکنے کی کوشش کرے تو اسے بھی یہ ہہ دینا کافی ہے کہ آپ اسماعیل سمرقندی کے مہمان ہیں۔ اس کے بعد کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی تمہاری رف نہیں دیکھے گا۔ اسماعیل ہی تمہارے آگے جانے کے انتظامات بھی کرے گا اور سفر کے کاغذات ی مکمل کروائے گا۔ ایک بات اور بتا دوں کہ روس کے اندر بیس پچیس روبل کی رشوت ہر کام کروا دیتی ہے۔ اگر کسی جگہ مشکل پڑ جائے تو سرکاری کارندوں کو رشوت دینا بالکل نہ بھولنا۔''

وہ کچھ دیر رُکا، پھر بولا: ''ایک چھوٹا سا کام میرا بھی کر دیجئے گا۔ قرآن مجید کے چند نسخے ہیں۔ اسماعیل سمرقندی کو دے دیجئے گا۔ اُس نے پچھلے ماہ منگوائے تھے مگر میں ابھی تک اُسے نہ بھیج سکا۔''

قرآن مجید کا سن کر عبدالرحمٰن نے کہا کہ چند نسخے ہمیں بھی منگوا دیجئے تا کہ ہم بھی وہاں اپنے ستوں کو دے سکیں۔

احمد خان نے بتایا کہ قرآن مجید کے نسخے یہاں سے ملنے تو بہت مشکل ہیں۔ وہ تو جا کر شہر سے نے پڑیں گے۔ آپ کو دو دن مزید یہاں ٹھہرنا پڑ جائے گا۔

یہ سن کر زمان گل خان نے کہا کہ میں اپنے مرکز سے منگوا دیتا ہوں۔ موٹر سائیکل پر آدھ پون ٹے میں آ جائیں گے۔ ایک مجاہد قرآن مجید کے نسخے لینے مرکز چلا گیا۔

احمد خان نے مجاہدین کو بتایا کہ روس کے اندر کسی مسلمان کے لیے سب سے قیمتی تحفہ قرآن مجید ہے۔ مجھے تو اکثر روس جانا پڑتا ہے۔ کئی پکے کیمونسٹوں نے بھی قرآن مجید گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ سلمانوں کو یہ قرآن مجید کرائے پر پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ ایک دن کا کرایہ دس تا پندرہ روبل تے ہیں اور رمضان المبارک میں یہ کرایہ تین گنا بڑھ جاتا ہے۔ روس کے اندر یہ مشہور ہے کہ جس کے س قرآن مجید کا ایک نسخہ ہے، اُسے کوئی اور کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کیمونسٹ قرآنِ مجید

دکھانے کا بھی ایک روبل کرایہ وصول کر لیتے ہیں۔

''لیکن مسلمان اتنا کرایہ کیسے دے لیتے ہیں؟ علی نے پوچھا۔

احمد خان نے بتایا کہ چند گھر مل کر ایک دن کے لیے قرآن مجید لے آتے ہیں۔ ایک آدمی پڑھتا ہے اور باقی سنتے ہیں۔

''آپ لوگ قرآن مجید کے نسخے زیادہ تعداد میں سمگل کیوں نہیں کرتے؟ عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

احمد خان نے بتایا کہ اسماعیل سمرقندی سے میری اس سلسلے میں بات ہو چکی ہے۔ پاکستان میں بھی ایک ادارے سے بات چل رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآنِ مجید مل جائیں تو ہم یہ کام شروع کریں۔

''اس طرح آپ کو پیسہ بھی مل جائے گا اور ثواب بھی۔'' علی بولا۔

''یہی سوچ کر یہ کام کرنے کا ارادہ کیا ہے۔'' احمد خان نے کہا۔

علی نے احمد خان کو بتایا کہ ''ریڈیو صدائے افغانستان'' سے روسی زبان میں اسلامی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں تو احمد خان نے علی اور عبدالرحمٰن کو بتایا کہ روسی مسلمان ''ریڈیو صدائے افغانستان'' بڑی باقاعدگی سے سنتے ہیں اور روسی مسلمان خواتین تو مجاہدین سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ اسماعیل سمرقندی نے مجھے پچھلے دورے کے دوران میں بتایا تھا کہ افغان مجاہدین کے کارنامے سن سن کر تو اب ہمارے گھروں کی خواتین نے بھی ہمیں طعنے دینے شروع کر دیئے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر افغانستان کے مرد روسی کافروں سے لڑ سکتے ہیں تو تم جہاد کیوں شروع نہیں کرتے۔

علی نے کہا کہ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ کرے کہ روس کے مسلمان بھی افغان مسلمانوں کی طرح جہاد شروع کر دیں۔

ایک گھنٹے بعد مجاہد مرکز سے قرآنِ مجید کے نسخے لے کر آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ جلدی میں صرف تین نسخے مل سکے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ تین ہی کافی ہیں۔

احمد خان نے اپنے کچھ دوسرے دوستوں کے پتے بھی دیئے اور اسماعیل سمرقندی کے نام ایک رقعہ بھی دیا۔ اسماعیل سمرقندی کو احمد خان نے لکھا کہ یہ میرے بیٹے کے دوست ہیں۔ ایک ضروری کام کے سلسلے میں ''شیر آباد'' تک جانا چاہتے ہیں۔ روس کے اندر سفر کے تمام انتظامات آپ کو کرنے ہوں گے۔

تیار ہو کر وہ دریا پر ایک ایسی جگہ آ گئے جو روسیوں کی نظر سے بہت حد تک محفوظ تھی۔ احمد خان نے کہا کہ دریا کا پاٹ بہت زیادہ چوڑا ہے اور گہرا بھی' اس لئے احتیاطاً ربڑ کی ٹیوبیں اور مشکیزے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ مجاہدین زیادہ تر مشکیزوں میں ہوا بھر کے اس دریا کو پار کرتے ہیں۔ یہ ٹیوبیں اور

مشکیزے میں نے مجاہدین کو دریا پار کرانے کے لیے ہی رکھے ہوئے ہیں کیونکہ مسلح کارروائیوں کے لیے اسٹیمر پر دریا پار کرانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔

علی کے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین نے پیشکش کی کہ سامان دریا پار لے جانے میں ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔

زمان گل اور احمد خان نے علی اور عبدالرحمٰن کو خدا حافظ کہا۔

مجاہدین نے قرآن مجید کے نسخے اور دوسرا سامان جو علی اور عبدالرحمٰن ساتھ لائے تھے' دریا کے پار پہنچانے میں مدد کی۔

دریا کا پانی بہت ٹھنڈا تھا مگر مجاہدین کو تو سردی اور گرمی برداشت کرنے کی خاصی مہارت ہو گئی تھی۔ مشکیزوں اور ربڑ کی ٹیوبوں نے دریا پار کرنے میں بڑی مدد دی۔ جب مجاہدین دریا کے دوسرے کنارے پہنچے تو وہ بہت تھک چکے تھے۔ یہ مجاہدین کی ہمت تھی کہ اس دریا کو تیر کر پار کر لیا تھا ورنہ عام تیراک تو اس دریا کے اندر اُترنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ پانی نہ صرف بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے بلکہ تیز رفتار بھی۔ عام طور پر دریا پار کرنے کے لئے بڑی بڑی کشتیاں اس کے اندر چلتی ہیں۔ مجاہدین نے پچھلے سال ایک حملے میں دُشمن کی اسلحے سے لدی ہوئی چار بڑی بڑی جہاز نما کشتیاں دریا میں ڈبو دی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دریائے آمو کتنا بڑا ہے جس میں جہاز بھی ڈوب جاتے ہیں۔

علی نے اپنے ساتھ آئے ہوئے مجاہدین سے کہا کہ ہمارے آنے تک زمان گل خان کے مرکز میں رہیں۔ مجاہدین نے علی اور عبدالرحمٰن سے بغلگیر ہونے کے بعد اُنہیں خدا حافظ کہا اور دریا میں تیرتے ہوئے واپس افغانستان آ گئے۔





علی اور عبدالرحمٰن اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ یہ ایک ویران علاقہ تھا۔ جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں چلتے ہوئے خاصی مشکل پیش آ رہی تھی۔ راستے میں ایک نالہ بھی آیا جو دریا میں آ کر گرتا تھا۔ نالے کے دونوں طرف سرسبز درخت بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ نالہ پار کیا تو دور دور تک لہلہاتی فصلوں نے استقبال کیا۔ حدِ نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔

عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ راستے میں اگر کوئی آدمی ملے تو تم گونگے بہرے بن جانا کیونکہ ایک تو تمہیں روسی نہیں آتی اور جو فارسی اس علاقے میں بولی جاتی ہے وہ بھی تمہاری فارسی سے بہت مختلف ہے۔ علی نے عبدالرحمٰن کی اس تجویز کو پسند کیا۔

علی نے اس خوبصورت علاقے کو دیکھ کر کہا کہ عبدالرحمٰن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ علاقے کب آزاد ہوں گے، کب یہاں مسجدیں بنیں گی اور کب اذان کی آواز سنائی دے گی۔

''یہ تو اللہ ہی جانتا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں، جب یہ علاقے ایک دفعہ پھر آزاد ہوں گے۔ جب یہ علاقے آزاد ہوں گے تو اُس وقت اس علاقے میں یہ ملک رقبے کے لحاظ سے اسلامی دُنیا کا سب سے بڑا ملک ہوگا۔ اور کیا ہی شان ہوگی جب روس کے مسلم علاقے (ترکمانستان، قازقستان، کرغیزستان، تاجکستان، شمالی قفقاز) افغانستان، ترکی اور پاکستان مل کر اس علاقے کی عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھیں گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سلطنت کا نام ''عظیم سلطنت اسلامیہ'' ہو اور میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

علی بولا: ''عبدالرحمٰن! تمہارے خیالات بہت اچھے ہیں لیکن ان خیالات کی حیثیت ابھی ایک خواب کی ہے۔''

''لیکن یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ دُنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے، اُن کی بنیاد بھی خوابوں پر ہی رکھی گئی۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔

تین بجے کا وقت تھا، جب وہ اسماعیل سمرقندی کے گھر پہنچے۔ اسماعیل سمرقندی نے بڑا پرتپاک استقبال کیا۔ عبدالرحمٰن نے احمد خان کا خط اور قرآنِ مجید کے نسخے اُس کے حوالے کیے۔ خط پڑھنے

کے بعد اسماعیل سمرقندی نے کہا کہ ابھی آپ سفر کر کے آئے ہیں، کھانا کھائیں اور آرام کریں۔ کل آپ کے سفر کے کاغذات مکمل کرا دوں گا، اس کے بعد آپ کو شیر آباد تک جانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

دوسرے دن اسماعیل سمرقندی سفر کے کاغذات بنوانے کیلئے جانے لگا تو عبدالرحمٰن نے کہا:

''جعلی کاغذات تیار کروانے پر کچھ پیسے تو لگیں گے، یہ دو سو روبل آپ لے لیں اور یہ میرا کوسومول کا کارڈ ہے۔ چھوٹی موٹی مشکلات تو یہ بھی کم کر دیگا۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ دونوں افغانی ہیں۔ کوسومول کے کارڈ سے تو کام بہت آسان ہو جائے گا۔ رہی پیسوں کی بات تو یہ میں نہیں لوں گا۔ احمد خان کے بیٹے کے دوستوں کو میں اپنے بیٹے سمجھتا ہوں۔'' اسماعیل سمرقندی نے کہا۔

یہ اسماعیل سمرقندی کا اثر و رسوخ تھا کہ سفری کاغذات اُسی دن اُنہیں مل گئے ورنہ دفتر والے تو کئی کئی دن لگا دیتے ہیں۔ (یاد رہے کہ روس کے اندر ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جانے کے لیے بھی اجازت نامہ، پرمٹ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔)

دوسری رات بھی اُنہوں نے اسماعیل سمرقندی کے پاس گزاری اور تیسرے دن شیر آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ شیر آباد وہ رات کو نو بجے پہنچ گئے تھے۔ گھر تک پہنچنے کے لئے عبدالرحمٰن نے ویران اور سنسان راستوں کا انتخاب کیا تا کہ اُس کی آمد کے بارے میں کسی کو پتا نہ چل سکے۔ اکثر گلیاں سنسان تھیں اور شاذ و نادر ہی کوئی انسان راستے میں نظر آیا۔

رات کے کوساڑھے دس بجے جب اُس نے گھر کا پچھلا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ماں باپ کو دیکھنے کے لیے آنکھوں میں بے قراری صاف نظر آ رہی تھی۔ چند منٹوں تک دروازہ نہ کھلا تو اُس نے دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت کی آواز آئی۔ ''آ رہی ہوں۔'' یہ عبدالرحمٰن کی امی کی آواز تھی جو اُس نے کئی سالوں بعد سنی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اُس نے دوبارہ آواز دی۔ ''کون ہے؟''

عبدالرحمٰن نے آہستہ سے کہا: ''امی! میں عبدالرحمٰن ہوں۔''

یہ آواز سنتے ہی عبدالرحمٰن کی امی پر تو جیسے خوشی سے سکتہ ہو گیا۔ اُس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ عبدالرحمٰن کو اُس نے اپنی بانہوں میں لے لیا اور اُسے پیار کرنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

یہ منظر دیکھ کر علی کو بھی اپنی ماں یاد آ گئی۔ جب علی کبھی دیر سے گھر آتا تھا تو وہ اُسے پیار سے ملے نت سے کس قدر ڈانٹ پلاتی تھی اور جب وہ چند دن کسی دوسری جگہ گزار کر آتا تو وہ بھی علی کو ایسے ہی

پیار کرتی تھی۔

ماں بیٹے کے جذبات کچھ کم ہوئے تو عبدالرحمٰن نے علی کا تعارف اپنی امی سے کرایا۔علی نے سلام کیا تو اُس نے محبت سے علی کو دعائیں دیں۔

وہ کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔عبدالرحمٰن نے اپنے والد کے بارے میں پوچھا تو اُس کی امی نے بتایا کہ تھوڑی دیر بعد آنے ہی والے ہیں۔اتنی دیر میں' میں آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کرلوں تو پھر اکٹھے ہی تمہاری باتیں سنیں گے۔

علی سے اُس نے پوچھا کہ بیٹا عبدالرحمٰن کا تو مجھے معلوم ہے کہ اُسے کون سا کھانا زیادہ پسند ہے' تم اپنی پسند بتا دو تاکہ میں آج اپنے بیٹوں کو ان کی اپنی اپنی پسند کا کھانا پکا کر کھلا سکوں۔علی نے کہا:

''خالہ جان! آج میں عبدالرحمٰن کی پسند کا کھانا ہی کھاؤں گا اور کل عبدالرحمٰن میری پسند کا کھانا کھالے گا۔اس طرح آپ کا وقت بھی بچ جائے گا اور دونوں کی پسند بھی پوری ہو جائے گی۔''

عبدالرحمٰن کی امی کھانا تیار کرنے کیلئے جانے لگیں تو اُس نے اپنی امی سے کہا کہ ہمارے آنے کے بارے میں سوائے ابو کے کسی کو پتا نہ چلے کیونکہ ہم یہاں خفیہ طور پر پہنچے ہیں۔

علی اور عبدالرحمٰن نے نہا کر کپڑے بدلے اور آرام کیلئے لیٹ گئے۔ابھی لیٹے ہوئے اُنہیں آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ عبدالرحمٰن کے ابو بھی آ گئے۔جب اُن کو پتا چلا کہ عبدالرحمٰن آیا ہوا ہے تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔وہ عبدالرحمٰن اور علی' دونوں سے بغلگیر ہو کر ملے۔اُنہوں نے بتایا:

''بیٹا! جب تمہارے خط آنے بند ہو گئے تو ہم نے یہی سمجھا کہ تم لڑتے ہوئے مارے گئے ہو۔ میں نے متعلقہ محکموں سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ تم لاپتا ہو۔گورنمنٹ کا خیال تھا کہ مجاہدین نے تمہیں گرفتار کرلیا ہے۔ہم تو تمہاری زندگی سے ناامید ہو چکے تھے۔تمہیں دیکھ کر تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے گھر دوبارہ عبدالرحمٰن کو پیدا کیا ہے۔جب سے تمہارے خط آنے بند ہو گئے تھے' تمہاری ماں اُس وقت سے بہت روتی رہی ہے۔ابھی پچھلے ماہ تمہاری سالگرہ کے موقع پر تمہاری ماں ساری رات اور دن روتی رہی۔بڑی مشکل سے چپ کرایا۔''

اتنی دیر میں عبدالرحمٰن کی امی کھانا لے کر آ گئیں۔

''ابو! اُسی رات آپ لوگ مجھے خواب میں ملے تھے اور اُسی خواب نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا۔آپ لوگوں کو تو میں بتا کر گیا تھا کہ موقع ملتے ہی مجاہدین سے جا کر مل جاؤں گا۔پھر امی اور آپ کیوں پریشان تھے؟ افغانستان میں تو جس کا بیٹا شہید ہوتا ہے' اُس کی ماں' اُس کا باپ' اُس کی بہنیں اور بھائی اُس کی شہادت پر فخر کرتے ہیں۔اگر آپ میری شہادت پر روتے تو مجھے بہت دُکھ

ہوتا۔'' عبدالرحمٰن نے کہا تو اُس کی امی نے بتایا:

''ہم تو اس وجہ سے روتے تھے کہ شاید تم کافروں کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے ہو۔ پھر یہاں حکومت کا پراپیگنڈا ہے کہ مجاہدین جس کو بھی پکڑ لیتے ہیں اُسے زندہ نہیں چھوڑتے' خواہ وہ کمیونسٹ فوجی ہو یا مسلمان فوجی ہو یا خود ان کی طرف بھاگ کر گیا ہو۔یہی سوچ کر ہمیں بے حد دُکھ ہوتا تھا کہ کہیں تم مجاہدین کی طرف جاؤ اور وہ تمہیں کمیونسٹ سمجھ کر نہ مار دیں۔اللہ کی راہ میں ایک بیٹا تو کیا دس بیٹے بھی ہوں تو میں قربان کر دوں اور میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ آئے۔''

عبدالرحمٰن کی امی کی باتیں سن کر علی نے بتایا: ''یہ روسی فوج کا پراپیگنڈا ہے کہ کہیں مسلمان روسی فوجی مجاہدین سے جا کر نہ مل جائیں۔مجاہدین تو پکے کمیونسٹوں کو بھی صفائی کا موقع دینے کے بعد سزا دیتے ہیں۔اب بھی ہماری جیلوں میں بے شمار روسی قیدی بند پڑے ہیں۔ہم تو قیدیوں کا تبادلہ کرنا چاہتے ہیں مگر روسی کمانڈر اس پر خود تیار نہیں ہوتے۔مجاہدین کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر کئی روسی قیدی اسلام قبول کر چکے ہیں۔تین روسیوں کو تو میں خود جانتا ہوں جو پکتیا میں خوست اور زازی میدان کی لڑائیوں میں روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ہمارے لئے مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وسائل بہت کم ہیں جس کی وجہ سے ہم روس کے جھوٹے پراپیگنڈے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

''ہم تو بیٹا روس کے اندر رہتے ہیں' جہاں ہر وقت مجاہدین کے خلاف پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اس پراپیگنڈے سے ہمارا تھوڑا بہت متاثر ہونا بھی قدرتی بات تھی۔'' عبدالرحمٰن کی امی نے کہا۔

کھانا کھا چکے تو عبدالرحمٰن کے ابو نے کہا: ''بیٹا! اب تم اپنی ساری روداد سناؤ۔''

''ابا! رات کے بارہ بج چکے ہیں' کل سن لینا۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

اُس کے ابو بولے'' بیٹا! اگر تمہیں نیند آئی ہوئی ہے تو اور بات ہے ورنہ ہم تو صبح کا انتظار نہیں کر سکتے۔اگر تم نے اپنی روداد نہ بھی سنائی تو ہم کو نیند پھر بھی نہیں آئے گی''۔

عبدالرحمٰن افغانستان میں اپنے قیام کے شروع سے لے کر اب تک کے وہ سارے حالات و واقعات سنانے لگا جن میں سے وہ گزر رہا تھا۔روسی مظالم کی داستانیں سن کر تو اس کی امی اور ابو رونے لگے مگر جب اُنہوں نے مجاہدین کی بہادری' جرأت اور استقامت کا سنا تو اُن کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہو گئی۔

جب عبدالرحمٰن نے اپنی روداد ختم کی تو اُس کے والد نے بتایا: ''روس میں کمیونسٹ' مجاہدین کو ظالم' وحشی' ڈاکو اور سفاک لٹیرے کہتے ہیں جبکہ مجاہدین کے حامی مسلمان' مجاہدین کی بہادری اور جرأت سے بہت متاثر ہیں۔ان مسلمانوں کا کہنا ہے کہ چونکہ روسیوں کو شکست ہو رہی ہے' اس لئے مجاہدین کی

بہادری اور جرأت کا اعتراف کرنے کے بجائے کیمونسٹ مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کرتے ہیں۔

یہاں کے عام لوگ مجاہدین کو مافوق الفطرت قوت کے مالک سمجھتے ہیں' جنہیں شکست نہیں دی جا سکتی۔

بذاتِ خود میں افغانستان سے آئے ہوئے کئی روسی فوجی افسروں سے ملا ہوں۔ پچھلے سال ایک فوجی افسر سے ملاقات ہوئی تو اُس نے بتایا کہ ہمارے سپاہی ایک مجاہد کو پکڑ لائے۔ میں نے افغان مجاہدین کی کرامات اور مافوق الفطرت قوتوں کے بہت قصے سن رکھے تھے۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس افغان مجاہد کو آزمایا جائے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ ہمارے ٹینکوں پر پتھر اُٹھا کر مارو تو ٹینکوں کو اس سے بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اُس نے بڑے اعتماد سے کہا کہ آپ نے درست سنا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر تم میرے سامنے پتھر مار کر ٹینک کو آگ لگا دو تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ اُس نے میرا چیلنج قبول کر لیا۔ اُس نے پانی منگوا کر ہاتھ' منہ اور پاؤں دھوئے (وضو کیا) عبادت کی (نفل ادا کئے) پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگا۔ دُعا کے بعد اُس نے زمین سے چند کنکر اُٹھائے' عربی زبان میں کچھ پڑھا اور کنکروں کو ٹینک پر مار دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹینک کو آگ لگ گئی۔

''دو ماہ پہلے میری ایک اور فوجی افسر سے ملاقات ہوئی۔ وہ جنگ میں معذور ہو چکا ہے......... جب میری اُس سے ملاقات ہوئی تو اُسے افغانستان سے آئے ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ اُس نے بھی بے شمار ناقابل یقین واقعات سنائے۔ اُس نے چند ماہ پہلے کے ایک واقعے کا ذکر کیا کہ کابل کے قریب ایک صوبے میں روسی فوج کا ایک کانوائے مجاہدین کے کسی مرکز پر حملہ کرنے گیا اور اُس میں شامل کسی ایک فوجی کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔ دوسرا کانوائے اُس کی تلاش میں بھیجا گیا۔ وہ بھی غائب ہو گیا۔ دونوں کانواؤں کا کچھ سراغ نہ مل سکا۔ پتا نہیں انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔''

''مجاہدین کے بارے میں اس سے بھی بڑی حیرت ناک بات مجھے اپنی ریاست کے کیمونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے بتائی۔ ایک ہفتہ قبل میں اُس سے ملنے گیا۔ وہ ماسکو میں کیمونسٹ پارٹی کی سپریم کونسل کے اجلاس میں شرکت کر کے واپس آیا تھا۔ جب میں اُس سے ملا تو وہ بہت پریشان تھا۔ میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا:

''میں ہی نہیں' پوری کیمونسٹ پارٹی افغان مجاہدین سے بہت پریشان ہے۔ جس واقعے کا سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں' جب میں تمہیں سناؤں گا تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گے۔ ابھی جس اجلاس میں شرکت کر کے واپس لوٹا ہوں۔ اسی اجلاس کا واقعہ ہے۔ روس کے وزیر دفاع نے افغانستان کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے دو واقعات کا خصوصی ذکر کیا۔ ایک واقعہ تو یہ تھا کہ دو کانوائے

حملہ کرنے گئے اور دونوں غائب ہو گئے اور کانواؤں میں شامل کسی ایک فرد کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک ہے۔ وہی مرکز' جہاں دو کانوائے حملہ کرنے گئے اور غائب ہو چکے تھے' ہمارے کمانڈر نے اس مرکز پر قبضہ کرنے کے لئے تین سو سپٹسناز اتارے اور ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آیا۔ سپٹسناز کے بارے میں وزارت دفاع کا کہنا ہے کہ سپٹسناز دُنیا کے کسی ملک کی بھی فوج کو شکست دے سکتے ہیں' خواہ اُس فوج کی نفری سپٹسناز سے بیس گنا زیادہ ہو۔ جب سپریم کونسل کے ممبران نے وزیر دفاع سے سپٹسناز کی تباہی کے بارے میں سنا تو سنتے ہی اکثر کے رنگ زرد پڑ گئے۔ ایک ممبر تو اپنے دل کی بات اپنی زبان پر لے آیا۔ اُس نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ مجاہدین کے ہاتھوں اب ہم بھی محفوظ نہیں۔ اگر وہ سپٹسناز کو ہلاک کر سکتے ہیں تو وہ روس کے اندر آ کر ہمیں بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا یہ پریشانی کی بات نہیں؟''

عبدالرحمٰن کے باپ نے جونہی بات ختم کی تو علی نے مسکراتے ہوئے اُسے بتایا: ''انکل! دونوں کانواؤں کا غائب کر دینا اور سپٹسناز کی ہلاکت' دونوں کارنامے آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہیں۔''

''نہیں ابو! یہ سب کچھ علی کی کمانڈنگ اور ذہانت کی بدولت ہوا۔'' عبدالرحمٰن بولا۔

اُس کے ابو نے کہا: ''یہ تو میرے لئے فخر کی بات ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ کام علی نے کیا ہے یا عبدالرحمٰن نے' دونوں اللہ کے سپاہی اور میرے بیٹے ہیں۔''

عبدالرحمٰن کی امی نے اُٹھ کر علی اور عبدالرحمٰن کی پیشانیوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تم دونوں کو سلامت رکھے اور آئندہ بھی ایسی ہی فتوحات سے نوازے۔ یہ محفل صبح کی نماز تک جاری رہی۔ صبح کی نماز پڑھ کر سب لوگ سو گئے۔

دس بجے صبح سب نے اُٹھ کر ناشتہ کیا۔ علی اور عبدالرحمٰن دوبارہ سو گئے۔ دوپہر کے کھانے سے تھوڑی دیر پہلے اُٹھے۔ عبدالرحمٰن اپنی امی کے پاس باورچی خانے میں چلا آیا۔ وہاں آ کر اُس نے زبیدہ کے بارے میں پوچھا تو اُس کی امی نے بتایا کہ زبیدہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کئی دفعہ تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہے۔ ہماری طرح وہ بھی تمہارے لئے بہت پریشان تھی۔

''امی! کیا اُس سے ملاقات نہیں ہو سکتی؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتی۔ بیٹا! ایک بات یاد رکھو کہ وہ ماں ہی کیا جو اپنے بیٹے کے جذبات اور احساسات سے آگاہ نہ ہو۔ میں نے تمہارے کہنے سے پہلے ہی تمہارے ابو کو کہہ دیا تھا کہ دفتر سے واپس آتے وقت زبیدہ کو لیتے آنا۔ ویسے بھی میرا بیٹا اتنی دیر بعد آیا ہے' پھر اس کا دوست بھی اس کے ساتھ ہے۔ میں اکیلی کیسے تمہارے لئے مزے مزے کے کھانے پکا سکتی ہوں اور میری تو خواہش ہے کہ جب

تک تم یہاں رہو، جی بھر کر تمہاری پسند کے کھانے تمہیں کھلاؤں۔ پھر علی تو تم سے بھی کہیں پہلے کا اپنی ماں سے بچھڑا ہوا ہے، وہ بھی چند دن اپنی پسند کے کھانے گھر میں پکے ہوئے کھالے گا، اس لئے جب تک تم یہاں ہو، زبیدہ بھی اس گھر میں میرا ہاتھ بٹانے کیلئے موجود رہے گی بلکہ میں تو کہوں گی کہ شادی کر کے اُسے ساتھ ہی لے جاؤ۔ وہ بیچاری اکیلی تمہارے بغیر یہاں کیا کرے گی؟'' اُس کی امی نے کہا۔

''ویسے امی! آپ جیسی ماں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی لیکن شادی والی بات پر کچھ غور کرنا پڑے گا۔'' عبدالرحمٰن یہ کہہ کر علی کے پاس چلا آیا۔

دفتر سے فارغ ہونے کے بعد عبدالرحمٰن کا باپ سیدھا زبیدہ کے گھر پہنچا۔ زبیدہ اُس وقت اپنے کمرے میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔ عبدالرحمٰن کے باپ کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور سلام کرنے کے بعد پوچھا: ''ماموں جان! آج آپ کیسے بھول کر ادھر آ نکلے؟''

''بیٹی! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمہاری ممانی تمہیں فوراً بلا رہی ہے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا۔

زبیدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ''ماموں جان! ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے مجھے فوراً بلایا گیا ہے؟''

''بس تمہارے لئے ایک بہت خوشی کی بات ہے مگر تمہاری ممانی جان نے بتانے سے منع کر دیا تھا۔ ہاں تین چار دنوں کے لئے کپڑے بھی اپنے بیگ میں رکھ لینا۔ شاید زیادہ دن ٹھہرنا پڑ جائے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے بتایا۔

زبیدہ اُٹھ کر تیار ہونے لگی لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے ممانی صاحبہ نے مجھے فوراً بلایا ہے اور پھر تین چار دنوں کے لئے کپڑے رکھنے کا بھی کہا ہے۔

باہر عبدالرحمٰن کا باپ زبیدہ کی امی سے کہہ رہا تھا کہ زبیدہ چند دنوں کے لئے ہمارے ہی گھر میں رہے گی۔ چند دنوں بعد میں خود چھوڑ جاؤں گا۔

''تمہاری اپنی بیٹی ہے۔ ساری عمر رکھو، بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' زبیدہ کی امی نے کہا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے بارے میں بھی پوچھا کہ اُس کا کچھ پتا چلا تو عبدالرحمٰن کے باپ نے بتایا کہ ہاں کچھ پتا چلا ہے۔ چند دنوں بعد پوری طرح پتا چل جائے گا۔

عبدالرحمٰن کا باپ نہیں چاہتا تھا کہ عبدالرحمٰن کے بارے میں زبیدہ کے علاوہ باہر کے کسی فرد کو کچھ بھی معلوم ہو۔ پھر زبیدہ کا باپ تو دل و جان سے پکا کمیونسٹ تھا، اس لئے اُس نے اپنی بہن سے بھی عبدالرحمٰن کی آمد کو چھپائے رکھا۔

جب زبیدہ عبدالرحمٰن کے گھر پہنچی تو اُس کی امی صحن ہی میں کام کر رہی تھی۔ زبیدہ نے سلام

کرتے ہی پوچھا: ''ممانی جان! جلدی بتائیں کہ آپ نے کون سی خوشی کی بات سنانے کے لئے مجھے یہاں بلایا ہے۔''

عبدالرحمٰن کی امی: ''تم ہی بتاؤ۔ تمہارے لئے اس گھر میں بتانے کی کون سی خوشی کی بات ہو سکتی ہے؟''

زبیدہ: ''ممانی جان! یہ تو آپ بھی جانتی ہیں مگر......''

زبیدہ پوری بات کئے بغیر ہی افسردہ ہو گئی تو عبدالرحمٰن کی امی ہنسی اور اُسے پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ وہاں بٹھا کر کہا کہ میں ابھی آتی ہوں۔

عبدالرحمٰن کی امی عبدالرحمٰن کے کمرے میں گئی اور اُسے کہا کہ زبیدہ آ گئی ہے، دوسرے کمرے میں بیٹھی ہے جا کر مل لو۔

عبدالرحمٰن، علی سے اجازت لے کر زبیدہ والے کمرے میں آیا۔ زبیدہ نے جونہی اُسے دیکھا، وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا ''آپ! میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

''نہیں، آپ خواب نہیں دیکھ رہیں۔ میں کمرے میں موجود ہوں۔'' عبدالرحمٰن بولا

زبیدہ اس خوشی پر قابو نہ پا سکی اور بے اختیار رونے لگی۔ یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن کی آنکھیں بھی پُرنم ہو گئیں۔ کچھ سنبھلی تو بولی: آپ نے آنے سے پہلے اطلاع کیوں نہ دی اور یہاں بھی آ کر ایسے بلایا جیسے فوج سے بھاگ کر چوری آئے ہو۔''

''جی! آپ بالکل صحیح کہتی ہیں۔ میں خفیہ طور پر صرف آپ سے اور ابو امی سے ملنے آیا ہوں۔ میں اب فوج میں نہیں بلکہ مجاہدین میں شامل ہو چکا ہوں۔'' عبدالرحمٰن نے بتایا۔

زبیدہ نے کہا کہ یہ تو میرے لئے اور بھی زیادہ خوشی کی بات ہے۔ تم نہیں جانتے کہ یہاں مجاہدین کا کتنا احترام کیا جاتا ہے۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ افغانستان جا کر اپنے افغان مجاہد بھائیوں سے ملوں، اُن کا کھانا تیار کروں، اُن کے کپڑے دھوؤں اور جہاد میں اُن کا ساتھ دوں۔

''بہت اچھے خیالات ہیں آپ کے۔ اللہ آپ کو جہاد کرنے کی توفیق دے۔'' عبدالرحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

زبیدہ نے سمجھا کہ شاید عبدالرحمٰن نے اُس کا مذاق اُڑایا ہے۔ وہ بولی ''خود تو آپ اسلام کے بارے میں لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں۔ میں چھوٹی سی بات بھی کروں تو آپ ہمیشہ مذاق اڑاتے ہیں۔''

''زبیدہ! میں نے مذاق نہیں اُڑایا۔ تمہارے خیالات سن کر واقعی مجھے خوشی ہوئی ہے۔'' عبدالرحمٰن نے کہا تو زبیدہ فرمائش کرنے لگی کہ آپ مجھے افغان مجاہدین کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

عبدالرحمٰن نے زبیدہ کو افغان مجاہدین کے بارے میں مختصراً بتایا۔ جب زبیدہ کو پتا چلا کہ افغانستان سے ایک افغان مجاہد بھی آیا ہوا ہے تو اُس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں اُسے دیکھنا اور ملنا چاہتی ہوں۔ عبدالرحمٰن نے اسے بتایا کہ علی کا تعلق افغانستان سے ہے جہاں لڑکیاں غیر محرم مردوں سے نہیں ملتیں اور اسلامی احکامات کی مکمل پاسداری کرتی ہیں۔ افغانستان کی عورتیں مکمل پردہ کرتی ہیں۔ میں نے وہاں ایک لڑکی طاہرہ کو اپنی بہن بنایا ہوا ہے' اس کے باوجود وہ مجھ سے مکمل پردہ کرتی ہے' اس لئے کہ وہ میری سگی بہن نہیں۔

''میں نے بھی تو مکمل لباس پہنا ہوا ہے اور روس میں میرے لباس سے زیادہ پردے والا لباس تو کوئی بھی نہیں پہنتا اور میری سہیلیاں تو میرے اس لباس کا مذاق اڑاتی ہیں۔'' زبیدہ نے کہا۔

عبدالرحمٰن نے اُسے بتایا: ''روس کے اندر لوگوں کا اسلام کے بارے میں مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے' اس لئے یہاں کی عورتیں پردے کے بارے میں اسلامی احکامات سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں جبکہ افغانستان میں عورتیں غیر محرم مردوں سے پورا پورا پردہ کرتی ہیں۔ کوئی چادر وغیرہ ہے تو اُسے اوڑھ لو اور چہرہ وغیرہ پوری طرح ڈھانپ لو۔ میں علی کو بلاتا ہوں۔''

زبیدہ نے عبدالرحمٰن کی امی سے چادر لے کر پوری طرح اوڑھ لی۔

زبیدہ رُوس کے آزاد معاشرے میں رہنے والی لڑکی تھی جہاں عریانی فحاشی کو عریانی فحاشی نہیں بلکہ ترقی پسند تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔ روس کے معاشرے میں تو کسی لڑکی کا اسلام کے حق میں بات کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ زبیدہ کا یوں چادر لے کر اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپ لینا اس کے دل میں اسلام اور افغان مجاہدین کے لئے بے پناہ محبت کا مظہر تھا۔ زبیدہ روس کے اندر واحد ایسی لڑکی نہیں ہے بلکہ روس میں زبیدہ کی طرح ہزاروں دوسری لڑکیاں بھی اسلامی اقدار کو پوری طرح اپنانے کو تیار ہیں بشرطیکہ کوئی اُنہیں اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ تو کرے۔ جس ملک میں گھر سے لے کر سکول و کالج تک ہر جگہ کمیونزم کی تعلیم دی جاتی ہو' شراب نوشی اور گناہ کی کھلے عام حوصلہ افزائی کی جاتی ہو' مساجد بند کر دی گئی ہوں اور قرآن مجید چھاپنا ممنوع ہو' جس ملک میں سرخ فوج زبردستی گھروں میں گھس کر پردہ نشین عورتوں اور بہو بیٹیوں کے دوپٹے اور چادریں اُتار کر آگ لگا دے' جہاں پردہ کرنا جرم ہو' وہاں زبیدہ جیسی لڑکیوں کے اسلام کے بارے میں ایسے جذبات قابل قدر ہی نہیں' قابل حیرت بھی ہیں۔

(کمیونسٹ انقلاب کے بعد روس کے اندر خواتین کے برقعے زبردستی اتار کر نذر آتش کئے جاتے رہے ہیں۔ ایسا ہی افغانستان میں ہوا' مصر میں ہوا' شام میں ہو رہا ہے۔ پاکستان کی چند خواتین

نے 1987ء میں روس کی خوشنودی کی خاطر اپنے دوپٹے نذر آتش کئے تھے۔)

علی اور عبدالرحمٰن کمرے میں اکٹھے داخل ہوئے۔ اس سے قبل کہ علی سلام کرتا۔ زبیدہ نے پہل کرتے ہوئے کہا: ''علی بھائی! السلام علیکم۔''

عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ برادر علی! زبیدہ کو آپ سے ملنے اور افغانستان کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔ یہ آپ کی زبان ۔ ۔ جہاد افغانستان کا حال سننا چاہتی ہے' اُسے کچھ بتاؤ۔

علی نے ابھی بات شروع نہیں کی تھی کہ عبدالرحمٰن کا باپ اور امی بھی آ گئے۔ علی نے زبیدہ کو جہاد افغانستان کے بارے میں مختصراً آگاہ کیا۔

زبیدہ نے علی کو بتایا کہ روس کی مسلمان خواتین میں مجاہدین بہت مقبول ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مسلمان لڑکیاں خواہ وہ اسلام کے بارے میں کچھ جانتی ہوں یا نہ جانتی ہوں' وہ مجاہدین کے حق میں بات کرتی ہیں۔ بعض تو مجاہدین کے بارے میں بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات بھی بیان کرتی ہیں۔ میری ایک سہیلی نے تین ماہ پہلے بتایا کہ اس کا ایک رشتے دار فوجی افغانستان کے صوبہ ''وردک'' سے واپس آیا۔ اُس فوجی نے بتایا کہ ہمیں ہمارے افسروں نے حکم دیا کہ قبرستان کو ختم کر کے وہاں فوجیوں کیلئے جگہ بناؤ۔ وہاں چند شہداء کی قبریں بھی تھیں۔ ہم بلڈوزر لے کر گئے۔ ابھی قبرستان سے چند گز دور ہی تھے کہ اگلا بلڈوزر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر دھماکے سے ہوتا تو ہم سمجھتے کہ بارودی سرنگیں مجاہدین نے اس جگہ دبائی ہوں گی۔ ہمارے افسر کا خیال تھا کہ وہ بلڈوزر خراب تھا۔ میں نے اپنا بلڈوزر آگے کیا' وہ بھی اُس جگہ پہنچا تو دو ٹکڑے ہو گیا اور میں اُچھل کر دور جا گرا۔ میں ڈر کر وہاں سے بھاگ آیا۔ قبرستان تو روسی صاف نہ کرا سکے مگر روسی افسروں نے میری چھٹی کرا دی اور میں واپس آ گیا۔

ایک اور سہیلی جس کا بھائی بھی افغانستان سے واپس آیا تھا' اُس نے بتایا کہ میرا بھائی کہتا ہے کہ مجاہدین شہروں اور چھاؤنیوں میں کارروائیاں کر کے ایسے غائب ہو جاتے ہیں' جیسے چھلاوے۔ ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے میری سہیلی نے بتایا کہ اُس کے بھائی نے اُسے بتایا کہ ایک دفعہ ہم ایک گاؤں پر حملہ کرنے نکلے۔ کچھ دور ہمیں تین مجاہد نظر آئے۔ ہم نے اُن پر گولیاں چلائیں۔ اُنہوں نے جوابی فائر کیا جس سے ہمارے تین سپاہی مارے گئے۔ ہماری فائرنگ سے وہ بھی مر گئے۔ ہم اُن کی لاشوں کی تلاشی لینے لاشوں والی جگہ پہنچے تو وہاں نہ کوئی لاش تھی اور نہ کوئی بندوق۔ ہم نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی لاش نہ ملی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد پھر وہی مجاہد نظر آئے۔ ہم نے پھر گولیاں چلائیں۔ اُنہوں نے بھی جوابی فائر کئے اور ہمارے دو آدمی مزید مر گئے۔ ہماری گولیاں کھا کر وہ پھر

نیچے گرے مگر اُن کی لاشیں پھر نہ ملیں۔ تھوڑی دور جا کر وہ پھر نظر آئے۔ ہم نے پھر ایسا ہی کیا اور وہ گولیاں کھا کر ایک دفعہ پھر گرے۔ جب ہم اُن کی لاشیں لینے گئے تو ہم ایک نالے میں گر گئے۔ ہم چار فوجی تھے۔ دو نالے میں ڈوب کر مر گئے اور ہم دوسرے دو بڑی مشکل سے بچے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہم گاؤں پر حملہ کئے بغیر ہی واپس لوٹ آئے۔

ایسے ہی دوسرے بے شمار عجیب وغریب واقعات یہاں لڑکیاں افغانستان سے آئے ہوئے فوجیوں سے سن سن کر ایک دوسرے کو سناتی ہیں۔

علی نے کہا کہ جہاں تک قبرستان میں بلڈوزروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے واقعہ کا تعلق ہے یہ تو مجھے بھی صوبہ وردک کے مجاہدین نے سنایا تھا لیکن دوسرے واقعے کا علم نہیں۔ ویسے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جس طرح چاہے مجاہدین کی مدد کرے۔ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ روسی کسی مجاہد کا چھوٹا سا واقعہ سنتے ہیں اور پھر آگے بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ انہی کے ذریعے ان کے دلوں پر مجاہدین کی دھاک بٹھا دیتا ہے۔ مجاہدین مافوق الفطرت صلاحیتوں کے مالک نہیں ہیں، وہ بھی عام انسان ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، موت سے نہیں ڈرتے اور اللہ بھی اپنے وعدوں کے مطابق ان کی مدد کو اپنے فرشتے بھیجتا ہے۔ اگر اللہ مجاہدین کی مدد نہ کرتا تو نہتے مجاہدین دنیا کی سب سے بڑی فوجی قوت کو یوں شکست سے دوچار نہ کرتے۔

علی نے بات ختم کی تو عبدالرحمٰن کے والد نے بتایا کہ جو فوجی افغانستان سے واپس آ رہے ہیں، اُن کی باتوں سے دوسرے فوجیوں اور روسی عوام میں مجاہدین کا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ بعض کمیونسٹ دانشور تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ افغان مجاہدین کہیں افغانستان کی آزادی کے بعد سمرقند و بخارا کی آزادی کے لئے روس سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔

''انکل! یہ تو ہو گا۔ ہم تو اعلانیہ کہتے ہیں کہ جس جہاد کا آغاز افغانستان میں ہوا ہے، یہ نہ صرف روس کے مسلمانوں کی آزادی بلکہ دنیا کے دوسرے مسلمانوں کی آزادی تک جاری رہے گا۔'' علی نے کہا۔

''بیٹا! تم صحیح کہتے ہو، اسی لئے تو روس کے حکمران امریکہ اور یورپ والوں کو بھی ڈرا رہے ہیں کہ افغانستان کے مسلمان صرف روس کے دشمن نہیں، بلکہ یہ تو فلسطین کی آزادی کے لئے تمہارے بھی خلاف ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے روس اور امریکہ کے سربراہ مجاہدین کے بجائے ظاہر شاہ یا کسی دوسرے اپنے ایجنٹ کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ دونوں نہیں چاہتے کہ افغانستان میں کسی صورت بھی مجاہدین کی حکومت قائم ہو۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے علی کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

باتیں چند منٹ کے لئے رکیں تو علی نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ بھائی وہ سامان تو لاؤ جو ہم افغانستان سے لائے ہیں۔ علی کچھ چیزیں عبدالرحمٰن کے باپ، امی اور زبیدہ کیلئے افغانستان سے لایا تھا۔ ان میں خوبصورت کپڑوں کے ایک ایک جوڑے کے علاوہ ایک ایک گرم اون کا سویٹر بھی تھا۔ کپڑا اور سویٹر باہر کے بنے ہوئے تھے۔ علی نے یہ ساری چیزیں پاکستان سے منگوائی تھیں۔

عبدالرحمٰن سامان لے آیا تو علی نے یہ تحفے سب کو دے دیئے۔ زبیدہ اور عبدالرحمٰن کی امی تو یہ تحفے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ زبیدہ نے کہا:

''علی بھائی! روس میں تو کوئی اچھا کپڑا ملتا ہی نہیں۔ مجھے شوق تھا کہ میں بھی باہر کے بنے ہوئے کپڑے پہنوں، اس لئے میں تو آپ کی بہت ہی شکر گزار ہوں۔''

عبدالرحمٰن نے کہا: ''میں بھی کچھ لایا ہوں، کچھ شکریہ میرے لئے بھی رکھ لیجئے۔'' اس نے قرآن مجید کے خوبصورت نسخے نکال کر دیئے تو سب پہلے تحفوں کو بھول گئے۔ زبیدہ، عبدالرحمٰن کا باپ اور امی تو قرآن مجید کو لے کر چومنے لگے۔

علی نے کہا: ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ روس کے اندر مسلمانوں کے لئے قرآن مجید سے بڑا قیمتی اور کوئی تحفہ نہیں۔''

''بیٹا! صرف روس کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں، ساری دُنیا کے مسلمانوں بلکہ ساری دُنیا کے لوگوں کے لئے قرآن مجید سے بہتر کوئی تحفہ نہیں۔ روس کے مسلمانوں کے لئے تو یہ ایک نایاب تحفہ ہے۔ روس میں حکومت کی سرپرستی میں سرکاری مولویوں کی تنظیم نے بھی قرآن مجید شائع کروائے ہیں مگر ان میں نہ صرف عربی متن بدل دیا ہے بلکہ ترجمہ بھی اپنی مرضی کا کیا ہے جس وجہ سے لوگ قرآن مجید کے یہ تحریف شدہ نسخے پڑھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے علی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

زبیدہ نے بتایا کہ روس میں مسلمان طالبات کا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن مجید کو ہاتھ لگا کر یا پڑھ کر امتحان دیا جائے تو پرچے اچھے ہوتے ہیں۔ جب میری سہیلیوں کو پتا چلے گا کہ میرے پاس قرآن مجید ہے تو وہ ساری میری طرف دوڑیں گی۔

''لیکن ان کو یہ مت بتانا کہ افغانستان سے عبدالرحمٰن نے لا کر دیا ہے، ورنہ ابو امی کے ساتھ ساتھ تم خود بھی مشکل میں پھنس جاؤ گی۔'' عبدالرحمٰن نے کہا۔

علی نے عبدالرحمٰن کو یاد دلایا: ''طاہرہ نے آپ کو تاکید کی تھی، وہ آپ بھول گئے، زبیدہ کو اس کی طرف سے بھی کوئی خوبصورت سا تحفہ منگوا کر دو۔''

علی نے طاہرہ کا نام لیا تو عبدالرحمٰن کی امی نے پوچھا کہ یہ طاہرہ کون ہے؟

عبدالرحمٰن نے بتایا: ''امی جان! میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ افغانستان میں، میں نے ایک افغان لڑکی کو اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ ہمیں بچانے کیلئے اس نے اپنے کمیونسٹ بھائی کو قتل کر دیا۔'' پھر اس نے طاہرہ کے بارے میں تفصیل سے سب کو آگاہ کیا۔ طاہرہ کی کہانی سن کر سب نے طاہرہ کے جذبے کی تعریف کی۔

عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا: ''کاش! طاہرہ میری بیٹی ہوتی۔''

''تو کیا آپ میری بہن کو اپنی بیٹی نہیں سمجھتے؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں بیٹا! مجھے خیال ہی نہ رہا کہ عبدالرحمٰن کی بہن میری بیٹی ہی تو ہے۔'' عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا۔

زبیدہ نے کہا کہ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ کوئی لڑکی دین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل بھی کر سکتی ہے۔ طاہرہ واقعی بہت عظیم ہے۔ کاش آپ اُسے بھی اپنے ساتھ لے آتے تو ہم بھی اس سے مل سکتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے لئے خریدی ہوئی انگوٹھی ایک عظیم مجاہدہ کے پاس گئی ہے اور عظیم مجاہدہ نے بھی میرے لئے تحفہ بھیجا ہے۔

علی نے زبیدہ کو بتایا کہ طاہرہ نے عبدالرحمٰن سے وعدہ کیا تھا کہ افغانستان کی آزادی کے بعد وہ تم سے ملنے ضرور آئے گی۔

یہ سن کر زبیدہ نے کہا: ''میرے لئے اس سے بڑی فخر کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ طاہرہ مجھ سے ملنے آئے۔''

عبدالرحمٰن نے بتایا کہ افغانستان میں اسلام اور کفر کی صحیح جنگ ہو رہی ہے۔ اسلام کی خاطر باپ بیٹے کو معاف نہیں کرتا اور خواتین نے تو جہاد کے لئے کمال کر دکھایا ہے۔ میں جب روس سے افغانستان گیا تو وہاں پہلے سے موجود ایک روسی فوجی نے بتایا کہ کابل میں طالبات نے روس کے خلاف جلوس نکالا۔ طالبات کے پاس کوئی جھنڈا نہیں تھا۔ ایک لڑکی نے اپنا سبز دوپٹہ اُتار کر پرچم بنا لیا۔ وہ روس اور ببرک کارمل کے خلاف نعرے لگا رہی تھیں۔ ہم نے گولی چلائی۔ کئی طالبات زخمی ہو کر گر پڑیں اور کئی ہلاک (شہید) ہو گئیں۔ پرچم والی لڑکی کا دایاں ہاتھ شدید زخمی ہو گیا تو اُس نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بایاں ہاتھ بھی گولیوں سے چھلنی ہو گیا تو اُس نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر پرچم کو چھاتی سے لگا لیا۔ وہ نڈھال ہو کر گر پڑی تو دوسری طالبہ نے بڑھ کر پرچم کو تھام لیا۔ اسی جلوس میں ہم نے زخمی طالبات کو ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑیوں میں بٹھانا چاہا تو اُنہوں نے ہمارے

منہ پر تھوکا اور کہا ہم ناپاک کافروں سے علاج کرانا نہیں چاہتیں۔ ہمیں یہاں سڑک پر مرنا قبول ہے مگر یہ منظور نہیں کہ کوئی کافر ہمارے جسموں کو ہاتھ لگائے۔ ان کی اس گستاخی پر روسی افسر کے کہنے پر سب زخمی طالبات کو گولی مار دی گئی۔

یہ سن کر زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عبدالرحمٰن کی امی نے کہا:

''میں اپنی ان افغان بیٹیوں کو سلام کرتی ہوں، جنہوں نے اپنی جراُت و بہادری اور بے مثال قربانی دے کر مسلمان خواتین کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے اور اپنے خون سے ایک نئی تاریخ لکھی ہے۔''

علی نے عبدالرحمٰن کی امی کو ڈیڑھ سو روبل دیتے ہوئے کہا: ''خالہ جان! زبیدہ کی پسند کا کوئی خوبصورت سا تحفہ آپ خرید کر لا دیں تا کہ عبدالرحمٰن اور میں طاہرہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکیں۔''

باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی۔ عبدالرحمٰن کی امی نے اُٹھتے ہوئے زبیدہ سے کہا کہ اب اُٹھو اور باورچی خانے میں چل کر شام کا کھانا تیار کرنے میں میری مدد کرو۔ زبیدہ کا دل تو اس محفل سے اُٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اُٹھنا پڑا۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن کے باپ نے علی اور عبدالرحمٰن کو بتایا کہ روس میں بھی جہاد شروع کرنے کے لئے کام شروع ہو گیا ہے۔ پروفیسر ایوب بخاری تاریخ کے ایک ریٹائرڈ پروفیسر ہیں، اُنہوں نے خفیہ طور پر یہ کام شروع کیا ہے۔ اپنا مرکز اُنہوں نے دریائے آمو کے قریب پہاڑوں میں کسی جنگل میں بنایا ہوا ہے۔ شیر آباد میں محمود بخاری اُن کا ایک شاگرد ہے۔ وہ مجاہدین کا پکا حامی ہے اور ''تحریک مجاہدین ترکستان'' کا نمائندہ بھی۔ بظاہر وہ بھی کمیونسٹ ہے۔ جب مجاہدین کے حامی کسی فرد پر اُسے مکمل اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ فرد جہاد کے لئے تربیت لینا چاہتا ہے تو پھر اسے ان پہاڑوں میں چھ ماہ کیلئے بھیج دیا جاتا ہے۔ تحریک مجاہدین ترکستان کا پروگرام ہے کہ جب تربیت یافتہ مجاہدین کی تعداد معقول حد تک پہنچ جائے گی تو روس کے اندر جہاد شروع کر دیں گے۔

علی نے پوچھا کہ کیا محمود بخاری سے ملاقات ہو سکتی ہے تو عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا کہ ہو سکتی ہے۔ کسی دن میں اُسے یہاں چائے پر بلا لوں گا۔ پھر تفصیل سے بات کر لینا۔

عبدالرحمٰن کے باپ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ افغان مجاہدین کے ملت اسلامیہ پر بڑے احسانات ہیں۔ ان لوگوں نے بے مثال جراُت اور قربانی سے روس جیسی سپر پاور کے ناقابل تسخیر ہونے کے زعم کو پاش پاش کر ڈالا ہے اور دوسرے ملکوں پر جو روس کی دہشت تھی، اُسے بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ اب اگر پچھلے کئی ماہ سے ماسکو، آرمینیا اور آذربائیجان میں مظاہرے ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ بھی افغان مجاہدین ہی ہیں۔ افغان مجاہدین کی جراُت اور بہادری ہی نے روسی عوام کو بھی

مظاہرے کرنے کا حوصلہ دیا ہے۔

چوتھے دن علی کی محمود بخاری سے ملاقات ہوئی۔ یہ کسی افغان مجاہد کا کسی روسی حریت پسند سے پہلا رابطہ تھا۔ دونوں کے خیالات یکساں تھے۔ محمود بخاری علی سے مل کر بہت خوش ہوا۔ علی نے محمود بخاری سے پروفیسر ایوب بخاری کا پتا اور ان کے مرکز پہنچنے کا راستہ معلوم کیا۔ محمود بخاری نے علی کو پروفیسر ایوب بخاری کے نام خط بھی دیا اور دوسری ضروری باتیں بھی سمجھا دیں۔

علی اور عبدالرحمٰن کو آئے ہوئے دس دن ہو گئے تھے۔ علی کا خیال تھا کہ اب ہمیں واپسی کا رختِ سفر باندھنا چاہئے۔ عبدالرحمٰن کی امی نے کہا کہ تین چار دن اور رہ لیں۔ علی نے اُن کی بات مان لی۔

عبدالرحمٰن کی امی کا اصرار تھا کہ عبدالرحمٰن زبیدہ کو ساتھ لے جائے۔ زبیدہ بھی ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔ اُس نے تو عبدالرحمٰن کو یہ بھی یقین دلایا کہ میں بھی افغانستان کے بجائے طاہرہ کی طرح پاکستان چلی جاؤں گی‘ طاہرہ کے ساتھ رہ لوں گی اور جہاد میں ہر طرح آپ کا ساتھ دوں گی۔

عبدالرحمٰن نے زبیدہ اور اپنی امی کو سمجھاتے ہوئے کہا: ”امی! آپ کو بھی علم ہے کہ مجھے زبیدہ سے بہت محبت ہے اور زبیدہ کو بھی میری محبت پر شک نہیں کرنا چاہئے لیکن اس وقت زبیدہ کو یہاں سے لے جانا بہت مشکل ہے۔ طاہرہ افغانی خاتون ہے۔ وہ پاکستان میں مہاجر کی حیثیت سے رہ سکتی ہے مگر زبیدہ کا پاکستان میں رہنا بہت مشکل ہے۔ کے جی بی والے فوراً معلوم کر لیں گے۔ اس کے بعد روسی حکومت پاکستان پر اس کی واپسی کے لئے دباؤ ڈالے گی اور پھر جو مصیبتیں آپ پر آئیں گی‘ ان کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ مجھے یقین ہے کہ افغانستان ایک یا دو سال تک آزاد ہو جائے گا۔ جونہی افغانستان آزاد ہوا‘ میں زبیدہ کو فوراً وہاں بلوا لوں گا۔ بالفرض افغانستان کو آزاد ہونے میں دیر لگتی ہے تو پھر بھی میرا وعدہ ہے کہ دو سال بعد میں زبیدہ کو یہاں سے آ کر لے جاؤں گا۔ اس دوران میں‘ میں کوئی ایسا طریقہ سوچ لوں گا جس سے میں زبیدہ کو اپنے ساتھ بھی لے جاؤں اور بعد میں آپ اور زبیدہ کے والدین پر کوئی مصیبت بھی نہ آئے۔“

عبدالرحمٰن کے باپ نے بھی عبدالرحمٰن کی بات سے اتفاق کیا۔

زبیدہ کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ بھی افغانستان جائے اور جہاد میں جس حد تک ممکن ہو‘ شرکت کرے مگر جب سب عبدالرحمٰن کی بات پر راضی ہو گئے تو اُس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

دو ہفتے گزر گئے۔ علی اور عبدالرحمٰن کی روانگی کا وقت آ گیا۔ زبیدہ‘ عبدالرحمٰن کی امی اور ابو سب اداس تھے۔ زبیدہ تو رونے لگی۔ عبدالرحمٰن کے باپ اور امی نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”بیٹی! ہماری آنکھوں میں آنسو ضرور ہیں مگر ہم پھر بھی اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے

خوشی سے بھیج رہے ہیں‘ تم بھی عبدالرحمٰن کو خوشی کے ساتھ رُخصت کرو اور یہ دعا کرو کہ افغانستان جلد آزاد ہو جائے کیونکہ اب تمہیں بھی عبدالرحمٰن کے ساتھ افغانستان ہی میں رہنا ہو گا۔“

”ماموں جان! میں اس لئے نہیں رو رہی کہ عبدالرحمٰن جا رہا ہے‘ میں تو اس لئے رو رہی ہوں کہ میں عبدالرحمٰن کے کندھے سے کندھا ملا کر جہاد میں شریک ہونا چاہتی تھی مگر شاید میں بدقسمت ہوں جسے خواہش کے باوجود جہاد میں شرکت نصیب نہیں ہو رہی۔“ زبیدہ نے کہا۔

علی نے سمجھایا: ”زبیدہ بہن! جب تک مرد زندہ ہیں‘ عورتوں پر جہاد فرض نہیں۔ مجاہدین کی کامیابی کے لئے تمہاری دُعا ہی سب سے بڑا جہاد ہے اور جہاد کے لئے تمہاری آنکھوں سے نکلے ہوئے یہ آنسو اللہ کے نزدیک شہیدوں کے خون سے کم قیمتی نہیں۔“

عبدالرحمٰن کی امی نے طاہرہ کیلئے بہت سے تحائف دیتے ہوئے عبدالرحمٰن سے کہا: ”میری بیٹی کو بہت بہت پیار دینا اور اُسے کہنا کہ تمہاری ایک ماں روس کے اندر بھی تمہاری خوشیوں کے لئے ہمیشہ دُعا گو رہے گی۔“

زبیدہ نے بھی طاہرہ کے لئے کافی تحائف دیئے۔





گاڑی ایک دوراہے پر آ کر رُک گئی۔ عبدالرحمٰن کے باپ نے کہا کہ محمود بخاری کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ہمارے بائیں ہاتھ والی پگڈنڈی کو مجاہدین کے مرکز کی طرف جانا چاہئے۔

علی اور عبدالرحمٰن گاڑی سے نیچے اُترے۔ ضرورت کے مطابق سامان لینے کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے کہا:

''ابو! آپ ہمارا باقی سامان اسمٰعیل سمرقندی کی رہائش گاہ پر چھوڑ جائیں۔ اسے کہہ دینا کہ ہم دس بارہ روز تک اُس کے پاس پہنچیں گے۔''

عبدالرحمٰن کا باپ علی اور عبدالرحمٰن کو رخصت کرنے کے بعد اسمٰعیل سمرقندی کے گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔

تین گھنٹے کے سفر کے بعد پگڈنڈی ایک جنگل میں داخل ہوگئی۔ جنگل آہستہ آہستہ گھنا اور پہاڑی سلسلہ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے تھے جنگل نہ صرف گھنا بلکہ خوفناک بھی ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی ایک بہت گہرے پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ آگے کو بڑھتی ہوئی تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ نالہ نہ صرف گہرا تھا بلکہ اس کے تیز رفتار پانی کے شور کی آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

رات جنگل ہی میں علی اور عبدالرحمٰن نے باری باری سو کر گزاری اور دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

سفر کا یہ تیسرا دن تھا مگر ابھی تک کسی مرکز کے نشان نظر نہ آئے تھے۔ علی نے اس شک کا اظہار کیا کہ کہیں ہم غلط راستے پر نہ آ گئے ہوں تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ محمود بخاری نے جو راستے کی نشانیاں بتائی تھیں اُن کے مطابق تو ہم صحیح جا رہے ہیں۔ وہ چلتے گئے۔ تھوڑی دور جا کر نالہ دائیں ہاتھ مڑ گیا تھا اور پگڈنڈی بائیں طرف کو چلی گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب ہم مرکز کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں۔ کچھ دور جا کر اُنہیں ایک آدمی نظر آیا جو ایک کلہاڑا لئے ایک درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اُس آدمی نے بھی علی اور عبدالرحمٰن کو دیکھ لیا۔

جونہی وہ اُس آدمی کے پاس پہنچے، وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور دونوں کو روک کر اس نے پوچھا:

''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

عبدالرحمٰن: تم کیوں پوچھ رہے ہو؟

آدمی: تا کہ آپ کو بتا سکوں کہ آگے شیروں کا علاقہ ہے۔

عبدالرحمٰن: اس علاقے میں شیر کہاں سے آ گئے؟

یہ خفیہ فقرے تھے جو صرف ان افراد کو بتائے جاتے تھے جنہیں تحریک مجاہدین ترکستان کے نمائندے ادھر بھیجتے تھے۔

اس آدمی (مجاہد) کو جب یقین ہوگیا کہ یہ مجاہدین ہی ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ آپ سیدھے جانے کے بجائے دائیں ہاتھ والے راستے پر چلیں۔

تین میل کے فاصلے پر راستے کے بائیں طرف ایک درخت کے سائے میں چار افراد بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ جونہی علی اور عبدالرحمٰن اُن کے قریب پہنچے، ایک آدمی نے اُٹھ کر علی اور عبدالرحمٰن سے ہاتھ ملایا اور پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

عبدالرحمٰن: بخارا سے

آدمی: آیئے! آگے جانے سے پہلے چائے پی لیں۔

عبدالرحمٰن: جو آدمی دریائے آمو کا پانی پی کر آئے، وہ چائے نہیں پیتا۔

یہ بھی شناخت کے خفیہ فقرے تھے۔ جونہی چاروں افراد کو یقین ہوگیا کہ علی اور عبدالرحمٰن مجاہد ہیں، سب نے بیک زبان بڑی گرم جوشی سے ''خوش آمدید، خوش آمدید مجاہدین اسلام'' کہتے ہوئے استقبال کیا۔

ایک مجاہد علی اور عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو لیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اُنہیں ایک تنگ وادی نظر آئی۔ چھوٹا سا پہاڑی نالہ وادی کے درمیان بہہ رہا تھا۔ وادی میں لمبے لمبے درختوں کے علاوہ مختلف جگہوں پر خوبصورت پھول اور سبزیاں بھی اُگی ہوئی تھیں۔ وادی ختم ہوئی تو بائیں ہاتھ ایک گھاٹی میں راستہ مڑ گیا۔ وہ گھاٹی میں داخل ہوئے تو اُنہیں کچھ دور چند گھوڑے بندھے ہوئے نظر آئے۔ چند آدمی گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ پہاڑ کے اندر چند غاریں بنی ہوئی تھیں۔ علی نے یہ سب کچھ دیکھ کر عبدالرحمٰن سے کہا کہ ان لوگوں نے تو ہم سے بھی زیادہ مضبوط مورچے بنائے ہوئے ہیں۔

ایک غار کے منہ کے قریب جا کر مجاہد نے علی اور عبدالرحمٰن کو باہر رکنے کا کہا اور خود اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال کی عمر کا ایک آدمی باہر آیا۔ اُس کی داڑھی بالکل سفید تھی، رنگ سرخ، آنکھیں چمکدار اور چہرے پر ایک نور تھا۔ یہ آدمی پروفیسر ایوب بخاری تھا۔ اُس نے علی

اور عبدالرحمٰن کو بڑی گرم جوشی سے ''خوش آمدید'' کہا۔ اُس نے بتایا کہ آپ کے آنے کی اطلاع تو مجھے چند دن پہلے مل گئی تھی اور میں بڑی بے چینی سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔

پروفیسر ایوب بخاری نے علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''یقیناً تم ہی علی ہو۔''

علی نے کہا: ''جی ہاں۔''

پروفیسر ایوب بخاری نے بتایا کہ میری خواہش تھی کہ میں کسی افغان مجاہد سے ملوں۔ باتیں کروں، جہاد افغانستان کا پوچھوں، اللہ کا شکر ہے، اس نے میری خواہش کو پورا کر دیا۔

پروفیسر بخاری اُنہیں غار کے اندر لے گیا۔ غار بہت چوڑی اور لمبی بھی تھی۔ کم از کم سو آدمی غار کے اندر سما سکتے تھے۔ غار میں دریاں اور گدے بچھے ہوئے تھے۔ علی نے محمود بخاری کا رقعہ دیا۔

پروفیسر بخاری نے رقعہ پڑھنے کے بعد کہا کہ آپ لوگ ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں، آپ پہلے نہا کر کپڑے وغیرہ بدل لیں۔ سامنے ہی چشمہ ہے اور چشمے کا پانی نہ صرف میٹھا ہے بلکہ سردیوں میں گرم بھی۔ اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔ کھانے کے بعد آپ آرام کیجئے گا۔ انشاء اللہ رات کو تفصیل سے باتیں ہوں گی۔

رات کو نماز عشاء کے بعد علی نے پروفیسر بخاری کو افغانستان پر روسی فوج کے قبضے کے پس منظر اور جہاد افغانستان کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ علی نے پروفیسر بخاری کے مختلف سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

جہاد افغانستان کی تفصیلات سننے کے بعد پروفیسر بخاری نے کہا: ''تم لوگ خوش قسمت ہو کہ تم میں اتحاد بھی ہے اور افغان علماء کی اکثریت بھی تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ جب روسی اشتراکیت کے خلاف ہمارے آباؤ اجداد نے روس میں جہاد شروع کیا تو یہاں بڑے بڑے علماء کمیونزم کو احیائے اسلام کا نام دے کر مسلمانوں کو جہاد سے روک رہے تھے۔ کئی علماء نے تو لینن کو حضرت عمر فاروقؓ کا ہم پلہ بھی قرار دے دیا اور بعض مفتیان دین نے یہاں تک کہہ دیا کہ جس طرح آج سے صدیوں پہلے عرب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور اپنی قوم کی اصلاح کی، اب اس بگڑی ہوئی دُنیا میں لینن آیا ہے، لینن نے جو کچھ لکھا اور کہا وہی اسلام ہے اور مسلمانوں کے لئے قابل عمل بھی۔

''جب مسلمان روس میں اسلام کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے تو علماء کی اکثریت چھوٹے چھوٹے مسائل پر مناظرے کر رہی تھی۔ ان علماء میں معمولی باتوں پر جھگڑے ہو رہے تھے اور یہ علماء اپنے اپنے فتوؤں سے ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے تھے۔ آپ شاید سن کر حیران ہوں کہ یہ علماء ان باتوں پر جھگڑتے تھے مثلاً یہ کہ پاجامے کا پائنچہ ٹخنوں کے اوپر ہونا چاہئے تو کتنا اوپر ہونا چاہئے۔ بعض کہتے

کہ گھٹنوں کے بالکل نیچے ہونا چاہئے، دوسرے کہتے کہ ٹخنوں کے تھوڑا سا اوپر ہونا چاہئے۔ بعض کہتے کہ سر پر پگڑی باندھنی چاہئے، دوسرے کہتے کہ ٹوپی پہننی چاہئے۔ بعض کہتے کہ کھانا کھانے سے پہلے تین دفعہ ہاتھ دھونے چاہئیں، دوسرے کہتے کہ ایک دفعہ کافی ہیں۔ بعض کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا، دوسرے کہتے کہ نہیں تھا۔ بعض کہتے کہ آہستہ آمین کہنا چاہئے، دوسرے کہتے کہ بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے۔ بعض کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک چھ فٹ لمبی ہے، دوسرے کہتے کہ پونے چھ فٹ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ میت کو اس طرح اٹھانا چاہئے، دوسرے کہتے کہ نہیں اس طرح اٹھانا چاہئے۔ بعض کہتے کہ میت کی قبر ایک فٹ اونچی ہونی چاہئے، دوسرے کہتے کہ نہیں آدھ فٹ ہونی چاہئے۔ یہ فضول بحثیں تھیں جن سے یہ علماء مسلمانوں کو جہاد کے بجائے آپس میں لڑا رہے تھے اور ان علماء کے نزدیک یہی جہاد تھا۔ ہاں علماء کی ایک محدود تعداد ایسی بھی تھی جو ان کو سمجھاتی کہ ان بحثوں کو چھوڑ کر مجاہدین کا ساتھ دیں اور عوام کو جہاد کیلئے تیار کریں۔ ان علماء کو مناظری علماء غیر ملکی ایجنٹ کہتے اور دلیل یہ دیتے کہ جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو، جہاد کا کوئی فائدہ نہیں اور ان مناظری علماء کے نزدیک عقیدے سے مراد اسلام کا صحیح عقیدہ نہیں بلکہ اُن کا بنایا ہوا اپنا عقیدہ ہوتا تھا۔

''مجاہدین کا ساتھ دینے والے علماء نے ناقابل برداشت سختیاں برداشت کیں۔ اُن میں سے بعض کو زندہ جلا دیا گیا، بعض کو زندہ درگور اور بعض کو اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا گیا مگر ان لوگوں نے مجاہدین کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اگر مناظری علماء بھی علمائے حق کی طرح مجاہدین کا ساتھ دیتے تو کمیونسٹ کبھی بھی مجاہدین کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ روس کے مجاہدین نے سمرقند و بخارا سے لے کر دریائے آمو تک ایک ایک انچ پر اپنا خون بہایا ہے مگر افسوس کہ مناظری علماء کی وجہ سے یہ خون ضائع ہو گیا اور ہم کمیونسٹوں سے شکست کھا گئے۔ مجاہدین کے ساتھ ساتھ ان کی عورتیں، نوجوان لڑکیاں اور نوعمر بچے بھی روسیوں سے اس بے جگری سے لڑے کہ اس کی مثالیں اب صرف افغانستان میں مل سکتی ہیں اور کہیں نہیں۔ روس نے افغانستان میں جو ظلم کیا ہے ہمارے اوپر ہونے والا ظلم اس سے کہیں زیادہ تھا۔ روس میں مسلمانوں کا کون سا شہر بچا جس کے در و دیوار خون سے نہ نہا گئے اور جس کی گلیوں میں خون ندیوں کی طرح نہ بہا ہو۔ ہزاروں نوجوان مسلمان لڑکیوں کو روسیوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر اذیت سے قتل کر دیا۔ جائیدادیں اور زمینیں ضبط کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جا بسایا اور لاکھوں مسلمانوں کو بھوک اور تشدد سے ہلاک کر دیا۔

''یہ پہاڑ جن پر آج ہم نے مورچے بنائے ہوئے ہیں، ان پہاڑوں پر مجاہدین نے اپنے بچوں اور عورتوں کیلئے رہائش گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ جب مجاہدین مقابلہ کرتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید

ہو گئے تو ان کی عورتیں اور بچے ہتھیار لے کر میدان میں آ گئے۔ ان کی عورتوں اور بچوں نے آخری سانس تک مقابلہ کیا اور روسی کسی ایک شیر خوار بچے کو بھی اس مرکز سے زندہ گرفتار نہ کر سکے۔ ایک عورت شدید زخمی ہو گئی۔ اس کی گود میں اس کا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ جب روسی اُسے گرفتار کرنے اس کے پاس پہنچے اور اُسے کہا کہ بچہ ہمارے حوالے کر دو تو اس نے کہا: ''میں نہیں چاہوں گی کہ میری موت کے بعد میرا بچہ تمہاری وجہ سے کافر بن جائے اور میں کافر کی ماں کہلاؤں۔'' یہ کہہ کر اس نے بچے سمیت نالے میں چھلانگ لگا دی۔''

پروفیسر بخاری رک کر اپنی پرنم آنکھوں کو رومال سے صاف کرنے لگا۔ علی اور عبدالرحمٰن کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ پروفیسر بخاری نے دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے کہا: ''جانتے ہو یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ پروفیسر بخاری کے روپ میں تمہارے سامنے ہے۔ اللہ نے نالے کے تند و تیز پانی میں بھی مجھے اور میری والدہ کو بچا لیا۔ میری ماں ہر سال یہاں آ کر مجھے میرے باپ کے یہ الفاظ یاد کرایا کرتی تھیں: ''جب تک میری نسل کے خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے' وہ کافر روسیوں کے خلاف جہاد جاری رکھے۔ ظالم روسیوں کے ظلم کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا۔ موت غلامی کی زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے اس بات پر خوشی ہو گی کہ آزادی اور اسلام کے لئے لڑتے لڑتے بے شک میری نسل ختم ہو جائے لیکن اگر میری نسل میں سے کسی ایک فرد نے بھی روسی ظلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو میری روح تڑپتی رہے گی۔ میں دس سال کا تھا جب میری ماں اِس دُنیا سے کوچ کر گئی لیکن اس نے میرے باپ کی وصیت جو مجھے یاد کرائی تھی' اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج بھی یاد ہے۔ میں اپنی ماں کی وفات کے بعد یہاں ہر سال آ کر ان الفاظ کو دہراتا رہا ہوں اور میں نے اپنے پوتوں اور پوتیوں کو بھی یہ الفاظ اچھی طرح یاد کرا دیئے ہیں۔''

پروفیسر بخاری ایک دفعہ پھر رکا۔ اپنی آنکھوں کو ایک دفعہ پھر رومال سے پونچھتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ماں کی یاد سے آنسو نکل ہی آتے ہیں اور پھر میری ماں تو بہت بڑی مجاہدہ تھی۔ پروفیسر ہی نہیں' علی اور عبدالرحمٰن بھی اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ پروفیسر نے اپنی بات پھر شروع کی:

''علی! افغان مجاہدین خوش قسمت ہیں کہ انہیں پاکستان جیسا حمایتی ملک مل گیا جو کمزور ہوتے ہوئے بھی روس کے مقابلے میں مجاہدین کی پشت پر کھڑا ہو گیا اور پھر پوری اسلامی دُنیا مجاہدین کی حمایت میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ روس کے غیر مسلم مخالفین بھی افغان مجاہدین کی حمایت میں نکل آئے مگر روسی ترکستان کے مجاہدین کی کسی نے مدد نہ کی۔ روسی پھر بھی ان کا مقابلہ نہ کر پاتے اگر نام نہاد مناظری علماء مسلمانوں کو آپس مین نہ لڑا دیتے۔ ہماری پشت پر اگر افغانستان ہی کھڑا ہو جاتا تو ہم کبھی بھی

غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑے جاتے۔ ہمارا افغانستان کے امان اللہ اور نادر شاہ جیسے بزدل اور ایمان فروش حکمرانوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے روس کے آگے مجاہدین کو بیچ ڈالا اور تمہیں ضیاء الحق ملا جس نے مجاہدین کی خاطر کسی بات کی پروا نہ کی۔ جس نے اپنی تقریروں سے پاکستان کے بہادر عوام ہی کو نہیں' پوری دنیا کو تمہارا حمایتی بنا دیا اور ہمارے تو حمایتی بھی امریکہ' برطانیہ اور روس کی خوشنودی کی خاطر ہمارا ساتھ چھوڑ گئے اور دنیائے اسلام کے عام رہنماؤں نے بھی ہمارے حق میں کلمہ خیر نہ کہا۔

''ستر سال میں پہلی دفعہ جب ریڈیو پر سنا کہ پاکستان کے صدر ضیاء الحق نے کہیں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ روس نے سمرقند و بخارا پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے تو ہمیں یقین نہ آیا کہ کوئی ہمارے حق میں یوں بھی آواز بلند کر سکتا ہے۔ یہ بات سن کر خوشی سے آنسو نکل آئے کہ چلو ستر سال بعد ہی کسی نے تو ہمیں یاد کیا ہے' کسی کو تو ہماری غلامی کا احساس ہوا ہے لیکن پاکستان کس کس کی مدد کرے گا۔ اس وقت تو وہ خود مگرمچھ کے دو جبڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ ایک جبڑا بھارت کی صورت میں اور دوسرا افغانستان پر روس کی کٹھ پتلی کی صورت میں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ پاکستان کو نہ صرف مگرمچھ کے جبڑوں سے بچائے بلکہ روز بروز اسے مضبوط سے مضبوط کرے۔

''ضیاء الحق کی یہ آواز روسی مسلمانوں کے لیے کوئی معمولی آواز نہیں ہے۔ روس کے مسلمان تو ستر سال سے یہ آواز سننے کو ترس گئے تھے۔ اس آواز سے نہ صرف اسلامی دُنیا کو پتا چلا ہے کہ روس کے مسلمان غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں بلکہ روس کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بھی اپنی غلامی کا احساس ہوا ہے۔ بذات خود روس کے حکمران بھی اس پر تلملا اُٹھے ہیں کہ پاکستان جیسا چھوٹا سا ملک روس جیسی سپر پاور کو چیلنج کر رہا ہے۔ پہلے ہی روس کے ذرائع ابلاغ پاکستان بالخصوص ضیاء الحق کے خلاف بہت زیادہ پراپیگنڈہ کرتے تھے' اب تو ضیاء الحق کے خلاف پراپیگنڈے میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ ضیاء الحق تو ان کے گلے میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔

''ہم چاہتے ہیں کہ افغانستان کی آزادی کے بعد پاکستان اور افغانستان مل کر ہماری مدد کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم بھی افغان مجاہدین کی طرح روس کو مجبور کر دیں گے کہ وہ مسلمان علاقوں کو خالی کر دے۔''

پروفیسر نے بات ختم کی تو علی نے کہا: ''روس کے مجاہدین کے بارے میں آپ کی باتوں سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا ہے لیکن میں افغانستان اور روس کے مسلمانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہوں۔ ہم دونوں ایک ہیں اور ہمارا دشمن بھی ایک ہے۔ آج جو افغانستان پر ظلم ہو رہا ہے' یہ وہی ظلم ہے جو روس کے مسلمانوں کی لاشوں پر سے گزر کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس طرح آپ اور ہم پر ہونے والا ظلم ایک ہی ہے اور ظلم کرنے والا ظالم بھی ایک ہی۔ اگر کل افغانستان کے حکمرانوں نے

آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا تو اس میں افغان عوام بالکل بے قصور تھے بلکہ حکمرانوں کی غلطیوں کی سزا آج عوام بھگت رہے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا! چونکہ روس کے مسلمان اپنی شکست کا ذمہ دار افغان حکمرانوں کو سمجھتے ہیں اس لئے میری زبان سے چند باتیں جذبات میں نکل گئیں لیکن یقین جانو افغان مجاہدین تو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ ہمیں تو انہی کی فتح ونصرت سے اپنی آزادی کی امید وابستہ ہے۔'' پروفیسر بخاری یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے رکا' پھر علی کو بتانے لگا:

''ہم نے اپنی موجودہ جدوجہد کا آغاز افغان مجاہدین کو دیکھ کر ہی کیا ہے۔ آزادی کے لئے لوگوں کو تیار کرنے کی کوشش تو میں شروع ہی سے کرتا رہا ہوں لیکن باقاعدہ مرکز بنانے' مجاہدین کو منظم کرنے اور تربیت دینے کا ارادہ افغان مجاہدین کو دیکھ کر ہی کیا ہے۔ اس وقت ہمارے مرکز میں ایک سو سے زیادہ مجاہدین ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں میں ایک ہزار سے زیادہ مجاہدین تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ روس کے اندر مجاہدین تیار کرنا بہت مشکل ہے۔ مجاہدین میں شامل ہونے والے ایک ایک فرد کو کئی کئی مرحلوں سے گزار کر یہاں پہنچایا جاتا ہے اور ابھی روس کے چند گنتی کے شہروں میں ہمارے نمائندے ہیں۔ یہاں آنے والے ہر مجاہد کو چھ ماہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ تربیت کے بعد ہر مجاہد کیلئے لازم ہے کہ وہ سال میں ایک ماہ لازماً یہاں پہاڑوں میں آ کر گزارے اور باقی گیارہ ماہ انتہائی محتاط ہو کر روسی مسلمانوں میں کام کرے اور اپنے کاروبار/ ملازمت پر توجہ دے۔ ہمارے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو افغان مجاہدین ہماری کچھ مدد کریں یعنی روسیوں سے چھینا ہوا کچھ اسلحہ وغیرہ ہمیں دے دیں' بے شک قیمتاً دے دیں۔ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآن مجید اور دوسرے اسلامی لٹریچر کا ہمارے لئے انتظام کر دیں۔ اگر ممکن ہو تو تربیت کے لئے چند مجاہدین یہاں آ جائیں۔''

علی نے بتایا کہ اسلامی لٹریچر کے سلسلے میں احمد خان جو ایک افغانی سمگلر ہے' کام کر رہا ہے اور میرے علم کے مطابق پاکستان میں بھی اس پر کام ہو رہا ہے۔ میرے اپنے خیال میں روسی مسلمانوں کے لئے اتنا اسلحہ ضروری نہیں جتنا اسلامی لٹریچر۔ میں اپنے چیف کمانڈر سے تمام باتوں کے سلسلے میں بات کروں گا۔ آپ نے جو تین کام کہے ہیں' ہم انشاء اللہ یہ تینوں کام کریں گے۔ اس کے علاوہ بھی ہم جو آپ کی مدد کر سکے' ضرور کریں گے۔

رات کا خاصا حصہ گزر چکا تھا۔ پروفیسر بخاری نے کہا کہ آپ لوگ سو جائیں' باقی باتیں کل ہوں گی۔

دوسرے دن پروفیسر بخاری نے علی اور عبدالرحمٰن کو پورا مرکز دکھایا۔ مرکز دیکھنے کے بعد علی نے پروفیسر بخاری کو کچھ مشورے دیئے جو پروفیسر بخاری نے نوٹ کر لئے۔

پروفیسر بخاری نے مرکز میں موجود تمام مجاہدین کو ہدایت کی کہ مغرب کی نماز میری غار میں پڑھنا۔ نماز مغرب کے بعد پروفیسر بخاری نے علی کا تعارف مجاہدین سے کرایا۔ مجاہدین علی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پروفیسر بخاری نے علی سے کہا کہ روسی مجاہدین کے سامنے جہاد افغانستان پر اظہار خیال کریں۔

علی نے روسی مجاہدین کے سامنے جہاد افغانستان پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد کہا کہ مجاہدین مقبوضہ کشمیر کے ہوں' فلسطین کے ہوں' روس کے ہوں' فلپائن کے ہوں یا کسی اور ملک کے' سب اسلام کے مجاہدین ہیں۔ ہمیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرنی چاہئے۔ جو ان کے درمیان تفریق کرتا ہے' وہ اپنی لیڈری اور خودغرضی کی خاطر اسلام سے دشمنی کرتا ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم نے سب مقبوضہ اسلامی علاقوں کو آزاد کرانا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم سب متحد ہوں۔

علی کی تقریر کے بعد مجاہدین نے اللہ اکبر کے پرجوش نعروں کے علاوہ لا روسیہ' لا افغانیہ...... اسلامیہ اسلامیہ'' کے پرجوش نعرے بھی لگائے۔

تقریر کے بعد سب مجاہدین نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کی دعوت پر علی کی مجاہدین سے مفید گفتگو ہوئی۔ کھانے کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ تمام مجاہدین علی کے جوابات سے بہت متاثر ہوئے۔

علی اور عبدالرحمٰن یہاں ایک ہفتہ رہے۔ اس دوران میں وہ پروفیسر بخاری کی مجاہدین کی تربیت کے سلسلے میں مدد کرتے رہے اور خصوصی مشورے دیتے رہے۔

رخصت کرتے وقت پروفیسر بخاری نے علی سے کہا کہ افغانستان جا کر ہمیں بھول نہ جانا۔ علی نے یقین دلایا کہ میں کمانڈر صاحب سے جاتے ہی بات کروں گا اور انشاء اللہ چند مہینوں کے اندر اندر اسلحہ اور اسلامی لٹریچر ادھر آنا شروع ہو جائے گا۔

سب مجاہدین نے مل کر افغانستان' فلسطین' مقبوضہ کشمیر اور روس کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے دعا کی اور پرجوش نعروں کی گونج میں علی اور عبدالرحمٰن کو رخصت کیا۔

جب علی اور عبدالرحمٰن روانہ ہوئے تو پروفیسر بخاری نے سڑک تک پہنچنے کے لئے انہیں گھوڑے دیئے اور دو مجاہد ان کے ساتھ بھیجے تاکہ وہ گھوڑے واپس لے آئیں۔ گھوڑوں کی وجہ سے چند ہی گھنٹوں میں علی اور عبدالرحمٰن سڑک تک پہنچ گئے۔

رات علی اور عبدالرحمٰن نے اسمٰعیل سمرقندی کے پاس گزاری۔ اسمٰعیل سمرقندی نے بتایا کہ سٹیمر آئی ہوئی ہے' اس لئے آپ کو واپسی میں آسانی رہے گی۔ دوسرے دن اُس نے اپنی گاڑی میں بٹھا

کرعلی اورعبدالرحمٰن کو دریائے آمو کی طرف روانہ کیا۔علی اور عبدالرحمٰن نے اسمٰعیل سمرقندی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

دریائے آمو پار کرکے وہ احمد خان کے باغ میں گئے۔احمد خان کے اصرار پر رات اس کے پاس گزاری۔احمد خان نے روس کے حالات پوچھے۔علی نے احمد خان سے گزارش کی کہ روسی زبان میں ترجمہ شدہ قرآنِ مجید اور اسلامی لٹریچر روس میں سمگلنگ کرنے کے منصوبے پر جلد از جلد عملدرآمد کرنے کی کوشش کی جائے۔علی نے احمد خان کو اس بات پر بھی راضی کرلیا کہ وہ روس کے مجاہدین کے لئے اسلحہ پہنچانے کے انتظامات بھی کرے گا۔

دوسری رات انہوں نے زمان گل خان کے مرکز میں گزاری اور یہاں بھی زمان گل خان اور چیدہ چیدہ مجاہدین کو اپنے سفر کے بارے میں آگاہ کیا۔

اپنے مرکز پہنچ کر سب سے پہلے درویش خان سے ملاقات کی۔ڈیڑھ ماہ کے دوران میں درویش خان نے کئی کامیاب کارروائیاں کی تھیں۔علی ان کارروائیوں کی روداد سن کر بہت متاثر ہوا۔علی مرکز میں ایک ہفتہ رہا۔اس دوران میں علی نے صوبے میں موجود تمام اہم کمانڈروں اور مجاہدین سے ملاقات کی۔صورتحال کو اطمینان بخش دیکھ کر علی اور عبدالرحمٰن ہیڈ کوارٹر روانہ ہوگئے۔ہیڈ کوارٹر پہنچ کر چیف کمانڈر صاحب کو ساری رپورٹ دی۔کمانڈر صاحب نے علی کی کارکردگی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں روس کے اندر پروفیسر ایوب بخاری جیسے فرد کی ضرورت تھی۔ہم اُس کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔اسلامی لٹریچر اور اسلحہ بھی پہنچائیں گے اور مجاہدین بھی ٹریننگ دینے کیلئے بھیجے جائیں گے۔فی الحال ایک ماہ کے لئے تم اپنے گھر چلے جاؤ۔واپس آکر روسی مجاہدین کے ساتھ رابطے کا کام بھی تم ہی کرو گے۔عبدالرحمٰن بھی اگر تمہارے ساتھ جانا چاہئے تو چلا جائے۔واپس آکر اسلامی لٹریچر کا روسی زبان میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری اُسے سنبھالنا ہوگی' تاکہ اگر پاکستان سے اسلامی لٹریچر روسی زبان میں نہ مل سکے تو ہم خود یہ کام کرسکیں۔''

علی اور عبدالرحمٰن ایک ماہ کیلئے پاکستان آگئے۔طاہرہ' اُس کی ماں اور خلیل دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔طاہرہ نے عبدالرحمٰن کی امی اور زبیدہ کے بھیجے ہوئے تحفوں کو بہت پسند کیا اور عبدالرحمٰن سے پوچھا:

''بھائی جان! کیا میری طرف سے بھی کوئی تحفہ زبیدہ کو دے دیا تھا کہ نہیں؟''

''ایک نہیں کئی تحفے تمہاری طرف سے زبیدہ اور عبدالرحمٰن کی امی کو پہنچا دیئے گئے۔''علی نے طاہرہ کو بتایا تو طاہرہ نے دونوں کا شکریہ ادا کیا۔





علی اور عبدالرحمٰن ایک صبح گھر میں بیٹھے ناشتہ کررہے تھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا:''علی! میدان جہاد سے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا ہے اور ہم سارا سارا دن بالکل یہاں فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔اماں اور طاہرہ سے ملنا تھا' مل لیا اور میرا تو یہاں مزید رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں۔مجھے تو ہر صورت میں واپس چلے جانا چاہئے۔''

طاہرہ جو تھوڑی دور بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی' عبدالرحمٰن کی آواز سنتے ہی بولی:''بھائی عبدالرحمٰن! کیا مجھ سے آپ کی خاطر مدارت میں کوئی سستی ہوگئی یا پھر بہن کا گھر ہی اچھا نہیں لگتا کہ ایک ہفتہ ہی میں دل بھر گیا۔اب بہن کے گھر آئے ہی ہو تو پورا مہینہ گزار کے جاؤ گے ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ تمہیں اپنی بہن سے کوئی محبت نہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں طاہرہ! تم جیسی بہن کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے لیکن میدان جہاد سے اتنی دور دل نہیں لگتا۔''

''ہاں عبدالرحمٰن! میرے ہاتھوں میں بھی کھجلی ہورہی ہے۔کتنے دن ہوگئے ہیں گولی چلائے ہوئے' دل چاہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت واپس لوٹ جاؤں۔''علی نے کہا۔

خلیل جو قریب بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا' اس نے کہا:''عبدالرحمٰن بھائی! میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔اگر آپ اس پر عمل کرنے کے بارے میں سوچیں تو اس سے آپ کا دل بھی لگ جائے گا اور وقت بھی گزر جائے گا۔''

''کیا منصوبہ ہے؟''عبدالرحمٰن نے پوچھا تو خلیل نے بتایا کہ پاکستان میں جو دھماکے ہوتے ہیں' ان میں کئی افغانی بھی ملوث پائے جاتے ہیں اور یہ افغانی یقیناً ہمارے ہی درمیان رہتے ہیں۔اگر آپ لوگ ان کا سراغ لگانے کی کوشش کریں تو ممکن ہے آپ کامیاب ہوجائیں اور دشمن کے کچھ جاسوس پکڑے جائیں۔

''بات تو تم نے بڑے کام کی کی ہے خلیل'' عبدالرحمٰن نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں' عبدالرحمٰن! خلیل ٹھیک کہتا ہے۔ہمارے اندر چھپے ہوئے یہ ایمان فروش ہمارے کئی

لیڈروں کو بھی تو شہید کرنے کی کوششیں کر چکے ہیں۔ مہاجرین کے اندر اختلافات کو بھی یہی لوگ اچھالتے اور ہوا دیتے ہیں۔'' علی نے کہا۔

''صرف اختلافات کو ہوا ہی نہیں دیتے' پیدا بھی یہی کرتے ہیں اور پاکستان میں دھماکوں کے علاوہ مجاہدین کے لیڈروں کی جاسوسی بھی یہی لوگ کرتے ہیں' اس لئے ہم آج ہی سے یہ کام شروع کر دیں گے اور اپنے اردگرد چھپے ہوئے جاسوسوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' عبدالرحمٰن نے اعلان کیا تو علی نے کہا ''عبدالرحمٰن! تم آج ہی خلیل کے ساتھ مل کر اس کام کی منصوبہ بندی کرو' میں یہاں مجاہدین کے مرکزی دفتر کے انچارج سے بھی بات کر لیتا ہوں۔'' ''دفتر کے انچارج سے کہنا کہ وہ اس کام کے بارے میں دفتر کے کسی دوسرے آدمی سے اس کا تذکرہ نہ کرے۔'' عبدالرحمٰن نے علی سے کہا۔

عبدالرحمٰن اور علی دونوں نے کام آپس میں بانٹ لیا۔ علی کی ذمہ داری خیمہ بستیوں اور دکانوں پر لگائی گئی اور عبدالرحمٰن نے مختلف دفتروں کو سنبھالا۔ خلیل بھی کچھ وقت نکال کر دونوں کی مدد کرتا رہا۔

انہیں کام کرتے ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے مگر ابھی تک انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

پاکستان آئے ہوئے یہ ان کا چوبیسواں دن تھا۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے مگر عبدالرحمٰن ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ گھر کے سب افراد بڑے پریشان تھے' کیونکہ یہ آزاد قبائلی علاقہ تھا اور یہاں بازار سرِشام ہی بند ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے' اگر کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے تو مسلح ہو کر نکلتے ہیں مگر یہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ قبائلی ڈاکو اور چور مسلح آدمی پر بھی چھپ کر حملہ کرتے ہیں اور رقم کے ساتھ ساتھ ہتھیار چھین کر غائب ہو جاتے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں صدیوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔

علی نے اپنی جماعت کے دفتر فون کیا مگر عبدالرحمٰن وہاں بھی نہیں تھا۔ علی سخت پریشان تھا۔ وہ صحن میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اس نے طاہرہ سے بات کرتے ہوئے کہا: ''طاہرہ! مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے' کہیں کے جی بی کے ایجنٹوں کو یہ معلوم نہ ہو گیا ہو کہ عبدالرحمٰن روسی ہے اور انہوں نے اسے اغوا نہ کر لیا ہو۔''

طاہرہ اور اس کی ماں پہلے ہی بہت پریشان تھیں۔ یہ سنتے ہی طاہرہ نے علی سے کہا: ''آپ یہاں ٹہلتے ہی رہیں گے یا میرے بھائی کو ڈھونڈنے بھی جائیں گے۔ خدا کے لئے میرے بھائی کے لئے کچھ کرو۔'' علی نے دفتر ٹیلی فون کر کے گاڑی منگوائی۔ گاڑی میں دو مسلح مجاہد پہلے سے موجود تھے۔ اس نے خلیل کو بھی ساتھ لیا۔ وہ ہر اس جگہ گیا جہاں عبدالرحمٰن کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا مگر عبدالرحمٰن کہیں نہ ملا۔ دفتر کے گیٹ کیپر سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ حسبِ معمول دفتر بند ہوتے ہی

یہاں سے چلا گیا تھا۔ کہاں؟ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے جب وہ گھر ناکام لوٹا۔

طاہرہ کو جب پتا چلا کہ عبدالرحمٰن کہیں نہیں ملا تو پریشانی سے اس کا برا حال ہو گیا۔ وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔ علی نے اسے بڑی تسلیاں دیں مگر ایک انجانا خوف اسے رلائے جا رہا تھا۔ علی خود عبدالرحمٰن کی گمشدگی پر بہت پریشان تھا مگر طاہرہ کے اس طرح رونے پر اسے بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ وہ لڑکی جس نے اپنے سگے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور ایک آنسو تک نہ بہایا آج اپنے منہ بولے بھائی کی گمشدگی پر کس طرح آنسو بہا رہی ہے۔ علی نے طاہرہ سے کہا: ''عبدالرحمٰن کے لئے پریشان تو میں بھی بہت ہوں مگر تمہیں یوں آنسو بہاتے دیکھ کر حیرانی ہو رہی ہے۔ تم نے اپنے سگے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا لیکن آنسو نہ بہائے مگر عبدالرحمٰن کی گمشدگی پر اس قدر رو رہی ہو۔ وہ بچہ نہیں ہے۔ اگر کے جی بی کے ایجنٹوں نے بھی اسے پکڑ لیا ہے تو ہم انشاء اللہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''عبدالرحمٰن اگر میرا سگا بھائی ہوتا اور وہ شہید بھی ہو جاتا تو شاید میں کبھی نہ روتی مگر جس خلوص سے یہ میرا منہ بولا بھائی میرے وطن کے لئے لڑ رہا ہے اور جس طرح اس نے مجھے ایک بھائی کا پیار دیا ہے میں اس کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ پھر وہ ہمارے پاس مہمان ہے۔ خدا کے واسطے اس کے لئے کچھ جلدی کریں' غم سے میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے۔''

طاہرہ کی ماں نے دونوں کو تسلی دی۔ یہی پریشانی کی باتیں کر رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' علی نے ریسیور اُٹھایا' عبدالرحمٰن کا فون تھا۔ فون پر عبدالرحمٰن کی آواز سنتے ہی علی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

علی: یہ تم کہاں سے بول رہے ہو اور ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے' ہم تمہیں کئی گھنٹوں سے پورے شہر میں تلاش کر رہے ہیں۔ سب کا پریشانی سے برا حال ہے۔ کسی نے کھانا تک نہیں کھایا اور طاہرہ تو روئے جا رہی ہے۔

عبدالرحمٰن: میں بالکل ٹھیک ہوں۔ طاہرہ کو تسلی دو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ تم جلد از جلد دفتر پہنچو۔ میں نے دو گاڑیاں دفتر سے بھجوا دی ہیں۔ آتے ہوئے جتنے مجاہدین گھروں میں مل سکیں ساتھ لیتے آنا اور ہاں اپنے گھر پر بھی کم از کم دو مسلح مجاہد کھڑے کر کے آنا۔

علی: کیا کسی جاسوسی کے اڈے کا سراغ مل گیا ہے۔

عبدالرحمٰن: ہاں

علی: یہ طاہرہ کو تسلی دے دو کہ تم خیریت سے ہو۔

طاہرہ: بھائی جان آپ نے بہت پریشان کیا۔ آپ نے پہلے ٹیلی فون کیوں نہ کیا۔ یہاں ہم شام سے آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن! میری پیاری بہن! میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ دشمن مجھے آرام سے اچک لے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی اس لئے جاتے وقت فون نہ کر سکا اور بعد میں فون کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ سب لوگ پریشان ہوئے مگر کل صبح جب آپ خبر سنیں گی تو جتنی آپ پریشان ہوئی ہیں، اس سے زیادہ خوش ہوں گی، ہاں علی کو کھانا کھلا کر بھیجنا اور میرا کھانا بھی اس کے ہاتھ بھیج دینا کیونکہ رات کو گھر واپس آنے کا کوئی امکان نہیں۔

طاہرہ: کیا کوئی خطرے والی بات ہے؟

عبدالرحمٰن: مجاہد خطرے سے نہیں ڈرتے اور تمہاری زبان سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں آئندہ اگر کبھی کوئی ایسی بزدلانہ بات کی تو ناراض ہو جاؤں گا۔

علی نے خلیل اور ایک اور مجاہد کو گھر پر پہرہ دینے کے لیے چھوڑا اور خود گاڑی پر سوار ہو کر پاکستان آئے ہوئے مجاہدین کو مختلف خیموں سے جگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں پندرہ مجاہدین گاڑیوں پر سوار ہو کر دفتر پہنچ گئے۔

یہ دفتر شہر کے ایک طرف واقع عمارتوں میں سے ایک عمارت پر مشتمل تھا، سامنے ایک برساتی نالہ، نالے کے پار کچھ دور پہاڑ کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں اور گاؤں کے ایک طرف بہت بڑا قبرستان تھا۔ قبرستان میں شہداء کی قبروں پر رنگ برنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے جو شہداء کے لواحقین نے اظہار عقیدت کے طور پر لہرائے ہوئے تھے۔ دفتر کے ساتھ ہی ایک وسیع و عریض احاطہ تھا جس میں مجاہدین نے گاڑیاں کھڑی کی ہوئی تھیں اور کافی تعداد میں گھوڑے اور خچر بندھے ہوئے تھے۔

علی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ بھی بہت بڑا تھا۔ کمرے میں قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ دیوار پر ایک طرف افغانستان کا بہت بڑا نقشہ لگا ہوا تھا اور ساتھ پارٹی کا پرچم فریم کر کے لٹکایا ہوا تھا۔ ایک کونے میں ایک خوبصورت نوجوان عورت جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، سر جھکائے بیٹھی تھی جب کہ اس کے ساتھ ہی اسی دفتر میں بیت المال کا انچارج آصف خان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ آصف خان کو یوں دیکھ کر علی کو بہت حیرانی ہوئی۔ علی نے عورت اور آصف خان کے چہرے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ دونوں کی خوب پٹائی کی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا: ''آصف کو تو تم جانتے ہی ہو۔ یہ عورت اس کی بیوی ہے۔ میں نے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے کے دوران میں ان سے تفتیش کر لی ہے اور ان سے کافی کام کی باتیں معلوم ہوئی ہیں، تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال اس گروہ کے سرغنہ کو گرفتار کرنے کے لئے چھاپہ مارنا ہے۔''

دو مجاہدین کو ان کی نگرانی پر بٹھایا۔ دفتر کے مین گیٹ کو تالا لگایا۔ باہر پہرہ دینے والے مجاہدین کو مکمل چوکس رہنے کیلئے کہا۔ ایک مسلح مجاہد کو چھت پر بٹھا دیا تا کہ کسی بھی ممکنہ خطرے سے بچا جا سکے۔

علی اور عبدالرحمٰن نے پہرے کا کام مکمل کر کے بارہ مجاہدین کو ساتھ لیا اور چھاپے کے لئے چل پڑے۔

یہ شہر آزاد علاقے کا سرحدی قصبہ تھا۔ قصبہ کی آبادی بیس ہزار سے زیادہ ہو گی۔ مجاہدین کی آمد سے تو اس شہر کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ قصبہ خرید و فروخت کا بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ رات کے وقت تمام سڑکیں اور بازار سنسان تھے، کہیں کہیں کتے گھومتے اور بھونکتے نظر آئے۔ عبدالرحمٰن نے ایک جگہ گاڑیاں روکنے کا اشارہ کیا۔ گاڑیاں رکیں تو مجاہدین عبدالرحمٰن کی ہدایت کے مطابق چلنے لگے۔ ایک جگہ عبدالرحمٰن نے دو مجاہدین سے کہا کہ دائیں طرف والی گلی میں آگے نکل جائیے۔ اس گلی میں بائیں ہاتھ پہلی گلی میں مڑ جانا اور مسجد کے سامنے کھڑے ہو جانا اور کسی بھی شخص کو گلی میں سے دائیں بائیں نہ گزرنے دینا۔ اگر کوئی آدمی چھت سے چھلانگ لگا کر گلی میں کودے تو اسے بھی پکڑ لینا۔

باقی مجاہدین کو لے کر عبدالرحمٰن بائیں ہاتھ مڑ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔ عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ یہ ہے وہ کوٹھی جو اس علاقہ میں خاد کے دفتر کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔

کوٹھی کے اندر جانا ایک مسئلہ تھا۔ دروازہ کھلوانے کی صورت میں خاد کے ایجنٹ کسی چور دروازے سے بھاگ سکتے تھے۔ کافی صلاح مشورہ کے بعد عبدالرحمٰن نے کوٹھی کے ساتھ والے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا تا کہ چھت پر سے کود کر اندر داخل ہو سکیں۔

دروازہ کے بجائے چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور ایک آدمی نے آواز دے کر پوچھا: ''کون ہے؟''

علی نے آواز فوراً پہچان لی۔ یہ تو عمر سعید تھا۔ پاکستان سرحدی ملیشیا کا ایک افسر اور علی کا بہت اچھا دوست بھی۔ علی نے اپنا نام بتایا تو عمر سعید نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

عبدالرحمٰن نے چار مجاہدین کو ہدایات دے کر باہر کھڑا کیا اور باقی عمر سعید کی کوٹھی کے اندر چلے آئے۔

عمر سعید نے رات گئے اتنے مجاہدین کو اس علاقہ میں دیکھ کر پوچھا: ''برادر علی! یہ کیا معاملہ ہے اور رات گئے ادھر کیا کام پڑ گیا؟''

علی نے ساری صورت حال بتائی تو عمر سعید نے کہا: ''مجھے بھی پچھلے کچھ عرصہ سے شک تھا کہ یہاں مشکوک لوگ رہتے ہیں۔ میں نے حکام بالا کو تحریری طور پر لکھا بھی تھا مگر مجھے بتایا گیا کہ میرے شکوک بے بنیاد ہیں بلکہ دفتر میں افسر نے مجھے کہا کہ اپنے کام سے کام رکھو اور بے گناہ لوگوں کو گرفتار نہ

کراؤ' اس کوٹھی میں تو بے چارے مظلوم مجاہدین رہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی افسر بھی ملک دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔" علی نے کہا۔

"اپنے اندر اگر غدار نہ ہوں تو باہر کے لوگ تخریبی کارروائیاں کیسے کر سکتے ہیں۔ یہی لوگ تو دولت کے لالچ میں تخریب کاروں اور ملک دشمنوں کو چھتری فراہم کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایماندار لوگوں کی پوری کوششوں کے باوجود ابھی تک دھماکے نہیں رُک سکے۔" عمر سید بولا۔

عمر سید نے مجاہدین کی مدد کیلئے اپنی خدمات بھی پیش کر دیں' اپنی بندوق بھی لے آیا اور چھت پر سے دوسری کوٹھی میں اترنے کے لئے مجاہدین کی رہنمائی کرنے لگا۔

کوٹھی کے اندر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں کوئی چھاپہ پڑ سکتا ہے' اس لئے سارے ہی اپنے بستروں میں پکڑے گئے۔ گروہ کا سرغنہ افغان فوج کا ایک میجر گل خان بھی پکڑا گیا۔ پوری کوٹھی کی تلاشی لی گئی۔ بہت بڑی مقدار میں ملک دشمن لٹریچر' دستی اور ٹائم بم' بارودی سرنگیں' کھلونا بم' مجاہدین کے مراکز کے نقشے' مجاہدین کے لیڈروں کی سرگرمیوں کے رجسٹر' پاکستانی شہروں کے نقشے' کلاشنکوفیں' ریوالورز اور ہیروئن کی بہت بڑی مقدار ہاتھ آئی۔ ایک بہت طاقتور وائرلیس سیٹ بھی ملا جو بڑی آسانی سے کابل تک پیغام پہنچا سکتا تھا۔

علی نے تخریبی لٹریچر پر ایک نظر ڈالی' اس میں کچھ شیعوں اور کچھ سنیوں کے خلاف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں شیعہ سنی فساد کرانے کے ذمہ دار بھی یہی لوگ تھے۔

عبدالرحمٰن نے چار مجاہدین کو کوٹھی کی نگرانی پر چھوڑا تاکہ صبح مزید تلاشی لی جا سکے اور اگر کسی جگہ خفیہ آلات یا اسلحہ دبایا گیا ہو تو اسے نکالا جا سکے۔

عمر سید نے قیدیوں کو دفتر تک پہنچانے کے لئے اپنی گاڑی بھی دے دی۔ علی نے عمر سید سے کہا کہ پاکستان کے حکام بالا کو اس چھاپے کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اگر انہیں پتا چل گیا تو وہ مجرم ہم سے چھین لیں گے اور پھر پہلے گرفتار ہونے والے مجرموں کی طرح ملک دشمن سیاستدانوں کی سفارش پر انہیں بھی رہا کر دیں گے۔

عمر سید نے علی کی باتوں سے مکمل اتفاق کیا۔

دفتر لے جا کر سب قیدیوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

چائے پیتے ہوئے عبدالرحمٰن نے علی کو بتایا کہ آصف خان پر مجھے کئی دنوں سے شک تھا اور میں اس کی خفیہ نگرانی کر رہا تھا۔ جس خیمہ بستی میں یہ رہتا ہے' وہاں کے ایک بزرگ مہاجر نے بھی اس کی سرگرمیوں کو مشکوک بتایا۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کابل یونیورسٹی کی طالبہ رہ چکی ہے۔

دوران طالب علمی وہ ایک آزاد خیال روس کی حامی جماعت کے حق میں پر جوش نعرے لگانے والی لڑکی تھی۔ اس نے کابل سے فرار کا ڈرامہ رچایا اور یہاں آ کر آصف سے شادی کر لی۔ دراصل وہ خاد کی ایک بہت بڑی افسر ہے۔ آصف سے شادی کرنے کا مقصد بھی مجاہدین کے مرکز تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ آصف اس کے دام حسن میں گرفتار ہو گیا اور پھر اس کا آلہ کار بن گیا۔ "خاد" کے افسران اعلیٰ نے آصف کی بیوی کی سفارش پر آصف کو خاد میں باقاعدہ بھرتی کر لیا۔ اس وقت اس شہر میں خاد کے تین بڑے افسر ہیں۔ ایک میجر گل خان' اس کی نائب آصف کی بیوی اور آصف۔ ان کے باقاعدہ تنخواہ دار کارندوں کی تعداد اس علاقہ میں پچاس سے کچھ زیادہ ہے اور دوسرے ایجنٹوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اس شہر کا یہ مرکز پاکستان میں "خاد" کے چند بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔ یہ معلومات حاصل کرنے کیلئے مجھے آصف اور اس کی بیوی کی نہ صرف مسلسل نگرانی کرنا پڑی بلکہ گرفتاری کے بعد ان پر تشدد بھی کرنا پڑا اور میں نے ان پر وہی طریقے آزمائے جو خاد کے دفاتر میں آزمائے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو یہ مکار اور عیار ملک دشمن کبھی زبان نہ کھولتے۔

چائے پینے کے بعد میجر گل خان کو تفتیش کے کمرے میں بلایا گیا۔ وہ بہت ڈھیٹ اور عیار تھا۔ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس پر بھی تشدد کرنا پڑا۔ سحری تک تمام گرفتار ایجنٹوں سے تفتیش مکمل کر لی گئی۔ ان سے حاصل ہونے والی معلومات کو ایک رجسٹر میں لکھ لیا گیا۔ شہر اور اس کے گردونواح میں موجود جن ایجنٹوں کے نام سامنے آئے انہیں گرفتار کرنے کیلئے مجاہدین کے دستے فوراً روانہ کر دیئے گئے۔ آزاد قبائلی علاقہ سے باہر جو ایجنٹ تخریب کاریوں میں مصروف تھے' ان کے کوائف حکومت پاکستان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد علی نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ جونہی باقی ایجنٹ بھی گرفتار ہو کر جائیں تو تم انہیں لے کر فوراً افغانستان چلے جاؤ کیونکہ اگر حکومت پاکستان کو پتا چل گیا تو وہ ان کی واپسی کا مطالبہ کرے گی۔ میں بھی چند دنوں تک پہنچ جاؤں گا۔

عبدالرحمٰن دوپہر کو سو کر اٹھا تو مزید ایک درجن کے قریب "خاد" کے ایجنٹ گرفتار کر کے لائے جا چکے تھے۔ بعض جگہ چھاپے کامیاب نہ ہو سکے اور ایجنٹ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

طاہرہ اور خلیل عبدالرحمٰن کے اس کارنامے پر بہت خوش تھے۔ خلیل نے کہا: "بھائی جان! میں نہ کہتا تھا کہ بڑا اچھا وقت گزرے گا۔ دیکھا میری بات مان کر آپ نے کتنا بڑا کام کیا۔" "ہاں بھئی! اس سارے کارنامے کا سہرا تو تمہارے سر ہے۔ نہ تمہارے ذہن میں یہ بات آتی اور نہ ہم اس پر کام شروع کرتے۔" عبدالرحمٰن نے کہا۔

عصر کے وقت عبدالرحمٰن نے طاہرہ اور اماں سے افغانستان جانے کی اجازت مانگی۔ عبدالرحمٰن کے جانے کا اچانک سن کر طاہرہ کو بہت صدمہ ہوا اور وہ اصرار کرنے لگی کہ ابھی چند دن مزید ٹھہرو۔

عبدالرحمٰن نے طاہرہ کو صورتحال سے آگاہ کیا تو طاہرہ نے کہا: ''ٹھیک ہے مگر بھائی جان پھر بھی ہمارے پاس آتے رہنا اور افغانستان جا کر بھول نہ جانا۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گی۔''

خاد کے گرفتار تمام ایجنٹوں کو مع آصف کی بیوی کے افغانستان کے اندر مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا۔

چیف کمانڈر نے عبدالرحمٰن سے ساری روداد سنی تو وہ علی، خلیل اور عبدالرحمٰن کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس کارنامے کو مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا۔

چند دنوں بعد علی بھی افغانستان پہنچ گیا۔

چیف کمانڈر نے علی اور عبدالرحمٰن کے مشورہ سے مجاہدین کے اندر گھس آنے والے جاسوسوں کی نگرانی کیلئے پاکستان کے اندر بھی انٹیلی جنس کا شعبہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

علی اور عبدالرحمٰن ایک ہفتہ چیف کمانڈر کے پاس رہے' اس کے بعد وہ اپنے مرکز کی طرف روانہ ہوگئے۔





مرکز میں مجاہدین نے علی اور عبدالرحمٰن کی واپسی کا ہوائی فائرنگ سے استقبال کیا اور اللہ اکبر کے پرجوش نعرے بلند کیے۔

درویش خان نے پچھلے ایک ماہ کی سرگرمیوں سے علی کو آگاہ کیا۔ علی درویش خان کی کارکردگی سے بہت خوش ہوا۔

درویش خان نے عبدالرحمٰن سے بات کرتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن بھائی! میں بھول گیا اور آپ کو فوراً نہ بتا سکا۔ دو ہفتے قبل روس سے ایک زبیدہ نام کی لڑکی یہاں پہنچی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ آپ کی منگیتر اور پھوپھی زاد ہے' ہم نے اسے مہمان خانہ میں ٹھہرایا ہوا ہے۔''

علی اور عبدالرحمٰن دونوں زبیدہ کی آمد کا سن کر بہت پریشان ہوگئے۔ دونوں فوراً مہمان خانے میں پہنچے۔ زبیدہ دونوں کو دیکھ کر پہلے خوش ہوئی اور پھر رونے لگی۔ عبدالرحمٰن یہ دیکھ کر مزید فکرمند ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ضرور کوئی سانحہ ہوا ہے جس وجہ سے زبیدہ کو یہاں آنا پڑا۔ اگر وہ صرف میری وجہ سے آتی تو مجھے دیکھ کر یوں رونے نہ لگتی۔ علی نے زبیدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''زبیدہ بہن! ہمت اور صبر سے کام لو اور ہمیں بتاؤ کہ کن حالات کی وجہ سے تمہیں یوں یہاں آنا پڑا۔''

زبیدہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کچھ دیر بعد بتانے لگی کہ آپ لوگوں کے آنے کے بعد دوسرے ہی ہفتے ممانی اور ماموں جان کو کے جی بی والوں نے گرفتار کرلیا۔ نہ جانے کے جی بی والوں کو آپ کی آمد اور روانگی کا پتا کیسے چل گیا۔ شروع میں تو ان سے کسی کو ملنے کی اجازت ہی نہ دی گئی بلکہ دو ہفتے تک تو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ رکھے کہاں گئے ہیں۔ ابو نے بڑی کوششوں اور سفارشوں کے بعد ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

میں جب جیل میں ان سے ملنے گئی تو ان کی حالت بہت خراب تھی' تشدد سے ان کے جسم زخم زخم ہو چکے تھے اور ماموں کی تو ایک بازو کی ہڈیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ دو ہفتوں کے دوران میں ان پر اس قدر تشدد کیا گیا تھا کہ میں انہیں پہلی نظر میں بالکل نہ پہچان سکی۔ وہاں زیادہ باتیں نہ ہو سکتی تھیں۔ ماموں جان نے میرے کان میں کہا کہ بیٹی تم عبدالرحمٰن کے پاس چلی جاؤ ورنہ کسی دن کے جی بی

والے تمہیں بھی پکڑ لیں گے۔ بیٹی! یہ کے جی بی والے خونخوار وحشی درندوں سے بھی زیادہ ظالم ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کے ناپاک ہاتھ تم تک پہنچیں۔ تم پرسوں کسی طرح ملنے آ جانا۔ میں تمہیں عبدالرحمٰن تک پہنچنے کے بارے میں گائیڈ کر دوں گا۔

تیسرے دن میں کئی سفارشیں کرانے کے بعد دوبارہ ملنے گئی۔ ماموں جان نے میرے کان میں صرف اتنا کہا: ''عبدالرحمٰن کو سلام دینا اور کہنا کہ حوصلہ وہمت سے کام لے اور ہماری قید' شہادت پر آنسو نہ بہائے۔ آزادی کے مشن کو جاری رکھے۔''

پھر انہوں نے کان میں مجھے ایک فون نمبر بتایا اور کہا کہ اس نمبر پر محمود بخاری سے رابطہ قائم کرنا اور اسے کہنا کہ وہ تمہیں پروفیسر ایوب بخاری یا اسمٰعیل سمرقندی تک پہنچا دے۔ اسمٰعیل سمرقندی سے کہنا کہ وہ تمہیں افغانستان میں احمد خان تک پہنچا دے۔

میں نے فون اور تمام نام ذہن میں محفوظ کر لئے۔

میں نے احتیاطاً اپنی ایک سہیلی کے گھر سے محمود بخاری کو فون کیا اور شہر کے پارک میں ان سے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔ ملاقات میں' میں نے محمود بخاری کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے مجھے کہا: ''میرے علم کے مطابق کے جی بی والے تمہارے گھر کی بھی نگرانی کر رہے ہیں اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمہیں بھی گرفتار کر لیں گے' اس لئے تم آئندہ مجھ سے بھی نہیں ملو گی۔ حالات سازگار ہوئے تو میں خود رابطہ قائم کروں گا۔''

ایک ہفتہ بعد ایک بچہ میرے نام ہمارے گھر ایک پیکٹ دے گیا۔ یہ پیکٹ ڈاک سے نہیں آیا تھا' اس لئے مجھے کچھ شک ہوا۔ میں نے کمرے کے اندر جا کر کھولا تو اس کے اندر ایک مردانہ لباس اور وگ تھی۔ کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر صرف اتنا لکھا تھا ''کل سات بجے صبح سٹی ہوٹل کے قریب۔''

رات کو میں' ابو اور امی سے کافی دیر باتیں کرتی رہی۔ باتوں ہی باتوں میں' میں نے ابو سے پوچھا: ''سنا ہے کے جی بی والے ہمارے گھر کی بھی نگرانی کر رہے ہیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا'' ابو نے حیرانی سے پوچھا۔

''مجھے کیسے بھی پتا چلا ہو۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟''

''بیٹی! یہ بات صحیح ہے' کے جی بی والوں کو تم پر بھی شک ہے کہ تمہیں عبدالرحمٰن کے یہاں آنے کے مقاصد کا علم ہے۔'' ابو نے بتایا تو میں نے پوچھا: ''پھر وہ مجھے گرفتار کیوں نہیں کر رہے؟''

''تمہارے باپ کے تعلقات کی وجہ سے ذرا احتیاط ہیں۔''

''ابو! آپ نے ماموں اور ممانی کو چھڑانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' میں نے پوچھا تو انہوں

نے بتایا: ''بیٹی! میں پورا زور لگا چکا ہوں۔ یہ روسی کمیونسٹ بڑے خود غرض ہیں۔ میری انہی کوششوں کی وجہ سے مجھ پر بھی شک کرنے لگے ہیں۔ روس کے اندر رہنا زہریلے سانپوں کی کوٹھری میں رہنے کے مترادف ہے۔ سانپوں کی طرح کمیونسٹوں کی بھی جتنی مرضی خدمت کرو' موقع ملتے ہی ڈنگ ضرور ماریں گے۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ بس تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے۔ نہ جانے کب کے جی بی والے تمہیں گرفتار کر لیں۔ جب عبدالرحمٰن آیا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے بتا دیتیں' میں تجھے اس کے ساتھ بھیج دیتا لیکن مجھ پر تو کسی نے اعتبار ہی نہیں کیا۔ ٹھیک ہے میں کمیونسٹ ہوں لیکن تمہارا اور عبدالرحمٰن کا دشمن تو نہیں تھا۔ اگر مجھ پر اعتماد کیا ہوتا تو تمہارے ماموں اور ممانی آج موت کی کوٹھری میں بند نہ ہوتے۔ ان پر مجاہدین کا جاسوس ہونے کا الزام نہ لگتا۔''

''ٹھیک ہے میرے بھائی سے غلطی ہوئی ہے مگر اب تو کچھ کرو' کم از کم اپنی بیٹی ہی کو کسی طرح بچا لو۔'' امی نے کہا تو ابو نے حسرت سے کہا: ''بہت مشکل ہے' تمام کوششیں کر چکا ہوں۔ روس کے اندر نام کا مسلمان ہونا بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ روسی کمیونسٹ ہم ترکستانیوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہماری چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی ملک سے غداری کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ روسی یہ بھول رہے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے اندر ان کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں کے مسلمان کسی وقت بھی افغان مجاہدین کی طرح جنگ آزادی کا آغاز کر سکتے ہیں۔''

''ابو اگر یہاں جنگ آزادی شروع ہو جائے تو آپ کس کا ساتھ دیں گے' روسی کمیونسٹوں کا یا مسلمانوں کا؟'' میں نے پوچھا تو ابو نے کہا: ''بیٹی! اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم آج آزاد ہوتے تو تمہارے ماموں' ممانی کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ ہم نے روسیوں کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں اور زندگی میں' میں نے پہلی دفعہ ان سے کچھ مانگا تو مجھ سے کہنے لگے: ''ایسا لگتا ہے کہ تم بھی افغان مجاہدین کے جاسوس ہو۔'' اگر جنگ آزادی شروع ہوئی جو یقیناً شروع ہو گی تو میں بھی حریت پسندوں کا ساتھ دوں گا۔''

''تم باتیں ہی کرتے رہو گے یا مجھے بھی کچھ بتاؤ گے کہ بیٹی کو بچانے کے لئے تم نے کیا کیا ہے؟'' امی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''میرے جو اختیار میں تھا کر چکا۔ اب ایک ہی راستہ ہے کہ یہ کسی طرح روس سے باہر چلی جائے۔ اس کی بھی کوشش کر چکا ہوں۔ اسے کسی ملک کا ویزا حاصل نہیں کرنے دیا جائے گا۔'' ابو نے حسرت سے کہا تو امی پھر بول پڑیں: ''تم اسے عبدالرحمٰن کے پاس افغانستان کیوں نہیں بھیج دیتے؟''

''مجاہدین سے میرا رابطہ ہوتا تو اپنی بیٹی کو ظالم روسیوں سے بچانے کے لئے یہ بھی کر دیتا۔'' یہ

کہتے ہوئے ابو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے گلے لگا کر رونے لگے' آنسوؤں میں انہوں نے بتایا ''بیٹی! تم نہیں جانتیں کہ تم کس قدر مصیبت میں پھنس چکی ہو۔''

''ابو اگر میں خود یہاں سے افغانستان چلی جاؤں تو آپ لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' میں نے پوچھا تو ابو بولے: ''بیٹی! اگر عبدالرحمٰن تمہیں افغانستان پہنچنے کے بارے میں کچھ بتا گیا ہے تو جتنی جلدی ہو سکے چلی جاؤ۔ مجھے بتاؤ اس سلسلہ میں' میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی بیٹی کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔''

''ابو اور امی مجھے صرف آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ باقی میں خود کر لوں گی۔'' اس کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ میں کل صبح جا رہی ہوں۔ یہ سن کر ابو تو اتنے خوش ہوئے کہ ان کی زبان سے بے اختیار نکلا 'یا اللہ' تیرا شکر ہے۔''

میں نے پوچھا کہ ابو آپ کمیونسٹ ہو کر اللہ کا نام لے رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا: ''بیٹی! تم نہیں جانتیں کہ میں نے پچھلے تین ہفتے کس اذیت میں گزارے ہیں۔ مجھے تم اپنی جان سے زیادہ پیاری ہو۔ کے جی بی والوں سے میں نے تمہیں اب تک بڑی مشکل سے بچایا ہے۔ اب وہ تمہاری گرفتاری کے لئے اوپر سے آرڈر لانیوالے تھے۔ جب میں سوچتا کہ تم گرفتار ہو جاؤ گی تو میری جان نکل جاتی تھی۔ تمہیں بچانے کے سلسلہ میں' میں مایوس ہو گیا تھا۔ ایک رات میں نے ڈراؤنا خواب دیکھا کہ خونخوار کتے تمہارا جسم نوچ رہے ہیں۔ اس رات میں نے پہلی بار خدا کے سامنے سجدہ کیا اور دعا کی کہ یا اللہ اگر تیرا وجود ہے تو میری بچی کو کسی طرح بچا لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بچی کسی طرح یہاں سے بچ کر چلی گئی تو میں مسلمان ہو کر ساری زندگی تیری عبادت میں گزار دوں گا۔ میں اس رات بہت رویا۔ دعا کے بعد سو گیا۔ پھر خواب دیکھا کہ ایک شیر آ رہا ہے' کتے شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں اور تم خوبصورت باغوں میں غائب ہو جاتی ہو۔ اس سے میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ بیٹی! تم یقیناً عبدالرحمٰن تک پہنچ جاؤ گی۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ یہی ہماری خوشی ہے۔''

امی میری روانگی کا سن کر رونے لگیں۔ ابو نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''رونے کے بجائے اپنے رب کا شکر ادا کرو جس نے تمہاری بیٹی کی عزت و جان بچانے کا انتظام کیا ہے۔ یہ شاید عبدالرحمٰن کے جہاد اور اس کے ماں باپ کی قربانی کی برکت ہے' ورنہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ خدا ہم پر رحم کھاتا' اپنی بیٹی کو دعا دو اور صبح رخصت کرنے سے پہلے اللہ سے اس کی سلامتی کی دعا ضرور کرنا۔''

رات کسی کو نیند نہ آئی' میں نے بھی سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند کوسوں دور تھی۔ ایک افغانستان پہنچنے کی خوشی تھی' دوسرے والدین سے بچھڑنے کا غم۔ یہی صورتحال میرے ابو اور امی کی

تھی۔ سحری کے وقت میں نے ابو کے کمرے میں جھانک کر دیکھا' وہ چادر بچھائے سجدہ میں تھے۔ امی بھی ہاتھ اُٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔ پہلی دفعہ مجھے پتا چلا کہ میرے ابو اور امی مجھے کتنا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ میں اتنے پیارے ماں باپ سے بچھڑ جاؤں گی' میں بے اختیار رونے لگی' آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

میں صبح پانچ بجے ہی تیار ہو چکی تھی۔ ابو امی بھی میرے کمرے میں آ گئے تو وہ مجھے مردانہ بہروپ میں دیکھ کر بالکل نہ پہچان سکے۔ میں نے بتایا تو بڑے حیران ہوئے۔ میں نے آپ کا دیا ہوا قرآن مجید ابو کو بطور تحفہ دیا۔ قرآن مجید کو لے کر انہوں نے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ پھر کہنے لگے: ''کاش ہم لوگ کمیونزم کے لئے زندگی برباد کرنے کے بجائے اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔''

میں نے انہیں علی بھائی کے بارے میں بھی بتایا اور افغان جہاد کی جتنی باتیں آپ لوگوں نے بتائی تھیں وہ بھی انہیں بتائیں۔ اس سے انہیں بہت حوصلہ ہوا۔

مجھے ساڑھے چھ بجے گھر سے نکلنا تھا لیکن ساڑھے چھ بجے بالکل میری شکل اور میری طرح کا لباس پہنے ایک لڑکا ہمارے گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا کہ تمہارا ٹائم ہو چکا' یہاں سے روانہ ہو جایئے۔ تمہارے بہروپ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ کوئی شک نہ کر سکے کہ تم یہاں سے باہر نکلی ہو۔ گاڑی تمہارے ساتھ دریائے آمو تک جائے گی۔ گاڑی پچھلی گلی میں نیلے رنگ کے مکان کے سامنے کھڑی ہے۔

دریائے آمو کا سن کر ابو نے کہا: ''مجھے یاد آیا۔ دریائے آمو کے قریب میرا ایک دوست اسمٰعیل سمرقندی رہتا ہے۔ میں نے اس کے بہت کام کروائے ہیں۔ کوئی مشکل آئے تو اس سے بھی مل لینا'' پھر خود ہی کہنے لگے مصیبت کے وقت کون کام آتا ہے۔ تم اپنے ذرائع سے ہی جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں پکڑوا دے۔

جب میں نے بتایا کہ اسمٰعیل سمرقندی ہی مجھے دریائے آمو پار کرائے گا تو ابو نے مجھے ایک بہت قیمتی ہار دیتے ہوئے کہا کہ اسمٰعیل بہت لالچی ہے' یہ ہار اسے دے دینا اور کہنا کہ یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔ ایک چھوٹا سا رقعہ دیا۔ اس میں انہوں نے لکھا: ''پیارے دوست! آج پہلی دفعہ تم سے کچھ مانگ رہا ہوں' امید ہے مایوس نہیں کرو گے۔ میری بیٹی کو با حفاظت اس کی منزل تک پہنچا دو۔ یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔''

اس کے بعد انہوں نے مجھے پیار اور محبت بھرے آنسوؤں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ امی نے رخصت کرتے ہوئے کہا: ''بیٹی! آج کے جانے کو اپنی شادی کی رخصتی سمجھ لو' یہ کہتے ہی وہ دھاڑیں

مار مار کر رونے لگیں۔ ابو نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا۔ میرا دل بھی خون کے آنسو رو رہا تھا۔

گاڑی جیسے ہی سٹی ہوٹل کے سامنے رکی تو وہاں سے دو اور افراد گاڑی کی طرف آئے۔ مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملانے کے دوران ایک چٹ میرے ہاتھ میں دے دی۔

چٹ پر لکھا تھا کہ دونوں افراد تمہیں منزل پر پہنچا کر ایوب بخاری کے پاس چلے جائیں گے۔ بے فکر ہو کر ان کے ساتھ جاؤ۔ نیچے محمود بخاری کا نام لکھا تھا۔

میں نے دروازے کھول دیئے۔ کچھ فاصلے تک تو میں خود ڈرائیونگ کرتی رہی۔ اس کے بعد ایک بھائی نے کہا: ''بہن زبیدہ! تم پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ۔ اب ہم باری باری ڈرائیونگ کریں گے۔ راستے میں کوئی کچھ پوچھے تو گونگا اور بہرہ بن جانا۔ اگر بولیں تو آواز سے پہچان لی جاؤ گی کہ تم عورت ہو جبکہ تمہارے جعلی کاغذات ایک مرد کے نام سے ہیں۔''

ایک دو جگہ گاڑی راستے میں چیک بھی کی گئی لیکن کاغذات اس قدر مکمل تھے اور دونوں افراد اس قدر ہوشیار تھے کہ کسی کو کوئی شک نہ پڑا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے ہم اسمٰعیل سمرقندی کے گھر پہنچے۔ اپنا تعارف کرایا۔ آپ دونوں کا حوالہ دیا اور احمد خان کے پاس پہنچانے کا کہا۔ یہ سن کر کہ میرا آپ لوگوں سے تعلق ہے' وہ بڑے اچھے طریقے سے پیش آیا۔ میں نے ابو کی طرف سے دیا ہوا رقعہ اور ہار پیش کیا۔ رقعہ پڑھنے کے بعد ہار مجھے واپس کرتے ہوئے کہا: ''تمہارے باپ کا خیال ہے کہ میں ابھی تک لالچی ہوں' ہاں کبھی لالچی ضرور تھا لیکن مجاہدین سے مجھے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کو۔ تمہارے باپ نے یہ ہار تحفہ میں نہیں رشوت میں بھیجا ہے لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سمگلروں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ہم اپنے محسنوں کے کام اپنی جان پر کھیل کر بھی کرتے ہیں۔ پھر جیسی تم اپنے باپ کی بیٹی ہو' ویسی ہی میری بھی بیٹی ہو۔ پھر تم جہنم سے بھاگ کر مجاہدوں کے دیس جا رہی ہو۔ میں نے زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی نیکی کی ہوگی۔ اگر اللہ نے مجھے کسی نیکی کا موقع دیا ہے' تم وہ بھی مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو۔ نہیں بیٹی! یہ ہار تمہیں ہی اچھا لگتا ہے جب سے افغان روسیوں کے خلاف اُٹھے ہیں اور جب سے پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان کیا ہے کہ روس نے سمرقند و بخارا پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے' ہمارے دل میں بھی آزادی کی تڑپ پیدا ہونے لگی ہے' ہم بھی چاہتے ہیں کہ کچھ کریں' کم از کم افغان مجاہدوں کی مدد ہی سہی۔ شاید اسی طرح ہمیں بھی آزادی مل جائے۔''

دوسرے دن دونوں مجاہد رخصت لے کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے کہا: ''بہن زبیدہ! تم عظیم مجاہدوں کے دیس جا رہی ہو۔ ان مجاہدوں کے دیس جنہوں نے روس کو شکست دی' ہمارا ان کو

سلام کہنا اور کہنا کہ وہ بھی ہمارے لئے دعا کریں اور یہ بھی کہنا کہ ہم سرزمین ترکستان پر ان کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔''

میں دو دن اور اسمٰعیل سمرقندی کے پاس رہی۔ ان کی ایک بیٹی بھی میری ہم عمر ہے' وہ بھی مجاہدین کی بہت عقیدت مند ہے۔ جب میں نے بتایا کہ تم لوگ ان کے گھر آئے تھے تو کہنے لگی: ''کاش ابو بتاتے کہ مجاہدین آئے ہیں' میں اپنے مجاہد بھائیوں کا دیدار ہی کر لیتی۔ ان کی دعا ہی لے لیتی۔'' مجھے کہنے لگی: ''میرے مجاہد بھائیوں سے کہنا کہ روس کے اندر تمہاری بہنیں تمہارے کارنامے سن سن کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ تمہاری فتح کا سن کر ان کے چہرے کھل اُٹھتے ہیں' گردن فخر سے تن جاتی ہے اور پیشانی خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے جھک جاتی ہے۔ تمہارے ذرہ سے بھی نقصان کا سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح برسنے لگتے ہیں اور وہ غم سے نڈھال ہو جاتی ہیں۔ انہیں یہ بھی کہنا کہ تمہاری ترکستانی بہنیں اس وقت کا بے قراری سے انتظار کر رہی ہیں جب تم آؤ گے اور انہیں روس کی غلامی سے نجات دلاؤ گے۔''

رخصت کرتے وقت اسمٰعیل سمرقندی اور اس کی بیٹی نے مجھے بیش قیمت تحائف بھی دیئے۔ اسمٰعیل سمرقندی نے کہا: ''بیٹی! تم میرے محسن کی بیٹی ہو اور ایک مجاہد کی امانت۔ میرے گھر پہلی اور شاید آخری بار آئی ہو۔ میرے بس میں ہو تو میں گھر کی ہر چیز تمہارے ساتھ بھیج دوں۔ تم ان لوگوں کے پاس جا رہی ہو جو ملت اسلامیہ کی سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ چند حقیر سے تحفے دے رہا ہوں' انہیں قبول کرو' یہ کچھ رقم بھی ہے' یہ مجاہدین کو دے دینا اور ان سے درخواست کرنا کہ میرے لئے ہدایت اور مغفرت کی دعا کریں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بہت جلد شیر آباد جاؤں گا' اگر تمہارے ماں باپ اس وقت تک جیل سے باہر ہوئے تو انہیں بھی یہاں لا کر دریائے آمو پار کرا دوں گا۔''

دریائے آمو پار کرنے کے بعد میں احمد خان کے گھر ایک ہفتہ تک رہی۔ انہوں نے بھی مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا۔ اس کے بعد میں کمانڈر زمان گل کے مرکز پہنچی اور وہاں سے دو ہفتے قبل یہاں آ گئی۔ افغانستان میں جس مرکز پر بھی گئی جس جگہ سے بھی گزری' بزرگوں نے مجھے میرے ماں باپ سے بھی زیادہ پیار دیا۔ بھائیوں نے محبت و عقیدت میں نظریں نیچی کر لیں۔

علی اور عبدالرحمٰن کو یہ سب کچھ سن کر بہت دُکھ ہوا۔ اپنے ماں باپ کے بارے میں سن کر عبدالرحمٰن کے آنسو نکل آئے۔

علی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ راہ حق میں یہ صدمات ہمیشہ آتے ہیں' اس لئے صبر اور

ہمت سے کام لو اور اپنے ابو امی پھوپھی اور پھوپھا کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی مشکلات سے نجات دے اور آزمائش میں کامیاب کرے۔

چند دنوں بعد علی نے عبدالرحمٰن اور زبیدہ کی سادگی سے شادی کرا دی۔

شادی کے بعد ان کی رہائش کا مسئلہ تھا' فوری طور پر زبیدہ کو پاکستان نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ علی نے سوچا کہ کسی قریبی گاؤں میں بھیج دیا جائے۔ ہیڈ کوارٹر چیف کمانڈر سے بات کی تو کمانڈر صاحب نے کہا کہ ابھی ان کی شادی ہوئی ہے اس لئے مرکز کے قریب ہی چھوٹا سا گھر بنا دیں۔ تین چار ماہ بعد انہیں پاکستان بھیج دینا۔

''پاکستان میں اگر کے جی بی والوں کو پتا چل گیا تو روسی حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال کر روس واپس بلوا سکتی ہے۔'' علی نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

''آپ اس کی فکر نہ کریں' بوقت ضرورت میں حکومت پاکستان سے بات کر لوں گا۔ اگر خطرہ محسوس ہوا تو ہم زبیدہ کو فوراً افغانستان واپس لے آئیں گے۔ ویسے میرے ذہن میں ایک اور تجویز بھی آئی ہے۔'' کمانڈر نے کہا تو علی نے پوچھا کہ وہ تجویز کیا ہے۔

''اگر عبدالرحمٰن اور زبیدہ یہاں ہیڈ کوارٹر میں آ جائیں تو ہم ان کے لئے قریبی گاؤں میں رہائش کا انتظام کر سکتے ہیں۔ یہاں زبیدہ اور عبدالرحمٰن مل کر نہ صرف روسی زبان میں اسلامی کتابوں کا ترجمہ کر سکتے ہیں بلکہ 'ریڈیو صدائے افغانستان' سے روسی خواتین کے لئے پروگرام بھی پیش کر سکتے ہیں۔'' کمانڈر نے بتایا تو علی نے کہا:

''تجویز بہت اچھی ہے۔''

''فی الحال اس پر غور کرو۔ ہم بھی یہاں مزید غور کر لیتے ہیں۔ تین چار ماہ کے لئے آپ اپنے مرکز کے قریب ان کی رہائش گاہ کا انتظام کر دیں۔'' کمانڈر نے کہا۔

علی نے مرکز کے ایک طرف پہاڑ کے دامن میں فوری طور پر ایک غار کھدوا دی۔ آگے ایک کمرہ اور اونچی چار دیواری کر کے صحن بھی بنا دیا۔





جنیوا معاہدہ پر دستخط کئے جا چکے تھے۔ روسی فوجوں کی واپسی بھی شروع ہو چکی تھی۔ جاتی ہوئی روسی فوج پر مجاہدین نے کئی کامیاب حملے کئے لیکن روسی کمانڈروں کی درخواست پر مجاہدین نے جاتے ہوئے قافلوں پر مزید حملے روک دیئے تھے۔

یہ جون کا مہینہ تھا۔ رات کے 9 بجے تھے جب کابل سے وائرلیس پر پیغام موصول ہونا شروع ہوا۔ انٹیلی جنس بیورو کابل کے چیف نے بتایا: ''مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ روس سے کے جی بی کے دس سینئر ترین افسر کابل پہنچے ہیں' بھارت سے بھی بیس کے قریب ''را'' کے تجربہ کار افسروں کی کھیپ کابل پہنچ گئی ہے' یہ بھی اطلاع ہے کہ اسرائیل اور کئی کمیونسٹ ممالک کے جاسوس بھی آ رہے ہیں۔ مزید معلومات آتے ہی آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ ہیڈ کوارٹر بھی یہ اطلاع کر دی گئی ہے۔''

علی اور عبدالرحمٰن نے اس اطلاع پر بہت غور کیا کہ جب روسی فوج شکست کھا کے واپس جا رہی ہے تو پھر کابل میں اتنے بڑے پیمانے پر جاسوسوں کو کیوں جمع کیا جا رہا ہے۔

عبدالرحمٰن کا خیال تھا کہ روس اپنی فوج کو دوبارہ واپس افغانستان لے آئے گا۔ واپسی کی راہ تلاش کرنے کیلئے ہی شاید یہ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں جبکہ علی کا خیال تھا کہ روس مجاہدین کے مراکز اور پاکستان میں تخریبی کارروائیاں بڑھانا چاہتا ہے یا پھر مجاہدین کے لیڈروں کو آپس میں لڑانا چاہتا ہے یا پھر بھارتی فوج افغانستان میں اتارنے کے کسی منصوبہ پر غور کر رہا ہے۔

''کچھ بھی ہو ہم جیتی ہوئی بازی کو شکست میں بدلنے کی کسی کو اجازت نہیں دیں گے۔ اگر بھارتی فوج بھی آ گئی تو اس کا وہ حشر کریں گے کہ قیامت تک ان کی آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔'' عبدالرحمٰن نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔

تیسرے دن پھر کابل سے وائرلیس پیغام آیا کہ جاسوسوں کے اجلاس میں ڈاکٹر نجیب اللہ سمیت بھارتی خفیہ تنظیم ''را'' کا سربراہ' کے جی بی کے سربراہ کا ڈپٹی اور کئی کمیونسٹ ممالک کے انتہائی اہم جاسوس شریک ہوئے ہیں۔ بڑی کوششوں کے بعد صرف اتنا پتا چل سکا ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا آپریشن کرنا چاہتے ہیں۔

علی نے چیف کمانڈر سے اس اطلاع پر تبادلہ خیال کیا۔ چیف کمانڈر کا خیال تھا کہ یا تو بھارتی فوج افغانستان میں اتارنے کا کوئی منصوبہ ہو سکتا ہے یا پھر مجاہدین کے رہنماؤں کے قتل کا کوئی منصوبہ بن رہا ہے۔ انہوں نے علی کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں جہاں اللہ نے دس سال تک ہماری مدد کی ہے، وہ آئندہ بھی دشمن کے عزائم ناکام بنا دے گا۔

علی صوبائی دارالحکومت پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتا تھا مگر چیف کمانڈر نے اسے روکتے ہوئے کہا: ''فی الحال حملہ کا ارادہ ترک کر دیجئے اور روسی فوج کو مکمل طور پر افغانستان سے نکل جانے دیجئے۔ اس دوران میں مجاہدین کو جو صرف گوریلا جنگ لڑنے کے ماہر ہیں، انہیں باقاعدہ جنگ کے لئے تربیت دو۔ چھاؤنیوں میں افغان فوجی افسروں کو مجاہدین کا ساتھ دینے کی ترغیب دو تاکہ خون ریزی کے بغیر ہی شہر فتح ہو سکیں اور مجاہدین کے رہنماؤں کے فیصلہ کا بھی انتظار کرو۔''

علی کو یہ باتیں پسند آئیں، اس نے فوراً ان پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجاہدین کو باقاعدہ فوج کی صورت میں منظم کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مرکز میں علی نے افغان فوج کے تین سابق افسروں جن میں ایک کرنل افضل خان، کیپٹن جمال محمد اور میجر عمر خان شامل تھے، کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مجاہدین کو شہروں پر حملہ کر کے باقاعدہ فوج سے جنگ لڑنے کے لیے تیار کریں۔

چھاؤنیوں کے اندر اپنے حامی افسروں سے بھی رابطہ قائم کیا اور انہیں کہا کہ وہ فوجی افسروں کو ترغیب دیں کہ اگر وہ مجاہدین کا ساتھ دیں تو انہیں نہ صرف ان کے عہدوں پر بحال رکھا جائے گا بلکہ مزید مراعات بھی دی جائیں گی۔

15 اگست کو کابل سے پیغام ملا کہ روسی، بھارتی، اسرائیلی اور خاد کے جاسوسوں کی جو میٹنگ جون میں ہوئی تھی، ان میں سے چند منتخب جاسوسوں کی میٹنگ 12 اگست کو پھر ہوئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جون کی میٹنگ میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کو ''زیڈ'' مشن کا نام دیا گیا تھا۔ اب کی میٹنگ میں بتایا گیا ہے کہ زیڈ مشن کے بارے میں تمام کام مکمل ہو چکا ہے۔

علی یہ سن کر سوچنے لگا کہ زیڈ مشن سے کیا مراد ہے۔ اس نے پاس بیٹھے ہوئے محمد اسلام اور عبدالرحمٰن سے بھی پوچھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ''زیڈ'' الذوالفقار کا مشن بھی ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے اندر ''الذوالفقار'' نامی دہشت گرد تنظیم تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہے۔ اسرائیل، روس، بھارت اور کابل کی حکومتیں اس کی پوری پوری مدد کر رہی ہیں۔ ممکن ہے پاکستان کے اندر کسی بہت بڑی تخریبی کارروائی کا یہ کام ''الذوالفقار'' کے سپرد کیا گیا ہو۔

محمد اسلام: زیڈ۔ انگریزی حروف تہجی کا آخری حرف ہے، اس سے یہ بھی مراد لی جا سکتی ہے کہ

آخری مشن یعنی انتہائی خطرناک مشن یا پھر زیڈ مجاہدین کے کسی رہنما کا کوڈ نام بھی ہو سکتا ہے۔

علی: ضیاء الحق بھی ہو سکتا ہے۔

عبدالرحمٰن: یہ زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ روس اور بھارت کئی ہفتوں سے ضیاء الحق کو سبق سکھانے کی مسلسل دھمکیاں دے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ ''الذوالفقار'' کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ الذوالفقار پہلے بھی ضیاء الحق کو متعدد دفعہ قتل کرنے کی کوششیں کر چکی ہے۔

علی: ہمیں یہ اطلاع فوراً چیف کمانڈر صاحب کے ذریعہ پاکستانی حکومت کو پہنچا دینی چاہئے۔

عبدالرحمٰن: ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

17 اگست کو رات ساڑھے سات بجے کا وقت تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، موسم کافی خوشگوار تھا۔ علی، درویش خان، محمد اسلام اور کئی دوسرے مجاہدین پہاڑ کے اوپر بنی ہوئی حفاظتی چوکی کے قریب بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ اچانک قریبی چھاؤنی سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ چند لمحوں بعد روشنی کے گولے بھی پھینکے جانے لگے۔ علی کا خیال تھا کہ دشمن ہم پر بڑا حملہ کرنے والا ہے، لیکن حیرت ہے کہ حملہ سے پہلے وہ شور کیوں کر رہا ہے۔

درویش خان کا خیال تھا کہ یہ کوئی چال ہے کیونکہ افغان فوج کے لئے یہ کوئی خوشی کا موقع بھی نہیں ہے کہ وہ اس طرح فائرنگ کرتی اور روشنی کے گولے چھوڑتی۔ ہمیں محتاط ہو جانا چاہئے۔

ہر مجاہد اپنا اپنا خیال ظاہر کر رہا تھا۔ یہ باتیں جاری تھیں کہ عبدالرحمٰن آتا دکھائی دیا، اس کے ساتھ چند عرب مجاہدین بھی تھے۔ افغان جہاد میں عرب اور کئی دوسرے ممالک سے بھی بڑی تعداد میں مجاہدین شریک تھے۔ علی کے کارناموں کا سن سن کر عرب مجاہدین جن میں فلسطینی بھی شامل تھے، علی کے پاس آ گئے تھے۔ علی کے مشورہ سے انہوں نے علی کے مرکز کے قریب ہی اپنا مرکز بھی تعمیر کر لیا تھا۔ ان کا امیر مصر کا ایک نوجوان ابو حامد تھا۔ ترکی، ایران، برما، سری لنکا، بھارت، مقبوضہ کشمیر، فلپائن اور دوسرے علاقوں سے آنے والے مجاہدین کے لئے بھی علی نے عربوں کے مرکز میں ہی انتظام کیا تھا۔ اس مرکز کا نام ''امام شامل مرکز'' تھا۔

عبدالرحمٰن سرِ شام ہی گھر چلا جاتا تھا، اسے اس طرف آتا دیکھ کر علی کو بڑی حیرانی ہوئی۔

عبدالرحمٰن، ابو حامد اور دوسرے عرب مجاہدین علی کے قریب آ کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ کسی نے سلام تک نہ کیا۔ علی نے دیکھا کہ سب کے چہرے افسردہ تھے۔ یہ دیکھ کر علی اور دوسرے مجاہدین فکر مند ہو گئے۔ علی نے پوچھا۔ ''عبدالرحمٰن کیا بات ہے۔؟''

عبدالرحمٰن کی زبان خاموش رہی، وہ بولنا چاہتا تھا مگر نہ بول سکا۔

''ابو حامد! تم ہی کچھ بتاؤ آخر آپ سب لوگ پریشان کیوں ہیں؟'' علی نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا۔ اس بار بھی کسی کی زبان نہ کھلی۔ وہ کچھ بتانا چاہتے تھے لیکن شدت غم سے ان میں سے کسی سے بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔

علی چیخا: ''آپ بتاتے کیوں نہیں کہ کیا معاملہ ہے؟''

کسی کی زبان اب بھی نہ کھلی مگر سب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ عبدالرحمٰن علی کے گلے مل کر زار زار رونے لگا۔ عرب مجاہدین بھی ایک دوسرے کے گلے لگ کر روئے جا رہے تھے۔

علی اور دوسرے مجاہدین کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ علی نے عبدالرحمٰن کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن! تمہارا روتا جائے گا یا ہمیں بھی کچھ بتاؤ گے' کیا زبیدہ کو کچھ ہو گیا ہے؟''

عبدالرحمٰن نے نہیں میں گردن ہلا دی۔

علی: پھر معاملہ کیا ہے؟

عبدالرحمٰن: ظالموں نے ہمارے محسن اور قائد کو قتل کر دیا ہے۔

علی سمجھا کہ روسیوں نے شاید ہمارے کسی رہنما کو شہید کر دیا ہے۔ اس نے پوچھا: ''مجاہدین کے کس رہنما کو شہید کر دیا گیا ہے؟''

عبدالرحمٰن: مجاہدین کے سب سے بڑے قائد کو۔

علی: کھل کر بتاؤ

عبدالرحمٰن: ضیاء الحق کے طیارے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ ضیاء الحق کے ساتھ ہی پاکستان کے کئی دوسرے نامور جرنیل بھی شہید ہو گئے ہیں اور یہ چھاؤنی میں فائرنگ اور روشنی کے گولے اسی خوشی میں چلائے جا رہے ہیں۔

یہ خبر مجاہدین پر بجلی بن کر گری اور وہ بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور پہاڑ دل مجاہدین کے سینے پھٹے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آنسوؤں کا طوفان تھما تو علی نیچے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

ضیاء الحق کی شہادت کی خبر آناً فاناً پورے مرکز میں پھیل گئی۔ مجاہدین روتے ہوئے' چیختے چلاتے ہوئے' دھاڑیں مارتے ہوئے علی کے کمرے کی طرف آ رہے تھے۔

کمرے کے اندر علی' عبدالرحمٰن' محمد اسلام درویش' ابو حامد سب رو رہے تھے اور باہر سینکڑوں مجاہدین تڑپ رہے تھے۔

آسمان نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجاہدین جن کے پورے پورے خاندان شہید

ہو گئے' جن کے لخت جگر مارے گئے' جن کے ماں باپ' بہن بھائی قتل کر دیئے گئے مگر ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے' آج ان کی آنکھوں سے آنسو بند نہ ہو رہے تھے۔ یہ منظر صرف علی کے مرکز ہی کا نہیں تھا' پورے افغانستان کا یہی حال تھا۔ ہر طرف آہ و بکا تھی' ہر طرف آنسو تھے۔

ایک بوڑھا مجاہد فیض خان کمرے کے اندر آیا اور اس نے علی سے کہا: ''کمانڈر صاحب! یہ غم ہم سب کے لئے بہت بڑا ہے۔ باہر مجاہدین کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ پتھروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر زخمی ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے انہیں جلد تسلی نہ دی تو وہ اس غم سے پاگل ہو جائیں گے' اس لئے آپ اُٹھیں اور انہیں تسلی دیں۔''

''فیض بابا! مجھ سے نہیں اٹھا جاتا' میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے' میں انہیں تسلی کیسے دوں' انہیں رونے دو۔''

یہ کہہ کر علی پھر اپنا سر ہاتھوں میں لے کر رونے لگا۔ ''اف اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا۔ میں پچھلے دس سال سے جہاد میں شریک ہوں۔ میں نے گاؤں کے گاؤں جلتے اور لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرتے دیکھا ہے۔ میں نے خون کی ندیاں بہتے دیکھی ہیں لیکن پہاڑوں کی طرح مضبوط مجاہدین کو کبھی آنسو بہاتے نہ دیکھا تھا۔'' فیض نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

چیف کمانڈر نے وائرلیس پر علی سے رابطہ قائم کیا۔ وائرلیس سیٹ کے قریب بیٹھے ہوئے مجاہد نے علی کو بتایا کہ چیف کمانڈر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ علی پیغام سننے کے لئے اُٹھا۔ کمانڈر صاحب نے کہا: ''تمہاری آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ ضیاء الحق کی شہادت کی خبر یہاں بھی پہنچ گئی ہے۔ میں نے اس لئے رابطہ قائم کیا ہے تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ پوری زندگی میں' میں بھی اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا جتنا اس خبر کو سن کر ہوا ہوں۔ یہ خبر سن کر ایک لمحے کو تو ایسا محسوس ہوا جیسے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو' جیسے بہت بڑا پہاڑ مجھ پر آ گرا ہو لیکن مجاہدین کو روتے اور بلکتے ہوئے جب دیکھا تو میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ ان کو تسلی دیتے دیتے پورا گھنٹہ لگ گیا۔ اب بھی اکثر رو رہے ہیں لیکن صورتحال بہتر ہے۔ پاکستان میں مہاجرین کے کیمپوں سے جو خبریں آ رہی ہیں' وہ بھی ایسی ہی ہیں۔ کیمپوں میں خواتین' بچے' مرد سب رو رہے ہیں۔ وہ عورتیں نوحہ کناں ہیں جو اپنے عزیزوں کی موت پر بھی آنسو بہانا بزدلی سمجھتی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے غم پر قابو پاؤ' ہمت اور حوصلہ سے کام لو اور مجاہدین کو تسلی دو۔ اگر تم نے صبر سے کام نہ لیا تو دشمن کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور مجاہدین حوصلہ ہار بیٹھیں گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب جنگ اُحد میں نبی کریمؐ کی شہادت کی خبر پھیلی تھی اور صحابہ کرامؓ

بد دل ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو سخت ناپسند کیا تھا۔ ضیاء ہمارا محسن ضرور تھا لیکن جہاد ہم نے اللہ کی خاطر شروع کیا تھا اور وہ حیی و قیوم ہے۔ جس اللہ نے ضیاء کو ہمارا دوست اور حامی و مددگار بنایا تھا' وہی اللہ کسی اور کو ہماری مدد کے لئے بھیج دے گا۔ اُٹھو اور مجاہدین کو تسلی دو اور ان کے جذبات کو آنسوؤں میں نہ بہنے دو۔ مراکز میں قرآن خوانی شروع کرا دو۔ میں نے ابھی دوسرے مراکز پر بھی دوسرے کمانڈروں سے بات کرنی ہے۔ کل میں ضیاء شہید کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے اسلام آباد روانہ ہو جاؤں گا۔ خدا حافظ۔''

چیف کمانڈر کی باتیں سننے کے بعد علی نے اپنے دل کو تسلی دی اور غار سے باہر نکلا۔ باہر مجاہدین بہت بڑی تعداد میں کھڑے اور بیٹھے رو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مرکز میں موجود سارے مجاہدین یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں اور مورچوں میں کوئی نہیں رہا۔ ہر طرف سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

علی نے کھڑے ہو کر مجاہدین کو آواز دی۔ علی کی آواز کا سننا تھا کہ وہ مجاہدین جو پہلے آہستہ آہستہ رو رہے تھے' وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان حالات میں علی مجاہدین سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا' ایک ایک کو تسلی دینا بھی بہت مشکل تھا۔ محمد اسلام نے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے تلاوت کلام پاک شروع کر دی۔ جوں جوں تلاوت کی آواز بلند ہوتی گئی' مجاہدین پر سکون طاری ہوتا گیا۔ تلاوت کے بعد علی خطاب کرنے لگا:

''میرے شیر دل مجاہدو! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔ ضیاء الحق وہ عظیم مجاہد تھا جو صدیوں بعد مسلمانوں میں پیدا ہوا' جس نے اپنے ایمان' تدبر' فراست اور جرأت و بہادری سے ہم جیسے کمزور لوگوں کے ذریعہ روس جیسی سپر اور مکار طاقت کو صدیوں بعد پہلی دفعہ شکست سے دوچار کیا۔ اس نے روسی بھارتی دھمکیوں کی پروا نہ کی اور ہماری ہر طرح کی مدد جاری رکھی۔ اس نے نہ صرف میدان جنگ میں ہماری لڑائی اپنی لڑائی سمجھ کر لڑی بلکہ سفارتی میدان میں بھی اس نے چالاک اور مکار روسی قیادت کو ناکوں چنے چبوائے اور عالم اسلام کو ہماری حمایت میں کھڑا کر دیا۔ دوستو! روس' بھارت' اسرائیل اور نجیب اللہ نے ضیاء کے خلاف جو سازش تیار کی تھی ہمیں ادھوری معلومات چند دن پہلے مل گئی تھیں لیکن یہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنا وار کر جائیں گے۔ دوستو! اس قدر نڈر مجاہد اور ایسے درویش صفت منکسر المزاج حکمران ملت اسلامیہ کی تاریخ میں کم ہی گزرے ہیں۔ وہ برصغیر کا اورنگزیب عالمگیر تھا' وہ افغانستان کا شہاب الدین غوری تھا' وہ عرب کا صلاح الدین ایوبی تھا۔ آج پہلی دفعہ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ وہ افغانستان کے اندر مختلف محاذوں پر ایک فوجی جرنل کی طرح دورے کرتا تھا اور کمانڈروں کو گوریلا جنگ کی ہدایات دیتا تھا اور کسی خطرے

کی کوئی پروا نہ کرتا تھا۔ دو سال پہلے جب میں خوست کے محاذ پر تھا کہ ایک دن مجھے چیف کمانڈر صاحب کا پیغام ملا کہ ایک انتہائی اہم شخصیت تمہارے محاذ پر آ رہی ہے۔ مجاہدین کو راستے کی حفاظت پر مختلف جگہوں پر لگا دیا جائے اور پہاڑ کے اوپر تمہارے مورچے میں تمہارے علاوہ کوئی اور مجاہد نہیں ہونا چاہئے اور نہ کسی کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی اہم شخصیت آ رہی ہے۔ میں سمجھا کہ شاید مجاہدین کا کوئی رہنما آ رہا ہے۔ میں انتظامات مکمل کرنے کے بعد پہاڑ کے اوپر بیٹھا ہوا دوربین سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ گھوڑوں پر سوار چند افراد پر مشتمل ایک قافلہ انتہائی خطرناک راستوں پر سے گزرتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ لوگ گھوڑوں سے اُترے اور پیدل پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب وہ لوگ قریب پہنچے تو میں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ قافلے میں آنے والے مہمان نے جب میرے ساتھ ہاتھ ملایا اور میں نے غور سے دیکھا تو وہ ضیاء الحق صاحب تھے۔ وہ بالکل افغانی معلوم ہو رہے تھے اور میں دور سے بالکل نہ پہچان سکا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پاکستان کا سربراہ اتنے خطرناک اور دشمن کے اتنے قریب محاذ پر بھی آ سکتا ہے۔ انہوں نے میرا حال ایسے پوچھا جیسے وہ میرے باپ ہوں۔ جہاد کرنے پر میری تعریف کی۔ جب میں نے محاذ کی صورتحال اور آئندہ کا پروگرام ان کے سامنے رکھا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ مجھے گلے لگا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں مختلف مشورے دیئے اور یہ کہہ کر چل پڑے۔ ''اگر مجھے دوسرے محاذ پر نہ جانا ہوتا تو میں مزید تمہاری باتیں سنتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب و کامران کرے۔ کبھی زندگی میں حوصلہ نہ ہارنا۔ فتح یقیناً اُن کا مقدر بنتی ہے جو اللہ کی راہ میں ڈٹ جاتے ہیں اور کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔'' ان کے جانے کے بعد میں سوچنے لگا کہ کتنا عظیم جرنیل ہے' کتنا بے خوف مجاہد ہے' کس قدر بہادر سپہ سالار اور فرشتہ صفت حکمران ہے۔ اس کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ملت اسلامیہ کے چند بڑے اور اچھے حکمرانوں میں پائی جاتی تھیں۔''

یہ کہنے کے بعد علی کی آواز رندھ گئی' وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار رونے لگا۔

مجاہدین بھی ایک دفعہ پھر پہلے کی طرح تڑپنے اور رونے لگے۔ ان کے سامنے یہ حقیقت پہلی بار آئی تھی کہ ضیاء الحق بھی ایک مجاہد کی طرح افغانستان میں آ کر لڑتا رہا ہے۔ یہ حقیقت جان کر اس عظیم محسن کی جدائی کا غم مزید بڑھ گیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر عبدالرحمٰن اُٹھا اور مجاہدین سے مخاطب ہوا: ''میرے عظیم مجاہد ساتھیو! میری بات غور سے سنو۔ دشمن نے ضیاء الحق کو ایک سازش کے تحت قتل کرایا ہے تاکہ وہ ہمارے حوصلے پست کر سکے اور اگر آپ لوگ یونہی روتے رہے تو اس کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور ہم جیتی ہوئی

بازی ہار جائیں گے۔ دیکھ نہیں رہے کہ دشمن خوشیاں منا رہا ہے اور ہم ابھی تک رو رہے ہیں۔ ضیاء الحق کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس کے مشن کو زندہ رکھیں یعنی کابل کی آزادی کے مشن کو' مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے مشن کو' فلسطین کی آزادی کے مشن کو' روسی ترکستان کی آزادی کے مشن کو اور عالم اسلام کے اتحاد کے مشن کو۔ دوستو ہمارا دشمن نہ صرف بزدل ہے بلکہ کمینہ بھی ہے۔ افغانستان کے کوہساروں میں جب اس نے عبرتناک شکست کھائی تو کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شکست کا بدلہ جنگ کے فاتح ضیاء الحق کو سازش کے تحت شہید کرا کے لیا۔ آؤ اس موقع پر ہم سب مل کر عہد کریں کہ عظیم مجاہد اور شہید اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہیں گے۔"

اس کے بعد درویش خان آیا اور کہنے لگا: "دوستو! ہم خداوند کے حضور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ضیاء الحق کے خون کا بدلہ ہم پر قرض ہے' اگر ہم اپنی زندگیوں میں اسے نہ اتار سکے تو ہماری اگلی نسلیں اس خون ناحق کا انتقام ضرور لیں گی۔"

مجمع سے ایک مجاہد اُٹھ کر بولنے لگا: "کمانڈر صاحب! دشمن خوشیاں منا رہا ہے اور اس کی طرف سے کئے جانے والے ہر ہوائی فائر کی آواز ہمارے دل پر گولی کی طرح لگ رہی ہے' ہمیں اجازت دیں کہ ہم دشمن کو آج ہی رات سبق سکھا دیں۔ شاید اس طرح ہمارا غم بھی ہلکا ہو جائے۔"

اس مجاہد کی بات کی سب مجاہدین نے زور زور سے نعرے لگا کر تائید کی۔ علی نے اُٹھ کر کہا: "دوستو! میں بھی آپ کے اس فیصلہ کی تائید کرتا ہوں لیکن ہمیں سوچنے کیلئے کچھ وقت دیں' اپنے اپنے مورچوں میں چلے جائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آج رات کسی وجہ سے حملہ نہ ہو سکا تو کل دشمن کو ضرور خون میں نہلایا جائے گا۔"

مرکز میں موجود تمام اہم مجاہدین اور کمانڈروں کی میٹنگ بلائی گئی اور تبادلہ خیال کے بعد فیصلہ ہوا کہ حملہ کیا جائے گا۔ دوسرے مراکز کو بھی حملہ میں حصہ لینے کے لئے کہا گیا۔

دوسرے دن سورج غروب ہوتے ہی دو ہزار سے زیادہ مجاہدین نے چھاؤنی پر تین اطراف سے حملہ کر دیا اور ایک طرف دشمن کے بھاگنے کے لئے خالی چھوڑ دی گئی۔

مجاہدین کا چھاؤنی پر حملہ اس قدر اچانک اور تباہ کن تھا کہ دشمن ایک لمحہ کو بھی سنبھل کر مقابلہ نہ کر سکا اور رات بارہ بجے بھاگ کھڑا ہوا۔ چھاؤنی کی طرف سے گولہ باری بند ہو گئی۔ مجاہدین نے کچھ دیر گولہ باری جاری رکھی۔ اس کے بعد مجاہدین بڑے محتاط ہو کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ چھاؤنی کے قریب جا کر علی نے مجاہدین سے کہا کہ صبح سے پہلے کوئی مجاہد چھاؤنی میں داخل نہ ہو' کہیں ایسا نہ ہو

کہ دشمن نے کوئی جنگی چال چلی ہو اور ہم اس میں پھنس جائیں۔

صبح کے وقت جب مجاہدین چھاؤنی میں داخل ہوئے تو ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ اکثر بیرکیں تباہ ہو چکی تھیں۔ دو سو سے زیادہ فوجی جو زمین دوز کنکریٹ کے بنے ہوئے مورچوں میں چھپے ہوئے تھے' انہوں نے بھی فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔

بارودی سرنگوں سے کئی مجاہدین شہید جبکہ سینکڑوں زخمی ہوئے۔ دشمن کی گولہ باری سے بھی چالیس مجاہدین شہید ہوئے۔

کیپٹن عبدالستار مجاہدین کے ہم خیال کئی فوجی افسروں کے ساتھ علی کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ آپ کی طرف سے حملہ کی اطلاع کے بعد مجاہدین کے حامی افسروں نے بہت کام کیا۔ حملہ کے بعد کمیونسٹ فوجیوں کے حوصلے پست کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ رات کو بارہ بجے کے بعد ہم نے کمیونسٹ افسروں سے کہا کہ وہ اب یہاں سے چلے جائیں ہم مجاہدین کا مقابلہ کریں گے۔ اس طرح ہم نے انہیں یہاں سے بھگا دیا۔ اس کے بعد دوسرے کمیونسٹ فوجی بھی بھاگ اُٹھے۔

کیپٹن عبدالستار نے بتایا کہ ضیاء کی شہادت کا سن کر یہاں کمیونسٹ فوجیوں نے جشن منایا۔ پوری رات شراب چلتی رہی اور ناچ گانا ہوتا رہا۔ کمیونسٹوں کو میں نے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا جتنا ضیاء کی شہادت پر دیکھا جبکہ مجاہدین کے حامی فوجی پوری رات روتے رہے یا پھر اللہ سے دعائیں مانگتے رہے۔

اتنی بڑی' اس قدر جلد اور غیر متوقع فتح پر مجاہدین بہت خوش تھے۔ مجاہدین نے چھاؤنی کو فتح کرنے کے لئے حملہ نہیں کیا تھا' وہ تو صرف کمیونسٹوں کو ضیاء کی شہادت پر جشن منانے پر سبق سکھانا چاہتے تھے۔

چھاؤنی سے بہت بڑی مقدار میں اسلحہ ہاتھ آیا' اسلحہ میں بڑی توپیں' ٹینک' بکتر بند گاڑیاں' ٹرک اور گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ بھی شامل تھا۔ اسلحہ کے علاوہ کپڑے اور سامان خورد ونوش جو ہاتھ آیا اس کی مقدار بھی بہت زیادہ تھی۔ تیس سے زیادہ تو پٹرول سے بھرے ہوئے آئل ٹینکر بھی ہاتھ آئے۔

مجاہدین رات بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ علی نے چند مجاہدین کو پہرے کی ڈیوٹی سونپی اور باقی کو آرام کرنے کا کہا۔

دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا جب دشمن کے بیس سے زیادہ طیارے نمودار ہوئے اور بارش کی طرح بم برسانے لگے۔ اس سے پہلے کہ مجاہدین محفوظ جگہوں پر چھپ سکتے' سو سے زیادہ مجاہد شہید ہو گئے اور اڑھائی سو سے زیادہ زخمی۔ علی بھی شدید زخمی ہو چکا تھا۔ باقی مجاہدین نے کنکریٹ کے بنے ہوئے زمین دوز مورچوں میں پناہ لی۔

بمباری صبح گیارہ بجے شروع ہوئی اور رات تک بغیر وقفہ کے جاری رہی' اس دوران میں مجاہدین کی طیارہ شکن توپیں بھی مسلسل آگ اگلتی رہیں مگر طیارے بہت اونچائی سے بمباری کر رہے تھے' اس کے باوجود پانچ طیارے مار گرائے گئے۔

بمباری صرف چھاؤنی پر نہیں ہو رہی تھی بلکہ چھاؤنی سے ملحق قصبہ پر بھی ہو رہی تھی۔ شہریوں کا نقصان مجاہدین سے کہیں زیادہ تھا۔ شام تک قصبہ مکمل کھنڈر بن چکا تھا اور محتاط اندازے کے مطابق پانچ سو سے زیادہ عورتیں' بچے اور مرد شہید اور اس سے زیادہ زخمی ہو چکے تھے۔

بہت زیادہ خون بہنے سے علی کی حالت لحہ بہ لحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ علی کو پہلی دفعہ چھاؤنی پر قبضہ کرنے کا افسوس ہوا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود زخمی ہو گیا تھا بلکہ اس لئے کہ اس قبضہ کی وجہ سے انسانی جانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ مزید انسانی جانوں کی قتل و غارت گری روکنے کے لئے علی نے چھاؤنی خالی کرنے کا فیصلہ کیا اور مجاہدین سے کہا کہ اندھیرا پھیلتے ہی واپس مرکز چلیں۔ جانے سے پہلے چھاؤنی کو مکمل طور پر تباہ کر دیں تاکہ دشمن اسے دوبارہ استعمال کے قابل نہ بنا سکے۔

مرکز پہنچتے پہنچتے علی بے ہوش ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر اسے بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ دو دن گزر گئے مگر علی اب بھی بے ہوش تھا۔ مرکز میں مجاہدین بہت پریشان تھے۔ ضیاء کی شہادت کے بعد علی کا اس قدر زخمی ہو جانا مجاہدین کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا۔ ہر مجاہد علی کی جلد صحت یابی کے لئے دُعا کر رہا تھا۔ وہ مجاہد جو خود زخمی تھے' وہ بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ ہماری زندگی بھی ہمارے کمانڈر کو لگا دے۔ زبیدہ بھی بہت پریشان تھی اور وہ بھی دن رات دعائیں مانگ رہی تھی۔

عبدالرحمٰن جو اب علی کی جگہ قائم مقام کمانڈر کے فرائض انجام دے رہا تھا' علی کے بستر کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی محمد اسلام درویش' ابوحامد اور کیپٹن عبدالستار بھی بیٹھے تھے۔ سب کے لبوں پر ایک ہی دعا تھی ''یا اللہ علی کو صحت یاب کر دے۔''

علی کو بے ہوش ہوئے یہ چوتھا دن تھا جب چیف کمانڈر اور خلیل یکے بعد دیگرے کمرے میں داخل ہوئے۔

چیف کمانڈر کو جونہی علی کے زخمی ہونے کا پتا چلا وہ فوراً چلا آیا۔ خلیل بھی علی کے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا تھا لیکن علی کو یوں زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔

چیف کمانڈر کو چھاؤنی پر اتنا بڑا حملہ اس کی بغیر اجازت اور مشورہ کے کرنے پر بہت غصہ تھا مگر اس نے اپنے غصہ کا اظہار کرنے کے بجائے مجاہدین کو حوصلہ اور تسلی دیتے ہوئے کہا: ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں' جنگ میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ دشمن کے نقصان کی طرف دیکھو جو تم سے کئی گنا زیادہ ہے اور جس

چھاؤنی کو قبضہ کے بعد تم نے خالی کیا ہے' اب دشمن وہاں کبھی نہیں آئے گا۔ آپ نے اس چھاؤنی کو فتح کر کے دشمن کی کمر توڑ کے رکھ دی ہے اور صوبائی دارالحکومت کی فتح کو آسان کر دیا ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں جب ہم کابل کا محاصرہ کر کے دشمن کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں گے۔''

پانچویں دن علی نے آنکھیں کھولیں۔ قریب بیٹھے مجاہدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ علی نے چیف کمانڈر کو دیکھا اور آہستہ آہستہ کہا: ''کمانڈر صاحب!..........
میں..........بہت..........شرمندہ..........ہوں..........میری..........وجہ سے..........
مجاہدین کا بہت..........نقصان ہوا''

''علی بیٹے! میں تو تمہیں اتنی بڑی فتح پر مبارکباد دینے آیا ہوں۔ تمہاری اس فتح نے تو کابل فوج کے حوصلے پست کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اتنی بڑی فتح کے لئے مجاہدین کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا' تم ٹھیک ہو جاؤ۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔'' کمانڈر نے علی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

خلیل جو کچھ دور کھڑا تھا آگے بڑھ کر علی کے پاس چلا آیا اور حال پوچھنے لگا: ''علی بھائی جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''خلیل تم کب آئے' اچھا ہوا تم آ گئے۔ میرا دل تمہیں ملنے کو بہت چاہ رہا تھا۔'' اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ علی پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

ایک گھنٹے بعد علی نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ مجاہدین کو اشارہ کیا کہ وہ باہر چلے جائیں۔ کمرے میں اب صرف خلیل' عبدالرحمٰن اور چیف کمانڈر صاحب تھے۔

علی نے خلیل سے پوچھا: طاہرہ کیسی ہے اور تم کیسے آئے ہو؟

خلیل: میں تو آپ کے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا تھا۔

علی: کیا؟

خلیل: میں چچا بن گیا ہوں۔

علی: مبارک ہو..........کب چچا بنے..........کیا نام رکھا ہے..........اپنے بھتیجے یا بھتیجی کا۔

خلیل: حسن

علی: بہت اچھا نام ہے۔ واپس جا کر طاہرہ کو میری طرف سے مبارکباد دینا۔

چیف کمانڈر اور عبدالرحمٰن نے بھی علی کو مبارکباد پیش کی۔ علی نے کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کھولیں اور کمانڈر صاحب کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علی: کمانڈر صاحب!..........آپ نے..........مجھے..........بیٹوں کی..........طرح چاہا..........میں زندگی کے

آخری لمحات میں...... آپ کا...... شکریہ...... کس زبان...... سے...... ادا کروں۔

کمانڈر: نہیں علی بیٹا' آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ سارے مجاہدین تمہارے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔

علی: کمانڈر صاحب! مجھے وہ منزل...... اب بہت...... قریب...... نظر آ رہی ہے' جس کا مجھے...... مدتوں سے...... انتظار تھا...... میں آپ کی دُنیا...... میں صرف چند لمحات...... کا مہمان ہوں...... میری آپ سے...... گزارش ہے...... میرے بعد میرے بھائی عبدالرحمٰن...... خلیل...... بہن زبیدہ...... اور طاہرہ کا...... خیال رکھنا انہیں تنہا ہونے کا...... احساس نہ ہونے دینا۔

کچھ دیر کے لئے رکا جیسے باتیں کرتے کرتے تھک گیا ہو' پھر عبدالرحمٰن سے کہا: ''میرے دوست! جب اپنی بہن...... کے پاس...... جاؤ تو میری طرف سے...... اسے سلام کہنا...... اور اس کا خاص خیال رکھنا...... اسے تاکید کرنا...... کہ حسن کی اس طرح تربیت کرے...... کہ وہ ایک...... اچھا مجاہد بنے...... مجھے طاہرہ سے...... آخری لمحات میں...... نہ ملنے کا دُکھ ہے...... مگر مجھے خوشی بھی ہے...... کہ اللہ نے...... اسے حسن کی صورت میں...... ایک بچہ دے...... دیا ہے...... جس سے یقیناً...... اسے اپنے دکھ...... پر قابو پانے...... میں مدد...... ملے گی۔

پھر رکا اور خلیل کی طرف اشارہ کیا۔ خلیل بھی قریب آ گیا۔ علی پہلے ہی رک رک کر بول رہا تھا' اب اس کی آواز بھی بہت مدھم ہو چکی تھی۔ خلیل کو آواز سننے کے لئے اپنے کان اس کے چہرے کے قریب کرنے پڑے۔ اس نے خلیل سے کہا: ''میرے پیارے بھائی!...... تم جہاد میں...... شریک...... ہونا چاہتے تھے نا...... اب میری طرف سے...... اجازت ہے...... میں چاہتا ہوں...... میرے بعد بھی...... میرے خاندان کا...... کوئی نہ کوئی فرد جہاد میں شریک رہے...... دیکھو خلیل...... جہاد میں...... بڑی بڑی...... مشکلات...... آئیں گی...... کبھی ہمت نہ ہارنا...... ہمیشہ اللہ پر...... بھروسہ رکھنا...... کامیابی تمہارے...... قدم چومے گی۔...... اپنی بھابی...... طاہرہ...... کا...... خیال رکھنا...... عبدالرحمٰن...... کو ہمیشہ اپنا بڑا...... بھائی سمجھنا۔''

علی کچھ دیر کو خاموش ہوا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ سب سمجھے کہ شاید پھر بے ہوش ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد لب ہلے۔ بہت ہی مدھم آواز سنائی دی۔ یا اللہ مجاہدین کو فتح و نصرت دے......

اللہ اکبر...... لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... لب پھر خاموش ہو گئے۔ پورے کمرے میں ایک عجیب وغریب خوشبو پھیل گئی۔ ایسی خوشبو جو آج تک نہ کسی نے دیکھی تھی نہ سونگھی تھی۔ کمرے میں ہر کوئی ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ یہ خوشبو کہاں سے آ گئی ہے۔ خوشبو کمرے کے باہر بھی پھیل چکی تھی اور کمرے کے باہر مجاہدین بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ یہ ان پھولوں کی خوشبو نظر نہیں آتی' یہ تو بہت ہی مسحور کن ہے جو ہم نے ان پہاڑوں میں کہیں نہیں دیکھی۔ ایک مجاہد نے کہا: ''میں خوشبوؤں کا کاروبار کرتا رہا ہوں اور میرے سٹور میں ہر قسم کی خوشبوئیں ہوتی تھیں' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خوشبو بالکل نرالی ہے۔''

کمرے میں ڈاکٹر جو علی کا معائنہ کر رہا تھا' اس کے ہاتھ رک گئے اور سب نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لئے۔ عبدالرحمٰن اور خلیل کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ کمانڈر نے دونوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''کیا تم نے یہ خوشبو نہیں سونگھی' شہداء کی روحیں اور فرشتے یہ خوشبو جنت سے لے کر علی کے استقبال کو آئے تھے اور وہ یہ خوشبو اس کی راہوں میں چھڑکتے ہوئے اسے جنت میں لے جا رہے ہیں' تم لوگ آنسوؤں کے بجائے علی کو خوشی سے رخصت کرو اور اس کی راہ پر چلنے کا عہد کرو۔''

علی کی شہادت کی خبر جونہی کمرے کے باہر پہنچی وہاں پھر وہی آہ و بکا شروع ہو گئی جس کو کم کرنے کے لیے علی نے چھاؤنی پر حملے کا فیصلہ کیا تھا۔

علی کی شہادت سے تاریخ جہادِ افغانستان کا ایک باب ختم ہو گیا۔ طاہرہ کو علی کی جدائی کا شدید صدمہ پہنچا مگر اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ حسن کو بھی علی ہی کی طرح کا مجاہد بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ زبیدہ کو طاہرہ کے پاس پاکستان بھیج دیا گیا۔ محمد اسلام کی روسی مسلمان مجاہدین سے رابطہ کی ذمہ داری لگائی گئی۔ اس نے اپنی صلاحیتوں سے روس کے مسلم علاقوں میں بیداری کی لہر پیدا کر دی۔ عبدالرحمٰن نے علی کی جگہ سنبھال لی۔ خلیل کم عمر ہونے کی وجہ سے علی کی طرح کمانڈر تو نہ بن سکا مگر جاسوس بن کر کے جی بی اور خاد کے دفاتر میں وہ تباہی مچائی کہ خاد کے ایجنٹ اس کا نام سن کر کانپنے لگ جاتے۔

